رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور

خلفائے رسول

مصنف
پروفیسر محمد اکرم رضا

دارالقلم
جامعہ مسجد چشمہ رحمت
اولڈ بری روڈ سنیبک B66 1NH
07542608685



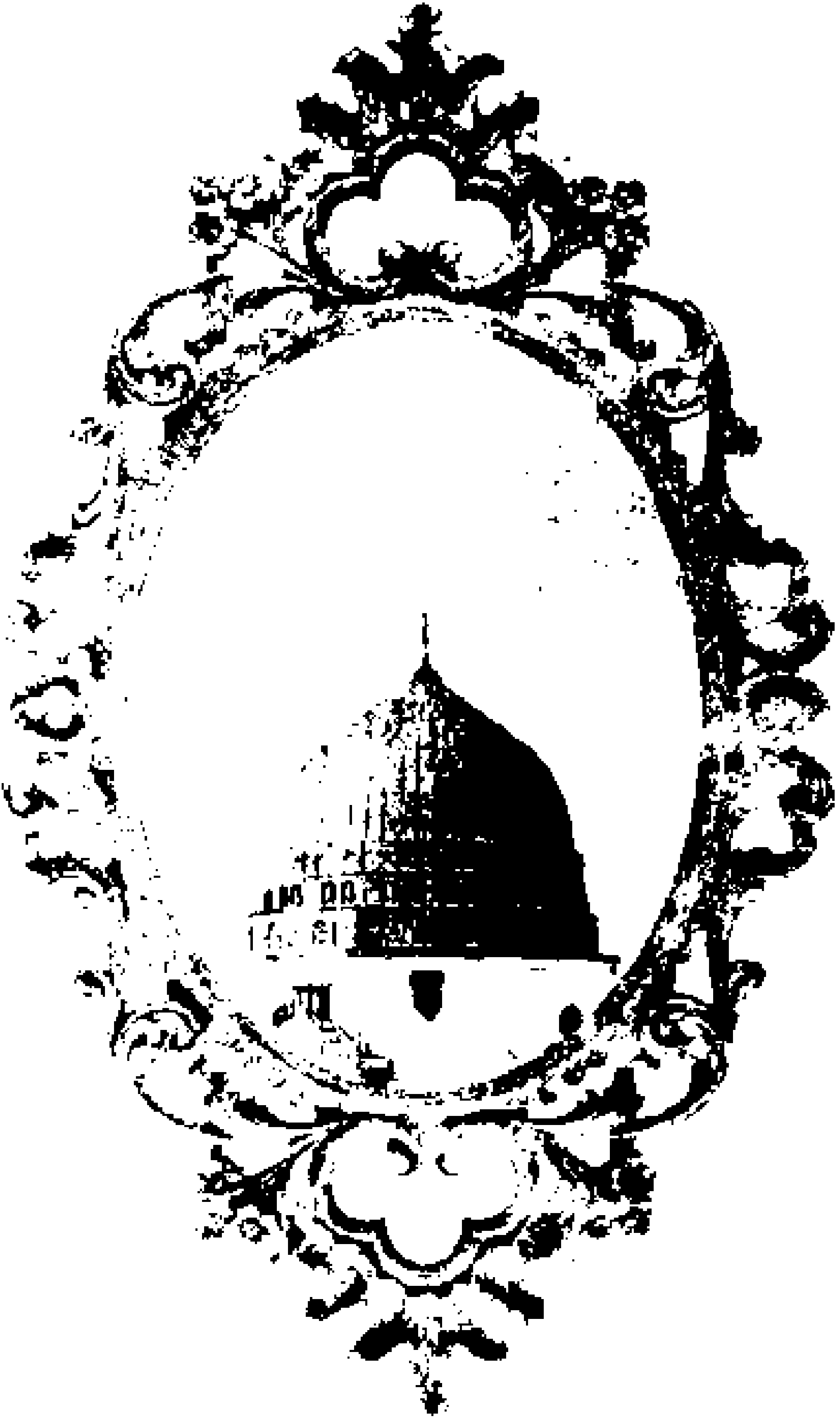
مَولَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا — عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

هُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ — لِکُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ — وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَهَا — وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

مکتبہ حنفیہ • قادری رضوی کتب خانہ • لاہور



رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اور

خلفائے رسول

مُصنّف

پروفیسر محمد اکرم رضا

دارالقلم

جامعہ مسجد چشمہ رحمت

اولڈ بری روڈ سنیبک B66 1NH 07542608685

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب ...---.---... رسولِ معظم اور خلفائے راشدین

مصنف ...---.---... پروفیسر محمد اکرم رضا

جذباتِ تشکر ...---.---... رانا محمد نعیم اللہ خاں قادری ایم اے بی ایڈ

اشاعت اوّل ...---.---... 2010ء

صفحات ...---.---... 600

تعداد ...---.---... 1100

کمپوزنگ ...---.---... عزیز کمپوزنگ سنٹر لاہور 0344-4996495

زیر نگرانی ...---.---... چوہدری محمد خلیل قادری

تحریک ...---.---... محمد عاطف جبار

ناشر ...---.---... چوہدری محمد عبدالقیوم

قیمت ...---.---... -/350 روپے

ملنے کے پتے

☆ دارالقلم جی ٹی روڈ سرائے عالمگیر

☆ مکتبہ فکر اسلامی انارکلی کھاریاں گجرات

☆ مکتبہ الفضل سرائے عالمگیر

☆ قادری رضوی کتب خانہ گنج بخش روڈ لاہور

☆ مکتبہ حنفیہ گنج بخش روڈ لاہور

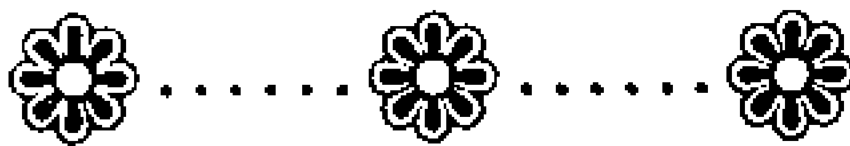
انتساب

والدین کریمین کے نام

کہ جن کے حسنِ تربیت نے میرے قلم کا رُخ نظریاتی سرفرازی، فروغِ دین اور محبت رسول ﷺ کی طرف موڑ دیا۔

عقیدت شعار

پروفیسر محمد اکرم رضا



فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	تقدیم۔ڈاکٹر محمد آصف قادری	5
2	اعترافِ عظمت۔صاحبزادہ شبیر احمد کمال عباسی	21
3	جذباتِ عقیدت بحضور رسول محتشم ﷺ	25
4	حرف نیاز	27
5	آفتاب نبوت	38
6	وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ	65
7	جان ہیں وہ جہان کی	77
8	عظمت وشانِ مصطفیٰ ﷺ (غیر مسلموں کی نظر میں)	85
9	معراج النبی ﷺ	133
10	خلفائے رسول معظم ﷺ	154
11	اصحابِ رسول (رضی اللہ عنہم)	155
12	خلیفہ اوّل حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	157
13	منقبت (حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ)	158
14	جانشینِ مصطفیٰ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ	159
15	مالی ایثار کا ایمان آفریں واقعہ	162
16	غیر معمولی جذبۂ عشقِ رسول	164
17	جانِ صدیق آقا پر نثار	166

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
170	خطابِ اوّل	18
174	راہِ ایمان میں ثابت قدمی	19
179	شانِ صدیق (رضی اللہ عنہ)	20
181	آزمائشیں اور ایمانی سرفرازی	21
182	خودداری	22
183	انفاق فی سبیل اللہ	23
185	رقتِ قلب	24
186	فراستِ ایمانی	25
187	احتسابِ نفس	26
188	خوفِ خداوندی	27
190	زہدوورع	28
191	انکسار	29
193	حسنِ خُلق	30
194	شجاعت	31
195	نرمی وشفقت	32
196	مزاح	33
197	مخلوق کے حقوق کی پاسداری	34
198	معمولات کی پابندی	35
199	سرمایۂ یقین ہے اُلفت رسول اللہ کی	36

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
37	اہلِ بیت کے ساتھ محبت	202
38	کاتبِ وحی	203
39	نبوت اور خلافت میں امتیاز	203
40	مساوات	204
41	عدل وانصاف	205
42	تجدید واصلاح	207
43	فہمِ قرآن وعلمِ حدیث	208
44	خطابت	215
45	انتہائی معاملہ فہمی	216
46	خُدا اور رسولِ خُدا کے محبوب	217
47	آزمائش اور ایمانی سرفرازی	218
48	حسنِ تدبر	220
49	واقعہ غارِ ثور	223
50	اُسوۂ صدیقی	228
51	خصائص	229
52	صدیق کا لقب	231
53	شادیاں	231
54	تجارت سے لگاؤ	232
55	مسجدِ نبوی کی تعمیر	235

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
56	سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بطور سرخیلِ تصوف	236
57	وفات	241
58	عفیفۂ کائنات اُمّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا)	246
59	حضرت عبداللہ بن صدیقِ اکبر (رضی اللہ عنہ)	265
60	حضرت عبدالرحمٰن بن صدیقِ اکبر (رضی اللہ عنہ)	271
61	خلیفہ دوم حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ	281
62	منقبت (سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ)	282
63	امیر المومنین سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	283
64	فرشتوں نے خوشی منائی	287
65	چراغ اہلِ جنت	288
66	حضور (ﷺ) عمر کے ساتھ ہیں	289
67	حسنین رضی اللہ عنہ کو مقدم سمجھا	291
68	مکتوب بنام نیل	292
69	یا ساریۃ الجبل	293
70	مالی ایثار	297
71	محبتِ رسول ﷺ	300
72	فرض شناسی	307
73	معیارِ خلافت	310
74	عظمتِ انسانیت	317

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
75	وصال	326
76	فاروق اعظم رضی اللہ عنہ صحابہ کی نظر میں	328
77	شیر خدا رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	331
78	عدلِ فاروقی کی عظیم مثال	335
79	حضرت عمر رضی اللہ عنہ مستشرقین کی نظر میں	338
80	عمر رضی اللہ عنہ پر غیر مسلم مورخین کے اعتراضات اور ان کے جوابات	344
81	ام المومنین حضرت سیّدہ حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ عنہا	357
82	حضرت عبداللہ بن عمر بن حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما	367
83	خلیفہ سوم سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ	375
84	منقبت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ	376
85	حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ	377
86	قبولِ اسلام پر شدائد و مصائب	380
87	اوّلیاتِ عثمان	388
88	شورش کے اسباب	392
89	محاصرہ	394
90	پانی کی بندش	395
91	فرزندانِ علی و طلحہ و زبیر کا پہرہ (رضی اللہ عنہم)	396
92	تاریخ شہادت اور عمر شریف	397
93	حضرت علی اور دیگر صحابہ کے المناک تاثرات	398

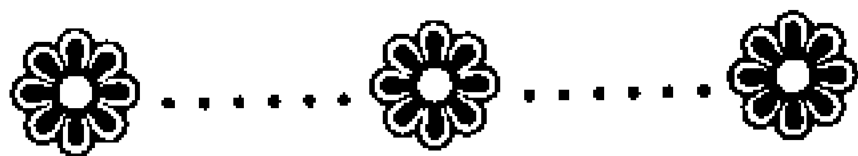
نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
94	آپ کی شہادت کے دوررس نتائج	399
95	حضرت حسّان رضی اللہ عنہ بن ثابت کا مرثیہ	400
96	ازواج واولاد	404
97	آپ کے خطوط	405
98	حادثۂ قتل کی تحقیق	410
99	سلام مظلوم مدینہ	411
100	سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ فضائل ومحاسن کے تناظر میں	414
101	خوفِ خدا	415
102	محبتِ رسول	416
103	خدمتِ رسول	417
104	احترامِ رسول	417
105	اطاعت	417
106	شرم وحیاء	418
107	انکساروتواضع	418
108	ذریعۂ معاش	419
109	مال وجائیداد	419
110	عبادت	420
111	دامادئ رسول اللہ (ﷺ)	420
112	نائب کی حیثیت سے	422

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
113	سفیر کی حیثیت سے	422
114	کاتب کی حیثیت سے	424
115	قیادت عساکر نبوی	425
116	خدمت امہات المومنین	426
117	شکل وصورت	426
118	احسن الناس۔اجمل الناس	427
119	صبر وشکر	428
120	فہم وفراست	429
121	حفظِ قرآن	430
122	نمونۂ اخلاقِ رسول	433
123	جود وسخا	433
124	فقہ واجتہاد	435
125	روایتِ حدیث	436
126	اتباعِ سنت	437
127	تقریر وخطابت	439
128	پیکرِ حیا	440
129	حبیبِ خدا کے حبیب	441
130	سیرتِ عثمان رضی اللہ عنہ	442
131	خلیفہ چہارم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	453
132	منقبت (سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ)	454

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
457	قبولِ اسلام	133
458	رسولِ محترم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت فرمانا	134
459	اشاعتِ اسلام میں نبی کریم ﷺ کی معاونت	135
460	ہجرتِ رسولِ اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت	136
461	سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے نکاح	137
462	ابُو تراب	138
463	مقامِ علی قرآن کی نظر میں	139
468	قائم مقامِ عمر (رضی اللہ عنہ)	140
469	بابِ مدینۃ العلم	141
471	دلیری اور شجاعت	142
473	اہلِ بیت	143
474	تعلق مؤاخات	144
475	حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک حسین روایت	145
476	مومن اور منافق کی پہچان	146
477	دورِ خلافت	147
481	شہادت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	148
491	اقوالِ حکمت	149
493	عظیم شخصیت	150
495	ازواج واولاد	151

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
152	حضرت علی رضی اللہ عنہ اور محبتِ رسول	495
153	عبادات	496
154	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کمالِ خطابت	498
155	استسقاء کی دعا	502
156	حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے نام وصیت	503
157	حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انعاماتِ ربانی	508
158	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ اقتدار اور آزمائشیں	512
159	جنگِ صفین کی اہمیت	522
160	دین کے نام پر دین کے باغی	523
161	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصافِ حسنہ	529
162	**خلیفۃ المسلمین حضرت سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ**	535
163	منقبت (سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ)	536
164	سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ	537
165	راکبِ دوشِ رسول	539
166	شبیہِ رسول	540
167	خوشبوئے رسول	540
168	اخلاقِ عالیہ	542
169	نصاریٰ سے مباہلہ اور آپ کی شرکت	545
170	پیدل حج	548

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
550	آپ کی خلافت اور دستبرداری	171
553	شرائطِ صلح	172
555	امام عالی مقام کی دنیا سے رخصتی	173
561	خلفائے راشدین خصائل عالیہ کے آئینے میں	174
563	خلفاء کا بلند کردار	175
567	فلاحی ریاست کا تصور	176
573	مناقب خلفائے رسول معظم ﷺ	177
574	امیر المومنین سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	178
580	امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ	179
584	امیر المومنین سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ	180
588	امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ	181
591	امیر المومنین سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ	182
595	مآخذ و مراجع	



تقدیم

خلافتِ راشدہ اور فکرِ رضا کی تحقیقی پرواز

خلفائے راشدین تاریخِ اسلام کا اعزاز تھے۔ وہ اسوۂ رسول ﷺ کی انتہائی دلکش تصویر تھے۔ ان کا ہر عمل عظمتِ رسول ﷺ کی تصویر تھا۔ ان کا ذوق وشوق ان کے روشن کردار کی گواہی تھا۔ ان کی ایک جھلک دیکھنے سے محبوبِ دوجہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جلوہ کاریاں سامنے آ جاتی تھی۔ وہ کافروں کیلئے ہیبت و جبروت کے پیکر تھے کہ جبکہ اپنوں کیلئے وہ محبت واخوت کی دلگداز تصویر تھے۔ انہوں نے حضور رحمۃ للعالمین کو جی بھر کے دیکھا تھا۔ ان کی سماعت سرکارِ دو عالم کی تکلم باریوں سے آباد تھی تو ان کی بصارت میں جمالِ حضور ﷺ کے انوار رچے بسے تھے۔ وہ رحمت کے پیکر، اخوت کے مظہر، عدل وانصاف کے مخزن، جودوسخا کے مرکز اور دلیری وشجاعت کے مظہر تھے۔ بلاشبہ انہیں یہ مقام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انتہائی پاکیزہ مجالس میں رُشد وہدایت کے جواہرِ بے بہا اپنے دامن میں سمیٹتے ہوئے ملا تھا۔

وہ چلتے تھے تو اک تاریخ ان کے ساتھ چلتی تھی
انہی کے سائے میں حالات کی تصویر ڈھلتی تھی
ہوں صدیقؓ و عمرؓ عثمانؓ علیؓ یا کہ حسنؓ ہوں وہ
انہی کے نام پر تاریخ اپنا رُخ بدلتی تھی

رسولِ معظم ﷺ کی تجلیات ہوں یا ان سے فیضیاب ہونے والے خلفائے راشدین، زیرِ نظر کتاب میں آپ کو تاریخ اسلام کی نا قابلِ فراموش جلوہ کاریاں ملیں گی۔ وہ جلوہ کاریاں جن سے فاضل مصنف محمد اکرم رضا نے تاریخ و تحقیق کے امتزاج سے ایک ایوانِ نور کی طرح ڈالی ہے۔

تصنیف و تالیف، نظم و نثر اور فکر و ادب کے حوالے سے رضا صاحب کا نام محتاجِ تعارف نہیں۔ آج آپ کا شمار وطنِ عزیز کے ان فرزندانِ روزگار میں ہوتا ہے جن کی تحریریں تواتر سے رسائل و جرائد کی زینت بن رہی ہیں۔ ان کا قلم صداقت کے گلہائے رنگا رنگ صفحۂ قرطاس پر منتقل کرتا ہے۔ آپ نثر و نظم میں یکساں روانی سے لکھ رہے ہیں۔ اس حقیقت کا اظہار بذاتِ خود خوش آئند ہے کہ آج ان سے ادبی خوشہ چینی کرنے والے الگ سے اپنا ادبی مقام منوا رہے ہیں۔ نعت اور تنقیدِ نعت کے حوالے سے انہوں نے جو کچھ لکھا وہ تاریخِ ادب کا بہت بڑا سرمایہ ہے۔ چالیس سال سے زائد عرصہ سے نعت لکھ رہے ہیں۔ قدرت نے ادب پیمائی کی ابتدا ہی میں انہیں معروف نعتیہ رسائل و جرائد کا حصہ بنا دیا۔ ساتھ ساتھ نثر کا سلسلہ بھی اس روانی سے چلتا رہا۔ دو درجن سے زائد کتب منظرِ عام پر آنے کے باوجود ان کا ادبی سرمایہ اس قدر ہے کہ اس سے درجنوں کتب وجود میں آ سکتی ہیں۔ انہوں نے فقط نعت پر ہی جو کچھ لکھا ہے وہ کتب کی ایک کثیر تعداد میں سما سکتا ہے۔

نعت ایک زمانہ لکھ رہا ہے لیکن تنقیدِ نعت اور تحقیقِ نعت کے حوالے سے ان کے مضامین محبتِ رسول ﷺ کی عنبر فشاں داستان کا روشن باب ہیں۔ مختلف ادارے ان کی کتب کی اشاعت کیلئے جس تیزی سے مصروف ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر یہ سلسلہ اسی ذوق و شوق سے جاری رہا تو وطنِ عزیز کے قارئین کو ان کی کاوشوں سے جلد از جلد مستفید ہونے کا موقعہ ملتا رہے گا۔ فیاضیٔ قدرت نے انہیں جملہ اصنافِ

ادب پر جو قدرت عطا کی ہے وہ اسی عزت و توقیر اور حسنِ اشاعت و ابلاغ کا تقاضا کرتی ہے۔ غزل کی بات چلے یا نظم کی، مسدس کی داستان چھڑے یا مرثیہ کی، رزم کا تذکرہ ہو یا بزم کا، اسلاف کے کارہائے نمایاں ہوں یا عصر حاضر کے جواں فکر شعراء و ادباء کی فکری جولانیاں، حمد ہو یا نعت کے تابندہ ستاروں کی جگمگاہٹ، منقبت نگاری ہو یا میدانِ جنگ میں غازیانِ صف شکن کی لہو رنگ داستان، مشاعرے ہوں یا ادبی مجالس، بلاشبہ پروفیسر محمد اکرم رضا ہر میدان میں اپنی علمی سرفرازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اللہ کا ہے انعام محمد کی عطا ہے
اک صاحب ایمان پہ یوں لطف ہوا ہے

پروفیسر محمد اکرم رضا ان تمام صفات ادبی کے پہلو بہ پہلو ایک بلند پایہ محقق اور ہر آن نئی منزلوں کی جانب گامزن رہنے والے مسافر بھی ہیں۔ ان کی نثری کتب اور مقالات میں تحقیقی عنصر بطورِ خاص غالب نظر آتا ہے۔ تحقیق محض ایک لفظ نہیں بلکہ اس کے پس پردہ برسوں کی فکری ریاضت کارفرما ہوتی ہے۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت پر بہت سی ممتاز شخصیات نے لکھا ہے۔ ابھی پچھلے سال ہی گورنمنٹ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ کی ایک طالبہ نے راقم کی نگرانی میں ایک سیر حاصل مقالہ "محمد اکرم رضا فن اور شخصیت" کے عنوان سے رقم کیا ہے جو بڑے سائز کے تین صد صفحات پر مشتمل ہے۔ ان پر لکھے جانے کا سلسلہ تو جاری رہے گا۔

اس وقت ہمارا مقصد ان کی مقالہ نگاری اور تصنیف و تالیف ہے۔ رضا صاحب کو قدرت نے نظریاتی اور روحانی اقدار سے بھی جی بھر کر نوازا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں دلوں کی ضوریز وادیوں میں بہت جلد اپنا مقام بنا لیتی ہیں۔ ان کی تصانیف کے موضوعات اور مندرجات میں نظریاتی اقدار کی بطور خاص جلوہ گری نظر

آتی ہے۔ بلاشبہ خدا کی رحمتِ خاص ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غیر متزلزل عقیدت اور اسلام سے پختہ فکری تعلق کی بدولت ان کی زندگی کا اعزاز بنی ہے۔

زیر نظر تصنیف "رسولِ معظم اور خلفائے رسول" بھی اسی نظریاتی اُستواری کا ایک پَرتَو ہے۔ انہوں نے اس تصنیفِ لطیف کا آغاز حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص و کمالات سے کیا ہے۔ اس سے ان کا مقصد سیرتِ نبوی ﷺ پر کوئی بڑی کتاب لانا نہیں بلکہ یہ دکھانا تھا کہ محبوبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت میں کس قدر جامعیت' جاذبیت' دلآویزی اور مقناطیسی کشش تھی کہ جو بھی حسنِ نیت سے آپ کا دم بھرتا ہوا آیا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپ کا ہو گیا۔ اور پھر اس کے فوری بعد محمد اکرم رضا خلفائے رسول کے تذکار مبارک شروع کر دیتے ہیں۔ ان تمام تر تذکار میں انہیں جہاں بھی موقع میسر آیا ہے انہوں نے خلفائے راشدین کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غیر معمولی وابستگی اور تعلق خاطر کا ذکر کیا ہے تاکہ احساس ہو سکے کہ یہ فقط بانیِ اسلام کی ہمہ گیری کا اعجاز تھا جس نے عرب کے بادیہ نشینوں کو قیصر و کسریٰ کی صدیوں پرانی سلطنتوں کو چند ہی سال میں پامال کرنے کا حوصلہ عطا کر دیا۔

ظفر علی خاں کے لفظوں میں

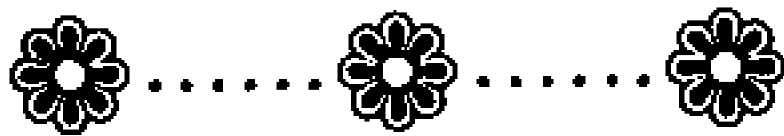
وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اِک روز چمکنے والی تھی سب دُنیا کے درباروں میں
ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی' بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ
ہمہ مرتبہ ہیں یارانِ نبی' کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

گویا خلفائے راشدین کا کردار سرورِ کون و مکاں ﷺ کے انوار سے جگمگاتا نظر آتا ہے۔ جس نے غارِ حرا کی خلوتوں سے ابھر کر مسلمانوں کو دائمی امن و سلامتی کے ساتھ ساتھ کفر سے پنجہ آزمائی کرتے ہوئے کشور کشائی کے آداب سکھائے تھے۔

زندگی شامِ ابد کی جانب رواں دواں رہے گی' عروج وزوال کے حقائق سے زمانہ آگاہ ہوتا رہے گا۔ نشیب وفراز ہستی اپنا وجود منواتے رہیں گے لیکن حضور علیہ السلام کے انتہائی تربیت یافتہ خلفائے راشدین کے کارنامے عروج وزوال کی ہر داستان سے الگ اپنی دوامی حیثیت کو منواتے رہیں گے۔ انسانیت جوں جوں بیدار ہوگی ان منتخب ترین محسنینِ اسلام کے کارناموں سے خوشہ چینی کرتی رہے گی۔

میں صدقِ دل سے فاضلِ مصنّف پروفیسر محمد اکرم رضؔا کو ایسی محققانہ تصنیف پیش کرنے پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اس دعا کے ساتھ کہ ان کا فکر آفریں قلم اسی نظریاتی تگ وتاز کو اپنی زندگی کا مرکز ومحور بنائے رکھے۔

ڈاکٹر محمد آصف قادری
چیئرمین شعبہ اُردو
گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ
اسلامیہ کالج گوجرانوالہ



اعترافِ عظمت

حضور سرورِ کائنات ﷺ محبوبِ رب العلمین ہیں۔ اپنی سیرت و صورت کے لحاظ سے شانِ محبوبیت کا شاہکار ہیں۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے شہروں' علاقوں کو ہی تسخیر نہیں کیا بلکہ دلوں کی وادیوں پر اس طرح قبضہ جمایا کہ خدا ناآشنا دلوں کو اس کے انوارِ قدسی سے مستیز کر دیا۔

آپ نے ذرّوں کو بخشا تھا کمالِ آفتاب
آپ نے بخشا جہاں کو علم و حکمت کا نصاب

کسی بھی عظیم ترین قائد' راہنما اور مصلحِ اعظم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ زمانے بھر کے خستہ سامانوں نے اس کے فیضانِ تربیت سے کیا سیکھا۔ اس حوالے سے دیکھیں تو آپ کا ہر نقشِ عمل بزمِ ہستی کے ہر دور کیلئے خضرِ راہ کا کردار ادا کرتا نظر آتا ہے۔ آپ کی صحبت میں بیٹھنے والوں کیلئے یہی اعزاز کیا کم تھا کہ وہ اصحابِ رسول کہلائے وہ صحابہ جو آسمان رشد و ہدایت کے روشن ستارے کہلائے اور پھر ان میں سے ہی منتخب ترین صحابہ کو خلفائے راشدین کی سندِ جاودانی عطا ہوئی۔ وہ سندِ جاودانہ جس کا لفظ لفظ تاریخ کیلئے باعث اعزاز بنا رہے گا۔

زیرِ نظر تصنیف "رسولِ معظم اور خُلفائے راشدین" خلفائے رسول کی عظمتوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ یہ تصنیف ممتاز محقق' نامور صاحب قلم' عظیم شاعر' اور صاحب اسلوب انشاء پرداز حضرت پروفیسر محمد اکرم رضؔا کی کاوشِ علمی کا کمال ہے جس میں انہوں نے حقائق اور تاریخ کو یکجا کر کے اصحابِ ذوق کی راہنمائی کیلئے سامان مہیا کر دیا ہے۔

علامہ پروفیسر محمد اکرم رضؔا کی درجنوں تصانیف منظرِ اشاعت پر جلوہ گر ہو چکی

ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ بعض کتب تحقیق اور ضخامت کا حسین امتزاج لئے ہوئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ پروفیسر رضا عشق مصطفیٰ ﷺ کی تجلیات میں گم رہتے ہوئے اپنی تحریروں کے چراغ روشن کرنے کے عادی ہیں۔ تحقیق محض ایک لفظ نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں ایک دنیا آباد ہے۔ تحقیق خونِ جگر کا تقاضا کرتی ہے۔ تحقیق حقائق کے چہرے سے پردہ اٹھاتی ہے۔ تحقیق صداقتوں کی امین اور حقائق کی آئینہ دار ہے۔ اس میں وقت ضرور صرف ہوتا ہے مگر اس کی بدولت تحقیق کا چراغ جلا کر مستقبل کی شاہراہوں پر سفر کرنے والوں کو نئی جہتوں کا ادراک بخشا جاتا ہے۔ یہ محض الفاظ کی جادوگری یا فقرات کی ساحری نہیں بلکہ اس کی ہمہ گیری ہر دور میں اپنی اہمیت کا جادو منواتی رہی ہے۔

اور پھر جب موضوع پاکیزہ تر ہو، تحقیق و جستجو کے حوالے سے ذکرِ حضور ﷺ کی سربلندی مقصود ہو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے آپ کے مقدس صحابہ اور بالخصوص خلفائے راشدین کا ذکر ہو تو مؤرّخ اور مصنف کا قلم اور بھی محتاط ہو جاتا ہے۔ ہر گام پر یہی احساس ہوتا ہے کہ کہیں جوشِ تحریر کے نام پر بے ادبی نہ ہو جائے۔ جن صحابہ کو آسمانِ رُشد و ہدایت کے ستارے کہا گیا ہو کہیں قلم کی روانی ان کے مقام کی تجلّیات کو فروتر کرنے کا باعث نہ بن جائے۔

سپہرِ نعت کے روشن ستارے سب صحابہ ہیں
وفا، عشق و عقیدت کے نظارے سب صحابہ ہیں
قلم بہکے نہ ان کی بارگاہِ نُور پرور میں
شہِؐ بزمِ جہاں کے ماہ پارے سب صحابہ ہیں

جناب پروفیسر محمد اکرم رضا کو فیاضیٔ قدرت نے جہاں قلم کی جولانیوں اور تحریر کی بلندیوں سے نوازا ہے وہاں انہیں علومِ دینیہ پر بھی غیر معمولی دسترس عطا کی

98168

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دسترخوان ادب سے خوشہ چینی کرنے والوں میں ممتاز اصحابِ علم اور عصری علوم پر گہری نظر رکھنے والے علمائے دین بھی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ چراغ سے چراغ روشن ہوتے ہیں۔ جناب رضا نے فکر و عمل کے جو چراغ روشن کئے ہیں وہ ہمیشہ جگمگاتے رہیں گے اور ہر آنے والا دوران سے علمی و نظریاتی روشنی حاصل کرتا رہے گا۔

جناب پروفیسر محمد اکرم رضاؔ کو ربِ کریم نے غیر معمولی طور پر شاعرانہ صفات سے نوازا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے بطورِ خاص ذکر و فکرِ نعت کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ بیشمار نعتیں لکھیں، حمدیں اور مناقب لکھے۔ ان کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے نثری نعت (تنقیدِ نعت) کو اپنا موضوع بنایا۔ خوب لکھا اور انتہائی برق رفتاری سے لکھ رہے ہیں مگر مجال ہے کہ کہیں ادبی جھول پیدا ہوا ہو۔ ہر گام پر رفعتِ زبان و بیان ان کی ہمہ جہتی کا برملا اعتراف کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ میرے لئے نہایت فخر کی بات ہے کہ آپ کے سلسلۂ تلمذ سے وابستہ ہوں۔ مگر اس کا ایک سبب میرے خانوادہ رُوحانیت سے ان کی نظریاتی لگن ہے۔ آج ایک بہت بڑی تعداد (پاک و ہند کے شعراء) ان کے ساتھ شعری طور پر وابستہ ہیں اور ان کے نعتیہ فیوض کے سلسلے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔

میں نے چند سطور آپ کے نعتیہ وقار کے حوالے سے رقم کیں جبکہ یہاں میرا اصل موضوع ان کی کتاب ''رسولِ معظّم اور خلفائے رسول'' ہے۔ یہ ضخیم کتاب بلاشبہ ایک تحفۂ نور ہے، ایک صحیفہ پُر بہار ہے۔ جس کے صفحے صفحے سے جاودانی حقائق کا اظہار ہو رہا ہے۔ میں ایک زمانے کے پہلو بہ پہلو اُن کے قلم حقیقت رقم سے پھوٹنے والے لعل و جواہر کی مزید چکاچوند اور مقبولیت کیلئے دعا گو ہوں۔

صاحبزادہ ڈاکٹر شبیر احمد کمال عباسی

زیب خانقاہِ قادریہ غوث العصر رحمۃ اللہ علیہ

سرورِ دو عالم کی تجلیاتِ قُدسیہ

جن سے فیضاب ہو کر انتہائی مقتدر صحابہ کرام

خلافتِ راشدہ

کی خلعتِ جاودانی کے حق دار قرار پائے

جذباتِ عقیدت بحضور رسول محتشم ﷺ

دہر کو سیرتِ سرکار سکھا دی جائے
سنگباری جو کرے کوئی' دُعا دی جائے

جو ہیں محرومِ ثنا خوانی شاہِ بطحا
یاخُدا! ان کو بھی توفیق ثنا دی جائے

دل یہ کہتا ہے میری سمت وہ آئیں گے ضرور
کہکشاں آج عقیدت کی سجا دی جائے

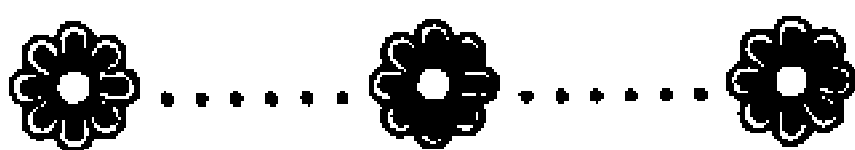
روشنی سیرتِ سلطانِ حرم سے لے کر
قلب کو حلمِ نگاہوں کو حیا دی جائے

ہیں جو مطلوب مساواتِ نبی کے چرچے
تو یہ تفریق من و تُو کی مٹا دی جائے

آنے لگتا ہے وہیں جوش پہ دریائے کرم
آپ کو جب بھی مصیبت میں صدا دی جائے

حکمِ سرکار سے بڑھ کر کوئی مشورہ نہیں
یہ حقیقت بھی زمانے کو بتا دی جائے

یہ بھی فیضان رضا سرورِ دیں کا دیکھا
بھیک سائل کو طلب سے بھی سوا دی جائے



دہر کو سیرتِ سرکار سکھا دی جائے
سنگ باری جو کرے کوئی دُعا دی جائے
جو ہیں محرومِ ثناء خوانیِ شاہِ بطحاؐ
یا خدا! اُن کو بھی توفیق ثناء دی جائے
(رضاؔ)

حرفِ نیاز

محسنِ کائنات، فخرِ موجودات، محبوبِ دو عالم، تاجدارِ بنی آدم حضور محمد مصطفیٰ ﷺ نے عظمتِ انسانیت کا جو نمونہ پیش کیا ہے، بزمِ ہستی قیامت تک اس کی نظیر نہیں دیکھ سکے گی، اور دیکھے بھی کس طرح کہ رب دو عالم نے اپنے محبوب ﷺ کو بے مثال اور بے مثیل بنایا ہے۔

کرے کیا ثنائے نبی رقم، ہے سراپا عجز میرا قلم
کہ خدا کے بعد حضور کی نہ مثال ہے نہ مثیل ہے

(رضا)

محسنِ اعظم کی عظمت دیکھنی ہو تو ان کے حلقۂ تربیت سے فیض پانے والوں کی ایک جھلک دیکھ کر ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ آپ وہ راہنمائے ذی وقار تھے کہ جو بھی آپ کی صحبت میں آیا مطلعِ علم و حکمت کا نیرِ تاباں بن گیا۔ آپ وہ مرشدِ کامل تھے جس نے اپنے چاہنے والوں کو تاریخِ انسانیت کا وقار بنا دیا۔ آپ جانِ دو عالم تھے، روحِ ہر زماں تھے۔ آپ نے سنگریزوں کو لعل و جواہر کی چمک دی، خاک نشینوں کو اوجِ ثریا کی بلندی عطا کی، ظلم و ستم کی چکی میں پسنے والوں کو خودی اور خودداری کا پیکر بنا دیا۔ ظالموں اور جابروں کو حلم و حیا اور عدل و انصاف کی پاسداری کی دولت بخشی۔

یوں تو زمانے کے زمانے آپ سے فیض یاب ہوئے اور آپ کی تعلیماتِ

قُدسیہ سے اب بھی فیض یاب ہو رہے ہیں، لیکن بالخصوص خلفائے راشدین نے آپ سے جس طرح راہنمائی لی اور آپ کے قدموں میں بیٹھ کر جس طور سلطانی و شہنشاہی کے آداب سیکھے اس کی مثال ہی نہیں ملتی۔ مگر یہ کیسی سلطانی تھی کہ خلفائے راشدین کے پیراہن پر لگے ہوئے پیوندان کی خدا شناسی اور خدمتِ انسانیت کا اعلان کر رہے تھے۔ یہی خلفائے راشدین تھے جو راتوں کو جاگ کر مدینہ طیبہ اور نواحی بستیوں کا گشت کیا کرتے تھے۔ یہی خلفائے عُظّام تھے کہ غُلام ان کے ہمراہ ہوتے مگر بندہ و آقا کی تمیز نظر نہیں آتی تھی۔ یہی خلفائے راشدین تھے جو بیواؤں کی خدمت کرتے، بوڑھی عورتوں کے گھر میں صبح سویرے جھاڑو پھیر آتے، کسی کے ہاں فاقہ ہوتا تو بیت المال سے آٹے کی بوریاں کندھوں پر لاد کران کے گھروں میں پہنچا آتے۔ اس خوف سے لرزاں رہتے کہ دریائے دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا رہ گیا تو قیامت کو مجھ سے اس کی باز پرس ہوگی۔ سفر پر نکلتے تو خادم کو اس شرط پر ساتھ لیتے کہ باری باری سواری پر سوار ہوں گے۔ حق تو یہ ہے کہ

چشمِ عالم ڈھونڈتی ہے آج پھر ایسا نظام
حکمراں پیدل چلے، بیٹھے سواری پر غُلام
خطۂ امن و سکوں وہ راحتِ قلب و نظر
وہ مدینہ جس نے بخشا زندگی کو فیضِ عام

(رضا)

اصحابِ رسول اور بالخصوص خلفائے راشدین کے کارنامے تاریخِ اسلام کا سب سے بڑا وقار ہیں۔ تمام مؤرخین اور محققین اس حقیقت پر متّفق ہیں کہ اسلام کو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین جیسا سنہرا اور لافانی دَور پھر کبھی میسّر نہ آسکا۔ اگر اس دَور کی صدائے بازگشت کہیں سنائی دیتی ہے تو بنوامیہ کے عُمرِ ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز

ﷺ کے کردار اور سیرت کے حوالے سے۔ ورنہ ان پاکیزہ نفوس کے بعد ہی خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔ مجالس شُوریٰ کی جگہ شخصی اور ذاتی فیصلے ہونے لگے۔ وہ بیت المال جو خلفائے راشدین کے ادوار میں ملّتِ اسلامیہ کی امانت تھا' اسے لوگوں کی وفاداری خریدنے اور دنیاوی نمائش کاریوں اور لہوولعب پر خرچ کیا جانے لگا۔ ان کے احتساب کا کوئی ادارہ نہ تھا' اور اگر کسی درویشِ خُدا مست کا نعرۂ مستانہ گونجتا تھا تو اسے دارورسن کی نذر کردیا جاتا تھا۔

یہ خلفائے راشدین ہی تھے جن کے مجاہدین کے گھوڑوں کی ٹاپ سے ایشیاء' یورپ اور افریقہ کے کاخ وایوان لرز رہے تھے۔ عرب کے بادیہ نشین قیصر وکسریٰ کے مقدر کا فیصلہ کر رہے تھے۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جذبۂ ایمانی دیکھئے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد ابھرنے والے تمام فتنوں سے ایک ہی وقت میں نبرد آزما ہو رہے ہیں۔ جُھوٹے مُدعیانِ نبوّت سے ٹکراؤ' تارکین نماز وزکوٰۃ سے معرکہ آرائی' مدینہ کی حُدود پر دستک دینے والی سامراجی قوتوں کا مقابلہ' وہ ایک فردنہیں عزم وہمّت کی چٹان تھے جس نے ہر غیر اسلامی فتنے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کُچل کر رکھ دیا۔ سیّدنا عمر ابن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہ جن کے عدل وانصاف سے تمام عمائدینِ سلطنت لرزتے تھے' جنھوں نے عدل کے راستے میں بڑی سے بڑی رکاوٹ کو روند ڈالا۔ کپڑوں میں اٹھارہ پیوند لگے ہوتے' اپنے جوتے خود گانٹھتے۔ کئی براعظموں پر پھیلی ہوئی سلطنت تھی مگر سلطانی میں خاکساری اور عاجزی کے مزے لوٹتے تھے۔ بڑی بڑی سلطنتوں کے سفیر آپ کی انتہائی سادہ زندگی دیکھ کر حیران وششدر رہ جاتے کہ سادہ سا مکان' نہ کوئی حاجب نہ دربان' نہ محافظ' جہاں نیند آ گئی وہیں بازوؤں کو سرہانہ بنا کر لیٹ جاتے۔ آپ مرادِ رسول (ﷺ) تھے' زمانہ آپ سے لرزتا تھا اور آپ کے شب وروز خوفِ خُدا سے لرزتے ہوئے گزرتے تھے۔ خلیفۂ سوم حضرت عُثمانِ غنی رضی اللہ عنہ انتہائی مال دار مگر انتہائی

فیاض اور سخی، جامع القرآن، داماد رسول ﷺ، اپنا مال خدا کی راہ میں وقف کر رکھا تھا۔ آپ غیرتِ ایمانی کی تصویر تھے، آپ کے دور میں مسلمانوں نے بحری جنگوں کی جانب توجہ کی۔ آپ کے زمانے میں شورشیں بھی رہیں مگر اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا۔ آپ محبوبِ رسول اور محبوبِ خلائق تھے۔...... تاریخ ایک اور ورق الٹتی ہے تو شیرِ خدا سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سامنے آتے ہیں۔ سادگی، درویشی، استغنا اور خدا خوفی کے مظہر، بہادری اور دلیری کے پیکر، شیر خدا کہ جنہوں نے باطل کے سامنے کبھی جھکنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ شہرِ علم و حکمت کے دروازے، مخلوق خدا کے مولیٰ، فقر ایسا کہ جَو کی روٹی پر گزارا، تمام رات یادِ خدا میں بسر ہوتی۔ ان کا فقر دیکھ کر حضور ﷺ کا "اَلْفَقْرُ فَخْرِی" کا سماں یاد آ جاتا۔ بیت المال دنیا بھر کی نعمتوں سے بھرپور تھا مگر خود محنت کر کے کھاتے اور گزارا کرتے۔ اوصاف و محاسن اتنے کہ شائد فلک پر اس قدر ستارے بھی نہ ہوں، مگر بارگاہِ خداوندی میں احتسابِ خلافت کے خوف سے خشک پتے کی طرح لرزتے...... زمانہ آگے بڑھتا ہے تو نواسۂ رسول سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کا مختصر سا دورِ حکومت نظر آتا ہے۔ محاسنِ انسانی اور اخلاق و کردار کی انتہائی روشن تصویر۔ ایک کثیر لشکر کے سربراہ ہونے کے باوجود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے محض اس لئے صُلح کر لی کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ میرا یہ بیٹا بہت بڑی خونریزی کو روک کر امن و سلامتی کا پرچم سربلند کرے گا۔

شوکتِ ایماں تھا ہر اک جانشینِ مصطفےٰ
پاسدارِ علم و حکمت، باخُدا و باصفا
بزمِ ہستی لا نہیں سکتی کبھی اُن کی نظیر
اُن کا اُسوہ جانِ فطرت، ہر ادا شمعِ ہُدیٰ
(رضا)

یہ مقدس نفوس جنہیں ہم "خلفائے راشدین" کے نام سے یاد کرتے ہیں،

فرشتے نہیں انسان تھے' مگر سیّد عالم حضور ﷺ کی تعلیماتِ قُدسیہ کی پیروی نے انہیں بشریت میں ملکوتی جوہر عطا کئے تھے۔ یہ خاکی تھے مگر خاک سے نہیں' بلندیوں پر چمکنے والے ستاروں سے نسبت رکھتے تھے۔ اُن کا عمل اُن کے علم کا گواہ' اور ان کا علم محرمِ اسرارِ کائنات ﷺ کی عطائے خاص تھا۔ ان کی آپس میں محبت ایک روشن مثال تھی۔ وہ ''اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ'' (پ۲۶ سورہ الفتح ۲۹) کی عملی تفسیر تھے۔ کردارِ مصطفیٰ ﷺ کی جاودانی تفسیر تھے۔ ان کے ہاں نفرت نہیں محبت تھی' عداوت نہیں شفقت تھی۔ اگر کبھی اختلاف ہوا بھی تو چند لمحوں میں ہی دائمی محبت میں بدل گیا۔ وہ ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ ایک دوسرے کی ناموس کے پاس دار تھے۔ وہ چلتے تھے تو زمین اُن کے قدموں تلے سمٹتی تھی۔ ان کی ٹھوکر سے صحرا اور دریا دونیم ہوتے تھے اور پہاڑوں کی بلندیاں ان کے وجُود کے سامنے اپنا وجود کھو بیٹھتی تھیں۔ وہ زمانے کے مرہونِ منّت نہیں تھے بلکہ زمانے ان کے قدموں کی ٹھوکروں سے وجود پاتے تھے۔ وہ مظلوموں کی ڈھارس' مقہوروں کی تسلّی' مجبوروں کا آسرا اور محکوم اقوام کے لئے زندگی کی نوید تھے۔ وہ موت سے ہراساں نہیں تھے بلکہ موت انہیں دیکھ کر کترا کر گُزر جاتی تھی' کیونکہ

کُشادِ درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت اُن کی نظر میں
دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لا تذر میں

(اقبال)

ان خلفائے راشدین نے تاریخِ عالم کو تہذیب وتمدن کا وہ عالمگیر نظام دیا جسے زمانہ ''خلافتِ راشدہ'' کا نام دیتا ہے۔ ایک بے مثال اندازِ جہانبانی جس میں راعی

اور رعایا سب کے حقوق محفوظ تھے۔ جس میں کمزور سے کمزور آدمی خلیفۃ المسلمین کو سرِ عام ٹوک سکتا تھا۔ ایک نحیف و نزار بڑھیا اُن کا دامن دادطلبی کے لئے کھینچ سکتی تھی۔ وہاں انصاف کے حصول کے لئے کسی قصرِ امارت کا طواف کرنا نہیں پڑتا تھا بلکہ امیر المومنین کے سادہ سے مکان میں کوئی بھی سائل اندر جا کر مدعا بیان کر سکتا تھا۔ یہ سب محبوبِ دوعالم ﷺ کا فیضان تھا جس کی بدولت عرب کے بدّو کشور کشائی اور فتوحات کی نئی داستانیں رقم کرنے لگے۔ ان خلفائے راشدین نے فقط علاقے ہی تسخیر نہیں کئے بلکہ وہاں تہذیب و تمدن اور آئینِ جہانداری کے ایسے پھول کھلائے جن سے زمانہ آج تک تازگیٔ فکر و نظر حاصل کر رہا ہے۔

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاندار و جہاں بان و جہاں آرا
تمدّن آفریں خلاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب یعنی شتر بانوں کا گہوارا
(اقبال)

حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حضرت سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ تک انسانی آداب، معاشرتی وقار، تہذیبی نکھار اور جہانبانی کے اطوار کے نئے سے نئے ستارے طلوع ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ یہ عمل کبھی رُک نہیں سکتا بلکہ شامِ ابد تک خلفائے راشدین کے انوار ہر عہد کی زینت بنے رہیں گے۔ ہم تاریخ کے طالب علم ہیں، ہم جانتے ہیں کہ درجنوں اصحابِ سیرت اور اربابِ تاریخ نے خلفائے راشدین کو بھرپور خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے بڑی تعداد میں اُن کے سوانحی کارنامے تخلیق کئے ہیں، اور یہ سلسلہ فقط اُردو میں ہی نہیں بلکہ عربی، فارسی اور انگریزی سمیت بہت سی زبانوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ان میں بیشتر کتب اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے

غیر معمولی مآخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ بعض معترضین اور مستشرقین نے ادبی بددیانتی کا بھی ثبوت دیا ہے مگر خلفائے راشدین تو آفتابِ نبوّت کی کرنیں تھے جن کی روشنی کبھی ماند نہیں پڑسکتی۔ ہم نے غیر ضروری مباحث سے گریز کرتے ہوئے ان عظیم المرتبت شخصیات کے کارناموں اور مقاماتِ قُدسیہ کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ تذکرہ نگاروں کی طویل فہرست میں ہماری یہ کاوش معمولی سہی مگر شمع کی لَو کتنی ہی مدھم کیوں نہ ہو' اس کا اُجالا ظلماتِ عصر کو انوار کی سوغات بخشنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ ہماری دُعا ہے کہ تذکرہ نگاروں کی کُتب کے انبوہ کثیر میں یہ تصنیف اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے انفرادیت کی حامل قرار پائے اور محشر کی تمازتوں میں خلفائے راشدین کیلئے کی جانے والی یہ ادبی و علمی کاوش ہمارے لئے ہمارے نامۂ اعمال کو جگمگانے کا باعث بن جائے۔

زیرِ نظر کتاب کا نام "رسولِ مُعظّم اور خلفائے راشدین" ہے۔ جہاں تک خلفائے راشدین کی سربلندیوں کا ذکر ہے تو ان کے حوالے سے ہم اجمالاً بہت کچھ عرض کر چکے ہیں' اور تفصیلاً جو کچھ ملے گا وہ خلفائے راشدین کے حالاتِ زندگی اور کارنامے پڑھ کر ملے گا۔ لیکن جب ذکر سرورِ دوسرا' حبیبِ خُدا' دانائے سُبل' فخرِ رُسُل' مولائے کُل' دانائے اسرارِ کائنات' وجہِ تکوینِ شش جہات' حضور پُرنور سیّدِ یومُ النشور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہو تو ہر سیرت نگار آپ کی ذاتِ اقدس پر بہت کچھ لکھنے کے باوجود بھی اس اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے کہ میں تو حضور سرور کونین علیہ السلام کی ذات والا صفات کے بحرِ ناپیدا کنار سے چند قطرے سمیٹنے میں بھی کامیاب نہیں ہوسکا۔ جب سے قلم نے صفحۂ قرطاس پر چلنا سیکھا ہے' اوصاف محمدّیت ﷺ کا مسلسل ذکر ہو رہا ہے۔ شاعر' ادیب' سوانح نگار' سب کے سب کائنات کے محسنِ اعظم کے حضور خامہ فرسائی کر رہے ہیں کہ کسی طور حضور امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر لکھنے والوں میں ہمارا شمار بھی ہو جائے۔ ہم

بھی ہزاروں برس بیشتر کی اس خوش بخت بڑھیا کے نقشِ قدم پر چلنے کے قابل ہو جائیں جو ہاتھوں میں سُوت کی انٹی اٹھائے یہ سوچ کر ماہِ کنعانی سیّدنا یُوسُف علیہ السلام کو خریدنے نکلی تھی کہ میں خرید تو نہیں سکتی مگر میرے نامۂ اعمال میں یہ ضرور درج ہو جائے گا کہ میں بھی سیّدنا یُوسُف علیہ السلام کے چاہنے والوں میں ہوں۔ یہی حال جُملہ عُشاقِ مصطفیٰ ﷺ کا ہے جنہوں نے سیرت و صورت حضور رحمۃ اللعالمین ﷺ پر کتابوں کے ڈھیر لگا دیئے مگر عجز شعاری کی بناء پر یہی کہے جا رہے ہیں کہ ہم تو سُوت کی انٹی کے حصول کے قابل بھی نہیں ہو سکے۔ وہ تو اسی فکرِ منوّر میں کھوئے ہوئے ہیں کہ

تھکی ہے فکرِ رسا اور مدح باقی ہے
تمام عُمر لکھا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لئے

اسی خاطر جب ہم نے ''رسولِ مُعظّم اور خلفائے راشدین'' کو ترتیب دینا شروع کیا تھا تو ہمارا اصل مقصد تو خلفائے راشدین پر لکھنا تھا، مگر یہ خیال بھی دامن گیر تھا کہ کچھ اس ہستیٔ والا صفات پر بھی لکھا جائے جنہوں نے ان خلفائے راشدین کو شامِ ابد تک کے لئے مہر و ماہ کی صورت جگمگا دیا تھا۔ اب حضور سیّد دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر لکھنے کے لئے کسی ضخیم، مبسوط اور بڑی کتاب کی ضرورت تھی جو سیرت نگاری کے حوالے سے الگ سے سعادت کا سامان مہیا کر سکتی تھی مگر قاری سیرتِ حضور علیہ التحیۃ والثناء کی تجلّیات میں گم ہو کر آگے بڑھ ہی نہیں سکتا تھا، اس طور خلفائے راشدین کی شخصیات اس آسمانِ علم و حکمت کے انوار میں گم ہو جاتیں۔ اس خاطر ہم نے یہ اہتمام کیا کہ حضور علیہ السلام کی سیرت طیبہ کے حوالے سے دو تین مضامین تبرکاً ابتداء میں شامل کر

دیئے کہ کتاب کا فکری تسلسل بھی باقی رہے اور ذکرِ رسول اکرم ﷺ کے حوالے سے زیرِ نظر کتاب اپنے عنوان کے تقاضوں کو بھی پورا کرتی رہے۔

جب ہم خلفائے راشدین پر محققین کی کاوشوں کو دیکھتے ہیں تو ان کی علمی جولانیوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے کہ وہ کس درجہ عظیم انسان تھے جو محسنینِ تاریخِ اسلام کے حالات اس وضاحت اور عشق و عقیدت سے پیش کر گئے۔ چونکہ یہ کتاب جُملہ خلفائے راشدین کا احاطہ کر رہی ہے اس لئے ہم نے بعض مقامات پر جان بوجھ کر اختصار سے کام لیا ہے، مگر ضروری اُمور کو کہیں بھی فراموش نہیں کیا۔ ہم نے خلفائے راشدین کی روحانی اور نظریاتی عظمتوں کو تصوُّر میں رکھتے ہوئے تنقیدی اور اختلافی اُمور سے گریز کیا ہے۔

زندگی کا قافلہ بدستور اگلی منزلوں کی جانب سفر کرتا رہے گا۔ اس قافلے میں وہ فقیرانِ کجکلاہ بھی ہوں گے کہ جن سے ایک زمانہ جبینِ نیاز خم کرتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہے۔ عِلم و حکمت کے ہمالہ صفت مردانِ حق بھی ہوں گے کہ جن کی ایک ایک بات قولِ فیصل کا درجہ رکھتی ہوگی۔ وہ حق و صداقت کے فدائی بھی ہوں گے کہ جن کی نواؤں میں بُوئے اَسَدُ اللّٰہی کا جمال و جلال ہوگا۔ وہ کجکلاہ بھی ہوں گے کہ جن کی جبینوں پر نمودار ہونے والی ایک شکن باطل کو لرزہ براندام کر دیتی ہوگی۔ وہ سلاطینِ باجبروت بھی ہوں گے جو وقت کے فیصلے خُود رَقم کرتے ہوں گے۔ ایسے عابِد و زاہِد شب زندہ دار اور خُدا مست بھی ہوں گے جو بارگاہِ خُداوندی میں خُشک پتّے کی طرح لرزتے ہوں گے۔ وہ فاتح اور کشور کشاء بھی ہوں گے کہ زمین جن کے قدموں تلے سمٹ جاتی ہوگی۔ وہ صِدق و صفا کے پیکر بھی ہوں گے جو اپنی ایک ایک بات اور ایک ایک عمل کے لئے خُود کو اوروں کے سامنے جواب دہ تصوُّر کرتے ہوں گے۔ غرض اس کاروانِ حیات میں ہر نوع اور ہر فکر کے انسان ہوں گے۔

لیکن چشمِ فطرت یہ دیکھ کر حیران ہوتی رہے گی کہ خلفائے راشدین نے انسانی سیرت و کردار کا جو اعلیٰ ترین معیار قائم کیا ہے' ہر فرد اس سے راہنمائی لے رہا ہوگا۔ عبادت و ریاضت' فقر و درویشی' بے غرضی و بے ریائی' عدل و انصاف' خُدا خوفی و خُدا ترسی' سلطانی و فرمانروائی' فتوحات و کشور کشائی' علم و حکمت اور دانش و خرد افروزی ان تمام صفات و خصوصیات پر خلفائے راشدین کے کردار کی اس قدر گہری چھاپ ہے کہ کوئی بھی صراطِ حق پر سفر کرنے والا ان سے فیضیاب ہوئے بغیر کامیاب زندگی کا تصوّر نہیں کرسکتا۔ جُوں جُوں وقت کا سیلِ بے کراں مستقبل کے راستوں پر آگے بڑھ رہا ہے' خلفائے راشدین کے کردار کی تابانی و جاودانی حیثیت مزید اُجاگر ہوتی جارہی ہے...... یہ لُطفِ خُداوندی اور حضور اکرم ﷺ کی صُحبت و تربیت کا اِنعام ہے کہ خلفائے راشدین ہر دَور سے شُہرتِ عام اور بقائے دوام کی خلعتِ جاودانی حاصل کر رہے ہیں۔ یہ وہ پاکیزہ نفوس ہیں کہ جن کا ماضی' حال اور مستقبل ان کی عظمت کا گواہ ہے اور ان کے کردار کی عظمتوں کے تناظر میں آقائے دو عالم فخرِ آدم و بنی آدم' تاجدارِ عرب و عجم حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی لافانی تعلیمات اور فیضانِ تربیت کی جھلک واضح طور پر نظر آرہی ہے' ہر آنے والا دَور ان خلفائے راشدین کی صفاتِ قُدسیہ کا مظہر بنا رہے گا اور ان کا رنگِ ثبات لیل و نہار کی آبرو بن کر جگمگاتا رہے گا۔

ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام
جس کو کیا ہو کسی مردِ خُدا نے تمام
مردِ خُدا کا عمل عِشق سے صاحبِ فروغ
عشق ہے اصلِ حیات' موت ہے اس پر حرام
عشقِ دمِ جبرئیل' عشقِ دِلِ مُصطفیٰ
عشق خُدا کا رسول' عشق خُدا کا کلام

تندو سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رَو
عشق خود اک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام
عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات
عشق ہے نُورِ حیات، عشق ہے نارِ حیات

(اقبال)

سلام ان خلفائے راشدین پر جنھوں نے عشقِ مصطفیٰ ﷺ کو اپنی صُبحوں کا نُور اور اپنی عبادتوں کا گداز بنایا اور وقت نے انہیں یہ اعزاز بخشا کہ یہ تمام اقوام کے لئے کردار و عمل کا اعلیٰ ترین معیار قرار پائے۔ (رضی اللہ عنہم ورضوعنہ)

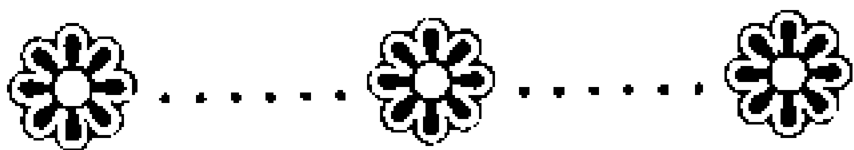
حرفِ تشکر

محترم چوہدری محمد خلیل ڈائریکٹر مکتبہ قادری رضوی کتب خانہ اور مکتبہ حنفیہ لاہور کے لئے جو کتاب کو حُسنِ اشاعت کی تمام تر دلآویزیوں کے شائع کرنے کا ہُنر جانتے ہیں۔ نہایت مخلص، فروغِ علم و حکمت میں ہمہ تن مصروف اور مصنف اور ناشر کے تعلقات کو مضبوط بنانے والے۔

اظہارِ خلوص عزیز مکرم محمد نعیم اللہ خاں کے لئے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ، نہایت باذوق اور ادب پرور شخصیت ہیں۔ بحمد اللہ اس فاضل شخصیت کا تعاون ہر حال میں میرے شریکِ سفر رہا ہے۔ بیشمار دعاؤں اور نیک خواہشات کا ارمغان ان شخصیات کیلئے۔

سراپا خلوص

پروفیسر محمد اکرم رضا



آفتابِ نبوّت

کہتے ہیں بارانِ رحمت کی سب سے زیادہ ضرورت وہاں محسوس کی جاتی ہے جہاں زمین میں خشک سالی کی بناء پر اناج کی کونپلوں کی جگہ ببول اُگنے لگیں۔ حضور نبی کریم ﷺ بھی اس ریگزارِ عرب میں سحابِ رحمت بن کر تشریف لائے تھے کہ جہاں انسانی تہذیب وتمدن اور اخلاق وکردار کے چشمے خشک ہو چکے تھے اور جہاں صُلح و خیر کے گُلہائے تازہ کی جگہ ظُلم وتعدّی اور کُفر وشرک کے جھاڑ جھنکار اُگ رہے تھے۔ وہاں تپتے ہوئے صحراؤں اور ظلم وستم کی بادِ سموم سے جھلستے ریگستانوں میں خُدا کی عظمت وتقدیس اور انسانی عظمتِ کردار کے منکر انسانوں کی آنکھوں سے شرم وحیاء کے پانی کی ایک ایک بُوند خشک ہو چکی تھی۔ ایسے وقت میں جب حضور پُرنُور جناب محمد مصطفیٰ ﷺ مجسّم رحمت و برکت بن کر آئے تو یکا یک ہی کشتِ اِیمان و یقین لہلہا اُٹھی۔ شاعر نے اسی احساس کی ترجمانی یُوں کی ہے۔

سلام اے آمنہ کے لال، اے محبوبِ سُبحانی
سلام اے فخرِ موجودات، فخرِ نوعِ انسانی
ترے آنے سے رونق آ گئی گلزارِ ہستی میں
شریکِ حالِ قسمت ہوگیا پھر فضلِ ربّانی

حضور سرورِ عالم ﷺ کیا آئے، عالمِ انسانیت کے قلبِ مُردہ کو حیاتِ نَو کی

نوید ملی۔ آپ ﷺ کیا آئے' مایوس دل زندگی کی حرارت سے بھرپور ہو گئے' مُردہ نفس جی اٹھے۔ آپ ﷺ کوہِ فاران کی چوٹیوں سے ایک ایسا مہرِ عالم تاب بن کر طلوع ہوئے کہ جس کی کرنیں حیرت انگیز تیزی کے ساتھ بلاد عالم کو منوّر کرنے والی تھیں۔ آپ ﷺ دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا بن کر پہلوئے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے یوں ہویدا ہوئے کہ کاروانِ انسانیت جو صدیوں سے اپنی منزلِ ایمان و یقین سے بھٹکا ہوا تھا' پھر سے اپنی منزلِ مقصود کی جانب رواں دواں ہونے کے لئے دلوں کو ولولۂ تازہ سے سرشار کرنے لگا۔ آپ ﷺ غارِ حرا کی خلوتوں سے عالمِ انسانیت کی راہنمائی اور اخلاقی و رُوحانی اقدار کی ترویج کا پیغام لے کر یُوں اُٹھے کہ

در شبستانِ حِرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشمِ او محرومِ نوم
تا بہ تختِ خسروی خوابید قوم
بوریا ممنونِ خوابِ راحتش
تاجِ کسریٰ زیرِ پائے اُمتش

(اقبال)

سرکارِ دوعالم فخرِ بنی آدم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے قبل عالمِ عرب بے شار خباثتوں اور جہالتوں کا شکار ہو چکا تھا۔ کفر و شرک کے علاوہ انسانی حقوق کی بے دردی سے پامالی اور اخلاقی اقدار کی بے حُرمتی کی بدولت عرب معاشرہ شرم ناک حد تک قعرِ مذلّت میں غرق ہو چکا تھا۔ اس دَور کا انسان اخلاق و شرافت کا نام تک سننے کا روادار نہ تھا۔ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ جُواء قمار بازی اور زِنا کاری قطعاً مذموم فعل تصوّر نہیں کیے جاتے تھے' بلکہ ان کو جوانی کا اعزاز اور مردانگی کا اِفتخار سمجھا جاتا تھا۔

کوئی شخص بیٹی کا باپ کہلانا پسند نہیں کرتا تھا اور اگر کسی کے ہاں بیٹی جنم لے لیتی تو اسے زندہ زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا۔ وہ لوگ انسانی عظمتِ کردار کے نہیں بلکہ ذاتی حسب و نسب کی برتری اور خاندانی تفاخر کے اسیر تھے۔ لڑائی جھگڑا اور قتل و غارت گری ان کی قبائلی زندگی کا لازمی جزو بن چکے تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر تلواریں نیاموں سے باہر آ جاتیں اور پیاسے ریگستانوں کی پیاس بجھنے لگتی۔ عکاظ کا میلہ قبائلی تعصّبات اور فخر و مباہات کے نعروں سے شروع ہو کر برسوں تک جاری رہنے والی لڑائیوں کے لئے موزوں ترین مقام قرار پا چکا تھا۔ بعض معمولی لڑائیوں سے طویل جنگ کی ایک ایسی بھٹی سلگ اٹھتی کہ ہزاروں عرب اپنے بھائیوں کی تلواروں کا شکار بن کر اس کا ایندھن بن جاتے۔

لیکن جب جنابِ نبی کریم ﷺ انسانی حُقُوق کے محافِظ بن کر جلوہ افروزِ عالم ہوئے تو حالات نہایت تیزی سے بدلنے لگے۔ آپ ﷺ کے فیوض و برکات کی بدولت انسانی حُقُوق کو پامال کرنے والے انسانی اقدار کی محافظت کا فریضہ انجام دینے لگے۔ راہزن، راہبر بن گئے۔ بُت پرست، بت شکن بن گئے۔ بے حیاؤں کو شرم و غیرت کا شعور میسّر آ گیا۔ آپ ﷺ کے اِرشاد کی تاثیر کی عظمت اس وقت دیکھنے میں آئی کہ جب آپ ﷺ نے حکمِ خُداوندی کے مُطابِق شراب کو حرام قرار دیا تو شراب پانی کی طرح شہرِ نبی مدینۃ المنورہ کی گلیوں میں بہا دی گئی۔ دشمن دوست بن گئے۔ اخلاق و شرافت کی دھجیاں بکھیرنے والے رفعتِ کردار کا نمونہ بن گئے۔ ذرا ذرا سی بات پر قتل و غارت کا بازار گرم کرنے والے انسانیت کی عظمت اور تقدیس پر ایمان لے آئے اور اپنی ذات سے بڑھ کر دوسروں کے حُقُوق کی پاسداری کرنے لگے۔

کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس نے ذرّوں کو اُٹھایا اور صحرا کر دیا

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم

اور غُلاموں کو زمانے بھر کا مَولا کر دیا

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا

اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

یہ حیرت انگیز انقلاب کہ چشمِ فلک جس کا صدیوں سے انتظار کر رہی تھی، آپ ﷺ کے بے مثال کردار اور اخلاقی تربیت اور تبلیغ کی بدولت وجود میں آیا تھا۔ آپ ﷺ معلّمِ مکارمِ اخلاق تھے۔ قرآن نے لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (پارہ ۲۱ سورہ الاحزاب آیت نمبر ۲۱) کی روشنی میں آپ کے اخلاق و کردار کو ملّتِ اسلامیہ کے لئے نمونہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ صاحبِ خُلقِ عظیم تھے، مجسّم تفسیرِ قرآن تھے، پرتوِ تقدیرِ خُداوندی تھے، پیکرِ انوار و تجلّیاتِ ربّانی تھے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ کا ایک لمحہ بھی منشائے ربّانی کے خلاف بسر نہیں ہوا۔ آپ ﷺ قرآنِ ناطق تھے کہ آپ ﷺ کا ایک ایک عمل آیاتِ قرآنی کی عملی تفسیر تھا۔ آپ ﷺ عالمِ انسانیت کو اپنے بے مثال کردار کی روشنی سے جگمگا دینے کے لئے یوں جلوہ گرِ عالمِ امکان ہوئے کہ تاریخ کو یہ اعتراف کرتے ہی بنی

اک شخص سراپا رحمت ہے، اک ذات ہے یکسر نورِ خُدا

ہم ارض و سما کو دیکھ چکے، پر کوئی اس جیسا نہ ملا

جب آپ ﷺ وصال فرما کر خاکِ طیبہ میں آسُودۂ خواب ہوئے تو کسی نے اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صِدّیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کی سیرت و کردار اور اخلاقِ حسنہ پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا تو انہوں نے فرمایا:

کَانَ خُلُقُہُ الْقُرآن۔

گویا ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی

حیاتِ مقدسہ ہر لحظہ وہر آن تجلیاتِ قُرآن کا پرتَو تھی۔ (باب الصلوٰۃ اللیل عدد رکعات النبی)

تِری صُورت، تِری سیرت، تِرا نقشہ، تِرا جلوہ
تبسّم گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

حضور صاحب لولاک ﷺ کی سیرتِ مطہرہ انسانی زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے۔ آپ ﷺ نے شاہراہِ حیات پر جو تابندہ نقوش ثبت کئے ہیں، وہ کائنات کے ہر منشور سے زیادہ قابل عمل ہیں۔ پُر امن شہری کی حیثیت سے، فتح عظیم کے شادیانے بجانے والی فوج کے سالارِ اعلیٰ کی حیثیت سے، لاکھوں مربع میل پر مشتمل عظیم سلطنت کے مقتدرِ اعلیٰ کی حیثیت سے، عدل و انصاف کا پرچم سربلند رکھنے والے منصف کی حیثیت سے، اعجاز نطق سے بہرہ ور راہنما، صاحب تدبیر سیاستدان اور معجزانہ صلاحیتیں رکھنے والے دانش ور کی حیثیت سے آپ ﷺ نے اپنی سیرت و کردار اور ارشادات و فرمودات کا جو انمول خزانہ چھوڑا ہے، وہ تا ابد اقوامِ عالم کے لئے حکمت و موعظت اور راہنمایانہ بصیرت افروزی کا باعث بنا رہے گا۔

چشمِ اقوام یہ نظارا ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ دیکھے

آپ ﷺ کی جلیل القدر شخصیت ہر دَور اور ہر زمانے میں مشعلِ راہ رہی ہے۔ ہر عہد اور ہر صدی نے آپ ﷺ سے فیض اُٹھایا ہے۔ اگر دلوں سے تعصبات کی آلائش دُور کر دی جائے تو ہر دل نبی کریم ﷺ کی مُسلّمہ عظمت کا مُعترف اور ہر زبان آپ ﷺ کی ثناء خوانی پر مجبور نظر آئے گی۔ ابھی پچھلے دنوں "ہارٹ پبلشنگ کمپنی نیو یارک، امریکہ" نے کتاب "The Hundred" شائع کی ہے، جو بڑے سائز کے ۵۶۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں اس غیر مُسلم مُصنّف نے اِبتدائے آفرینش سے آج تک پوری دُنیا کی تاریخ سے ایسی ایک سو شخصیات کو منتخب کیا ہے

جنہوں نے تہذیب وتمدّنِ عالم کو سب سے زیادہ متاثر کرتے ہوئے عظمتِ انسانیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔اس کتاب کے مصنف نے ان برگزیدہ منتخب شخصیات میں سب سے پہلی حیثیت بانیٔ اسلام حضرت محمد ﷺ کو دی ہے۔ مصنف جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس فہرست میں مقامِ اوّلین دیتے ہوئے دلیل پیش کرتا ہے کہ یہ صرف آپ ﷺ (حضور نبی کریم ﷺ) ہی تھے' جنہوں نے انسانیت کی درست سمت میں راہنمائی کی۔ مائیکل ایچ ہارٹ اس سلسلہ میں اپنے انتخاب کے حق میں مزید دلائل دیتے ہوئے رقمطراز ہے۔

''حضرت محمد (ﷺ) اس علاقہ میں مبعوث ہوئے' جو دنیا کا پسماندہ ترین خطہ تھا۔ یہ علاقہ دنیا بھر کے عُلوم وفُنون کے مراکز سے بہت دُور تھا اور وہاں انسانی اقدار کی ترویج کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا تھا' لیکن حضرت محمد ﷺ تھوڑے ہی برسوں میں اس علاقہ میں ناقابلِ یقین حد تک جو حیرت انگیز انقلاب لے آئے' وہ آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور شخصیت سے ممکن ہی نہ تھا۔ یہ آپ ﷺ کی راہنمائی کا ہی اعجاز تھا کہ انسانی کردار کی عظمتوں سے محروم اس خطہٗ سے عالمِ انسانیت کی راہنمائی کا آغاز ہوا''۔

حضور سیّدِ یوم النشور ﷺ کا خُطبہ حج الوداع انسانی حُقوق وفرائض کے تعیّن کی سب سے اہم دستاویز ہے۔ آپ ﷺ نے عالمِ اسلام کو مساوات واخوت اور محبت وشفقت کا پیغام دیتے ہوئے فرمایا کہ

''تمہارا باپ ایک ہے' عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے' نہ کالی رنگت والے کو سُرخ رنگت والے پر فضیلت ہے اور نہ سُرخ رنگت والے کو کالی رنگت والے پر فضیلت ہے' بجز تقویٰ کے''۔(سبل الہدیٰ ج ۸)

آپ ﷺ نے اصلاحی معاشرہ کے خطوط وضع فرماتے ہوئے صرف اور

صرف تقویٰ و پرہیزگاری کو ہی معیارِ فضیلت قرار دیا' یہ حقیقت ہے کہ جب انسان کے فکر و عمل میں تقویٰ کی سربلندیاں سما جائیں تو پھر وہ اپنی عملی زندگی میں ہر گام پر' ہر آن تعلیماتِ قرآنی اور ارشاداتِ نبوی ﷺ کو پیشِ نظر رکھتا ہے اور اس طور اس کی زندگی عظمتِ کردار کا نمونہ اور پاکیزگی اطوار کا مظہر بن جاتی ہے۔ آج کے نام نہاد دانشور ابراہام لنکن کو انسانی حقوق کا سب سے بڑا محافظ قرار دے کر اُسے غلاموں کے نجات دہندہ کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ مقامِ افسوس تو یہ ہے کہ ہر معاملہ کو یورپ کی بخشی ہوئی متعصّبانہ دانش کی روشنی میں دیکھنے والے بہت سے مسلمان اصحابِ فکر بھی اس معاملہ میں اُن کے ہمنوا بن جانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ لیکن ذرا تاریخی حقائق پر نگاہِ دوڑایئے تو صداقت اپنا وجود منواتی ہوئی دکھائی دے گی۔ ابراہام لنکن سے صدیوں پیشتر حضور نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو غلاموں کے ساتھ بہترین سلوک کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ ''غلام تمہارے بھائی ہیں' انہیں وہی کھلاؤ جو تم کھاتے ہو''۔ (بخاری شریف' کتاب العتیق' ج ا باب ۱۵۸۳)

ایک اور مقام پر غلاموں کی قدر اور عزّت افزائی اس حدیث سے اُجاگر ہوتی ہے۔

''جن کو تم غلام کہتے ہو' تمہارے بھائی ہیں' جن کو خدا نے تمہارے تحت میں کر دیا ہے۔ پس جن کو خدا نے تمہارے تحت میں کر دیا ہے' ان کو وہ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہ پہناؤ جو تم پہنتے ہو''۔

(بخاری شریف' کتاب الادب' ج ا۔ بخاری شریف' کتاب العتیق ج ۳)

آپ ﷺ نے اپنے ارشادات کی عملی تفسیر پیش کرتے ہوئے اپنے جانثار اور وفادار غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نہ صرف غلامی سے آزاد کر دیا بلکہ اپنا مُنہ بولا بیٹا بھی بنا لیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے غلام آزاد کر دیئے اور چشم عالم نے پہلی بار

غُلاموں کو اپنے سابقہ آقاؤں کے شانہ بشانہ زندگی کی جِدّ وجُہد میں مصروف دیکھا۔ سیاہ فام حضرت بلال رضی اللہ عنہ' جب حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو یکا یک جلیل القدر اصحابِ رسُول ﷺ کی صفِ اوّل میں شامل ہو گئے اور انہیں آقائے دو عالم ﷺ کی نگہِ فیض رساں نے یُوں فیض یاب فرمایا کہ ان کی زندگی عُشّاقِ رسُول ﷺ کے لئے قابلِ رشک بن گئی۔ حبش سے آنے والے بلال رضی اللہ عنہ کے مُقدّر کا سِتارہ یُوں چمکا کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کے معتمدین میں شُمار ہونے لگے' اور جب یہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ وفات پا گئے تو سیّدنا عمر فاروق الاعظم رضی اللہ عنہ ان کے فضائل و اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے نہیں تھکتے تھے کہ

''الماٰت سیّدی بلال'' (ہمارے سردار بلال رضی اللہ عنہ وفات پا گئے)

آج دنیا مساوات کے نعرے لگا رہی ہے۔ پسماندہ اور کُچلے ہوئے انسان رنگ و نسل اور ذات پات کی زنجیروں کو توڑ کر اُبھرنا چاہتے ہیں۔ وہ انسانی حُقوق کی بالادستی کے نام پر اپنی پسماندگی اور سماجی زبُوں حالی کا مداوا چاہتے ہیں۔ لیکن باوجود اپنی انتہائی کوشش کے وہ اس سماجی اُونچ نیچ' طبقاتی حد بندی' اور معاشرتی عدم مساوات کی دیواروں میں شگاف پیدا نہیں کر سکے۔ نظریات کے نام پر اپنا سب کچھ تج دینے کے باوجُود بھی ایک نچلے طبقے کا انسان اپنے سے اُوپر کے زینے پر بیٹھنے والے کے برابر نہیں بیٹھ سکتا۔ افریقہ کا حبشی چاہے کریم رگڑتے رگڑتے اپنی کھال تک چھیل ڈالے' حُقوق میں گورے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کا اچھوت انتہائی اپٹوڈیٹ (Upto date) ہونے کے باوجود براہمن کے حُقوق نہیں پا سکتا' اور امریکہ کا ریڈ انڈین برسرِ اقتدار سفید فام طبقے کی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ لیکن اسلام کی آغوش میں جو بھی آتا ہے' وہ رنگ و نسل کے امتیازات اور ذات بر[illegible]ری کی تفریق کو بُھول کر ایک ملّتِ مسلمہ میں گُم ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ختمی مرتبت ﷺ کس درجہ

غلاموں اور خادموں کا خیال رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے۔

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ایک غلام کو مار رہا تھا، پیچھے سے کسی کہنے والے کی آواز سنی، وہ کہہ رہا تھا۔ ابومسعود (رضی اللہ عنہ) جان لو! ابومسعود (رضی اللہ عنہ) جان لو۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول اکرم ﷺ کھڑے تھے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھ پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی تو غلام پر رکھتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد غلام کو کبھی نہیں مارا''۔

(جامع ترمذی شریف، ج ا، ابواب البر والصلہ، حدیث ۲۰۱۳)

اس ضمن میں ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔

''امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے مصاحب سعید بن مرجانہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی غلام مسلمان کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم سے بچائے گا''۔ (بخاری شریف ج ا کتاب العتیق باب ۱۵۸۳)

کافروں کو ناگوار گزرتا تھا کہ حضورِ اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں غریب اور نادار مسلمان مساواتِ اسلامی کی تصویر بن کر بیٹھے ہوتے تھے، لیکن اس رحمتِ مجسم نے امیروں کی خاطر غریبوں کو دھتکارنے سے انکار کر دیا اور ''اَلْفَقْرُ فَخْرِی'' کو اپنا افتخار بناتے ہوئے زمانے بھر کے مظلوم و مقہور انسانوں کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ آپ ﷺ کی غلاموں سے شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کہا کرتے تھے۔

اور یہ آپ ﷺ کی تربیت کا ہی اعجاز تھا کہ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مدینہ سے بیت المقدس تک کا سفر اپنے غلام کے ساتھ دوسری سواری نہ ہونے کے باعث ایک اونٹنی پر یکے بعد دیگرے چڑھتے اترتے طے کیا۔ بیت

المقدس فتح ہو چکا تھا اور خلیفۂ اسلام کو اپنے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے فاتحانہ انداز کے ساتھ شہر میں داخل ہونا تھا۔ اپنے اور بیگانے سبھی خلیفۃ المسلمین کی آمد کے منتظر تھے۔ جب سیّدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ بیت المقدس کی حدود میں داخل ہوئے اور عمائدینِ لشکر آپ کے استقبال کو بڑھے تو اس وقت کیفیت یہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غُلام اُونٹنی پر سوار تھا جب کہ امیرالمومنین اونٹنی کی مہار پکڑے آیاتِ فتح ونُصرت تلاوت فرماتے ہوئے پیدل چل رہے تھے۔ مساواتِ اسلامی کے سلسلے میں یہ وہ اعتدال پسند طرزِ عمل ہے، جس کا اعتراف صرف اپنوں کو ہی نہیں بلکہ اغیار کو بھی ہے۔ چُنانچہ انگلستان کے مشہور و معروف عالم مسٹر آئزک ٹیلر نے اپنی کتاب ''افریقہ میں اسلام کی ترقی'' میں اعتراف کیا کہ

''جب حبشیوں کی کوئی قوم اسلام قبول کر کے جناب محمد ﷺ کے دامانِ رحمت میں پناہ لے لیتی ہے تو ان میں حمیّت وخُودداری کا احساس بڑھ جاتا ہے اور وہ انسانی ہمدردی واُخوّت کا سبق سیکھ لیتے ہیں۔ ایک غیر مُسلِم اِسلام قبُول کرتے ہی فوراً عالمِ اسلام کی عظیم الشان برادری کا رُکن بن جاتا ہے''۔

قرآن حکیم نے ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ '' (پ۲۶ سورۃ الحجرات آیت ۱۰) فرما کر عالمِ اسلام کو ایک ہی مرکز پر لا کر یوں کھڑا کر دیا کہ مسلم معاشرے میں عربی، عجمی، گورے کالے، اسود و احمر، شرقی غربی اور فقیر و امیر کا امتیاز اُٹھ گیا۔ ایک کعبہ، ایک قرآن، ایک خُدا اور ایک رسول ﷺ کا تصوُّر اتنا راسخ ہوا کہ دل و نگاہ میں مساوات و اخوت اسلامی کی حقیقت مہر و ماہ کی صورت ضَوفِگن ہوگئی۔ چشمِ فلک صدیوں تک اسلامی تاریخ کے یہ حیرت انگیز نظائر دیکھتی رہی کہ شاہانِ وقت عام شہریوں کی حیثیت سے عدالتِ انصاف میں حاضری دیتے رہے، اور جب کسی مفلوک الحال کا ہاتھ طلبِ انصاف کی خاطر بادشاہ کے دامن کی طرف دراز ہوتا تو وہ خوفِ خُدا اور عظمتِ عدل و

انصاف کا احساس کر کے لرز لرز اٹھتا۔ تاریخ بلاشبہ ہماری عظیم روایات کی امین اور درخشندہ کارناموں کی پاسدار ہے۔ خلفائے راشدین کی بات چھوڑیئے کہ وہ تو چشمِ نبوّت کے براہِ راست فیض یافتہ تھے' بعد کے اَدوار کے مسلم حکمرانوں اور سلاطین نے بھی مُدّتوں مساواتِ اسلام کا پرچم اس شان سے سربلند کئے رکھا کہ اُنہوں نے خود کو تازیست عوام کے حُقُوق کا پاسبان اور رعایا کا ادنیٰ خادم تصوُّر کرتے ہوئے رعایا کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کو اپنی توہین تصوُّر نہ کیا بلکہ اقتدار کو رعایا کی امانت اور عطیہٴ خُداوندی سمجھتے ہوئے انصاف کے حُصُول کے لئے بلند ہونے والی نحیف سے نحیف تر آواز کو بھی آوازۂ فطرت سمجھ کر اس کا استقبال کرتے رہے۔

آج کے دَور میں عورت کو مرد کے برابر حُقُوق دینے کا نعرہ بلند کرنے والے اس دَور کو عورت کی عظمت کا زمانہ قرار دیتے ہیں' لیکن ذرا تاریخ کے ایوانوں میں جھانک کر دیکھیں تو صاف ظاہر ہوگا کہ یہ صرف حضُور نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی تھے جنہوں نے سب سے پیشتر عورت کو نہ صرف اس کے غصب شُدہ حُقُوق واپس دلائے بلکہ اسے مرد کے سامنے عفت و عصمت اور تقدیس و حیاء کی دیوی بنا کر پیش کیا۔

آپ ﷺ سے قبل عرب معاشرے میں ہی نہیں بلکہ دُنیا بھر میں عورت اس کرۂ ارضی کی سب سے مظلوم ہستی تھی۔ عورت کو پاؤں کی جُوتی سے بھی حقیر سمجھا جاتا تھا۔ جنسِ بازار کی طرح اُس کے دام لگائے جاتے تھے۔ رُوما و یُونان' میں جو اپنے اَدوار کے عظیم تہذیبی مراکز تھے' عورت کو صرف جنسِ بازار تصوُّر کیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں خاوند کے مرنے پر اس کی بیوی کو زبردستی آگ میں جلا کر ستی کی رسم کو مذہبی ضابطہ بنا لیا گیا تھا۔ عرب معاشرہ میں بعض جگہ باپ کے مرنے پر اس کا ورثہ تقسیم کرتے ہوئے بیٹے اس کی بیویاں بھی بانٹ لیا کرتے تھے۔ بدنصیب ماں' بیٹی جنتی تو باپ مجسّم قہر و غضب بن کر بیٹی کو زندہ زمین میں دفن کر دیتا کیونکہ اس کے لئے یہ تصوُّر ہی ناقابلِ

برداشت تھا کہ مستقبل میں کوئی شخص اُس کا داماد بن کر اُس کی غیرت کے لئے چیلنج بن جائے۔ چونکہ حضور سرورِ عالم ﷺ پوری کائنات کے لئے رحمت وشفقت کا پیغامِ سربلند تھے' اس لئے آپ ﷺ نے عورت کو مرد کے برابر حقوق عطا کرتے ہوئے مردوں کو تلقین کی کہ وہ اپنے اہل وعیال کا مکمل خیال رکھیں کہ یہی اچھی زندگی کی نوید ہے۔ اس حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ اِرشاد مبارک اسلامی طرزِ حیات کو ایک قابلِ فخر اعزاز بخش رہا ہے۔

''اے لوگو! ڈرو اللہ سے' عورتوں سے زیادتی نہ کرو' اس لئے کہ ان کو تم نے اللہ پاک کی امان سے لیا ہے' اور ان کو اللہ تعالیٰ کے کلمہ سے اپنے اوپر حلال کیا ہے۔ ان کا حق تمہارے اُوپر یہ ہے کہ ان کی روٹی اور کپڑا دستور کے مطابق تمہاری ذمّہ داری ہیں''۔ (صحیح مسلم ج ۳ باب حجۃ النبی)

ایک اور حدیث میں اِرشاد ہوا۔

''لوگو! اپنی بیویوں کے متعلق اللہ سے ڈرتے رہو۔ عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ تم انہیں اچھی طرح سے کھلاؤ اور اچھی طرح سے پہناؤ''۔ (بخاری شریف باب الحج)

آپ ﷺ نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کی تلقین کرتے ہوئے انہیں عورت کی عفّت وعصمت کا پاسباں قرار دیا تو یکا یک عرب معاشرے میں ہی نہیں بلکہ پُورے عالمِ انسانیت میں حیرت انگیز حد تک خوشگوار انقلاب برپا ہو گیا۔ آپ ﷺ کے اِرشاد کے مُطابق عورت اگر ماں بنی تو اولاد پر واضح کر دیا گیا کہ ماں کے قدموں تلے جنّت ہے۔ اگر عورت بیوی بنی تو خاوند کو بیوی کے حُقُوق کا بھرپُور احساس دلاتے ہوئے اُن کی ادائیگی کی سخت تلقین کی۔ اگر عورت بیٹی کے رُوپ میں سامنے آئی تو باپ کے لئے بیٹی کی رُوحانی واخلاقی تعلیم لازمی قرار دے دی گئی۔ جہاں آپ ﷺ نے عورت کو پستی وذلّت کی گہرائیوں سے نکال کر اُس کو رُوحانی واخلاقی

اور تہذیبی و معاشرتی حقوق عطا کئے وہاں اُسے اُس کے خاندانی اور معاشرتی فرائض کا احساس بھی دلایا۔

اسلام دوسرے مذاہب کی طرح عورت کو بُرائیوں کا بھنڈار' شیطانی مخلوق اور گناہوں کی محرک قرار نہیں دیتا اور نہ ہی اس کو حقارت سے دیکھتا ہے۔ اُس کے دائرۂ ایمان میں عورت بھی ایسی ہی مخلوق ہے' جیسے مرد۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ (پ۲ سورہ البقرۃ:۲۲۸) کہہ کر مردوں کو مجبور کر دیا گیا کہ عورتوں کے حقوق کو پامال نہ کریں اور عورت کے مقام اور حقوق کے تعین اور ادائیگی کے سلسلہ میں خدا سے ڈریں۔ البتہ اسلام آج کی جنسی انارکی کے خلاف ہے' جو عورت کو نام نہاد آزادی اور ترقی کے نام پر ننگی کا ناچ نچاتی ہے۔ آج کی عورت جنسِ بے مایہ کی مانند سرِ بازار اپنی متاعِ غیرت و حمیّت سے لاتعلقی کا عملی اظہار کر رہی ہے۔ اسلام اِس لاابالیانہ زندگی کا مُخالف ہے اور چاہتا ہے کہ عورت اوروں کے فرائض کا بوجھ اٹھانے کے بجائے اپنے فرائضِ منصبی انجام دے۔ خانگی اُمور' اولاد کی پرورش' گھر کی نگہداشت' ایسے بنیادی کام ہیں جو عورت سے براہ راست تعلّق رکھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق اسلام جہاں عورت سے اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ چادر اور چار دیواری کی حُرمت کا احساس کرے' وہاں وہ مردوں سے بھی عورتوں کے حقوق منواتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''کوئی مومن مرد کسی مومن عورت کو دشمن نہ رکھے۔ اگر اس میں ایک عادت ناپسند ہوگی تو دوسری پسند بھی ہوگی''۔ (صحیح مسلم' ج ۴ باب الوصیۃ بالنساء)

حضور نبی کریم ﷺ کے اعلانِ نبوّت سے پہلے عرب معاشرہ میں بیٹی کا وجود ناقابلِ برداشت تھا لیکن آپ ﷺ نے بیٹیوں کو قابلِ رشک رُتبہ عطا فرما دیا' اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا'' جس نے دو بچیوں کی پرورش کی' میں اور وہ جنت میں یوں دو انگلیوں کی طرح ہوں گے۔ آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر اِرشاد فرمایا''۔ (جامع ترمذی' ج۱' باب البر والصلہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''عورتوں سے خیر خواہی کرو کیونکہ وہ پسلی سے بنی ہیں اور پسلی میں نیچی پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے' پس اگر تو اسے سیدھا کرے گا تو توڑ دے گا اور اگر یونہی چھوڑ دے گا تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی' پس عورتوں کی خیر خواہی کیا کرو''۔

(صحیح مسلم' ج۲ باب الوصیۃ بالنساء)

ان حقائق کی روشنی میں پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ کوئی اور مذہبی شخصیت یا رُوحانی مصلح' عورت کو اس کے حقوق بخشنے اور فرائض کی بجا آوری کا احساس دلانے کا اعزاز نہیں پا سکتا۔

عام شہری کی حیثیت سے اخلاقی و تمدّنی اور انسانی اقدار کا درس دینا جس قدر آسان ہے' فاتح اور کشور کشا بن کر اِن اقدار پر عمل کرنا اتنا ہی دشوار ہوتا ہے۔ جنابِ رسالت مآب ﷺ کی والا مرتبت شخصیت اس معیار پر بھی پُوری اُترتی ہے۔ ایک عام شہری کی حیثیت سے آپ ﷺ عالمِ انسانیت کے مصلح و راہنما تو تھے ہی لیکن جب عالمِ عرب کا اقتدار آپ ﷺ کے قبضہ و اختیار میں آ چکا تھا' تو آپ ﷺ نے اس وقت بھی انسانی اقدار کی سر بلندی اور انسانیت کی فوز و فلاح کو لحظہ بھر کے لئے بھی فراموش نہ کیا۔

تاریخ نے بڑے بڑے جرنیلوں اور کشور کشاؤں کو دیکھا ہے' جو عام زندگی میں انسانی اقدار کے کتنے بڑے مبلّغ تھے' لیکن جب حالتِ جنگ کا اعلان ہوا تو انہوں نے ہر قیمت پر کامیابی حاصل کرنے کے لئے تمام اخلاقی قوانین اور تہذیبی ضوابط اپنے

ہی قدموں تلے پامال کر دیئے۔

محسنِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی انسانیت نوازی دیکھنی ہو تو تاریخ کے دھارے کو چودہ صدیاں قبل موڑ دیجئے اور اس وقت کا تصوّر کیجئے جب آپ ﷺ مکہ میں فاتحانہ انداز سے داخل ہو رہے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کے دشمنوں کی ہر تحریکِ مزاحمت دم توڑ چکی تھی۔ آپ ﷺ اپنے خُدائے جلیل کی عظمت و برتری کے مظہر بن کر تاریخ کے عظیم ترین فاتح کی حیثیت سے اپنے آبائی شہر مکہ میں قدم رنجہ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ کے حکم سے بیت اللہ کے صدہا اصنام توحید کی ہیبت سے زمین پر گر کر ٹکڑوں کی صُورت بکھر چکے تھے۔ یہ وہی شہر تھا' جہاں سے آپ ﷺ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ بزمِ ہستی دم بخود تھی۔ وقت کی رفتار تھم چلی تھی۔ آپ ﷺ کے تمام اعداء' آپ ﷺ کے خُون کے پیاسے' آپ ﷺ کے جسم اطہر پر غلاظت پھینکنے والے' آپ ﷺ کو پتھر مارنے والے' آپ ﷺ کی راہوں میں کانٹے بچھانے والے' جنت کے گلزاروں کی بشارت دینے والے پر عرصۂ حیات تنگ کرنے والے' پیکرِ انوارِ خُداوندی کو اپنی ناپاک سازشوں سے نقصان پہنچانے کے عزائم باندھنے والے' جس کے قدموں پر محرابِ کعبہ جُھکے اُس پر بُہتان طرازی کرنے والے' ظلم و تعدّی کے خُوگر' انسانی لہو کی بھینٹ لینے والے' تہذیب و تمدّن سے ناآشنا' اقدارِ انسانی سے بے بہرہ' جذباتِ محبّت و شفقت سے محروم' وحشت و بربریت کے رسیا۔ یہ سب کے سب جنابِ رحمت للعالمین ﷺ کے حضور لرزہ براندام کھڑے تھے اور اپنے بدترین ماضی کی خباثتوں کو یاد کر کے اپنے آپ کو سخت سے سخت سزا کے مستحق بنا چکے تھے۔ ان سب کے دل آنے والے لمحوں کی ہولناکی سے لرزاں تھے۔ ان کی نگاہیں شرم و ندامت کے مارے زمین میں گڑھی جا رہی تھیں۔ لیکن اپنے تمام لرزیدہ احساسات کے ساتھ ساتھ وہ اپنے دلوں میں آپ ﷺ کی

رحمت للعالمینی سے خوشگوار توقعات بھی وابستہ کئے ہوئے تھے۔اچانک آپ ﷺ کے لب ہائے جاں نواز سے زندگی بخش صدائے عام اُبھرتی ہے۔

"لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" (پ۱۳ سورۃ یوسف آیت ۹۲)

"جاؤ آج تم سے کوئی باز پرس نہیں"۔

آپ ﷺ کے مُقدّس لبوں سے زندگی کی نوید کیا ملی' عالمِ عرب میں گُلشنِ انسانیت یکا یک ہی رنگ لے آیا' کائنات نے یہ منظر پہلے کب دیکھا ہوگا۔آپ ﷺ کا یہ آوازۂ بخشش قافلۂ انسانیت کو منزلِ مقصود تک لے جانے کا باعث بن گیا۔

آپ ﷺ کے خُلقِ عظیم کے تَصَوُّر سے یہ کہنا غلط تو نہیں کہ

کچھ ان کے خُلق نے کر لی' کچھ ان کے پیار نے کر لی
مُسَخّر اس طرح دنیا شہِ ابرار ﷺ نے کر لی

غیر مُسلِم فاتحین اور جنگ آزماؤں کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ جب کسی علاقہ کو فتح کرنے کے لئے نکلتے تو راستے میں آنے والے کھیت اُجاڑ دیتے' شہر برباد کرتے' بستیوں کو ویرانوں میں تبدیل کرتے اور زندگی کی حرارت سے بھرپُور علاقوں میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کرتے تھے' اور ستم یہ کہ جب وہ کسی علاقہ کو فتح کر لیتے تو وہاں انسانوں کے خُون کے ساتھ وہ ہولی کھیلی جاتی کہ اُس کے تَصَوُّر سے احساس لرز اٹھتا ہے۔بچوں' بُوڑھوں اور نوجوانوں کا قتلِ عام ہوتا۔عورتوں کی بے حُرمتی کرتے ہوئے اخلاق اور شرافت کے تمام تقاضے فراموش کر دیئے جاتے۔ظُلم و تشدّد اور بہیمیّت کی دیوی کو لاتعداد مظلوم انسانوں کی بھینٹ دی جاتی تھی۔لیکن جب حضور ﷺ انسانیت نوازی کا تاجِ ایمانی زیبِ سر کئے تشریف لائے تو انسانی اقدار کی سربلندی کے آثار ہویدا ہونے لگے۔

حضور نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ الصلوٰۃ والسلام تو وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً

لِّلْعَالَمِیْنَ (پ ۱۷ سورۃ الانبیاء آیت ۱۰۷) کے مِصداق بن کر کائنات میں جلوہ گر ہوئے تھے۔ آپ ﷺ جب دُشمن کے مُقابلہ کے لئے نکلتے تو تمام اخلاقی اقدار اور انسانی ضوابط کی سربلندی کا اہتمام فرماتے۔ جب کسی علاقہ کو فتح کرنے کے لئے آپ ﷺ کوئی فوج روانہ کرتے تو اس کے امیرِ عسکر اور جُملہ مجاہدینِ اسلام کو دُشمنوں کے بچوں، عورتوں بُوڑھوں اور لاچاروں پر ترس کھانے کی تلقین فرماتے۔ جہاں خُلق اور محبت سے کام نکلتا ہو وہاں بلا وجہ خُون بہانے سے گریز کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔

احادیثِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف مجموعوں میں درج احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اس سے آپ کا مقصد دشمن کے مقابلہ میں نرمی یا کمزوری کا مظاہرہ نہیں تھا بلکہ آپ ﷺ کی شانِ رحمت قدم قدم پر بقائے انسانیت کا پرچم لہراتی محسوس ہوتی تھی۔

''حضرت عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت اس حالت میں رسول اللہ ﷺ کے سامنے لائی گئی کہ جسے مار ڈالا گیا تھا تو آپ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو مارنے سے منع فرمایا''۔ (مسلم شریف، ج ۵، کتاب الجہاد والسیَر)

آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے سپہ سالاروں نے ہمیشہ آپ ﷺ کے احکام کی پابندی کی اور انسانی اقدار کی عظمت و سربلندی کا ہمیشہ خیال رکھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام دُنیا بھر کے انسانوں کے دلوں کی دھڑکنوں اور مظلوم و مقہور اقوام کا چارہ گر بن کر نہایت ہی تیزی سے چار دانگِ عالم میں پھیلنے لگا۔ حضور سیّدِ عالَم تو رحمت للعالمین تھے، شفیع المذنبین تھے۔ گنہگاروں کی ڈھارس، ستم رسیدگانِ ہستی کے آلام کا مداوا اور دُنیا بھر کے مصائب کے ستائے ہوئے انسانوں کے زخموں کا مرہم تھے۔ محکوم اقوام کے لئے صبحِ آزادی کی نوید اور مجبور و بے بس مخلوقِ خُدا کے لئے مجسّم پیغامِ زندگی تھے۔ آپ ﷺ کا روشن کردار وقت کے فرعونوں کے لئے ضربِ کلیمی اور آپ کا اُسوہ زمانے بھر کے حق پرستوں کی بے پناہ قوّتِ ایمانی کا باعث تھا۔ آپ ﷺ نے

دُشمنانِ اسلام کے تمام تر مظالم برداشت کیے‘ مگر اپنی شانِ رحمت للعالمینی کے تقاضوں کو ایک لحظہ کے لئے بھی فراموش نہ کیا۔ زندگی کے کسی موڑ پر بھی آپ ﷺ کے مُنہ سے اپنے بدترین دشمن کے لئے بھی بددُعا نہ نکلی۔ یہ الگ بات ہے کہ اعدائے اسلام کی طرف سے آپ ﷺ کے ساتھ روا رکھی جانے والی بدسلوکیاں آپ ﷺ کے خُدا کو پسند نہ آئیں اور آپ ﷺ کے تمام مخالفین اپنے ناپاک عزائم کو سینوں میں لئے خُدا کے قہر و غضب کا نشانہ بن گئے۔

طائف کی بستی میں آپ ﷺ کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوا۔ کون سی بدسلوکی تھی‘ جس کا وہاں مظاہرہ نہ کیا گیا۔ آپ ﷺ پر اس قدر پتھر برسائے گئے کہ آپ ﷺ کے نعلین مبارک جسمِ اطہر سے بہنے والے خُون سے لبریز ہو گئے۔ بستی سے باہر نکل کر نڈھال ہو کر اپنے غُلام کی معیّت میں ایک درخت کی چھاؤں تلے بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کے غُلام نے اس بستی کے ظالم اور بے رحم انسانوں کے لئے بددُعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بستی کی بربادی کے لئے بددُعا کیوں مانگوں‘ مجھے یقین ہے کہ اس بستی سے میرے دین کے حامی اور پاسبان اٹھیں گے۔ دعا فرمائی تو فقط یہی کہ

الٰہی فضل کر کہسارِ طائف کے مکینوں پر
خُدایا پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

حضور فخرِ موجودات ﷺ صرف خطۂ عرب میں ہی انسانی اقدار کو سر بلندی عطا کرنے کے لئے تشریف نہیں لائے تھے‘ بلکہ آپ ﷺ تو پُوری کائناتِ انسانی کے چارہ ساز اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسانی کائنات کو زندگی کی تابانیوں سے ہمکنار کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ آپ ﷺ خاتم النبیین تھے۔ آپ ﷺ کا پیغام خُدا کا آخری اور جامع ترین دین تھا۔ آپ ﷺ جملہ تہذیبی و تمدّنی خصائص

اور علمی و عملی اوصاف کا مجموعہ تھے اور پوری انسانی کائنات کو انسانیت نوازی کی بشارت دینے کے لئے بزمِ عالم میں جلوہ گر ہوئے تھے۔ خطۂ عرب تو آپ ﷺ کا مقامِ اوّلین تھا۔ ایک دن اسی خطّے سے دُنیا نے انسانیت کی سرفرازی کے آداب سیکھنا تھے۔ آپ ﷺ کا کردار انسانی اوصاف کا مکمل ترین نمونہ تھا۔ آپ ﷺ نے خطۂ عرب میں انسانی سیرت و کردار کی رِفعت طرازیوں کا جو تاریخ ساز نمونہ پیش کیا' جلد ہی اس کی بدولت آپ ﷺ کے پیغام انسانیت کی مہک چاروں طرف پھیلنے لگی۔

آپ ﷺ کا پیغام ستم رسیدگانِ ہستی کے آلام کا مداوا بن کر دلوں میں یوں گھر کر گیا کہ ظالم و سرکش خُدا سے ڈرنے لگے اور مظلوم و بے کس انسان باوقار زندگی کے آداب سے آشنا ہو گئے۔ اس نبی امی ﷺ کی یہ چارہ سازی آدمیت کے آداب کی سرفرازی اور اخلاقی ضوابط کی دائمی برتری کا باعث بن گئی۔

وہ اک اُمّی کہ ہر دانش کو چمکاتا ہُوا آیا
وہ اک دامانِ بخشش پھول برساتا ہُوا آیا
وہ اک عظمت کہ مظلوموں کے چہرے پر دمک اٹھی
وہ اک بندہ کہ سُلطانوں کو ٹھکراتا ہوا آیا
وہ اک نرمی کہ سنگ و خشت کے سینے میں جا اُتری
وہ اک شیشہ کہ ہر پتھر سے ٹکراتا ہوا آیا
ترے دَر کے سِوا آسودگیِ دل کہاں ملتی
ترے دَر پہ زمانہ ٹھوکریں کھاتا ہوا آیا

(ضمیر جعفری)

آپ ﷺ کو یہ عظیم الشان کامیابیاں راتوں رات نصیب نہیں ہو گئی تھیں۔ آپ ﷺ نے رہ حق و صداقت میں انسانیت کی بقا کے لئے ہر قسم کے آلام و مصائب

کو سینے سے لگایا۔ آپ ﷺ پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی گئی۔ وائے حیرت کہ افلاک کی رفعتیں جس کو سلام کریں اس پہ حالت سجدہ میں اونٹ کی اوجھڑیاں پھینکی گئیں۔ پیکر یٰسین و طٰہٰ اور مظہرِ والشمس پر بہتان طرازیوں کی یلغار کر دی گئی۔ جس کے پاؤں پہ چشم عالم بوسہ دے' اسے کانٹوں پر چلنا پڑا' یہاں تک مجبور کر دیا گیا کہ مکہ کی گلیوں میں پل کر جوان ہونے والی ہستی وطن عزیز سے ہی نکل جائے' اور جب مدینہ والوں نے آپ ﷺ پر اپنا دامان محبت کشادہ کر کے آپ ﷺ کو جان عقیدت سمجھ کر ہدیۂ جان و دل آپ ﷺ کے قدموں پر نثار کر دیا تو آپ ﷺ کو وہاں بھی چین سے نہ رہنے دیا گیا اور یکے بعد دیگرے کئی جنگیں آپ ﷺ پر مسلط کی گئیں۔ مگر نتیجہ یہی نکلا۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ (پ۲۸ سورۃ الصف آیت ۸)

جنابِ محمد مصطفیٰ ﷺ جس خطۂ عرب میں مبعوث کئے گئے تھے' وہاں زندگی بے بندگی بلکہ شرمندگی کا نمونہ تھی۔ اس معاشرہ میں شرافت کمزوری اور نیکی مجبوری سمجھی جاتی تھی۔ طاقتور کو لامتناہی حُقُوق حاصل تھے' جب کہ غربت اور مفلسی کو ناقابل معافی جرم تصوّر کیا جاتا تھا۔ کمزوروں اور بے نواؤں کے حُقُوق غصب کرنے کو باعث افتخار سمجھا جاتا تھا۔ غرباء یا تو غُلام بنا لئے جاتے یا ان کو سود در سود کی چکی میں یوں پیس دیا جاتا تھا کہ ان کی زندگی موت سے بدتر ہو جاتی تھی۔ اس معاشرہ میں خیرات یا صدقہ اور رحم دلی کا احساس تک بھی نہیں تھا' لیکن حضور ﷺ نے انسانی کردار کو وہ رفعت بخشی کہ دوسروں کا حق چھیننے والے اقوام عالم کے حُقُوق کے نگہدار اور بے نواؤں کے ترجمان بن گئے۔ آپ ﷺ کی بخشی ہوئی تعلیمات ایمانی کی بدولت صاحب ثروت مسلمانوں کو یہ احساس سونے نہیں دیتا تھا کہ کہیں ان کا پڑوسی بھوکا نہ سو گیا ہو۔ یہ آپ ﷺ کا ہی فیضان نبوت تھا کہ مفلس و گداگر ہاتھ پھیلاتے ہوئے اور منعم و تونگر حاجت مند کی غیرت نفس کے احساس سے اعلانیہ بھیک دیتے ہوئے جھجکتے تھے۔

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

(اقبال)

آپ ﷺ مالک کونین تھے، سرور دنیا و دین تھے، ساقیِ کوثر تھے، قاسم رزق خداوندی تھے۔ جو کچھ ہاتھ آتا، سب خیرات کر دیتے تھے، کئی کئی وقت گھر کے چولہے میں آگ نہ جلتی تھی۔ بعض اوقات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ ﷺ کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے دیکھے۔ آپ ﷺ کے جانثار بھی آپ کی تقلید میں عالم انسانیت کے لئے مشعل رہ بن گئے۔ آپ ﷺ کے یہ فداکار آپ ﷺ کی پیروی میں مال کی محبت، جاہ پرستی، جلب زر اور اس جیسی تمام لعنتوں سے بے نیاز ہو گئے۔ اسلامی تاریخ ایسے صدہا واقعات سے بھری پڑی ہے کہ مسلمان امراء نے کھڑے کھڑے اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں تقسیم کر دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار اونٹ آئے مگر انہوں نے چند دنوں میں بانٹ دیئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانہ میں سات سو اونٹ غلہ سے بھرے ہوئے کئی گنا زیادہ منافع پر بیچنے کی بجائے فی سبیل اللہ تقسیم کر دیئے۔ آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے قانونی طور پر سرمایہ دار کو حکم دیا کہ وہ اپنے مال سے اپنے بھائی کا حصہ نکالے اور اسے اس کے دروازے پر جا کر اس طرح دے کہ دائیں ہاتھ سے دینے پر بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ ایک آدمی اس طرح چھپا کر خیرات کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتہ نہیں چلتا۔ اور اگر صدقات کو ظاہر کر دو تب بھی اچھا ہے، اور اگر صدقات چھپا کر دو تو وہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ باخبر ہے، جو تم کرتے ہو"۔

جہاں آپ نے صدقہ و خیرات کی اس شدت سے تلقین فرمائی، وہاں ہاتھ پھیلانے والے غیر مستحق گداگروں کو قیامت میں ان کے بدترین انجام سے بھی باخبر فرمایا۔ اس حوالے سے حدیث پاک ملاحظہ ہو۔

''حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے سنا کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: جو ہمیشہ لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ پر ایک بوٹی بھی نہ ہوگی''۔ (صحیح مسلم شریف، باب النہی عن المسئلہ۔ ج ۳)

اسلام نے معاشی عدل و انصاف کے دائمی اصول وضع فرمائے۔ یورپ کے نام نہاد دانشور آج اپنے آپ کو مزدوروں کے حُقوق کا علمبردار کہتے نہیں تھکتے، لیکن چودہ صدیاں قبل انسانی اصولوں سے بے بہرہ تاریک معاشرہ مزدوروں اور غُلاموں سے صرف بیگار لینے کا قائل تھا، تنخواہ اور معاوضہ کا تَصوُّر بھی نہیں تھا، اس وقت شارح اسلام ﷺ نے یہ فرما کر مزدور کا رتبہ سربلند کر دیا کہ

''مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کر دو''۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الرہون، باب اجر الاجراء)

دنیا بھر کے دساتیر پیغمبر اسلام ﷺ کے اس اِرشاد گرامی سے بڑھ کر محنت کشوں کے حُقوق کی پاسداری کی ضمانت دینے سے قاصر ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی تمام زندگی میں کبھی بھی محنت کی عظمت سے منہ نہ موڑا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے ساتھ سفر کرتے تو اپنے حصے کا کام خود کرتے۔ مسجد نبوی کی تعمیر اور غزوۂ خندق کے سلسلہ میں خندق کھودنے پر آپ ﷺ خود بوجھ اٹھاتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کی تمام تر منت سماجت کے باوجود برابر کا کام کرتے۔

آپ ﷺ نے اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کہہ کر دنیا بھر کے مظلوموں، بے نواؤں، محنت کشوں اور مزدوروں کو سینے سے لگا لیا۔ آپ ﷺ کی زندہ تعلیمات اور روشن کردار

کی بدولت نہ صرف محنت کی عظمت دوبالا ہوئی بلکہ مزدوروں اور محنت کشوں کو روحانی سکون کا احساس ہوا۔ غریبوں' لاچاروں اور دکھیاروں کو قرار آ گیا کہ معین بے کساں' زینت ہر دو جہاں' سرور کشور کشایان عالم جناب رسالت مآب ﷺ نہ صرف ان سے پیار کرتے ہیں' بلکہ قیامت کے روز ان کے ساتھ اٹھائے جانے کی دعا بھی فرماتے ہیں۔

میری غربت بن گئی اس وقت سے میرا وقار
کہہ کے جب اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ وہ ہمارے ہو گئے

(رضا)

یہ حقیقت ہے کہ آپ ﷺ نے عالم انسانیت کو جو ابدی منشور دیا' اس میں سرمایہ ایک جگہ اکٹھا نہیں ہو سکتا اور نہ ہی سرمایہ دار سودی کاروبار کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کی بدولت تقسیم زر کا ایک ایسا سنہری دور ہمارے سامنے آتا ہے کہ جس میں تجوریاں خالی اور پیٹ بھرے ہوئے ہوں۔ سامان ضرورت وافر اور دل مطمئن ہوں۔ حقوق محفوظ اور فرائض کی ادائیگی کی لگن ہو۔ روحیں پرسکون اور دل و دماغ تعلیمات محمدی ﷺ کی روشنی سے منور ہوں۔ شب و روز عبادت میں بسر ہوں' بھلائی کی ترویج اور برائی کا انسداد ہو۔ نہ تو دولت آنے کی غیر معمولی خوشی ہو' اور نہ ہی دولت جانے کا غیر معمولی غم۔

اور پھر زمانے نے وہ وقت بھی دیکھا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی حیات مقدسہ میں ہی اسلام کی کشور کشائی اور فتوحات کا پرچم حدود عرب سے نکل کر دوسرے علاقوں تک لہرا رہا تھا۔ قیصر و کسریٰ کے ایوانوں پر لرزہ طاری تھا اور شاہان زمانہ اسلام کی ہمہ گیر عظمت کے تصوّر سے ہی کپکپا رہے تھے۔ ایک عظیم الشان اسلامی حکومت کہ جس کا دارالحکومت مدینہ منورہ تھا' وجود میں آ چکی تھی۔ ہر روز نئے خطے اور شہر فتح ہو رہے تھے۔

نبی مکرم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی ایک زندہ و پائندہ حقیقت بن چکی تھی۔ ایسے عالم میں بھی جناب سرور کائنات ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات اور اہل خانہ اس سادگی اور فقر و استغنا سے زندگی بسر کرتے تھے کہ اس کا تصوّر کرتے ہی اہل شوق کی آنکھیں عشق و عقیدت کے آنسوؤں سے لبریز ہو جاتی ہیں۔ یہ کیسی زندگی تھی جس پر کائنات کی شام ابد تک کی رفعتیں قربان کی جاسکتی ہیں۔ اس زندگی کی درخشندہ ترین گواہی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس ایمان آفریں روایت سے ملتی ہے۔

''ہم آل محمد ﷺ کا یہ حال تھا کہ مہینہ مہینہ بھر تک آگ نہ سلگاتے تھے' صرف کھجوروں اور پانی پر گزارا ہوتا تھا''۔ (صحیح مسلم' ج ۴' کتاب الزہد)

متعدد کتب سیرت میں مرقوم ہے کہ جب حاتم طائی کے صاحبزادے قبولیتِ اسلام کے لئے جنابِ محمد ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''اے عدی! تمہیں اسلام لانے سے جو چیزیں روک رہی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مسلمان قوم بہت غریب ہے۔ سنو! عنقریب وہ وقت آنے والا کہ لوگ اپنے گھروں سے صدقات کا سونا چاندی لے کر نکلیں گے اور کوئی اسے لینے والا نہیں ہوگا''۔ (تلخیص از اِرشاد مصطفیٰ ﷺ)

تاریخ نے اپنی چشم بینا سے یہ دور سیّدنا حضرت حضرت عمر بن عبدالعزیز کے وقت میں دیکھا۔ حضور ﷺ کی تعلیمات کی بدولت' دولت کی گردش اس انداز سے ہوئی کہ کوئی کسی کا محتاج نہ رہا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسی مفہوم کو یوں ادا کرتے ہیں۔

کس نہ باشد در جہاں محتاج کس
نکتۂ شرع مبیں ایں است و بس

ہمیں اپنی زندگی میں مختلف حالتوں مثلاً امن و جنگ' مفلسی و محتاجی' تونگری و

غنا' ازدواج و تجرد' تعلقات خدا و معاملات عباد' حاکم و محکوم' غیظ و غضب' سکون و طمانیت' جلوت و خلوت' غرض زندگی کے تمام پہلوؤں سے سابقہ پڑتا ہے' ان تمام معاملات میں عقل انسانی ایسی بہترین کلی مثال کی جستجو کرتی ہے' جس کو مدنظر رکھ کر وہ پیش آمدہ مسائل حیات سے صحیح طور سے عہدہ برآء ہو سکے۔ ایسے عالم میں ہماری نظریں بے اختیار نبی کریم ﷺ کے اسوۂ طیبہ کی طرف اٹھتی ہیں کیونکہ عملی مثال کے لحاظ سے دوسری کوئی سیرت' اسوۂ محمد عربی ﷺ کی جامعیت اور کاملیت کے مقام و مرتبہ کو نہیں پہنچتی۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ تمام انبیاء و رسل کے محاسن اور ان کے اوصاف کے انوار الٰہی سمٹ کر سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ میں پرتو فگن ہو گئے۔ وہ تمام خصوصیات اور صفات جو ہر پیغمبر علیہ السلام کو اپنے اپنے مقام و مرتبہ اور زمان و مکاں کے لحاظ سے ودیعت کی گئیں' آپ ﷺ کی ذات والا صفات میں جمع کر دی گئیں۔ آپ ﷺ کو ان تمام محاسن و کمالات سے بہرہ ور کرنے سے قدرت کا مقصود یہ تھا کہ چونکہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کسی شریعت یا نبوت کی ضرورت باقی نہیں' اس لئے آپ ﷺ کی شخصیت سیرت و کردار کے لحاظ سے اس قدر افضل و اکمل ہونی چاہیے کہ دنیا ابد کی آخری ساعتوں تک آپ ﷺ کے فیوض و برکات کی تابانیوں سے مستنیر ہوتی رہے۔

روزِ ازل سے لے کر آج تک کسی بھی قائد انسانیت کے بارے میں دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ محفوظ ہے۔ فقط حضور رسول مقبول ﷺ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی حیات پاکیزہ کی ایک ایک ساعت تاریخ کے ایوان ابد میں جگمگا رہی ہے۔ قرآن حکیم آپ ﷺ کی سیرت کی عظمتوں کا مظہر ہے۔ احادیث نبوی ﷺ اور تاریخ و سیرت کی عظمتوں کا مظہر ہے۔ احادیث نبوی ﷺ اور تاریخ و سیرت کی بے شمار کتابوں میں آپ ﷺ کی ایک ایک ادا محفوظ

ہے۔ آپ ﷺ کے معمولات و مشاغل، اقوال و افعال، مجلس آرائی و خلوت گزینی زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت، شعائر اسلامی کی ترویج اور ادائیگی، غرض یہ کہ جزوی امور حیات سے لے کر کلی رموز کائنات تک آپ کی عملی زندگی کا ایک ایک پہلو اور فکری و نظری لمعہ افشانیوں کی ایک ایک کرن تاریخی دستاویز بن کر مادیت کی تاریکیوں کو حیات آفریں اجالے بخش رہی ہے۔ آپ ﷺ کے اوصاف حسنہ اور کمالات مقدسہ پر لاتعداد کتب تصنیف ہو جانے کے باوجود ذہن و فکر کو اپنی کم مائیگی اور عجز بیانی کا احساس ہو رہا ہے کہ

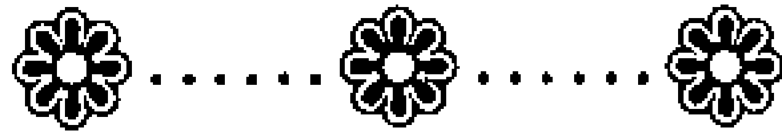
سفینہ چاہیے اِس بحرِ بے کراں کے لئے

غرضیکہ آپ ﷺ نے خلوت و جلوت، سفر و حضر، صلح و جنگ، نبوت سے قبل اور نبوت کے بعد مکہ کے عام شہری اور مدینہ منورہ کے مقتدر حکمران کی حیثیت سے، ایک بیٹے، ایک بھائی ایک شوہر اور ایک باپ کی حیثیت سے ہر لمحہ اور ہر آن انسانیت کی بقا اور انسانی و تہذیبی اقدار کے فروغ کو مدنظر رکھا۔

رسول کریم ﷺ عالم انسانیت کا وہ روشن مینار ہیں کہ جس سے پھوٹنے والی کرنوں نے وادیٔ حجاز سے لے کر افریقہ کی تاریک بستیوں تک تہذیب عالم کو یکساں روشنی اور انسانی عظمت کی حرارت بخشی ہے۔ یہ رسول خُدا جناب سرور کائنات ﷺ کی عظمت بے پایاں اور انسانیت نوازی کا ہی اعتراف ہے کہ آج دشت و جبل میں بحر و بر میں، زمینوں آسمانوں میں، عرب کے ریگ زاروں میں، ایشیا کی عبادت گاہوں میں، یورپ کے علمی و تہذیبی سرمائے میں، افریقہ کے کالے انسانوں کے چمکتے دلوں میں، محسوسات کے مہکبار گلستانوں میں، عشق و عقیدت کے پرانوار ایوانوں میں، فکر و تدبر کی روشن وادیوں میں، شعراء کی مدحت طرازیوں میں، ادیبوں کی ادب نوازیوں میں اور خطیبوں کی تکلم باریوں میں حضور ﷺ کا نام نامی اسم گرامی انسانیت کے

سب سے بڑے محسن کی حیثیت سے اُبھرتا اور جگمگاتا ہے۔ رُوحِ فطرت کا یہ جاں نواز پیغام اقبال کے لفظوں میں یوں محبتِ رسول ﷺ کا احساس بخش رہا ہے۔

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمد سے اُجالا کر دے



وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو اشاعت اسلام کے لئے جن مصائب و مشکلات سے دوچار ہونا پڑا' اس قدر مصائب و آلام سے کسی اور پیغمبر یا مصلح کا واسطہ نہیں پڑا۔ آپ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ والد محترم حضرت عبداللہ داغ مفارقت دے گئے' اور پھر ابھی معصوم بچے ہی تھے کہ والدہ ماجدہ سیّدہ آمنہ رضی اللہ عنہا انتقال فرما گئیں۔ ذرا بڑے ہوئے تو سردار قریش حضرت عبدالمطلب جو کہ آپ کے دادا جان تھے اور جنہوں نے اپنی شفقت و عنایات کی بدولت آپ کو یتیم ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا تھا' وہ بھی جُدا ہو گئے۔ جب آپ نے تبلیغ اسلام کا پرچم لہرایا تو مہربان چچا حضرت ابو طالب آپ کی ڈھارس بن گئے تھے' رحلت فرما گئے۔ اب آپ کے اعداء اور دشمنوں کی بن آئی۔ آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے گئے' آپ گھر سے نکلتے تو آپ پر پتھروں کی بارش کر دی جاتی۔ آپ کے چہرۂ یٰسین پر غلاظت پھینکی جاتی۔ آپ پیغام حق سناتے تو آپ کو ساحر و کذّاب کہہ کر آپ کی حوصلہ شکنی کی جاتی۔ آپ کے ساتھیوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ کئی صحابہ جام شہادت نوش کر گئے مگر تبلیغ اسلام کا دھارا آگے بڑھتا گیا۔ کفار کے مظالم' سب و شتم' دشنام طرازی' بہتان گوئی اور بدگفتاری کے جواب میں رب کریم نے اپنے حبیب ﷺ کو جس انعام سے نوازا' اس کی تاریخ نبوت میں مثال نہیں ملتی۔ آپ کی زندگی کو اسوۂ حسنہ بنا کر آپ کو اس خلعت جاودانی سے سرفراز کیا گیا۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ. (پ۳۰ سورہ الم نشرح آیت نمبر۴)

ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

بلاشبہ اس عنایت خداوندی کے نام پر آپ کے ذکر' آپ کے افکار اور آپ کے کردار کو جو رفعت و سربلندی اور دوام حاصل ہوا' وہ ہمیشہ اہل ایمان کے دلوں کو منور کرتا رہے گا۔ یہ خدا کا حکم تھا جو آسمانوں پر لکھا تھا اور وقت آنے پر اس حکم اس فیصلے کا اعلان عرب کی سرزمین پر ایک ایسے انسان کی زبان سے کرایا گیا جو بظاہر کسی درس گاہ کا تعلیم یافتہ نہیں تھا۔ اس لئے آپ کے مٹھی بھر چند دوستوں کو چھوڑ کر باقی سب نے یہی سوچا ہوگا کہ یہ نبی اُمّی کیسی انہونی بات کہہ رہا ہے۔ کس طرح ممکن ہے کہ ایسے شخص کا ذکر رہتی دنیا تک کے لئے سرفراز و سربلند ہو جائے جسے خود اس کے شہر مکہ والے اپنے درمیان رکھنے سے انکاری ہوں' اور جس پر ایمان لانے والوں کو ظلم و تشدد کے تیروں سے چھلنی کیا جا رہا ہو۔ لیکن اعدائے رسول نہیں جانتے تھے کہ اصل قوت تو ''صاحب کن فیکون'' خدائے واحد کی ہے جو ایک بار حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ اب جب وہی ''صاحب کن فیکون'' اپنے حبیب کے ذکر کو دوامی سربلندی عطا کر رہا ہے تو زمان و مکان کی کوئی رکاوٹ اس کا راستہ نہیں روک سکتی' اور پھر چند سالوں کے اندر ہی یہ ناقابل یقین بات واضح سچائی کی صورت اختیار کر گئی۔

آپ ﷺ کے ذکر جمیل کا جو پرچم فاران کی چوٹیوں' عقبہ کی گھاٹیوں اور کوہ حرا کے خلوت کدوں سے نور خدا کا مظہر بن کر بلند ہوا تھا' وہ پورے جزیرہ نمائے عرب پر چھا گیا۔ ہفتے سالوں میں اور سال صدیوں میں بدلتے گئے۔ زندگی سفر کرتی رہی۔ وقت کا کارواں شام ابد کی جانب رواں دواں ہو گیا اور آج جبکہ چودہ صدیوں سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے تو اس کے ذکر حسین کا آوازہ افریقہ کے ریگزاروں' انگلستان کے سبزہ زاروں' سپین کے کلیساؤں' امریکہ کی وسعتوں' آسٹریلیا کے مغربی ساحلوں اور

سوئٹزرلینڈ کے برف پوش پہاڑوں پر یکساں قوت کے ساتھ سنائی دے رہا ہے۔ مؤذن کی اذانوں میں' خطیب کے تکلم میں' شاعر کی فکری گہرائی میں' مفکر کے انداز فکر میں اسی نعرۂ مستانہ "ورفعنا لک ذکرک" کی جلوہ گری ہے۔ اور پھر اس ذات والا صفات ﷺ کی رفعتوں کا کیا ٹھکانہ کہ جس پر خود اس کا آقا درود بھیجے' اور پھر یہی تو ایک کام ہے جس میں عبد کے ساتھ معبود اور مخلوق کے ساتھ خالق بھی شریک عمل ہے۔

در دل مسلم مقامِ مصطفیٰ است
آبروئے ما زنامِ مصطفیٰ است

(اقبال)

حضور سلطان دو عالم ﷺ کے تذکار قدسی کی سربلندی تقاضائے مشیت الٰہی کے تابع تھی۔ آپ جب غار حرا کی خلوتوں میں عبادت گزیں ہوئے تو اہل مکہ آپ کو محمد بن عبداللہ کے نام سے جانتے تھے' مگر جب آپ غار حرا کی ظلمتوں کو شمع نور سے ضوفگن کر کے باہر نکلے تو زمانہ آپ کو "محمد رسول اللہ" کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔ یہ ایک حیرت انگیز انقلاب تھا جو غار حرا کے اندر رونما ہو چکا تھا۔ خدائے قدوس اپنے نمائندہ خاص حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ اپنے حبیب کو نواز چکا تھا۔ اور یہ نوازشیں کوئی نئی تو نہیں تھیں' صبح ازل "میثاق نبوت" کے نام پر نور محمدی کی تصدیق کے لئے جملہ انبیاء و رسل سے جس طور عہد لیا گیا تھا اب اسی کی عملی طور پر تجدید ہو رہی تھی۔

پھوٹا جو سینۂ شبِ تارِ الست سے
اس نورِ اولیں کا اُجالا تمہی تو ہو

(ظفر علی خاں)

اب سلطان دو عالم ﷺ کے رگ و پے میں اللہ سما چکا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے' چلتے پھرتے' خلوت و جلوت میں' گفتار و کردار میں' اقوال و افعال میں' سکوت و گویائی میں'

نینداور بیداری میں حضور نبی کریم ﷺ کے روئیں روئیں میں اللہ کے انوار ضوفگن تھے اور ادھر رب تعالیٰ بھی اپنے محبوب ﷺ کو پل پل یاد کر رہا تھا۔ قرآن مجید کی صورت میں۔ کبھی آپ کی صورت کا تذکرہ ہو رہا ہے تو کبھی سیرت قدسی کا۔ کبھی آپ کی توصیف ہو رہی ہے تو کبھی محبت کا اظہار ہو رہا ہے۔ کہیں آپ کے چہرۂ انور کا ذکر ہے تو کہیں حسن لافانی کا' کہیں جمال ظاہری کا ذکر ہے تو کہیں کمال باطنی کا' کہیں زلفوں کی بات چھڑ گئی تو کہیں آپ کی چادر مبارکہ موضوع قرآن بن گئی ہے' کہیں فتح و نصرت کی نوید سنائی جارہی ہے تو کہیں گنہگار امت کی بخشش کے وعدے ہو رہے ہیں۔

کہیں آپ کے عشاق (صحابہ) کا ذکر ہے تو کہیں آپ کے نام پر مر مٹنے والوں کو حیات جاودانی سے نوازا جارہا ہے۔ کہیں آپ کے دشمنوں کو دردناک انجام سے ڈرایا جارہا ہے تو کہیں آپ کے گستاخوں کو ذلت وخواری سے دوچار کیا جارہا ہے' کہیں آپ پر رحمتیں نازل کی جارہی ہیں تو کہیں دوست پر سلام بھیجا جارہا ہے۔ سبحان اللہ! سلام بھیجنے والا بھی کون؟ اور درود وسلام سے نوازا جانے والا دوست بھی کون؟

اللہ اللہ مرتبے سلطان بطحا کے رضا
ذاتِ احمد بن گئی جب مظہرِ نورِ خُدا

یہی نہیں۔ خُدا نے تو اپنے حبیب ﷺ کی ذات اقدس کو وسیلہ بنا کر اہل ایمان کے دل کی دھڑکنوں میں بسا دیا۔ نماز ہوتی نہیں جب تک آپ کو سلام نہ بھیجا جائے۔ اذان ہوتی نہیں جب تک آپ کی ابدی رسالت کی گواہی نہ دی جائے۔ دعا قبول ہوتی نہیں جب تک اوّل و آخر درود کی تلاوت نہ کی جائے۔ کسی بھی انسان کو اسلام کی خلعت عطا نہیں ہوتی جب تک وہ کلمہ طیبہ کی ادائیگی کی صورت میں اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کی عظمتوں کا اقرار نہ کرلے۔ جہاں جہاں خُدا ہے' وہاں وہاں مصطفیٰ ﷺ ہے۔ جہاں تک خُدا کی خُدائی ہے' وہاں تک عظمت مصطفیٰ ﷺ کی رسائی

ہے۔اور جب تک خُدا ہے' تب تک مصطفیٰ ہے۔اور خُدائے حیی وقیوم کب نہیں ہے؟ تو پھر ذکر مصطفیٰ کیا نہیں؟ ذکر مصطفیٰ کو ابدیت اور جامعیت تو وہی دے رہا ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔حق تو یہ ہے کہ

ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
ذکر اونچا ہے تیرا' بول ہے بالا تیرا

(احمد رضا خاں)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کو بلند کرنے کے لئے رب کائنات نے یہ فرما کر آپ کی ذات کو رہتی دنیا تک کے لئے نمونہ ہدایت بنا دیا کہ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" بیشک اے دنیا والو! رسول اللہ کا کردار تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

اس طور خُدا نے سیرت مصطفیٰ ﷺ کو رشد و ہدایت کا سب سے بڑا نمونہ بنا کر دنیا والوں پر واضح کر دیا کہ اگر وہ دنیا اور آخرت میں فوز و فلاح چاہتے ہیں تو انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کردار کو اپنی عملی زندگی میں جاری کرنا ہوگا۔ایک عام شہری کی حیثیت سے' حکمران وقت کی حیثیت سے' مکہ کے بکریاں چرانے والے مصلح اور مدینہ کے حکمران کی حیثیت سے' افضل البشر کی حیثیت سے اور محبوب خُدا کی حیثیت سے' منصف و عادل کی حیثیت سے اور سب سے بڑے قانون ساز کی حیثیت سے' ایماندار تاجر کی حیثیت سے اور معاشیات کے ماہر کی حیثیت سے' وقت کے سپہ سالار اور امن کی دستاویزات تیار کرنے والے پیکر صلح و امن کی حیثیت سے' محسن انسانیت اور مظہر انوارِ خُدا کی حیثیت سے' غرضیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کردار اور سیرت کو تمام بلندیوں' رفعتوں' سرفرازیوں سمیت قبول کرنا ہوگا۔اس طور آپ کی حیات مقدسہ کا ہر پہلو چشم کائنات کے سامنے آتا جائے گا اور آپ کے ذکر کی سربلندی کا قافلہ شام ابد کی جانب سفر کرتا جائے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوب زوجۂ حیات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تو آپ ﷺ کے کردار کو قرآن مجید قرار دے کر ثابت کر دیا کہ قرآن مجید آپ ﷺ کا کردار ہے۔ محمد ﷺ قرآن سے الگ نہیں اور قرآن محمد ﷺ سے جدا نہیں۔ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ رب کائنات کے مطابق ''میرا حبیب ﷺ اپنی مرضی سے کچھ نہیں بولتا بلکہ جو کچھ اِرشاد کرتا ہے وہ میری وحی کے مطابق ہوتا ہے''۔

گویا حضور نبی کریم ﷺ کا ہر عمل قرآن' فکر قرآن' ذکر قرآن' قول قرآن' فعل قرآن' علم قرآن' عمل قرآن' کردار قرآن' گفتار قرآن' جنگ قرآن' صلح قرآن' ہر ادا قرآن' ہر سخن قرآن' سوچ قرآن' تفکر قرآن' تدبر قرآن' خلوت قرآن' جلوت قرآن' چہرہ قرآن' جلوہ قرآن' صورت قرآن' سیرت قرآن' قانون سازی قرآن' تجارت قرآن' صداقت و دیانت قرآن' امانت و قیادت قرآن' زندگی کا ہر لحہ قرآن' آپ کا ہر پل ہر ساعت قرآن' اللہ اکبر قرآن ہی قرآن' محمد مصطفیٰ قرآن ہی قرآن' آپ نے سوچا تو قرآن بن گیا' آپ نے چاہا تو قرآن ہو گیا۔ آپ نے مانگا تو قرآن وجود میں آ گیا۔ آپ نے دست دعا بلند کئے تو قرآن کے انوار کا سر چشمہ پھوٹ نکلا۔ اس سے بڑھ کر ذکر مصطفیٰ ﷺ کی سربلندی کیا ہو گی کہ رب کائنات نے اپنے منتخب ترین کلام کو سیرت مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ لازم و ملزوم کر دیا۔ قرآن کو سمجھنا ہے تو سیرت مصطفیٰ ﷺ کی جگمگاہٹ دیکھو اور اگر سیرت مصطفیٰ ﷺ کی سرفرازی کو حقیقی حسن کے ساتھ دیکھنا ہے تو قرآن حکیم کا مطالعہ کرو۔ نہ یہ جدا' نہ وہ جدا' محمد قرآن کی تفسیر' قرآن سیرت محمد کی تنویر۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں' وہی فرقاں' وہی یٰسین' وہی طٰہٰ

وہ دانائے سبل ختمِ رُسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
(اقبال)

خُدا نے اپنے محبوب ﷺ کے ذکر کو بلند فرمانے کے لئے اس کی مرضی اس درجہ محبوب رکھی کہ سلطان دوعالم کی ہر تدبیر خُدا کی تقدیر کے سانچے میں ڈھلتی گئی۔ آیات قرآن اور احادیث نبوی اس ابدی صداقت کی روشن گواہی دے رہی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرضی پا کر سورج واپس لوٹ گیا۔ آپ کی انگلی کا اشارہ دیکھ کر چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لفظوں میں' بچپن میں ایک رات جب آپ پنگھوڑے میں تھے۔ والدہ ماجدہ ذرا سی دیر کو کہیں گئی تھیں کہ آپ بے قرار ہو گئے۔ آپ کی بیقراری دیکھ کر آسمان کی وسعتوں پر جگمگاتے ہوئے چاند نے کھلونے کا کام کیا۔ آپ کی انگلی کا اشارہ پا کر وہ دائیں بائیں آگے پیچھے ہونے لگا حتیٰ کہ آپ اس نورانی کھلونے کے جلوؤں میں کھو گئے۔ حضرت احمد رضا خاں نے اسی حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔

چاند جھک جاتا جدھر اُنگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اِشاروں پر کھلونا نور کا

سلطان دوعالم ﷺ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ آئے تو کچھ عرصہ تک آپ کا قبلہ بیت المقدس ہی رہا اور آپ بیت المقدس کی جانب منہ کر کے ہی نماز پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ اس پر یہودیوں نے شور مچا دیا کہ دین اسلام کی اصل یہودیت ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کا اپنا کوئی قبلہ نہیں ہے اور وہ ہمارے (اہل یہود) کے قبلہ بیت المقدس کی جانب منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ جب مسلمانوں نے اس اعتراض کا جواب نہ دیا تو یہودیوں کے اعتراضات کی بوچھاڑ تیز تر ہو گئی اور انہوں نے اسلام اور یہودیت میں اور بھی کئی ایک جیسی باتیں دریافت کر کے انہیں عام

شہرت دینا شروع کر دی۔

اس پر محبوب خدا ﷺ مغموم ہو گئے اور خدا کب اپنے حبیب کو مغموم دیکھ سکتا تھا۔ جس ذات عظیم کے ذکر پاک کو رفعت دائمی کی نوید سنائی گئی تھی' اس کا غمگین ہونا خالق کو کیسے گوارا ہو سکتا ہے' اور پھر محبوب کی مرضی کے مقدم ہونے کا وقت آ گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک مسجد میں اپنے صحابہ کو مغرب کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب حالت رکوع میں تھے تو اچانک یہودیوں کے طعنہ نے آ ستایا اور حالت رکوع میں ہی بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔

''خدایا یہودیوں کے طعنے برداشت نہیں ہوتے' تو ہمارا سچا رب ہے' اسلام ایک مکمل دین اور تمام ادیان سے جدا ہے' اس کے شعائر جدا ہیں' ہمیں قبلہ بھی نیا عطا فرما دے''۔

ادھر مشیت خداوندی تو مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس لبوں کی جنبش کا انتظار کر رہی تھی۔ محبوب کی بے قراری دیکھی نہ گئی اور حکم صادر ہوا۔

''اے حبیب! ہم تیرا قبلہ ادھر کو ہی کر دیں گے جدھر تو راضی ہو کر رخ کو پھیر لے گا''۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشی دیدنی تھی۔ ذکر مصطفیٰ کی سربلندی اپنے اکمال کو چھو رہی تھی۔ آپ کو اپنا پرانا وطن اور بیت اللہ یاد آیا' آپ نے حالت رکوع میں ہی اپنا چہرہ بیت اللہ (مکہ معظمہ) کی جانب کر لیا اور آپ سے محبت کا کمال دیکھئے کہ آپ کے مقتدیوں میں سے جن دس محترم اصحاب نے آپ کی تقلید میں اپنے رخ بیت اللہ کی جانب موڑ لئے' حضور ﷺ نے انہیں عشرہ مبشرہ (دس خوش قسمت اصحاب جنہیں جنت کی بشارت دی گئی) کے لقب سے نوازا اور وہ مسجد ہمیشہ کے لئے ''مسجد قبلتین'' یعنی دو قبلہ والی مسجد کے نام سے شہرت پا گئی۔

''ورفعنا لک ذکرک'' فرما کر اللہ تعالیٰ نے فقط اپنے حبیب ﷺ کا ذکر ہی بلند نہ کیا بلکہ جسے بھی آپ سے نسبت ہوگئی اس کو بھی سر بلندی نصیب ہوگئی۔ جس نے بھی اللہ کے حبیب ﷺ کو اپنا حبیب جانا اسی کا تذکرہ جاوداں ہوگیا۔ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو ویسے کون جانتا تھا اور اب مؤذن اسلام سیّدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کون مسلمان ہے جو نہ جانتا ہو۔ حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین کی شہرت اگر صرف اپنے قبائل یا خاندانوں کی وجہ سے ہوتی تو صرف خطۂ عرب میں مختصر سی مدت کے لئے ہوتی لیکن بارگاہ مصطفیٰ ﷺ سے صدیقیت' عدالت' حیاو سخاوت اور شجاعت کے غیر معمولی اوصاف پا کر یہی شخصیات قیامت تک کے لئے عالم انسانیت کا اعزاز بن گئیں۔ یہ اس یتیم بچے' سیّدنا آمنہ رضی اللہ عنہا کے نور نظر کی مقناطیسی کشش' غیر معمولی جاذبیت اور کیمیا گری کا کمال تھا کہ آپ کے دربار میں جو بھی کھنچا چلا آیا' نام پا گیا' اور جو جتنا قریب آتا گیا اس کے نام کو دو جہاں میں اتنا ہی اونچا مقام و مرتبہ عطا ہوتا گیا۔

جس کو رسول پاک ﷺ کی نظروں نے چن لیا
دیکھا تو ایک دن وہ جہاں کا وقار تھا

خطاب کا غضبناک بیٹا عمر ننگی تلوار لئے حضور سرورکونین ﷺ کو شہید کرنے آتا ہے لیکن اللہ کا حبیب اسے اپنے اللہ سے اللہ کے دین کی سر بلندی کے لئے مانگ چکا ہے۔ تلوار نیام میں چلی جاتی ہے۔ جب نکلتی ہے تو اسلام کی تلوار بن جاتی ہے۔ آدھی دنیا پر چھا جاتی ہے اور رہتی دنیا تک یاد رہتی ہے۔ عمر بن خطاب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بن جاتے ہیں اور قبیلہ عدی کے اس فرد کا نام صرف اسلام کی نہیں' دنیا کی تاریخ کے عظیم ترین حکمرانوں میں شامل ہو جاتا ہے۔ غزوۂ احد میں اسلام کی فتح کو شکست کے قریب لانے والے خالد بن ولید جب سکون قلب کے لئے

دامن رسول ﷺ میں پناہ لیتے ہیں تو جنگ موتہ میں تاریخ ساز انداز سے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے نو تلواریں ٹوٹ جانے کے بعد سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب پاتے ہیں اور زبان مصطفیٰ ﷺ سے ادا ہونے والا سیف اللہ کا لقب سیّدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حق میں سراسر تقدیر خداوندی بن گیا۔ جدھر بڑھے فتح قدم چومتی گئی اور شکست راہ فرار ڈھونڈتی رہی۔

یہ صرف مقناطیسیت نہیں' کیمیا گری ہے' عام دھات کو سونا بنانے کا عمل۔ انسان تو انسان دشوار گزار پہاڑوں کے جن غاروں میں قیام کیا انہیں بھی نہ صرف شہرت لازوال عطا کی بلکہ زیارت گاہ خاص و عام بنا دیا۔ یہ وہ پہاڑ تھے کہ نہ ہمالیہ کی طرح بلند تھے کہ بلندی کی بناء پر نام پاتے' نہ کوہ مری یا ایلپس کی طرح خنک اور سرسبز کہ صحت افزا مقام بن کر انسانوں کے کام آتے۔ ان کی اگر کوئی صفت ہے تو صرف یہ کہ ایک یتیم فرزند عبداللہ (ﷺ) نے ایک خاص وقت میں یہ دور افتادہ غار اپنے قیام کے لئے چن لئے اور اسی انتخاب نے کسی بے نام غار کو حرا اور کسی بے نام غار کو ثور کا نام دے کر جناب مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے تاریخ نور کا حصہ بنا دیا۔

لوگ تو چودہ برس گزر جانے کے بعد اپنے باپ دادا کو بھولنے لگتے ہیں اور یہاں چودہ سو سال بعد بھی انسانوں اور غاروں کے ناموں کو شہرت ہی نہیں' کھربوں انسانوں کی عقیدت بلکہ محبت حاصل رہی ہے۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (سورہ الم نشرح آیت نمبر۴) کا اس سے بڑا جیتا جاگتا اور اہم ترین ثبوت بھلا اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ ذکر کل بھی بلند تھا آج بھی بلند ہے۔ یہ ذکر ازل سے بلند ہے اور ابد تک بلند رہے گا۔ یہ ذکر اس گھڑی تک بلند رہے گا جب تک اللہ کا نام بلند ہے اور اس وقت تک موجود رہے گا جب تک اللہ موجود ہے' اور بلاشبہ اللہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

تمام دن چمکنے والا سورج بالآخر مغرب میں غروب ہو جاتا ہے۔ شب کی

تاریکیوں کو منور کرنے والا چاند بھی آخر شب میں اپنی روشنی سے محروم ہو جاتا ہے ہر مہکنے والا چمن ایک روز خزاں کی نذر ہو جاتا ہے مگر سلطان مدینہ ﷺ کے ذکر کی بلندی کا سورج ہمیشہ وقت کی بلندیوں پر جگمگاتا رہے گا۔ آپ کے ذکر حسین کا چاند کبھی غروب نہ ہوگا اور آپ کے ذکر پاکیزہ سے مہکنے والے گلشن پر کبھی خزاں نہ چھا سکے گی کیونکہ اس ذکر پاک کی بلندی، اس کو عام کرنے، ہر دور کی زینت بنانے اور ہر ملک اور براعظم کا وقار بنانے کا ذمہ خود اس ذکر کو سر بلند کرنے والے خُدا نے لے رکھا ہے جو حیی و قیوم بھی ہے اور ہر امر پر قادر بھی۔ اس ذکر مصطفیٰ ﷺ کی بلندی کے لئے خُدا نے اِرشاد فرمایا کہ

اور کفار ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ کے نور (محمد مصطفیٰ ﷺ) کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، لیکن خُدا اپنے اس نور کو مکمل کرے گا خواہ دشمنان (خُدا اور رسول) کیسی ہی کوششیں کرتے رہیں۔ (پ ۲۸ سورہ الصف آیت نمبر ۸)

مولانا ظفر علی خاں نے کس خوبصورت انداز سے اس آیت قرآنی کا ترجمہ کیا ہے۔

نورِ خُدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

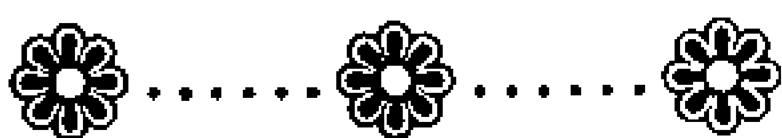
اللہ اپنے نور کی حفاظت کرنے کا ارادہ کر کے دراصل ذکر حضور ﷺ کی سر بلندی کا اہتمام کر رہا ہے، اور تاریخ شاہد ہے کہ ہزاروں انقلاب آئے، وقت نے کیسی کیسی کروٹیں بدلیں، حالات کی گردشوں نے کیا کیا رنگ دکھائے، ابوجہل کی فتنہ انگیزیوں سے لے کر تاتاریوں کی ہولناکیوں تک اسلام اور پیغام مصطفیٰ ﷺ کی اشاعت کی راہ میں کس قدر رکاوٹیں آئیں، مگر یہ تمام رکاوٹیں عارضی تھیں اور ہر رکاوٹ کے خاتمے کے بعد ذکر مصطفیٰ ﷺ کا پرچم پہلے سے کہیں زیادہ بلندی پر نظر آتا ہے۔

ذکر اس کا بلند کیا جاتا ہے جو ذکر بلند کرنے والے کو سب سے زیادہ محبوب اور

عزیز ہو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر اللہ کے قریب اور کوئی نظر نہیں آتا۔ کلمہ میں شریک' نمازوں میں شریک' دعا میں شریک' حج میں شریک' اذان میں شریک' قرآن میں شریک' ایمان میں شریک' غرضیکہ خُداوند کائنات نے اپنے ذکر کے ساتھ ذکر مصطفیٰ ﷺ کو اس قدر قربت عطا کر رکھی ہے کہ ذکر حضور ﷺ کا عَلَم نورانیت لہرائے بغیر خوشنودیٔ خُدا کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جب خُدا کو ہی یہی مقصود ہے تو پھر عشاق مصطفیٰ ﷺ کے لئے اس سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہوگی کہ وہ اپنے ذہن' قلم' زبان اور فکر کی تمام بلندیاں ذکر مصطفیٰ ﷺ کی بلندی کے لئے صرف کر دیں۔ خُدا نے کہاں کہاں اپنے حبیب ﷺ کی رضا کو اپنی رضا قرار دیتے ہوئے ذکر حضور ﷺ کی سرفرازی کا حکم نہیں دیا۔

خُدا نے اپنے حبیب ﷺ کو صورت و سیرت کی ایسی سرفرازی عطا کی کہ دو عالم ہمیشہ کے لئے آپ کے مدح خواں ہو گئے۔ جس نے جمال سیرت دیکھا' وہ بے اختیار پکار اٹھا کہ اس سے بڑھ کر مکمل اور جامع شخصیت کوئی نہیں۔ جس نے آپ کی صورت کی طلعتوں کو دیکھا' تو دیکھتا رہ گیا کہ اس سے بڑھ کر انوارِ خُداوندی کی مظہر اور کوئی شخصیت نہیں ہو سکتی۔ آپ کی صورت و سیرت کو دیکھ کر آپ پر ایمان لانے والے نہ صرف آپ کی رسالت ابدی کی گواہی دینے لگے بلکہ خُدائے قدوس کی شان تخلیق کو دیکھ کر سبحان اللہ پکارتے ہوئے انوارِ توحید کے پرستار بن گئے۔ اس طرح یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ "ورفعنا لک ذکرک" فرما کر رب کائنات نے تذکار مصطفیٰ ﷺ کے پردے میں اپنی بے مثل شانِ الوہیت کو اجاگر کر دیا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ

زندگیاں ختم ہوئیں اور قلم ٹوٹ گئے
تیرے اوصاف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا



جان ہیں وُہ جہان کی

تاریخ عالم نے بڑے بڑے راہنماؤں کو دیکھا۔ بادشاہوں اور سلطانوں کو دیکھا۔ کسی میں بہادری اور دلیری کا جوہر نظر آیا۔ کسی میں سخاوت اور دریا دلی دکھائی دی۔ کسی کو علم و فضل کی دولت تقسیم کرتے دیکھا۔ کسی کو علم و فکر اور فلسفہ کے موتی لٹاتے دیکھا۔ مگر تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ پوری کائنات میں قیامت تک کے لئے یہ ذات محمد مصطفیٰ ﷺ کا اعزاز ہی ہے کہ آپ کی ہر ادا لافانی' آپ کا ہر جلوہ غیر فانی اور آپ کا ہر سخن شمع ہدایت ہے۔ آپ محبوب کائنات ہیں۔ خُدا خود آپ کی رضا چاہتا ہے۔ ساری کائنات آپ کو مرکز و محور مان کر آپ کا طواف کر رہی ہے۔ ہر ایک آپ کے حسن صورت اور حسن کردار میں گم ہے۔ بقول احمد رضا خاں

فرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ عرش پہ طرفہ دھوم دھام
کان جدھر لگایئے تیری ہی داستان ہے

خوشا نصیب ہیں وہ جنہوں نے اس جانِ خُوبی کو جی بھر کر دیکھا اور اس کی زیارت' معیت اور اطاعت کے مزے اٹھائے۔ کیا کہنا ان کے مقدر کا' اور کیا کہنا ان کی محبت کا حضرت موسیٰ کلیم اللہ کوہ طور پر گئے تو ان کی قوم نے گئو سالہ پرستی شروع کر دی' حضرت عیسیٰ روح اللہ کی مخبری دشمنوں کے سامنے ان کے ایک حواری نے کر دی' لیکن اس گل رعنا کے عندلیب اور شمع فروزاں کے پروانے موت سے کھیل گئے' تیر و تفنگ

سے لڑ گئے' گھر بار لٹا دیئے' لیکن محبوب کے نام اور اس کے مقام پر آنچ نہ آنے دی' اور عشق و محبت کی وہ مثالیں قائم کر دیں کہ دنیا ان متوالوں کے حالات پڑھ کر عشق و محبت کی دوسری تمام داستانیں بھول گئی۔

آیئے ان پیکران عشق و وفا اور کشتگان تسلیم و رضا کی وارفتگی محبت کے کچھ انداز محبت دیکھتے چلیں کہ اس تکمیل عشق کی داستان جمیل سے جہاں حسن و جمال مصطفوی کا کچھ اندازہ ہوتا ہے' وہاں پڑھنے اور سننے والوں کے جذبات محبت بھی ابھرتے ہیں۔ جہاں حسن' وجہ عشق ہے وہاں عشق بھی تو دلیل حسن ہے۔ اسی ماہتاب عالم کی نسبت سے قطرے بحر زخار اور ذرے اس کی تجلی سے آفتاب نصف النہار بن گئے۔

احساس مرگ و زیست کے قابل بنا دیا
جس دل کو تو نے دیکھ لیا' دل بنا دیا

ظاہری شہنشاہ دنیا سے گئے تو ان کا جاہ و جلال قصہ پارینہ بن کر رہ گیا۔ مہ جبیں روپوش ہوئے' تو ان کے حسن عالم سوز کی تابانیاں بھی ختم ہو گئیں' حکماء اور فضلاء کا نام و پیام تو رہ گیا لیکن محبوب خدا احمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کے حسن عالم افروز کا کیا کہنا کہ صدیوں کے بعد بھی اس کی تجلیات جمال پر وہی نکھار ہے اور اس کے گلشن جمال میں وہی بہار ہے' نہ اس کے ناز میں کوئی کمی آئی ہے نہ مشتاق کی نیاز میں' لاکھوں عشاق دل فگار' یار کو نہیں تو کوئے یار کو ہی دیکھنے پروانہ وار چلے آتے ہیں۔ حریم یار کی خلوتوں کے نہ سہی' حرم یار کی جلوتوں کے مزے لوٹنے کو ہی لاکھوں عشاق مدینۃ النبی ﷺ کے گلی کوچوں کا طواف کرتے رہتے ہیں' اور یہ لامتناہی سلسلہ وارفتگی محبت کبھی ختم ہونے میں نہیں آتا۔

ہر صاحب عقل سلیم جانتا ہے کہ ان کی محبت ہی جان ایمان ہے۔ خود انہی کا فرمان ذی شان ہے۔

ترجمہ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک میں (محمد ﷺ) اسے اس کے والدین، اولاد اور دنیا کے تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ (بخاری شریف کتاب الایمان۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان پہلی فصل)

اس حقیقت کو جان لینے اور اس حکم کو مان لینے والوں کا اسلوب محبت بھی ذرا دیکھتے جایئے تا کہ ہم آداب محبت کو جان سکیں اور عشق نبوی ﷺ کا انداز ان سے سیکھیں، جن کے عشق کی تادیب خود حسن نے فرمائی تھی۔ جہاں تکمیل حسن، ذات پاک سرور کائنات ﷺ پر ہوئی، وہاں تکمیل عشق کا مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ذات بابرکات کو نصیب ہوا۔

تو انتہائے حسن ہے یہ انتہائے عشق
دیکھے تجھے کہ ان کا تماشا کرے کوئی

یاد رکھنا چاہیے کہ محبت ہی ادب و توقیر سکھاتی ہے اور محبت ہی محبوب کی رضا کو ذاتی رضا پر غالب کر کے، کمال اطاعت کے مقام تک لے جاتی ہے۔ محبت بغیر ادب واحترام کے ناتمام اور اطاعت بغیر محبت و عقیدت کے جسم بے جان سے زیادہ نہیں۔

حضرت زید بن دشنہ رضی اللہ عنہ کو جب کفار مکہ سولی چڑھانے لگے، تو ابوسفیان نے ان سے کہا کہ زید! تم دل میں چاہتے ہو گے کہ آج تمہارے بدلے تمہارے نبی (ﷺ) کو سولی دی جاتی اور تم آرام سے ہوتے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خُدا کی قسم! میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری رہائی کے عوض حضور ﷺ کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ ابوسفیان حیران رہ گیا اور پکار اٹھا کہ ایسی بے پناہ محبت میں نے اس سے قبل کہیں نہیں دیکھی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کا جواب ملاحظہ کیجئے۔

مجھے ہو ناز قسمت پر اگر نام محمد پر
یہ سر کٹ جائے اور تیرا سرِ پا اس کو ٹھکرائے

یہ سب کچھ ہے گوارا پر یہ دیکھا جا نہیں سکتا
کہ ان کے پاؤں کے تلووں میں اک کانٹا چبھ جائے

حضرت عبداللہ بن یزید صحابی نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ مجھے جان و مال اور اہل و عیال سے زیادہ عزیز ہیں، جی چاہتا ہے کہ آپ کو دیکھتا ہی رہوں ایک اور صحابی جب بھی حاضر ہوتے ٹکٹکی لگا کر روئے انور کی زیارت میں محو ہو جاتے۔ حضور ﷺ کے پوچھنے پر عرض کی کہ حضور قیامت میں خدا جانے ایسی فرصت پھر نصیب نہ ہو۔ جی چاہتا ہے کہ یہیں جمال جہاں آراء کی دید سے جی بھر کر مستفید ہولوں۔ اس پر حضور ﷺ نے تسلی دی کہ "میرا محب جنت میں بھی میری معیت میں ہوگا"۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دعا کے بعد

اور ذرا دیکھئے شراب جذبۂ عشق کا یہ کیسا نشہ طاری ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھا کر، تڑپا تڑپا کر مارنے کے لئے کچو کے دیئے جارہے ہیں اور عضو عضو سے خون ٹپک رہا ہے، مگر عشق رسول ﷺ میں حضرت خبیب ﷺ مگن ہیں، اور یہی نہیں بلکہ ایسے نازک وقت میں طبیعت کی موزونیت دیکھئے کہ وہ شان رسول ﷺ میں اشعار محبت ادا فرمارہے ہیں۔

جبکہ ایسے جانکاہ موقع پر لوگ آہیں بھرتے ہیں، چیختے، چلاتے ہیں مگر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ شان حبیب ﷺ میں شعر گنگنا رہے ہیں۔ بس عقل حیران ہے اور ناطقہ سربگریبان، اور پھر ایسے میں ابوجہل ظالم پوچھتا ہے کہ!

"اے خبیب رضی اللہ عنہ! اب تو تم (ایسی تکلیف دہ حالت میں) ضرور پسند کرو گے کہ تمہاری جگہ محمد ﷺ ہوں اور تم چھٹکارا پا جاؤ"۔

تو آپ نے تڑپ کر فرمایا "میں ہزار بار اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں

لیکن یہ کبھی برداشت نہ کروں گا کہ میرے آقا ﷺ کے ایک بال کو بھی ایذا پہنچے"۔

حسن ازل کے شیدائی عشق رسول کا ایسا بھرپور ثبوت دیتے تھے کہ محبوب کے ہر قول و فعل کو اپنی زندگی کا طرۂ امتیاز بنائے ہوئے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ کے کرتے کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ عاشقوں نے دیکھا تو سب نے اپنے اپنے کرتوں کے بٹن کھول ڈالے۔ عشاق جمال نبوت کا حسن بیان تو دیکھئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ریشم یا کوئی اور چیز ایسی نہیں دیکھی جو حضور رسول اکرم ﷺ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور کوئی مشک و عنبر کا عطر ایسا نہیں سونگھا جو حضور ﷺ کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار ہو۔

سیّدنا حسان رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت میں یوں عرض کرتے ہیں۔

واحسن منک لم ترقط عینی

واجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبرأ من کل عیب

کانک قد خلقت کما تشاء

"آپ ﷺ جیسا حسین میری آنکھ نے دیکھا ہی نہیں بلکہ آپ ﷺ جیسا خوبصورت کسی ماں نے جنا ہی نہیں' آپ ﷺ کو ہر عیب سے ایسے پاک پیدا فرمایا گیا گویا آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی مرضی کے مطابق پیدا کیا گیا"۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ مسجد سے گھر کو چلے تو بچوں نے فرط محبت سے گھیر لیا' حضور ﷺ سب پر دست شفقت پھیرے جاتے تھے۔ جب میرے چہرے کو ہاتھ لگا تو مجھے ٹھنڈک سی پڑ گئی' اور ایسی خوشبو آئی کہ گویا ہاتھ ابھی عطار کے ڈبہ سے نکلا ہو۔ حضرت ربیعہ بنت معوذ رضی اللہ عنہا صحابیہ سے حضرت

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پوتے نے حضور ﷺ کا حلیہ بیان کرنے کو کہا تو فرمایا "اگر تو حضور ﷺ کو دیکھ پاتا تو محسوس کرتا کہ ابھی سورج نکل آیا ہے"۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چاندنی رات میں حضور نبی کریم ﷺ حلہ حمراء (سرخ دھاری دار لباس) اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے جب یہ منظر حسین دیکھا تو چاند ماند پڑ گیا اور جمال نبوت کے سامنے ہیچ معلوم ہونے لگا۔

حسن بے داغ کے صدقے جاؤں
یوں دمکتے ہیں دمکنے والے

حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں حضور ﷺ کے چہرہ انور کی حسین رنگت اور آپ کی زلفوں کی سنہری سیاہی کو نہیں بھول سکتا"۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بارگاہ نبوت کے ادب کا یہ عالم تھا کہ صحابہ کرام کو کبھی در دولت پر دستک کی ضرورت ہوتی تو اپنے ناخنوں سے دروازہ کھٹکھٹایا کرتے۔ خود خالق کائنات نے بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے آداب وضوابط مسلمانوں کو سکھائے اور حکم دیا:

"لَاتَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ"

(۲۶ پارہ سورہ الحجرات آیت نمبر ۲)

ترجمہ تم اپنی آوازوں کو نبی اکرم ﷺ کی آواز مبارک پر بلند نہ کرو۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے محض نسبت مصطفیٰ ﷺ کی بناء پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا وظیفہ اپنے صاحبزادہ گرامی قدر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ مقرر فرمایا:

عہد رسالت، دور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور اس کے بعد اب تک زمانے میں بہت سے دور آئے اور گزر گئے اور یہ "نعمت عشق ومحبت" بزرگوں میں منتقل ہوتی رہی، یہاں تک کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو "شہید محبت" کا خطاب ملا۔ وہ "نگاہ مدینہ" کی

محبت کا ہی ایک کرشمہ تھا' جس کی شہادت میں حضور ﷺ کا یہ اِرشاد ہی کافی ہے!
''نسیم محبت قرن سے آتی ہے''۔

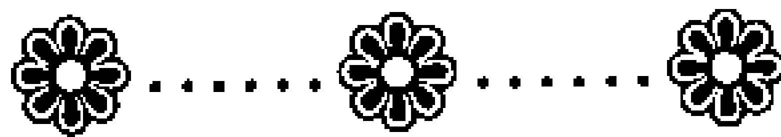
اسی طرح سرمد و منصور وغیرہ جو امتحان سرفروشی میں کامیاب ہوئے' یہ بھی اک ادائے محبت تھی۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ و جنید رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت میں ''عارف کامل'' ہوئے ہیں' یہ بھی سرکار مدینہ کی محبت کا ہی صدقہ ہے۔ اسی طرح حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو مدینہ منورہ جانے کی جب سعادت حاصل ہوئی تو آپ مسجد نبوی ﷺ میں تشریف فرما تھے تو آپ کو قضائے حاجت پیش آئی' آپ باہر نکلے تو آپ کی محبت کا بھی ایک عجیب امتحان تھا۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ میں یہاں قضائے حاجت کروں جہاں میرے آقا ﷺ گزرے ہیں' جہاں آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ آیا جایا کرتے تھے' یہ خیال لے کر مدینہ منورہ سے بہت دور جا نکلے لیکن پھر بھی عشق نے اجازت نہ دی۔ آپ کو تکلیف پیش آ رہی تھی' آخر آپ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' آپ روضۂ اقدس ﷺ پر آ گئے۔ آپ روضہ کے قریب بیٹھ گئے۔ آپ نے ٹیک لگائی تو آپ کی ظاہری آنکھیں نیند کی وجہ سے بند ہوئیں تو دل کی کھلی ہوئی آنکھیں مزید وا ہو گئیں' خواب میں سرکار مدینہ ﷺ تشریف لے آئے' آپ نے فرمایا:

اے مہر علی! پریشان کیوں ہے؟ میرے روضے کے گرد چکر لگا' تیری تکلیف دور ہو جائے گی۔ جب آپ کی آنکھ کھلی تو آپ نے ایسا ہی کیا تو آپ کی تکلیف دور ہو گئی' تو آپ نے فرمایا: میں وہاں پھر جتنی دیر رہا' یہی عمل کر لیتا' میری تکلیف دور ہو جاتی۔

غرضیکہ ذات مصطفیٰ ﷺ ہر دکھ کا مداوا اور ہر غم کا علاج ہے۔ پریشان حال آپ کی جانب ہی رخ کرتے ہیں۔ رب کریم نے آپ کو لازوال نعمتوں سے نوازا

ہے اور آپ فضل الٰہی سے ان نعمتوں کو تقسیم فرماتے ہیں۔

اُس کی رحمت، اِن کا صدقہ
دیتا وُہ ہے، دِلاتے یہ ہیں
رب مُعطی ہے، یہ ہیں قاسم
رزق اُس کا ہے، کھلاتے یہ ہیں



عظمت وشانِ مصطفیٰ (ﷺ)
غیر مسلموں کی نظر میں

غیر مسلم بھی ہیں اب مدحت نگارِ مصطفیٰ

چھڑ گئی ہے داستانِ افتخارِ مصطفیٰ
غیر مسلم بھی ہیں اب مدحت نگارِ مصطفیٰ

غیر مسلم اور کریں مدحت رسول اللہ کی
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا وقارِ مصطفیٰ

وہ فرنگی ہیں کہ بدھ یا ہند کے باطل نواز
چھا گیا ہر سمت ابر نو بہارِ مصطفیٰ

مدتوں یورپ تعصب کی رہا جو قید میں
ہوگیا ہے قیدِ زلف تابدارِ مصطفیٰ

ہے فضیلت اس گواہی کو کہ جو اغیار دیں
ہم نے تو دیکھا ہے یوں بھی اختیارِ مصطفیٰ

جس کو وہ چاہے نوازیں' اذن بخشیں نعت کا
رحمۃ للعالمینی ہے شعارِ مصطفیٰ

غیر مسلم اور مسلم سب کے سب ہیں مدح خواں
دیکھ لیں اہل نظر حسن بہار مصطفیٰ

جادۂ توصیف سے ان کے ہٹیں کیسے قدم
جن کی نظروں میں رضا ہو رہگزارِ مصطفیٰ

(محمد اکرم رضا)

آقائے عالی مرتبت حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ بذات خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ آپ کا بچپن' پاکیزہ لڑکپن' پرحیا جوانی' اسلام کی تبلیغ اور اس دوران میں کفار کا ظلم وستم' ہر مقام پر حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی شخصیت اجالے بکھیرتی نظر آتی ہے۔ مکہ کے ایک تاجر کی حیثیت سے' سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار کی حیثیت سے' نبوت کی کرنیں لٹانے والے نبی آخر الزمان (ﷺ) کی حیثیت سے مکہ معظّمہ کے عام شہری کی حیثیت سے' نبوت کے اعلان کے حوالے سے ہمالہ صفت شخصیت کی حیثیت سے' بچوں کے باپ اور شہر مکہ کے مقہوروں کے دادرس کی حیثیت' ہر لحاظ اور پہلو سے آپ کی شخصیت مہر و ماہ کی صورت فروزاں نظر آتی ہے۔ آپ کے اعلان نبوت سے ایک زمانہ آپ کا دشمن ہو گیا۔ مگر آپ کا عظیم ترین اعزاز ہے کہ اس دور میں بھی جبکہ اعدائے اسلام آپ کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ آپ کی باتوں کو جھٹلاتے تھے مگر اپنی تمام تر دشمنی کے باوجود آپ کو ''امین'' اور ''صادق'' کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ آپ نے پتھر کھائے' آپ کو کانٹوں پر چلنا پڑا' وادیٔ طائف میں آپ پر تشدد کی انتہا کر دی گئی۔ امن وسکون کا پیغام دینے والے کو اسی کے ساتھی مسلمانوں سمیت تین سال تک شعب ابوطالب کی گھاٹیوں میں محصور ہونا پڑا۔ مگر آپ رنج وآلام کی ہر گھاٹی سے سرخرو ہو کر نکلے۔ سب وشتم کے تیر اپنے سینے پر برداشت کئے۔ جبر وتشدد کی آندھیوں کی شدت کو اپنے وجود اطہر پر برداشت کرنا پڑا۔ مگر آپ کے لب ہائے رحمت نواز سے دشمنوں کے لئے کبھی بددعا کا ایک جملہ بھی ادا نہ ہوا' بلکہ دعاؤں کے پھول ہی ان کی جھولیوں میں ڈالتے رہے۔

ایسا کریم کون ہے سرکار کے سوا
جو دشمنان دین کے حق میں دعا کرے

(رضا)

کفار نے اپنے مظالم کا سلسلہ فقط مکہ تک ہی نہیں رکھا بلکہ آپ کو مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ آپ پر مسلسل جنگیں مسلط کی گئیں لیکن

نور حق شمع الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

(ظفر علی خاں)

پھر زمانے نے یہ حسین نظارا بھی دیکھا کہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے والے محمد رسول اللہ ﷺ تمام جزیرہ نمائے عرب پر غالب آ چکے تھے۔ یہی نہیں بلکہ آپ کے مجاہدین کی یلغار کے تصوّر سے روم وشام کے شہنشاہ اپنے ایوانوں میں لرزہ محسوس کر رہے اور جب باطل کی اس لرزیدگی نے حقیقی صورت اختیار کر لی اور خلفائے راشدین کے ادوار میں مسلمانوں کے گھوڑوں کے سموں کی ٹاپ سے روما وایران کے بعد اگلے شہر لرز رہے تھے تو پوری عیسائی دنیا شدت کے ساتھ حضور محمد عربی ﷺ کی جانب متوجہ ہوئی۔

اس وقت کا انگلستان، مذہبی تعصب اور جہالت کا گہوارا تھا تنگ وتاریک گلیاں۔ نہانے کے تصوّر تک سے بے نیاز۔ فرانس خود جہالت کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ جرمنی، ہنگری، روس سمیت تمام ملکوں کے نام نہاد دانشور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی چاند سے اجلی شخصیت پر اپنی بد باطنی، ذہنی خباثت اور تعصب کی کیچڑ اچھالنے لگے۔ جب ہم تاریخ اقوام عالم کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان بزعم خویش نقادوں اور دانشوروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت کو پڑھا ہی نہیں تھا۔ احادیث کا ترجمہ نظروں سے گزرا ہی نہیں۔ وہ قرآن کے کبھی قریب گئے نہیں اور اگر بعض قرآن مجید کے پاس پہنچے بھی تو اس طرح کہ قرآن سے اپنی مرضی کی آیات نکال کر اس کلام الٰہی کا تمسخر اڑانے لگے۔ پادریوں اور مذہبی راہنماؤں اور نصاریٰ ویہود کے اسقفوں کی بن آئی تھی۔ وہ محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن وحدیث کے مندرجات کو

بالائے طاق رکھ کر قرآن وحدیث کا مذاق اڑانے لگے۔ ان کی یہ ہفوات اور خرافات سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ تھیں۔ وہ اس بات سے خوفزدہ تھے کہ اگر قرآنی تعلیمات اور سیرت مصطفوی ﷺ صحیح معنوں میں اہل یورپ تک پہنچ گئیں تو حق وصداقت کے متلاشی ان سے متأثر ہونے لگیں گے۔ افسوس تو یہ ہے کہ مسلمانوں نے سپین (اندلس) میں کئی سو سال کی حکومت کے باوجود اسلام کو اندلس کی سرحدوں سے آگے تک پہنچانے کی سنجیدہ کوشش نہ کی' اور نہ ہی دوسرے اسلامی ممالک کی طرف سے آوازۂ حق کو پھیلانے کا اہتمام کیا گیا۔ اتنا ضرور ہوا کہ بے کسی کے ان ادوار میں قرآن کی تشریحات اور سیرت نبوی پر بے شمار کتابیں وجود میں آئیں۔ لیکن یہ کتب عربی میں تھیں اور مسلمان حکومتیں قرون اولیٰ کے بعد انتشار زوال کا شکار رہیں' اس لئے ان کا دائرہ کار آگے نہ بڑھ سکا۔ بہت سے یورپین دانشور حقائق تک پہنچ چکے تھے لیکن ان کا مذہبی تعصب آڑے آرہا تھا۔

یورپ نے صدیوں تک اسلام' قرآن اور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی سراپا معجزہ شخصیت کو مضحکہ خیز صورت میں پیش کیا۔ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو (نعوذ باللہ) جادوگر' ساحر' کذاب' ڈرامہ باز' تعیش پسند' عورت کا طلب گار' خوفناک حد تک جنگجو' عورتوں کے حُقوق سلب کرنے والا' غلامی کو رواج دینے والا' دشمنوں کو خاک وخون میں تڑپانے والا' ذرا ذرا سی بات پر گردنیں کاٹنے کا حکم صادر کرنے والا' رحم وعدل سے بے نیاز' انسانی حُقوق کا دشمن' عفوودرگزر سے بے نیاز' سخت گیر حکمران' ہر قیمت پر سلطنت کو وسیع کرنے والا شہنشاہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ جب کہ اسلام کو حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی خواہش اقتدار کا پرتو اور قرآن پاک کو محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذہنی کاوش قرار دیا گیا۔ جھوٹ' منافقت' ریاکاری' پاپائیت کی من مانی' اسلام سے حددرجہ دشمنی کا بازار صدیوں گرم رہا۔ مگر پھر حق واضح ہو کر رہا۔

ایسا وقت بھی آیا کہ اسلام' قرآن اور محمد عربی ﷺ کی شخصیت کو سنجیدگی سے سمجھنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ یورپ کے اندھیروں سے روشنی کی کرنیں پھوٹنے لگیں۔ جن لوگوں تک قرآن کے تراجم پہنچے' وہ حیران و ششدر رہ گئے۔ جنہوں نے حضورِ اکرم ﷺ کی سیرت کا سنجیدگی سے مطالعہ کیا' انہوں نے فرط حیرت سے اپنی انگلیاں دانتوں میں دبا لیں۔ احادیث کے تراجم نے سچائی کو اور واضح کر دیا اور وہ باطن کی روشنی کے سہارے اسلام کو سمجھنے کی سنجیدہ کوششیں کرنے لگے۔ یہیں ان کو احساس ہوا کہ وہ تو راہ ظلمات کے مسافر تھے۔ تعصب کی برف پگھلنے لگی۔ حقائق کا سورج جگمگانے لگا۔ سچائی کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا' اور وہ جب حقائق کی دنیا میں غوطہ زن ہوئے تو انہیں اپنے شعور اور لاشعور سے آگاہی ہوئی کہ ہم صدیوں کیا سمجھتے رہے اور آوازۂ صداقت کیا تھا۔

اب انہیں محمد عربی ﷺ ایک شہنشاہ مطلق العنان کے روپ میں نہیں' انسان کامل کے پیکر میں نظر آ رہے تھے۔ رحم دل' سراپا محبت' سراپا عفو و درگزر' دشمنوں کو معاف کرنے والے' قاتلوں کو رحمت کی چادریں عطا کرنے والے' مافوق الفطرت انسان نہیں بلکہ انسانیت کے لئے سب سے بڑا نمونہ ہدایت' جس کے کردار کی پیروی میں ہی نجات اکمل ہے۔

اسلام کو جو دیکھا تو سب سے بڑا ضابطہ عمل نظر آیا۔ جو عربی و غربی' غریب و امیر' راعی و رعایا' ادنیٰ و اعلیٰ میں تفریق نہیں رکھتا۔ جو کمزور ترین بڑھیا اور مظلوم و مقہور انسانوں کو برابر کا درجہ عطا کرتا ہے۔ جس کی تعلیمات عالمگیر اور ابدی ہیں۔ جو ابد تک کے لئے عالم انسانیت کی راہنمائی کر سکتا ہے۔

یہی صورت انہیں قرآن مجید کی صورت میں نظر آئی۔ ایک ایسی کتاب جو سراسر الہامی ہے۔ جو کسی انسان کی تخلیق ہو ہی نہیں سکتی۔ جو انسانی اصول و ضوابط کا سب سے

بڑا پیمانہ ہے۔ جس کے دامن میں فوز وفلاح ہے۔ کائنات کے ستم رسیدوں کے لئے جائے امان ہے۔ جس کی ایک ایک آیت موعظت وبصیرت کا نور لئے ہوئے ہے۔

حق کو سمجھنے کا کچھ کام تو مستشرقین نے کیا اور کچھ کام ان یورپین محققین نے کیا جو تقابلِ ادیان پر کام کر رہے تھے۔ وہ اسلام کا دوسرے مذاہب سے' قرآن کا توریت وانجیل اور محمد رسول اللہ کا حضرت عیسیٰ وحضرت موسیٰ سے تقابل کرنے لگے۔ ہم تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتے مگر صدیوں تک تعصب کا بیج بونے والے حقائق کی تلاش میں سرگرم عمل ہو چکے تھے۔

کارلائل' بی سمتھ' نپولین' ٹالسٹائی' جارج برنارڈ شا' جی ہگنز' ایس پی سکاٹ' جی ڈبلیو لائیٹز' لین پول' برٹرینڈ رسل جیسے اگلی نسلوں کو اسلام تک پہنچنے کا راستہ ضرور دکھا گئے۔

چند برس پیشتر امریکہ سے مائیکل ہارٹ کی کتاب تاریخ انسانیت کے سو بڑے آدمی شائع ہوئی تھی تو اس نے کتاب میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عالم انسانیت کا سب سے بڑا رہبر' نجات دہندہ اور اپنے کردار سے بزم ہستی کو تسخیر کرنے والا لکھ کر دنیا بھر کو چونکا دیا تھا۔ حیرت کی بات ہے کہ عیسائیت کے اس پرستار نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس فہرست میں تیسرا نمبر دیا تھا۔

فرش کیا عرش پہ ہر آن ہے شاہی تیری

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

حضرت محمد ﷺ کی سیرت پاک اور قرآن فہمی کی خاطر بہت سے مستشرقین آگے بڑھے۔ ہم ان کی محنت کو قدر و قیمت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کیونکہ وہ اگر اسلام اور حضور ﷺ سے اتنے ہی مخلص ہوتے تو مسلمان کیوں نہ ہو گئے۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہوئے۔ بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ انہوں نے اسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے رخ انور پر سے اس گرد کو صاف کرنے کی کوشش

کی جس کو ان کے متعصب اسلاف نے پھیلانے کی بدترین کاوش کی تھی۔ ہم ان مستشرقین اور یورپ کے مفکرین کا یہ کمال ضرور سمجھتے ہیں کہ ان کی بدولت ان کے معاصرین کو اسلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قدر و قیمت اور مقام و مرتبہ کا احساس ہوا۔ انہوں نے برملا اعتراف کیا ہے کہ ہم تعصب کی آگ میں جلنے والے اپنے بڑوں کی خطاؤں کی تلافی کر رہے ہیں۔

یورپ کے ان مفکرین نے اسلام کو سچا مذہب قرار دیا۔ بیشتر نے دلائل سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو سچا نبی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض نے تو اس ضمن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فضیلت دینے کی کوشش کی ہے۔ قرآن کو کتاب برحق بلکہ جامع ترین الہامی کتاب تسلیم کیا ہے۔ یہ رب کریم کا خاص احسان ہے کہ جس نے "ورفعنا لک ذکرک" کی صورت میں اپنا وعدہ بہر حال پورا کرنا ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تذکرہ اور محاسن و محامد کا ذکر کرتے ہوئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ان یورپین دانشوروں کی آراء پیش کریں۔ بعض کے مضامین سے ہم نے اقتباسات اخذ کئے ہیں اور بعض کی کتابوں سے لعل و جواہر چنے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ امریکہ' برطانیہ' جرمنی' روس' فرانس کی حکومتوں کی اسلام دشمنی اپنی جگہ مگر اسلام اور محمدیت کا نور پوری شان سے ان تمام ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ ان کلمات کے بعد آپ مفکرین عالم کی آراء کا مطالعہ کیجئے۔

جے ڈیونپورٹ

ایسا کوئی ثبوت' شہادت اور اشارہ تک نہیں ملتا جس سے یہ کہا جا سکے کہ محمد (ﷺ) نے کبھی کسی موقع پر اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لئے کوئی فریب یا نام نہاد معجزہ دکھایا ہو۔ اپنے دین اور مذہب کے نفاذ کے لئے انہوں نے کوئی غلط حربہ اختیار نہیں

کیا۔اس کے برعکس اس علم پر پورا انحصار کیا جو انہیں خُدا کی طرف سے ودیعت ہوا تھا۔

اور پھر ان کا خلوص جو صداقت الٰہی پر استوار تھا۔اپنے مذہب اور دین کی صداقت پر خلوص اور ایقان' محمد (ﷺ) کی سب سے بڑی متاع تھی۔اس پر خلوص دینی صداقت کا اظہار ان کے ہر عمل میں ظاہر ہوا اور زندگی کے ہر مرحلے میں وہ اسی دینی صداقت کا مظہر بنے رہے۔

اور پھر یوں اسلام نے بت پرستی کی جڑیں اکھاڑ دیں اسلام آپ ﷺ کی زندگی ہی میں مستحکم ہوا۔اسلام کی اشاعت میں جہاں ان کی جنگی صلاحیتوں کا بڑا دخل تھا' وہاں ایک مصلح اور حکمران کی حیثیت سے بھی انہوں نے حقیقی معنوں میں اسلام کو فروغ دیا۔ایک ایسا انقلاب آیا کہ قدیم عرب کی ہر رسم بدل گئی۔انتقال اور بدلے کی جگہ عدل وانصاف نے لے لی۔کسی ملزم کو اپنی صفائی پیش کئے بغیر کوئی سزا نہیں دی جاسکتی۔عرب جیسے ملک میں یہ انقلاب دراصل محمد (ﷺ) کا حقیقی معجزہ تھا۔

جارج برنارڈ شا

''از منۂ وسطٰی میں عیسائی راہبوں نے جہالت وتعصب کی وجہ سے اسلام کی نہایت بھیانک تصویر پیش کی۔انہوں نے محمد (ﷺ) اور دین اسلام کے خلاف منظم تحریک چلائی۔یہ سب راہب اور مصنف غلط کار تھے کیونکہ محمد (ﷺ) ایک عظیم ہستی اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ تھے''۔

نپولین بونا پارٹ

حضرت محمد (ﷺ) نے اہل عرب کو درس اتحاد دیا۔ان کے باہمی تنازعات اور جھگڑے ختم کئے۔تھوڑی سی مدت میں آپ ﷺ کی امت نے نصف سے زیادہ دنیا فتح کر لی۔پندرہ برس کے عرصے میں عرب کے لوگوں نے بتوں اور جھوٹے

دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کر لی۔ مٹی کے بت اور دیویاں مٹی ہی میں ملادی گئیں۔ یہ حیرت انگیز کارنامہ محمد (ﷺ) کی تعلیمات اور ان پر عمل کرنے کے سبب انجام پایا۔

لیوٹالسٹائی

محمد (ﷺ) کا طرز عمل' اخلاق انسانی کا حیرت انگیز کارنامہ تھا' اور ہم یہ یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ حضرت محمد (ﷺ) کی تعلیمات خالص سچائی پر مبنی تھیں۔

ای ڈر منگھم

عرب بنیادی طور پر انارکسٹ اور انتشار پسند تھے۔ محمد (ﷺ) نے یہ زبردست معجزہ کر دکھایا کہ انہیں متحد کر دیا۔ بلا شک وشبہ دنیا میں کوئی ایسا مذہبی رہنما نہیں ہوا جسے محمد (ﷺ) جیسے سچے اور وفادار پیروکار ملے ہوں۔

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ محمد (ﷺ) کی تعلیمات نے عربوں کی زندگی بدل کر رکھ دی۔ اس سے پہلے طبقۂ اناث کو کبھی وہ احترام حاصل نہیں ہوا تھا جو محمد (ﷺ) کی تعلیمات کے نتیجے میں ملا۔ جسم فروشی' عارضی شادیاں اور آزادانہ محبت ممنوع قرار دے دیئے۔ لونڈیاں اور کنیزیں جنہیں اس سے پہلے محض اپنے آقاؤں کی دل بستگی کا سامان سمجھا جاتا تھا' وہ حقوق ومراعات سے نوازی گئیں۔ غلامی کا ادارہ بوجوہ اس دور میں باقی رہا لیکن غلام کو آزاد کرنے والے کو سب سے بڑا نکوکار قرار دیا گیا۔ غلاموں کے ساتھ برابری کا سلوک روا رکھا جانے لگا اور غلاموں نے دین اسلام کی تعلیمات سے فیضیاب ہو کر اعلیٰ ترین مناصب حاصل کیے۔ محمد (ﷺ) کا ارشاد ہے۔

''تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ جس نے ایک غلام آزاد کیا اس پر دوزخ کی آگ حرام ہوگئی۔ اپنے غلاموں کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو۔ انہیں اپنے جیسا

لباس پہناؤ۔ ان کی طاقت سے زیادہ کبھی ان سے کام نہ لو''۔

ایک موقع پر جب کسی نے حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو ''حبشن کا بچہ'' کہہ کر پکارا تو محمد (ﷺ) نے اس شخص کو مخاطب کر کے کہا:

''تم میں ابھی دور جاہلیت کی بُو پائی جاتی ہے''۔

جو کچھ محمد (ﷺ) نے کر دکھایا' اسے سامنے رکھیں تو ہم ان کی عظیم ترین شخصیت کو خراج عقیدت پیش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ قرآن کی تعلیمات سامنے رکھ لیجئے یا وہ خوبیاں جو سارے عالم میں مسلمہ سمجھی جاتی ہیں' محمد (ﷺ) کی زندگی قرآنی تعلیمات اور مسلمہ آفاقی سچائیوں کا جیتا جاگتا نمونہ تھی اور آپ (ﷺ) نے کبھی اپنی گفتار اور اعمال کے ذریعے ان حدود سے تجاوز نہیں کیا۔

شواگ

اسلام توازن کا مذہب ہے۔ محمد (ﷺ) کی سیرت و حیات توازن کا بہترین نمونہ تھی۔

ایچ پاٹرینی

انسانی دنیا میں ایک خلا تھا۔ وسیع و بسیط خلا۔ انسان' انسان سے بچھڑا ہوا اور فاصلے پر کھڑا تھا۔ عرب کے صحراؤں میں محمد (ﷺ) نے انسانی یگانگت اور عالمی برادری کا جو پیغام دیا' اس نے اس خلا کو پر کر دیا۔ انسان انسان کے قریب آ گیا۔ آج ہم عالمی برادری کی جو اصطلاح استعمال کرتے ہیں' اس کا تصوّر پیغمبر عربی کی عطا ہے۔

جارج برنارڈ شا

میری خواہش ہے کہ اس صدی کے آخر تک برطانوی ایمپایر کو محمد (ﷺ) کی تعلیمات مجموعی طور پر اپنا لینی چاہئیں۔ انسانی زندگی کے حوالے سے محمد (ﷺ) کے

افکار و نظریات سے احتراز ممکن نہیں۔

جی ایم ڈریکاٹ

انسانی تاریخ میں کسی قوم کا نامۂ اعمال اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اتنا سیاہ نہیں جتنا کہ یہودیوں کا ہے۔ مغربی مؤرخ اور عالمِ محمد (ﷺ) کے یہودیوں پر مظالم کا پروپیگنڈہ کرتے نہیں تھکے، حالانکہ اس پراپیگنڈے میں صداقت ہے نہ غیر جانبداری۔

یہودیوں نے اپنی فطرت کے عین مطابق محمد (ﷺ) کے خلاف پہلے تو افواہوں کا بازار گرم کیا۔ اس کے بعد مہاجر و انصار میں تفرقے اور عناد کا بیج بونے کی کوشش کی۔ محمد (ﷺ) کے خلاف سارے معاہدوں کو بالائے طاق رکھ کر مکے کے دشمنانِ اسلام کے ساتھ سازشیں کرنے لگے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ محمد (ﷺ) طرح دیتے اور نظرانداز کرتے چلے گئے۔ جب یہودیوں نے محمد (ﷺ) کی جان اور ان کے دین کو ختم کرنے کی سازشیں جاری رکھیں تو پھر جوابی کارروائی کا حق محمد (ﷺ) سے کوئی نہیں چھین سکتا تھا۔

آر سی وی بوڈلے

غزوۂ احد میں غزوۂ بدر کی فتح کے بعد مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ کافروں کے لئے یہ سنہری موقع تھا کہ وہ محمد (ﷺ) کے وقار کو مجروح کر سکیں۔ انہوں نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ وہ خُدا کے رسول ہیں۔ خُدا کا فرستادہ اور شکست سے دوچار ہوا ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ ایسے پروپیگنڈے کی اہمیت سے واقف تھے، اسی لئے آپ ﷺ نے شکست کو تسلیم نہ کیا۔ غزوۂ احد میں حضور اکرم ﷺ خود زخمی ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کی عمر ۵۶ برس تھی۔ اس کے باوجود ایک عظیم جرنیل کی طرح آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آنے والے برسوں میں

دشمنوں پر کاری ضرب لگاتے اور انہیں لڑائیوں میں شکست سے دوچار کرتے رہے۔

ای ڈر منگھم

مدینے کی طرف ہجرت سے پہلے مکے کے باسی مسلمانوں نے بہ امر مجبوری اپنی املاک اور مکان اونے پونے بیچ دیئے تھے' اور جو ایسا نہ کر سکے ان کے ہجرت کرنے کے بعد ابوسفیان نے ان کے گھر اور املاک ضبط کر لی تھیں۔ مکے کی فتح کے بعد جب مسلمان فاتح بن کر مکے میں داخل ہوئے تو محمد (ﷺ) نے ایک ایسا فیصلہ دیا جو انسانی تاریخ میں اپنی نوعیت کا واحد فیصلہ تھا۔ آپ ﷺ نے مکے سے ہجرت کر جانے والے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ جن گھروں کو مجبوری کی حالت میں اونے پونے اہل مکہ کے پاس بیچ گئے تھے یا ان کے بعد مکے کے لوگوں نے ان پر قبضہ کر لیا ہے' اس کی ملکیت کا دعویٰ نہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان مکانوں کے بدلے آپ کو جنت میں گھر ملیں گے"۔

البرٹ وایل اور ایملی میکلیلن

اب محمد (ﷺ) فاتح تھے اور عرب کے حکمران ......اب آپ (ﷺ) کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا تھا۔ وہ بلا شرکت غیرے اقتدار کے مالک تھے۔ اگر آپ (ﷺ) چاہتے تو ساری دولت سمیٹ سکتے اور عیش و آسائش کی زندگی بسر کر سکتے۔ مدینے کے ان لوگوں نے جو محمد (ﷺ) کی روزمرہ زندگی کے ہر عمل کا بغور مشاہدہ کرتے تھے' انہوں نے دیکھا کہ محمد (ﷺ) کے طرز حیات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور آپ (ﷺ) پہلے کی طرح سادہ اور تنگی کی زندگی بسر کرتے رہے۔ آپ (ﷺ) کو جو ملتا وہ دوسروں میں بانٹ کر خود خالی ہاتھ رہ جاتے۔

جی ایم ڈریکاٹ

اپنی تعلیمات‘ ذہانت اور جوش و خلوص سے محمد (ﷺ) نے ایک لاقانون علاقے کے لئے مؤثر قوانین وضع کئے۔ سماجی اور مذہبی ادارے قائم کئے۔ انہیں ایسی عبادت (نماز) پر لگا دیا‘ جس میں رنگ‘ نسل‘ امارت‘ غربت اور ہر طرح کی اونچ نیچ ختم ہو جاتی ہے۔ دنیا کا کوئی پیغمبر محمد (ﷺ) کی طرح ایسے معاشرے اور سماج کی بنیاد نہ رکھ سکا جو مثالی ہو اور آنے والے ہر زمانے کے لئے تقلید کی ترغیب دیتا ہو۔

اے گیلیوم

تاریخ انسانی میں محمد (ﷺ) کا مقام سب سے بلند اور منفرد ہے۔ ان کی عظیم ترین فتح یہ ہے کہ انہوں نے انسانوں کو یہ عقیدہ تسلیم کرنے پر راضی کیا کہ خدا ایک ہے اور مسلمانوں کی ایک امت ہے۔

ایک عظیم مدبر اور سیاستدان کی حیثیت سے ان کے جوہر انتہائی پیچیدہ اور مشکل مسائل کی گتھیاں سلجھاتے ہوئے کھلتے ہیں۔ فوج‘ طاقتور قبائلی دستے اور قبائلی مزاج کے باوجود عربوں کے لئے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ وہ متحد ہو سکیں‘ جبکہ محمد (ﷺ) نے اپنی تبلیغ اور تعلیمات سے انہیں متحد کر کے دکھا دیا۔

جی ہکنز

کوئی شخص جتنا بھی محمد (ﷺ) کی حیات اور اسلام کے ابتدائی دور پر غور و فکر کرتا ہے‘ اسے اسلام کی کامیابیوں کی وسعت پر حیرت ہوتی ہے۔ جیسے مشکل اور دشوار حالات سے محمد (ﷺ) کو سامنا کرنا پڑا‘ ایسے حالات سے شاید ہی کسی دوسرے نبی کو دوچار ہونا پڑا ہو۔ ایک مذہبی رہنما‘ مدبر اور منتظم کی حیثیت سے انہوں نے اپنے آپ کو جس طرح تسلیم کروایا‘ اس کی مثال تو شاید کہیں مل سکے‘ لیکن خدا پر ان کا جو

ایقان اور ایمان تھا' اور اپنی تعلیمات کی صداقت اور حقانیت کا جو شعور انہیں حاصل تھا' اس کی مثال کوئی دوسری برگزیدہ شخصیت پیش نہیں کرسکتی۔ محمد (ﷺ) نے یہ ثابت کردیا کہ وہ خُدا کے بھیجے ہوئے نبی اور رسول ہیں' اور یہ واقعہ ایسا ہے جو اس سے پہلے تاریخ میں ملتا ہے اور نہ اس کے بعد۔

آرلینڈ اوٗ

محمد (ﷺ) کے سامنے سب سے بڑا اور مشکل فریضہ یہ تھا کہ وہ اس طاقتور قبائلی نظام کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیں' جو نہ صرف نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سرچشمہ تھا بلکہ یہ قبائلی نظام خُدا کا شریک بن چکا تھا۔ اس کارنامے کے ساتھ انہیں اس قوم کو آفاقی قانون سے متعارف کرانا تھا جو لاقانونیت کی آخری حدوں کی چھو چکی تھی' انہیں اس قوم کی تنظیم کرنی تھی جو قبائل میں بٹی ایک دوسرے کے خون کی پیاسی رہتی تھی۔ محمد (ﷺ) کو ظلم وشقاوت کی جگہ انسانیت کا علم بلند کرنا تھا' انتشار اور انارکی کی جگہ نظم و نسق کو بحال کرنا تھا اور طاقت کی جگہ انصاف کا بول بالا کرنا تھا' اور جب محمد (ﷺ) کا انتقال ہوا تو اسلام کی تکمیل ہو چکی تھی۔ اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والا معاشرہ معرض وجود میں آچکا تھا۔ روحانی اور مادی فتوحات کا ایک ایسا راستہ کھل چکا تھا جس کی مثال پوری انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اے جی لیونارڈ

محمد (ﷺ) ایک ایسی شخصیت تھے جن کے سامنے ایک عظیم مقصد اور بلند نصب العین تھا اور اپنے اس مقصد کی تکمیل اور نصب العین کے حصول کی راہ میں حائل ہر مشکل اور دشواری کا وہ مقابلہ کرسکتے تھے۔ یہ قوت اور صلاحیت اللہ کی دین تھی۔ محمد (ﷺ) کے کارناموں کے حوالے سے دراصل خُدائے واحد کے جلال وشوکت کا

اظہار ہوتا ہے۔ خُدا نے ان کے ہاتھوں کی حرکت کو وہ تاثیر عطا کی تھی کہ وہ پوری دنیا کو ہلا سکتے تھے۔ محمد (ﷺ) کی کامیابی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، دراصل عطیہ خُداوندی تھی۔

محمد (ﷺ) نے دنیا کو ایک عجیب فلسفہ دیا۔ ایک ایسا فلسفہ اور طرز حیات جو اس سے پہلے روئے زمین پر موجود نہیں تھا۔ محمد (ﷺ) نے موت کا خوف دلوں سے نکال دیا اور ایک ایسے طرز حیات کی بنا ڈالی جس میں انسان ہر لحہ خوف خُدا میں ڈوبا رہتا ہے۔

ڈی ایس مارگولیوتھ

جب محمد (ﷺ) کا انتقال ہوا تو ان کا مشن ادھورا نہیں تھا۔ اپنے عظیم روحانی اور سیاسی مشن کی تکمیل انہوں نے اپنی زندگی ہی میں کر لی تھی۔ وہ ایک ایسی سیاسی اور روحانی حکومت اپنے پیچھے چھوڑ گئے جس کا ایک دارالحکومت تھا۔ قبائل اور گروہوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو انہوں نے ایک مضبوط امت میں تبدیل کر دیا تھا۔ اپنی ہمیشہ رہنے والی تعلیمات پر کاربند رہنے کی وصیت کر کے انہوں نے امت مسلمہ کا مستقبل ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا تھا۔

ایس پی سکاٹ

اس مادی دنیا میں اخلاقی اقدار کو بتدریج کس نے مستحکم اور توانا کیا؟ اور پھر انہیں کس نے بام عروج تک پہنچایا؟ محمد (ﷺ) اور ان کے دین اسلام نے ...... انسانی تاریخ اور انسان کا بے بضاعت ذہن حیران ہیں کہ کتنے مختصر سے عرصے میں بکھرے ہوئے، باہم لڑنے والے انسانی گروہوں کو ایک نبی اور اس کے پیغام نے ایک متحد اور توانا امت میں تبدیل کر دیا۔

محمد (ﷺ) ایک ایسے ذہن کے مالک تھے جو مشکل سے مشکل اور پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھا سکتا تھا۔

اور سب سے حیران کن حقیقت یہ ہے کہ ایسا فقید المثال ذہن رکھنے والا انسان متکبر تھا نہ مغرور بلکہ عجز و رضا کا پیکر تھا۔ اپنی ہر کامیابی کو خُدا کی عظمت سے منسوب کرنے والا...... محمد (ﷺ) کے مذہبی پیغام اور ان کی عظیم شخصیت کی کلید یہ ہے کہ آپ (ﷺ) انسانوں کی روحانی اور سیاسی ضرورتوں سے کماحقہ آگاہ تھے۔ جو آگہی انہیں حاصل تھی، وہ کسی دوسرے نبی یا رسول میں اس حد تک دکھائی نہیں دیتی۔

محمد (ﷺ) نے عربوں کو ایک ایسی قوم بنا دیا جس نے دنیا کے دور دراز خطوں میں آباد انسانوں کو اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ یہ محمد (ﷺ) کے مذہب کی سب سے بڑی فتح ہے۔ محمد (ﷺ) کی آمد سے پہلے اور ان کے بعد کی دنیا...... ایک بدلی ہوئی دنیا ہے۔ یہ پوری دنیا جو مشرف بہ اسلام نہ ہوئی، اس کے باوجود محمد (ﷺ) کے عظیم احسانات کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے، کتنی ہی شرم ناک، اخلاق سوز اور انسانیت دشمن رسمیں تھیں جنہیں محمد (ﷺ) کی تعلیمات نے اس دنیا سے مٹا کر نیست و نابود کر دیا۔

انسانی وجود کو جو مقام حاصل ہوا، وہ محمد (ﷺ) کی تعلیمات سے پہلے کبھی بنی نوع انسان کو حاصل نہ ہو سکا تھا۔

سچ پوچھیے تو حقیقت یہ ہے کہ محمد (ﷺ) کی تعلیمات کی روشنی نے تاریکیاں ختم کر دیں۔

لین پول

محمد (ﷺ) کے بارے میں بعض حلقے شک و شبہات کا اظہار کرتے رہے ہیں اور کرتے چلے جائیں گے۔ ایسے معترض حلقوں کے سامنے یہ مسئلہ درپیش ہے کہ

ہر آن بدلتے ہوئے زمانے میں محمد (ﷺ) کی تعلیمات کس طرح آخری، حتمی، ابدی اور غیر متبدل قرار دی جاسکتی ہیں۔

یہ سوال عمومی سطح پر اور بالخصوص اسلام کی ابدی حقانیت کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ایک عام تاثر پایا جاتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات بے حد سخت اور مشکل ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں جبر کا عنصر بہت قوی ہے...... یوں یہ معترضین اسلام کو ایک بے لچک مذہب قرار دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام اور محمد (ﷺ) کی تعلیمات ہمیشہ کے لئے نہیں ہوسکتیں۔

کیا واقعی ایسا ہے......؟

روئے زمین پر محمد (ﷺ) جیسا دور اندیش اور صاحب بصیرت انسان کوئی دوسرا دکھائی نہیں دیتا۔ محمد (ﷺ) جبر کے قائل ہی نہیں تھے۔ وہ انسان کی حدود، انسان کی صلاحیتوں اور اس کی کوتاہیوں اور کمزوریوں سے پوری طرح واقف تھے۔ اسی لئے محمد (ﷺ) اپنے صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو تلقین کیا کرتے تھے کہ وہ اتنی عبادت کیا کریں جس کے وہ متحمل ہوسکتے ہوں۔ اسی طرح محمد (ﷺ) نے آنے والے دور کے حوالے سے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) سے فرمایا تھا۔

"سنو! تم ایک ایسے زمانے میں ہو جہاں تمہیں جو تعلیمات دی گئی ہیں اگر تم کل تعلیمات کا بڑا حصہ چھوڑ دو گے تو تم تباہ ہوجاؤ گے اور آنے والے زمانے میں ہم یہ دیکھیں گے کہ جو کل تعلیمات کے ایک دہائی حصے پر عمل کریں گے وہ بچا لئے جائیں گے"۔

جی ڈبلیو لائیٹز

دنیا میں بہت سے مذاہب آئے جو اپنی شکل کھو چکے ہیں، ان کی تعلیمات نیست

و نابود ہو چکی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ محمد (ﷺ) جو مذہب لے کر آئے اس کی تعلیمات کب تک باقی رہیں گی۔

اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں صرف اور صرف محمد (ﷺ) کی شخصیت کو سامنے رکھنا ہوگا۔ اگر تو یہ شخصیت اپنے قول و فعل کے اعتبار سے ہر دور میں قابل قبول ہے تو پھر اس شخصیت کے ذریعے دنیا میں جو مذہب آیا' اس کی تعلیمات بھی جاری وساری رہیں گی' اور اگر یہ شخصیت کسی دور میں نا قابل قبول تسلیم کی جا سکتی ہے تو پھر اس کی تعلیمات کا بھی یہی انجام ہوگا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ محمد (ﷺ) کی شخصیت اور ذات میں ایک ایسی کشش اور جاذبیت ہے جو کسی دور میں کم نہیں ہوگی۔ بلکہ اس کشش اور جاذبیت میں بنی نوع انسان کے لئے اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔

لین پول

جان براؤن' جو اپنے حبشی غُلام کی آزادی کے لئے بخوشی جان دے سکتا تھا' اگر اسے یہ معلوم ہوتا کہ اس کی بیٹی اس کے غُلام سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تو وہ اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیتا۔

یہ محمد (ﷺ) تھے جنہوں نے رنگ اور نسل کا خاتمہ کر دیا اور حبشی بھی عربوں کے داماد بننے لگے۔ یہ محمد (ﷺ) تھے جنہوں نے حبشیوں کو مقرب بنایا' انہیں خدمت اور حتیٰ کہ حکمران کی حیثیت سے بھی قبول کرنے پر بنی نوع انسان کو آمادہ کر لیا۔

ہم میں سے کون ہے جو عیسائی ہوتے ہوئے بھی ایک حبشی عیسائی کو اپنا مقرب رشتے دار یا حکمران بنانا پسند کرے گا...... کوئی بھی نہیں!

محمد (ﷺ) نے مساوات کا جو عملی تصوّر اسلام کے ذریعے بنی نوع انسان کو

پیش کیا' یہی وہ تصوّر ہے جو اسلام کا سب سے طاقتور عنصر ہے۔ یہ اسلام ہے جو اپنے معاشرے کے ہر فرد کو وقار اور آزادی' احترام اور عزت کا مقام دیتا ہے' اور یہ وہ عمل ہے جس کی مثال دوسرے مذاہب کے معاشرے پیش کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

جارج برنارڈ شا

محمد (ﷺ) کے مذہب کو میں نے ہمیشہ اس کی حیران کن قوت اور صداقت کی وجہ سے اعلیٰ ترین مقام دیا ہے۔ میرے خیال میں محمد (ﷺ) کا مذہب دنیا کا واحد مذہب ہے جو ہر دور کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے لئے کشش رکھتا ہے۔ میں نے اس حیران کن انسان (ﷺ) کا بغور مطالعہ کیا ہے۔ اور اس سے قطع نظر کہ اسے مسیح کا دشمن قرار دیا جاتا ہے' محمد (ﷺ) ہی انسانیت کا نجات دہندہ ہے۔

میرا ایمان ہے کہ اگر اس جیسا شخص دنیا کا حکمران ہوتا تو ہماری اس دنیا کے سارے مسائل حل ہو چکے ہوتے اور یہ دنیا خوشیوں اور امن کا گہوارہ بن جاتی۔

میں محمد (ﷺ) کے مذہب کے بارے میں یہ پیش گوئی کرتا ہوں کہ یہ کل کے یورپ کے لئے بھی اتنا ہی قابل قبول ہے جتنا کہ آج کے یورپ کے لئے...... جو اسے قبول کرنے کا آغاز کر چکا ہے۔

فلپ کے حتی

محمد (ﷺ) نے انسانوں کو بتایا کہ کوئی حکمران نہیں سوائے خُدا کی ذات کے اور انسان خُدا کا دنیا میں نائب ہے۔ محمد (ﷺ) کے دورِ حکومت میں دین کے احکام اور قرآن کے ارشادات کے ساتھ جو تطابق ملتا ہے' اس کی توقع ہر مسلمان حکمران سے کی جاتی ہے اور تعلیمات محمدی کا یہی جوہر ہے۔

برٹرینڈ رسل

مذاہب عالم میں عیسائیت کو اس ضمن میں طرۂ امتیاز حاصل ہے کہ یہ سزا دینے کے لئے ہروقت تیار رہتی ہے۔ بدھ مت ایک ایسا مذہب ہے جس میں سزا کا تصوّر ہی نہیں۔ محمد (ﷺ) کا دین توازن پر کھڑا ہے۔ دورِ رسالت میں یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ منصفانہ سلوک ہوتا رہا۔ دورِ خلافت میں عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کی یہی روایت جاری رہی' جبکہ عیسائیوں نے ہمیشہ یہودیوں اور مسلمانوں پر مظالم ڈھائے۔ روسی شہنشاہیت کے عیسائی ہوتے ہی یہودیوں کے خلاف مذہبی تحریک چلادی گئی۔ مسلمانوں کے خلاف لڑی جانے والی عیسائیوں کی مقدس جنگیں۔ مسلمانوں کے خلاف نفرت کا اظہار تھیں۔ عیسائیت اور اس کے علمبرداروں نے ہمیشہ اسلام اور حضرت محمد (ﷺ) کے خلاف باطل پروپیگنڈہ جاری رکھا ہے' جب کہ تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ محمد (ﷺ) ایک عظیم انسان اور فقید المثال مذہبی رہنما تھے۔ وہ ایک ایسے دین کے بانی تھے جو بردباری' مساوات اور انصاف کی بنیادوں پر کھڑا ہے۔

ایچ جی ویلز

سوال یہ ہے کہ ایک ایسا آدمی جو خوبیوں کا مالک نہ ہو' اس کا کوئی دوست ہوسکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ محمد (ﷺ) کو جو لوگ زیادہ قریب سے جانتے تھے' انہی کا آپ (ﷺ) پر اعتقاد اور ایمان سب سے زیادہ تھا۔ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کو لیجئے' ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو لیجئے' محمد (ﷺ) پر ان کے ایمان اور اعتقاد میں کبھی کمی واقع نہیں ہوئی۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اپنے پیغمبر پر جیسا پختہ ایمان رکھتے تھے' اظہر من الشمس ہے' اور اس دور کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی

صداقت اور شہادت پر ایمان لائے۔

جھوٹے آدمی کی تعلیمات میں منافقت اور جھوٹ کی آمیزش ہوگی۔

محمد (ﷺ) کی تعلیمات یہ ہیں کہ سچ سب سے بڑی نعمت اور خوبی ہے۔ جو جھوٹا ہے وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ اور پھر اس سے بھی بڑی صداقت جو محمد (ﷺ) نے دنیا کو عطا کی، وہ خُدا کی وحدانیت ہے۔ یہ تصوّر یہودیوں میں بھی موجود ہے لیکن کس حد تک؟ اسلام سادہ اور کامل ترین مذہب ہے۔ مہربانی، فیاضی اور مساوات پر اس کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ یہ دنیا کے ہر عام آدمی کی ضرورت پورا کرنے والا مذہب ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا

تاریخ ذرائع اور ماخذوں سے محمد (ﷺ) کی زندگی کے آخری بیس برسوں کے بارے میں جو معلومات جدید محققوں اور عالموں نے فراہم کی ہیں، ان سے محمد (ﷺ) کی شخصیت بہت واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے۔

آپ (ﷺ) کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو جو ایک حیران کن متاثر کرنے والا تضاد ہے...... یہ ہے کہ عظیم فتوحات کے باوجود...... محمد (ﷺ) کی انسانیت اور انسانیت نوازی میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوتا چلا گیا......

جی ہگنز

کہاں ہیں وہ پوپ، آرچ بشپ آف کنٹربری اور کونسلو آف کانو کیشن، اسقف، پادری اور مسیحی قوانین بنانے والے...... جنہوں نے افریقہ میں غُلامی کی اجازت دی، جنہوں نے حبشیوں کو غُلام بنانا مذہب کے مطابق قرار دیا۔

آج ان کا کوئی نام نہیں جانتا۔ وہ تاریخ کی گرد میں لپٹے گمنامی کی نیند سو رہے ہے

ہیں۔کوئی محقق یا مؤرخ ان کا نام گرد جھاڑ کر تلاش بھی کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ وہ انہیں مطعون کر سکے اور ان کے بھیانک جرائم کا اظہار کر سکے۔

اس کے ساتھ ساتھ ایک نام ہے......محمد......(ﷺ) جس نے انسانیت کو رنگ اور نسل کی زنجیروں سے آزادی عطا کی۔ یہ نام......روشن سے روشن تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔اس نام کی تجلیات پوری دنیا میں پھیلتی چلی جا رہی ہیں۔

اے جی لیونارڈ

محمد (ﷺ) نے دنیا کو بتایا کہ خدا پوری کائنات اور بنی نوع انسان کا خالق ہے۔ یہ ایک نظریہ اور ایک عقیدہ' ایک ایسا انقلاب تھا جس سے دنیا پہلی بار آشنا ہوئی اور ہمیشہ اس خدائے واحد اور خالق دو جہاں کی عبادت کرتی رہے گی۔

گبن

ساتویں صدی کے عیسائیوں کو دیکھئے تو وہ کفر کی رسوم اپنا چکے تھے۔ وحدت' تثلیث میں تبدیل ہو چکی تھی۔عیسائیوں نے کمال کر دکھایا کہ اپنی اپنی جگہ تین مقدس وجود تخلیق کر لئے ...... یسوع جو انسان تھا اسے خدا کے بیٹے کا روپ بخش دیا۔عیسائی مذہب کے مختلف فرقوں نے اس عقیدے کو اپنے اپنے انداز میں اپنایا اور ہر کوئی یہ دعویٰ کرنے لگا کہ سچا اور صحیح عقیدہ اس کے فرقے کا ہے۔یوں عیسائیوں کے یہاں خدا کا تصوّر دھندلاتا گیا اور مبہم بنتا گیا۔

محمد (ﷺ) نے خدا کا جو تصوّر اور عقیدہ دیا' اس میں کسی طرح کا ابہام نہیں۔ یہ روشن اور منور ہے اور محمد (ﷺ) پر نازل ہونے والا قرآن ......اللہ کی وحدانیت کا شاندار ثبوت بن گیا۔

مکہ کے پیغمبر (ﷺ) نے بتوں' انسانوں' ستاروں' سیاروں کی پرستش کو ٹھکرا

دیا۔ آپ (ﷺ) نے عقلیت پر مبنی اصولِ سامنے رکھا کہ جو طلوع ہوتا ہے' وہ غروب بھی ہوتا ہے' اور جو زندہ ہوتا ہے وہ ایک دن مرتا بھی ہے' اور جو گمراہی پھیلاتا ہے وہ ایک دن تباہ ہوگا۔

جس سادگی اور عقلی انداز فکر سے محمد (ﷺ) نے خُدا کی وحدانیت کا عقیدہ اور ثبوت پیش کیا ہے' پوری دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

عرب کے پیغمبر (ﷺ) نے بتایا کہ خُدا وہ ہے جو لوگوں کے دلوں میں چھپے بھید بھی جانتا ہے۔ ماضی' حال اور مستقبل کا علم صرف اللہ کو ہے۔

دنیا کا بڑے سے بڑا عالم اور دنیا کے سب دانشور بھی مل کر محمد (ﷺ) کے پیش کردہ عقیدۂ وحدانیت کی اکملیت پر حرف نہیں رکھ سکتے۔

ایک ملحد بھی جب اس عقیدے پر غور کرے گا تو اس کے وزن اور صداقت کو محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے گا...... محمد (ﷺ) کے طرز بیان کی مثال نہیں ملتی۔

اے جی لیونارڈ

محمد (ﷺ) کا وہ کون سا ممتاز رویہ تھا جس نے انہیں سب سے منفرد بنا دیا؟ اس کے لئے ہمیں عیسائیت کی تاریخ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور بطور خاص اس دور کا مطالعہ کرنا ہوگا جو تعزیرو مذہبی سزا کا دور کہلاتا ہے۔ مذہب کے نام پر عیسائیوں کے تعزیری اور احتسابی اداروں نے عیسائیت کا دامن بے گناہوں کے خون سے ایسا داغ دار کر دیا کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود یہ داغ مٹائے نہیں جا سکے۔ ذرا البیگنز' والڈنیسز اور بارتھولومیو کے سیاہ کارناموں پر تو اک نگاہ ڈالئے۔

اس کے برعکس محمد (ﷺ) اور ان کے رفیقوں اور پیروکاروں نے مذہبی سزاؤں کے ذریعے کسی غیر مسلم کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا' نہ اپنے دین کی سربلندی کے لئے

انسانیت کا دامن انسانوں کے خون سے داغدار کیا۔

محمد (ﷺ) کی یہی وہ خاص خوبی ہے جو انہیں دنیا کے تمام برگزیدہ انسانوں میں ممتاز کرتی ہے۔

تھامس کارلائل

''خُدا واحد ہے۔ صرف خُدا کے پاس طاقت ہے۔ اس نے ہمیں بنایا۔ وہی ہمیں مارتا اور وہی ہمیں جلاتا ہے۔ اللہ اکبر...... اللہ عظیم ہے۔ اس کی اطاعت کرو۔ جو قتل وحزن سے اجتناب کرے گا' وہ دانا ہوگا اور اللہ اس سے خوش ہوگا' اس کا اجر تمہیں اس دنیا اور اگلی دنیا میں ملے گا۔ خُدا کی اطاعت کے سوا اور کچھ بھی نہیں جو تمہیں کرنا چاہیے''۔

اور اگر دنیا کے بدترین جرائم اور اصنام پرستی میں مبتلا انسان بھی اس عقیدے کو تسلیم کر لیتے ہیں' بلکہ اپنے آتش فشاں دلوں کے ساتھ اس عقیدے پر عمل کر کے بھی دکھا سکتے ہیں تو اسے کیا کہیں گے؟ محمد (ﷺ) کا معجزہ۔

محمد (ﷺ) کے پیغام پر عمل کرنے والے دنیا کے بہترین انسان بن گئے اور میں سمجھتا ہوں انہیں ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

واشنگٹن ارونگ

محمد (ﷺ) ایسے سپہ سالار اور جرنیل تھے جو فوج کے آخر میں آنے والے سپاہی تک کا خیال رکھتے تھے۔ وہ کمزوروں اور لاغروں کا خاص خیال رکھتے تھے۔

تھامس کارلائل

محمد (ﷺ) عیش وعشرت اور شہوانیت کے دلدادہ نہ تھے۔ یہ وہ الزام ہے جو آپ (ﷺ) پر ان ناعاقبت اندیشوں نے لگایا جن کے ضمیر تاریک ہو چکے تھے۔

آپ (ﷺ) کا گھریلو ساز و سامان معمولی اور خوراک بہت سادہ اور عام قسم کی تھی۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ مہینوں آپ (ﷺ) کے گھر میں چولہا روشن نہ ہو سکا۔

آپ (ﷺ) کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ آپ (ﷺ) جوتے خود گانٹھ لیا کرتے اور کپڑوں کو پیوند لگا لیا کرتے تھے۔ آپ (ﷺ) محنتی اور جفاکش انسان تھے۔ کسی بے ہودگی کی طرف آپ (ﷺ) نے کبھی توجہ نہ دی۔ آپ (ﷺ) دنیاوی عیش و عشرت سے قطعی بے نیاز اور لاپروا تھے۔

وہ جو آپ (ﷺ) کے جاں نثار اور پیروکار تھے آپ (ﷺ) کو سچے دل سے خدا کا پیغمبر تسلیم کرتے تھے۔ اس لئے کہ آپ (ﷺ) کی زندگی ان کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح تھی۔ کوئی راز اور اسرار آپ (ﷺ) کی ذات کے ساتھ وابستہ نہیں تھا۔ وہ سب جانتے تھے کہ آپ (ﷺ) کس قسم کے انسان ہیں۔ آپ (ﷺ) کے بارے میں وہ کسی خوش فہمی اور شک و شبے میں مبتلا ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے کسی حکمران اور شہنشاہ کو اپنے تمام تر وسائل' طاقت اور اقتدار کے باوجود ایسے وفادار اور جاں نثار پیروکار نہ ملے۔

بی سمتھ

یہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ محمد (ﷺ) کی بیشتر شادیاں بعض مخصوص حالات کے تحت ہوئیں۔ یہ جذبۂ رحم کا نتیجہ تھیں۔ بیشتر شادیاں ان خواتین سے ہوئیں جو بعض وجوہات اور واقعات کی بناء پر قابل رحم حالت میں تھیں۔ لگ بھگ سب خواتین بیوائیں تھیں جو صاحب ثروت بھی نہیں تھیں اور خوبصورتی میں بھی قابل ذکر نہیں تھیں بلکہ حقیقت یہ تھی کہ وہ بے سہارا تھیں۔

محمد (ﷺ) پاکباز اور صالح انسان تھے۔ ان کا دامن ہمیشہ پاک اور بے

داغ رہا' حالانکہ محمد (ﷺ) نے بے وقعت مخلوق کو وقار بخشا۔

ڈی ایس مارگولیوتھ

خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی وفات کے بعد محمد (ﷺ) نے جو متعدد شادیاں کیں' مغربی مصنفوں نے اس کی بڑی سستی توجیہات کی ہیں اور وہ الزام تراشی پر اتر آئے ہیں۔ ان مغربی مؤرخین نے جان بوجھ کر حقائق نظر انداز کئے ہیں۔ ان میں سے کئی شادیاں سیاسی ضرورت کے تحت ہوئیں۔ ان میں بہت سی ازواج معمر تھیں اور شکست خوردہ سیاسی حریفوں کے خانوادوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان شادیوں میں جنسی جذبے کا عنصر سرے سے موجود نہ تھا۔ محمد (ﷺ) کی ذات پر ایسا اتہام دراصل ان مغربی مؤرخوں کے اسلام دشمن مشن کا شاخسانہ ہے۔

اے جی لیونارڈ

محمد (ﷺ) ایک پاک اور بے لاگ زندگی بسر کرتے رہے۔ نبوت کا دعویٰ کرنے سے پہلے اور اس کے بعد بھی آپ (ﷺ) کے طرز حیات میں کوئی تضاد اور منافقت دکھائی نہیں دیتی۔ اگر آپ (ﷺ) کے عمل اور قول میں تضاد ہوتا تو ان کے اپنے لوگ' اپنا خاندان انہیں دھتکار دیتا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ ان کی جان کے دشمن' اسلام کو مٹانے کے لئے سازشیں کرنے والے بھی محمد (ﷺ) کی صداقت اور امانت کو تسلیم کرتے تھے۔

لین پول

حقائق سخت ہوتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ محمد (ﷺ) نے جس دن اپنے دشمنوں پر فتح پائی اور جو ان کی عظیم تر فتح تھی' وہی دن دراصل محمد (ﷺ) کی ذات اور انسانیت کی عظیم ترین فتح کا دن تھا۔ آپ (ﷺ) نے مکے کے لوگوں کو

عام معافی دے دی۔ یہ وہی لوگ تھے جن کے ناقابل بیان مظالم اور اذیتوں کا آپ (ﷺ) برسوں نشانہ بنے رہے تھے۔

انسانی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ جس طرح محمد (ﷺ) فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے دنیا کا کوئی فاتح اس طرح اپنے مفتوحہ شہر میں داخل نہیں ہوا۔

محمد (ﷺ) پر یہودیوں پر ظلم کرنے کا سنگین الزام لگایا جاتا ہے۔ الزام لگانے والے ان حالات' واقعات اور اسباب کو بھول جاتے ہیں جن کی وجہ سے محمد (ﷺ) نے یہودیوں کو ان کے علاقوں سے نکالا تھا۔ یہی یہودی تھے جو اسلام اور محمد کے خلاف سازش کا کوئی موقعہ نہیں چھوڑتے تھے۔

جے ایچ ڈینیسن

پانچویں صدی اور چھٹی صدی میں انسانی تہذیب تباہی کے دہانے پر کھڑی تھی۔ وہ قدیم جذباتی کلچر جنہوں نے تہذیب کو ممکن بنایا اور انسانوں کو اتحاد کے احساس سے روشناس کرایا تھا' اب ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ ایک ایسا خلاء پیدا ہو چکا تھا جسے کسی طرح پُر نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ انسانی تہذیب جو گذشتہ چار ہزار برسوں میں تعمیر ہوئی تھی اب پارہ پارہ ہونے والی تھی اور بنی نوع انسان پھر سے وحشی بن رہے تھے۔ انسانیت کا اتحاد ٹوٹ پھوٹ گیا تھا اور فرقے اور قبائل ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار تھے اور قانون نام کی ہر شئے کا وجود مٹ چکا تھا۔ عیسائیت نے جو نئی تشکیل کی تھی' وہ انسانیت کے لئے سودمند ثابت ہونے کے بجائے انسانی اتحاد اور نظم کو تباہ کر رہی تھی۔ انسانیت کا وہ عظیم چھتنار درخت جس کی چھاؤں پوری دنیا کو کبھی ڈھانپتی تھی' اب مردہ ہو چکا تھا' گل سڑ چکا تھا' اس کی جڑیں تک کھوکھلی ہو گئی تھیں۔

عربوں میں ایک آدمی پیدا ہوا جس نے مشرق اور جنوب کی پوری معلوم دنیا متحد کر دی۔ وہ انسان...... محمد (ﷺ) تھے۔

گبن

محمد (ﷺ) غالباً دنیا کے واحد قانون ساز ہیں جنہوں نے خیرات کی صحیح مقدار کا تعین کیا۔

بی سمتھ

کسی مذہبی رہنما اور مذہب کی حقیقت کا اندازہ اس کے نام لیواؤں اور پیروکاروں کے اعمال سے لگایا جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ۶۳۷ میں خلیفۂ ثانی عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں یروشلم پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ یروشلم میں کسی گھر یا مکان کو نقصان نہیں پہنچا۔ میدان کارزار کے سوا یروشلم کے اندر خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا گیا۔

نماز کا وقت ہوا تو یروشلم کے اسقف نے انہیں گرجے میں نماز پڑھنے کی دعوت دی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دعوت اس لئے قبول نہ کی کہ کہیں ان کے بعد ان کے جانشین اور عام مسلمان بھی وہاں نماز پڑھنے کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں اور یوں دوسروں کے مذہبی امور میں مداخلت کا سبب بنیں۔

۱۰۹۹ء میں عیسائیوں نے یروشلم پر قبضہ کیا اور مسلمانوں کے گھروں اور املاک کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ تین روز تک مسلسل مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ ستر ہزار مسلمان بچے، بوڑھے، عورتیں اور جوان قتل کئے گئے۔ ان میں دس ہزار وہ تھے جنہیں مسجد عمر (رضی اللہ عنہ) میں ہلاک کیا گیا۔

جب مسلمانوں نے یروشلم فتح کیا تو وہ یہ ثابت کر رہے تھے کہ محمد (ﷺ) دنیا کے لئے فضل و رحمت بن کر آئے ہیں۔ اس کے بعد کی جنگوں میں بھی مسلمانوں نے

اپنے مخالفوں کے مقابلے میں بہت زیادہ انصاف اور رحم دلی کا ثبوت دے کر مفتوحین پر ظلم وستم روا رکھنا گوارا نہ سمجھا۔ اس کی صرف ایک وجہ ہے کہ تعلیمات محمدی کی روح جاری وساری ہے' مؤثر اور ابدی ہے۔

والٹیئر

اس سے بڑا انسان...... انسانیت نواز...... دنیا کبھی پیدا نہ کر سکے گی۔

آر سی وی بوڈ لے

حضرت موسیٰ' کنفیوشس اور بدھ کے بارے میں کوئی ایسا ریکارڈ محفوظ نہیں رہا جو ہم تک پہنچتا اور ہم ان کے پورے حالات سے واقف ہو سکتے۔ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں بھی ہماری معلومات ناقص ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی تیس برس کی زندگی پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اس کے برعکس محمد (ﷺ) کی پوری زندگی ہم پر روشن اور عیاں ہے۔ ہم محمد (ﷺ) کے بارے میں اتنی ہی زیادہ معلومات رکھتے ہیں جتنی اس شخص کے بارے میں جس کا تمام ریکارڈ ہمارے اپنے عہد میں موجود ہے۔ آپ کے باطنی حالات اور کیفیات کا پورا ریکارڈ موجود اور محفوظ ہے۔ دنیا کے دوسرے پیغمبروں کی طرح ان کی زندگی پر اوہام اور لاعلمی کے پردے نہیں پڑے ہوئے اور نہ ان کی زندگی میں کسی قسم کی پراسراریت کا شائبہ ملتا ہے۔

آپ (ﷺ) خدا کے پیغمبر تھے۔ آپ (ﷺ) نے کبھی اپنے آپ کو مقدس' بنانے اور منوانے کی کوشش نہیں کی۔ آپ (ﷺ) سادہ تھے اور سادہ چیزوں کو پسند کرتے تھے۔ سادگی کے باوجود وہ عظیم اور شاندار شخصیت رکھتے تھے۔ آپ (ﷺ) سب کا بھلا چاہتے تھے۔ ان پر خدا کی وحی نازل ہوتی تھی لیکن اپنی تمام زندگی انہوں نے منطقی اہتمام کے ساتھ بسر کی۔ اپنے آپ کو کبھی خدا کا مثیل اور اوتار قرار نہ دیا۔

آپ (ﷺ) جانتے تھے کہ آپ (ﷺ) ایک عظیم رہنما ہیں لیکن آپ (ﷺ) نے کبھی اپنی قیادت کو ظاہری طمطراق سے آشنا نہ کیا۔ آپ (ﷺ) حکمران تھے۔ لیکن آپ (ﷺ) نے کبھی دربار نام کی چیز کا اہتمام نہ کیا۔

بی سمتھ

آپ (ﷺ) کی زندگی دراصل سورج کی طرح ہے جس کی کرنیں پوری دنیا کا احاطہ کرتی ہیں۔ اپنی زندگی کے آخری ایام تک آپ (ﷺ) نے سادگی اور عاجزی کو اپنائے رکھا۔ آپ (ﷺ) کے کردار کا سب سے حسین پہلو آپ (ﷺ) کی جاہ وحشم سے بے نیازی ہے۔ آپ (ﷺ) قانون ساز تاریخ ساز' حکمران' جرنیل اور قاضی تھے۔ اس کے باوجود آپ (ﷺ) کی شخصیت کا نمایاں ترین پہلو یہ ہے کہ وہ خُدا کے پیغمبر تھے اور خُدا کا پیغام دنیا تک پہنچانے کیلئے تشریف لائے تھے۔ زہد وعبادت میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ ان کی کامرانیوں کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے باوجود آپ (ﷺ) اپنے آپ کو اللہ کا بندہ سمجھتے تھے۔

لامارتین (فرانسیسی عالم)

انسان کو جو ذرائع اور وسائل مہیا کئے گئے ہیں وہ بہت کمزور اور ناپائیدار ہوتے ہیں۔ اسی لئے محمد (ﷺ) سے پہلے کسی انسان نے ایسے عظیم الشان اور ناممکن فریضے کی انجام دہی کا بیڑہ نہیں اٹھایا تھا لیکن محمد (ﷺ) نے اس کا بیڑہ بھی اٹھایا اور اسے پورا بھی کر دکھایا۔ اپنی اس جدوجہد میں انہوں نے جو قوت استعمال کی وہ بیرونی اور خارجی نہیں تھی' بلکہ اپنی پوری ذات اس میں صرف کردی۔ وہ ذات جو خُداوند ذوالجلال کی تجلیوں سے منور تھی۔ محمد (ﷺ) فلسفی' خطیب' مبلغ' قانون ساز' شجاع' بہادر' خیالات وافکار کے فاتح بھی تھے اور انہوں نے قوانین خُداوندی بھی بحال کئے۔ وہ

ایک ایسی عظیم الشان روحانی سلطنت کے بانی تھے جو ابدالآباد تک قائم رہے گی۔

وہ تمام پیمانے اور معیار جن سے ہم کسی انسان کی عظمت کا اندازہ لگاتے ہیں ......انہیں بروئے کار لا کر بتائیے...... کیا محمد (ﷺ) سے کوئی عظیم تر تھا؟

ای ڈرمنگھم

یسوع مسیح سے جب ایک متلاشی نے پوچھا کہ سیزر کے کارندے بھی اپنا ٹیکس طلب کرتے ہیں اور آپ بھی اپنی اطاعت کا حصہ مانگتے ہیں تو ہم کیا کریں۔

مسیح سے منسوب جواب عہد نامہ جدید میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

سیزر کا حصہ سیزر کو اور میرا حصہ مجھے دو"۔

محمد (ﷺ) جو دین لے کر آئے اور جن تعلیمات سے آپ (ﷺ) نے دنیا کو سرفراز کیا' ان میں سمجھوتے بازی اور منافقت سرے سے موجود نہیں ہے۔ ان کا فرمان تھا:

"تمہارا جو کچھ ہے وہ تمہارے خُدا کا ہے اور خُدا کی بادشاہت میں کوئی دوسرا شریک نہیں"۔

تھامس کارلائل

اگر کسی انسان کی پوری زندگی دیانت داری سے تعبیر کی جاسکتی ہے تو وہ محمد (ﷺ) ہیں۔ وہ جو محمد (ﷺ) کو طامع' لالچی' اقتدار پسند قرار دیتے ہیں' میں ان سے شدید اختلاف کرتا ہوں۔ جب دنیا جہان کی نعمتیں اور دولت آپ (ﷺ) کے قدموں میں تھی' تب بھی آپ (ﷺ) نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ اپنی ضرورت کے لئے بھی جو لیتے وہ بہت معمولی اور حقیر ہوتا' حالانکہ اس زمانے میں (اور اب بھی) حکمران ریاست کے تمام ذرائع اپنی ذات پر صرف کر دیتے ہیں۔

ڈبلیوڈبلیوکیش

مسیحی علما (پادریوں' اسقفوں اور پوپوں تک) نے عیسائیوں کو یہ سکھایا کہ اگر ان سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا ہے تو وہ ان کے پاس آئیں' ہدیہ پیش کریں اور معافی کا پروانہ حاصل کریں۔ دراصل اس طرح انسانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ براہ راست خدا کی طرف رجوع نہ کریں اور یوں خدا اور اس کی مخلوق کے مابین ایک اونچی اور ناقابل عبور فصیل کھڑی کردی گئی۔

محمد (ﷺ) آئے تو انہوں نے انسانوں کو تعلیم دی کہ وہ خدا سے براہ راست تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ خدا اور اس کے بندوں کے درمیان حائل تمام پردوں کو محمد (ﷺ) نے ہٹا دیا اور اس کے لئے کسی کو ہدیہ دینے کی ضرورت ہے نہ معاوضہ ادا کرنے کی......

سرولیم میور

یہ دیکھنے اور ثابت کرنے کے لئے کہ محمد (ﷺ) کے پائے استقلال میں لغزش پیدا ہوئی' اگر ہم تاریخ کی ورق گردانی کریں گے تو یہ ایک بے کار عمل ہوگا کیونکہ محمد (ﷺ) نے تیرہ برس جو جدوجہد حوصلہ شکنی' دھمکیوں' خطروں' مصائب اور سزاؤں کے مقابلے میں جاری رکھی اس کی کوئی مثال تاریخ پیش نہیں کرسکتی۔ اعلان نبوت کے بعد سے آخری سانس تک ان کے گرد بے نظیر جاں نثاروں کا گروہ ہمیشہ موجود رہا اور ان تیئس برسوں میں مسلسل ان میں اضافہ ہوا تھا۔

وہ عظیم الشان اور عظیم ترین پیغمبر تھے۔ تبوک کی لڑائی میں زید (رضی اللہ عنہ) شہید ہوئے جو آپ (ﷺ) کے چہیتے غلام تھے اور جنہیں آپ (ﷺ) نے آزاد کر دیا تھا۔ آپ (ﷺ) نے زید (رضی اللہ عنہ) کی شہادت پر فرمایا: "زید (رضی اللہ عنہ) نے اپنے

مالک حقیقی کا حق ادا کیا۔ زید (رضی اللہ عنہ) اب اپنے مالک حقیقی سے جا ملا ہے''۔

اور پھر زید (رضی اللہ عنہ) کی صاحبزادی نے دیکھا کہ صبر و تحمل سے یہی باتیں کہنے والا خدا کا پیغمبر، بوڑھا ہوتا ہوا سفید ڈاڑھی والا عظیم پیغمبر آنسوؤں میں پگھل رہا ہے۔

''یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں'' زید (رضی اللہ عنہ) کی صاحبزادی نے تعجب سے پوچھا۔

آپ (ﷺ) نے جواب دیا:

''تم ایک دوست کو اپنے دوست کے لئے آنسو بہاتے دیکھ رہی ہو''۔

گزشتہ تمام صدیوں میں ہمیں ایک بھی ایسا انسان دکھائی نہیں دیتا جو سب کا بھائی اور سب کا دوست رہا ہو، اور آپ (ﷺ) ایک عام ماں کے بیٹے تھے۔

میں محمد (ﷺ) کو بطور ہیرو اس لئے تسلیم کرتا ہوں کہ آپ (ﷺ) نے کبھی وہ بننے اور دکھانے کی کوشش نہ کی جو وہ نہیں تھے اور آپ (ﷺ) میں خودسری اور خودنمائی سرے سے موجود نہیں تھی، جبکہ ہر پیغمبر پر کسی نہ کسی لمحے یہ واردات ضرور ہوئی کہ خودنمائی کا اظہار کیا۔

آپ (ﷺ) میں تکبر اور غرور نام کو نہیں تھا۔ تاہم آپ (ﷺ) ایسے عجز کا بھی اظہار نہ کرتے تھے جس میں خود اعتمادی کی کمی کا شائبہ ہو۔ جس اعتماد اور شان سے وہ ایرانی اور یونانی شہنشاہوں سے مراسلت کرتے ہیں، انہیں دیکھئے اور ذہن میں لائیے کہ یہ مراسلے اس انسان نے لکھوائے تھے جو اپنے ہاتھوں سے معمولی سے کام کرنے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا۔

محمد (ﷺ) اس اعتبار سے بھی بے مثل ہیں کہ انہوں نے کبھی کسی فعل پر معذرت کی ضرورت محسوس نہ کی اور نہ کبھی بڑ ہانکی۔

تبوک کا غزوہ ایسا تھا جس کا ذکر آپ (ﷺ) اکثر کیا کرتے تھے۔ بعض صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) نے مشورہ دیا تھا کہ ابھی پیش قدمی مناسب نہیں ہوگی، موسم بے حد

گرم ہے اور فصل کاٹنے کے دن قریب آ رہے ہیں۔آپ (ﷺ) نے فرمایا تھا۔

"تمہاری فصلیں ...... ایک دن زندہ رہتی ہیں ...... تمہاری ان فصلوں کا کیا بنے گا جو ابدیت سے ہمکنار ہوتی ہیں ...... گرم موسم ...... ہاں موسم بہت گرم ہے' لیکن دوزخ اس سے بھی گرم ہے"۔

ای ڈر منگھم

خُدا پر جو ایقان اور ایمان محمد (ﷺ) کو تھا' اس کی مثال تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ (ﷺ) ایک بار مدینہ جاتے ہوئے ایک درخت کے نیچے لیٹ کر سو گئے۔ آپ (ﷺ) نے اپنی تلوار ایک درخت پر لٹکا دی تھی۔ اچانک آپ (ﷺ) کی آنکھ کھلی اور دیکھا کہ ایک اجنبی اپنی تلوار تانے کہہ رہا ہے! "کہو! اب تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے"۔

آپ (ﷺ) نے اجنبی کے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے بڑی نرمی سے جواب دیا: "میرا خُدا"۔

بدو اجنبی اتنا حیرت زدہ اور ہراساں ہوا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ محمد (ﷺ) نے اس کی تلوار اٹھائی اور اس آدمی کی طرف تلوار سونت کر پوچھا۔

"اور کہو اب تمہیں کون بچائے گا؟"

"آہ ...... کوئی بھی نہیں" بدو نے بے بسی سے جواب دیا۔

آپ (ﷺ) نے تلوار پھینک دی اور فرمایا:

"سنو ...... خُدا سے رحم کھانا سیکھو۔ وہ تمہاری حفاظت کرے گا"۔

لامارتین (فرانسیسی عالم)

پوری انسانی تاریخ میں یہ مثال نہیں ملتی کہ انسان نے دانستہ یا نادانستہ طور پر

اپنے آپ کو ایک مقصد کے لئے رضا کارانہ یا غیر رضا کارانہ طور پر وقف کر دیا ہو۔ یہ مشن کیا تھا؟ اوہام کا خاتمہ جو انسان اور اس کے خالق کے مابین حائل ہیں۔ یہ مشن تھا خُدا اور اس کے بندے کے درمیان گم شدہ رشتے کی بحالی۔ ان انسانوں کو خُدا کی طرف لانا جو بدہیئت اور کریہہ شکل بتوں کے آگے سر جھکائے ہوئے اپنے حقیقی خالق کو فراموش کر چکے تھے۔ یہ مشن تھا جہالت کا خاتمہ اور عقلیت اور علم کی سرخروئی کا۔

آر ڈبلیو سوڈرن

مغربی علماء اور دانشوروں کی لاعلمی اور جہالت اسلام کے بارے میں انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ جب لاطینی دانشوروں اور مصنفوں سے کوئی سوال کرتا کہ محمد (ﷺ) کون تھے اور انہیں ایسی فقید المثال کامیابیاں کیسے حاصل ہوئیں تو یہ لاطینی جواب دیتے کہ محمد (ﷺ) ایک جادوگر تھے (نعوذ باللہ) جنہوں نے اپنی ساحری سے افریقہ اور دوسرے ملکوں کے لوگوں کو مسلمان بنا لیا۔

ازمنۂ وسطیٰ کے ان نام نہاد دانشوروں اور اسلام دشمن علماء کی بوئی ہوئی فصل عیسائی دنیا کو آنے والی صدیوں میں کاٹنی پڑی۔ اسلام سے ان کی بے خبری اور لاعلمی نے ان سے جہالت کے ایسے کارنامے سرزد کروائے کہ ان کے ذکر سے جہاں ہنسی آتی ہے وہاں ندامت بھی محسوس ہوتی ہے۔

محمد (ﷺ) کو ساحر کہنے والے...... آج یہ سوچنے پر مجبور ہو چکے ہیں کہ کیا دنیا نے ان جیسا کوئی دوسرا مذہبی رہنما پیدا کیا ہے؟

آر وی سی بوڈلے

بہت سے ایسے منافق اور جھوٹے مغربی مؤرخوں نے محمد (ﷺ) پر ایسے الزامات عائد کئے ہیں جو ان کے خبث باطن کا اظہار کرتے ہیں۔

اگر آپ (ﷺ) طامع' بے ایمان اور بہروپیے ہوتے (توبہ نعوذ باللہ) تو آپ (ﷺ) جیسے انسان کو خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کبھی اپنے تجارتی کارواں کا سربراہ مقرر نہ کرتیں' اور اپنے پھیلے ہوئے کاروبار کا منتظم نہ بناتیں۔

ای بلائیڈن

کتنی صدیوں نے ظلم وستم کا بازار دیکھا۔ صرف اس لئے کہ یہ دنیا دار' نیک طینت' سفید فام اس نظریے پر یقین رکھتے تھے کہ خُدا نے انہیں یہ حق دیا ہے کہ وہ افریقہ کے حبشیوں کو اپنا غُلام بنا سکتے ہیں۔

ان عیسائی دینداروں اور عالموں کا خُدا' محمد (ﷺ) کے خُدا سے کتنا مختلف ہے! محمد (ﷺ) نے انسانوں کو بتایا کہ حبشی اور کالے بھی انسان ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی جانیں اور روحیں ہوتی ہیں۔

اس کے برعکس عیسائی دینداروں اور کلیسیا کے عہدیداروں نے حبشی غُلاموں کو بتایا تھا...... ''تمہیں جان لینا چاہیے کہ تمہارے جسم بھی تمہارے اپنے نہیں' بلکہ تمہاری جانوں اور روحوں کے مالک بھی وہی ہیں جنہیں خُدا نے تمہارا آقا بنایا ہے''۔

اور پھر اسلام اور محمد (ﷺ) پر گھٹیا اعتراض کرنے والے بہت کچھ جان بوجھ کر بھلا دیتے ہیں...... ڈاکٹر میکلیر ہمیں بتاتا ہے۔

''پروشیا میں تو ہم پرستی اس حد تک گہری ہو چکی تھی کہ ہر شخص کو تین شادیاں کرنے کا حق حاصل تھا اور ان بیویوں کی حیثیت کنیزوں اور باندیوں سے زیادہ نہیں تھی اور پھر جب ان کا خاوند مر جاتا تو اس کی بیواؤں سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ اس کے ساتھ جل مریں۔ اگر وہ یہ توقع پوری نہیں کرتی تھیں تو مرنے والے کے لواحقین انہیں قتل کر دیتے تھے''۔

محمد (ﷺ) نے حکم دیا کہ جب تک تمہیں اپنی پہلی بیوی کی اجازت حاصل نہ ہو اور جب تک اس کی کوئی جائز شکایت نہ ہو اور جب تک تم دوسری بیوی کے ساتھ ساتھ پہلی بیوی کی کفالت نہ کر سکو اور دونوں میں انصاف کا توازن برقرار نہ رکھ سکو تمہیں دوسری شادی کی اجازت نہیں۔

سچا اور اصلی اسلام ...... جو محمد (ﷺ) لے کر آئے' اس نے طبقۂ اناث کو وہ حقوق عطا کئے جو اس سے پہلے اس طبقے کو انسانی تاریخ میں نصیب نہیں ہوئے تھے نہ اس کے بعد۔ اسلام نے انسانیت کو متحد کیا۔ اسلام صرف عربوں تک محدود نہیں تھا۔ محمد (ﷺ) کا مشن اور پیغام پوری انسانیت کے لئے تھا۔

مسیح کے نام لیواؤں نے انسانیت کو جس قعر مذلت میں دھکیل دیا تھا' محمد (ﷺ) نے اس انسانیت کو امن' مسرت اور مساوات کی فضاء میں جینے کا برابر حق دیا۔

افریقہ میں اسلام اور محمد (ﷺ) کے شیدائیوں نے جمہوری حکومتیں قائم کیں۔ مسلم فتوحات کے نتیجے میں کالے خطے میں اسلام کی روشنی پھیلی اور تعلیمات محمدی نے انسانوں کو جینے اور سر اٹھانے کا حق بخشا۔ عیسائیت جہاں بھی گئی وہاں انسانوں کو غلام بنایا گیا اور طاقت اور جارحیت کے ذریعے ان پر حکمرانی کی گئی۔ محمد (ﷺ) کا دین جہاں پہنچا وہاں حقیقی جمہوری حکومتوں کا قیام معرض وجود میں آیا۔

البرٹ وایل اور ایملی میکلیلن

خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے بعد محمد (ﷺ) کی پہلی بیوی ایک ایسی خستہ حال بیوہ تھی جس کا خاوند جلاوطنی میں انتقال کر گیا تھا۔ اس کے بعد ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی شدید درخواست اور خواہش کے تحت محمد (ﷺ) نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی صاحبزادی عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے شادی کی۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے اسلام کی اتنی خدمت کی تھی اور وہ محمد (ﷺ) کے ایسے

جاں نثار تھے کہ محمد (ﷺ) ان کی درخواست نظر انداز نہ کر سکتے تھے۔ عمر (رضی اللہ عنہ) کی بھی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام حفصہ (رضی اللہ عنہا) تھا۔ اس کا خاوند فوت ہو چکا تھا۔ عمر (رضی اللہ عنہ) اس کی دوسری شادی کرنا چاہتے تھے' کہا جاتا ہے کہ وہ مزاج کی اتنی تیز تھیں کہ کوئی ان سے شادی کے لئے تیار نہ تھا اور مسلمان انہیں نظر انداز کر دیتے تھے۔ جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) نے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) اور حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے درخواست کی کہ وہ حفصہ (رضی اللہ عنہا) سے شادی کر لیں تو انہوں نے بھی یہ درخواست قبول نہ کی۔ محمد (ﷺ) نے حفصہ (رضی اللہ عنہا) سے شادی کر لی۔ ان میں ایک زوجۂ مطہرہ ایسی تھیں کہ اس کے والد کے خلاف لڑائی میں محمد (ﷺ) کو فتح نصیب ہوئی۔ اس قبائلی سردار کی بیٹی سے محمد (ﷺ) نے شادی کر کے پورے قبیلے کی دوستی حاصل کر لی کیونکہ اس شادی کے ذریعے وہ اس مفتوحہ قبیلے کے رشتے دار بن گئے۔ یوں انہوں نے جہاں اس قبیلے کا وقار قائم رکھا وہاں امن و امان کو بھی مستحکم کر دیا۔ اسی طرح خیبر کی فتح کے بعد بھی محمد (ﷺ) نے سرداروں میں سے ایک کی بیوی سے شادی کی اور یہ ثابت کیا کہ آپ (ﷺ) ان لوگوں کا احترام کرتے اور انہیں اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ محمد (ﷺ) نے تین ایسی درمیانی عمر کی بیواؤں سے شادی کی جن کے پہلے شوہر جہاد میں شہید ہوئے تھے۔ اس کی بھی وجوہات تھیں۔ یہ بیوائیں مسلمان تھیں اور ان کے رشتے دار جو کافر اور محمد (ﷺ) کے دشمن تھے' انہوں نے ان بیواؤں کو بھوکے مرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ آپ (ﷺ) نے اپنی نادار رشتے دار خاتون سے شادی کی جن کی عمر پچاس برس سے اوپر تھی۔ اس خاتون کا کوئی گھر نہ تھا۔ یوں آپ (ﷺ) نے حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) اور عالم اسلام کے نامور جنگی جرنیل خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کے دل جیت لئے جو اس خاتون کے رشتے دار تھے' مصر کے عیسائی گورنر نے جو روسی شہنشاہیت کے ماتحت تھا' آپ (ﷺ) کے لئے ایک نوجوان کنیز

لڑکی بھیجی۔ محمد (ﷺ) اگر اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیتے تو یہ مصر کی توہین ہوتی اور پھر محمد (ﷺ) ایسے بلند کردار کے حامل تھے کہ وہ کسی کنیز کو رکھنے کے روادار نہ تھے۔ انہیں طبقۂ اناث کے احترام کا جو احساس تھا' اس کا بھی یہی تقاضا تھا کہ وہ اس مصری عیسائی خاتون سے شادی کر لیں۔

اس معاشرے میں عورتیں کھلونا تھیں اور بے وقعت۔

محمد (ﷺ) نے بے وقعت مخلوق کو وقار بخشا۔

آئرینا میڈمکس

محمد (ﷺ) نے جن تین چیزوں کو اپنی پسندیدہ قرار دیا۔ وہ نماز' خوشبو اور عورت ہیں۔ عورت...... آپ (ﷺ) کے لئے قابل احترام تھی۔ اس معاشرے میں جہاں مرد اپنی بیٹیوں کو پیدائش کے وقت زندہ دفن کر دیتے تھے' محمد (ﷺ) نے وہاں عورت کو جینے کا حق دیا۔ عورتوں کے حقوق کا تحفظ جس طرح محمد (ﷺ) نے کیا اس کی مثال دنیا کی پوری قانونی تاریخ میں نہیں ملتی۔

محمد (ﷺ) نے اسلام میں عورت کو وہ درجہ دیا جو آج کے جدید مغربی معاشروں میں بھی اسے حاصل نہیں۔ اسلام میں ایک شادی شدہ مسلم عورت کو آج بھی کسی انگریز عورت سے بہتر قانونی تحفظ حاصل ہے۔ وہ پیدائش' شادی اور موت کی گواہی دے سکتی ہے' اسے تصدیق کا حق حاصل ہے جو آج کی فرانسیسی عورت کو بھی حاصل نہیں۔

جی ایل بیری

محمد (ﷺ) کو بطور پیغمبر سامنے رکھتے ہوئے ہمیں تاریخ ساز محمد (ﷺ) کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ یہ محمد (ﷺ) کی سیرت اور احادیث تھیں جنہوں نے

اسلام کو دنیا کی عظیم تہذیبوں میں ایک تہذیب کی حیثیت دی۔ جس کے بعد دنیا کی کوئی تہذیب اسلامی تہذیب کے اثرات قبول کئے بغیر نہ رہ سکی۔ انسانی تہذیب کی تشکیل میں محمد (ﷺ) کا حصہ گراں بہا' نا قابل فراموش اور دائمی ہے۔

آرنلڈ ٹوائن بی

محمد (ﷺ) نے اسلام کے ذریعے انسانوں میں رنگ اور نسل اور طبقاتی امتیاز کا یکسر خاتمہ کر دیا۔ کسی مذہب نے اس سے بڑی کامیابی حاصل نہیں کی جو کہ محمد (ﷺ) کے مذہب کو نصیب ہوئی۔ آج کی دنیا جس ضرورت کے لئے رو رہی ہے' اسے صرف اور صرف مساوات محمدی کے نظریے کے ذریعے ہی پورا کیا جا سکتا ہے۔

آر ڈبلیو سٹو بارٹ

محمد (ﷺ) کا جلوہ ہر جگہ دیکھا جا سکتا ہے۔ دن میں پانچ بار' ترکی' دہلی' حجاز' ایران' کابل اور مصر و شام میں ...... جب دنیا کے ہر خطے میں مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھیں تو تسلیم کر لیں کہ محمد (ﷺ) کا دین سچا ہے' زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

ای شاساؤ (جرمن سکالر)

انسان اپنی محبت سے پہچانا جاتا ہے......

اور پیغمبر اپنے رفقا اور حواریوں اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے حوالے سے۔

پیغمبر کی تعلیم کا صحیح اثر دیکھنا ہو تو اس کے ان ساتھیوں کو دیکھیے جنہوں نے اس کے ساتھ پیمان وفا باندھا ہو اور اس کے مذہب پر سب سے پہلے ایمان لائے ہوں۔

عہد نامہ قدیم پر اک نگاہ ڈالئے ...... کیسے کیسے برگزیدہ نبی تھے اور ان کے مقرب اور ماننے والے کیسے کیسے منافق اور جھوٹے تھے۔ وہ مطالبہ کرتے تھے کہ اے نبی! اپنے خُدا سے کہہ ہمیں اپنا چہرہ دکھا۔ اے نبی! اپنے خدا سے کہہ ہمیں پیاز کی گٹھی

کھانے کو دے...... ان میں وہ تھے جن کے پیروکاروں نے اپنے نبی کو اپنے ہاتھوں سے اذیتیں دیں اور خود ان کے لئے وبال بن گئے۔ ان میں وہ بھی تھے جو خدا سے دعا مانگتے تھے کہ بارالہا! ان لوگوں میں سے ایک ایسا ہی شخص عنایت کر دے جو دل سے میرا مطیع ہو۔

اور ان میں وہ بھی تھے' جنہوں نے اپنے پیغمبروں کی تذلیل کی اور ان سے بے وفائی کی ...... اور پھر مسیح کے حواریوں کو دیکھئے۔ پطرس اس کی محبت سے انکار کرتا اور مسیح پر نفرین بھیجتا ہے۔ اور یہودا نے مسیح کا سودا تیس روپوں میں کیا اور اپنے پیغمبر سے غداری کی' مخبری کی اور اسے بیچ دیا۔

محمد (ﷺ) کے صحابیوں پر اک نگاہ ڈالئے...... اپنے نبی (ﷺ) کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے والے' جن کا تکیہ کلام یہ تھا: ''اے رسول (ﷺ) آپ پر ہم اور ہمارے ماں باپ قربان ہوں''۔

آخر یہ فرق کیوں تھا...... صاحب دل اور صاحب ضمیر انسانوں کے لئے اس میں غور و فکر کا بہت مواد موجود ہے۔

سر ہملٹن رگب

عام زندگی میں آپ (ﷺ) بہت شرمیلے اور حیادار تھے اور لطیف حسِ مزاح اور پھر انسانیت اور ہمدردی کا ایک پھیلا ہوا سمندر ...... محمد (ﷺ) کمزوروں پر شفقت کرتے۔ محمد (ﷺ) ایک حقیقی اور بے مثل انسان تھے۔ ان کی ذات کی خوبیوں اور روشنی سے صرف ان کے صحابہ (رضی اللہ عنہم اجمعین) ہی مستفیض نہیں ہوئے بلکہ آپ (ﷺ) کی تقلید کرنے والا ہر دور میں اعلیٰ انسانی اقدار اپنا سکتا ہے۔ آپ (ﷺ) کے ساتھی آپ (ﷺ) کے جتنے وفادار تھے' جس عقیدت اور خلوص کا

اظہار کرتے تھے' اس کی وجہ صرف اور صرف آپ (ﷺ) کی شخصیت تھی۔ ایک ایسی شخصیت جو روشنی کی طرح دوسروں کے اندر سرایت کر جاتی اور بدی کے تمام اندھیرے چاٹ لیتی ہے۔

لین پول

آپ (ﷺ) کی ساری زندگی ایک حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ آپ (ﷺ) سچ کے وفادار رہے۔ آپ (ﷺ) نے کبھی اپنے فائدے کے لئے اسکیمیں نہیں بنائیں۔ منافقت آپ (ﷺ) کی فطرت میں سرے سے موجود نہیں تھی۔ حرص و آز کی پرچھائیں بھی آپ (ﷺ) پر نہ پڑی تھی۔ آپ (ﷺ) میں ایسی کوئی کوتاہی' خامی اور کمزوری نہیں تھی جو زندگی ہی میں انسان کی شہرت' نیک نامی کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔ محمد (ﷺ) عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرح یہ نہیں کہتے کہ کچھ بیج بنجر زمین پر گرتے ہیں اور وہ گل سڑ جاتے ہیں۔ محمد (ﷺ) کی تعلیمات نے بنجر زمینوں کو گلزار بنا دیا۔ آپ (ﷺ) کی جدوجہد باثمر تھی۔ آپ (ﷺ) کی گرم جوشی اور جذبے اپنے لئے نہیں' بلکہ دنیا کے لئے تھے۔ ایک عظیم نصب العین کی تکمیل کے لئے جس گرم جوشی اور جذبات کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے' وہ محمد (ﷺ) میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ آپ (ﷺ) کے جذبات اور گرم جوشی دنیا کو نذر آتش کرنے کے لئے نہیں بلکہ امن کا گہوارہ بنانے کے لئے تھی۔

آپ (ﷺ) خدائے واحد کے پیغمبر تھے۔ آپ (ﷺ) نے اپنی زندگی اپنے عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے وقف کر دی اور یہی ان کے لئے سب سے بڑی مسرت تھی۔

محمد (ﷺ) دنیا کے واحد انسان تھے جو اپنی پیدائش اور سن شعور سے لے کر

اپنی وفات تک ایک ایسے انداز میں پاکیزہ زندگی بسر کرتے رہے۔ آپ (ﷺ) نے اپنی ذات کی حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کیا۔ جو پیغام لے کر آپ (ﷺ) آئے تھے' اس پیغام کی تبلیغ اور ترویج آپ (ﷺ) کی زندگی تھی۔ اپنی شخصیت کے وقار اور پھر اپنی قوم کے حکمران ہونے کے باوجود ان کے ہاں جو عاجزی اور انکسار ملتا ہے وہ دنیا کے کسی پیغمبر اور حکمران کو اس حد تک نصیب نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ کارلائل نے آپ (ﷺ) کو ''پیغمبر ہیرو'' منتخب کیا۔

ڈبلیوڈ بلیوکیش

عیسائیوں کو یہ تلخ حقیقت قبول کر لینی چاہیے کہ اسلامی اخلاق' مسیحی اخلاقیات سے بدرجہا بہتر اور قابل عمل ہے۔ پادری کینن اسحاق ٹیلر نے اس کا تفصیلی موازنہ اور خاکہ پیش کیا ہے۔

ایسا کس طرح ممکن ہو سکا؟ صرف اسلئے محمد (ﷺ) جو تعلیمات اور اخلاقیات دنیا میں لے کر آئے تھے اور جنہیں دنیا پر نافذ کرنا چاہیے تھے' وہ خود ان تعلیمات اور اخلاقیات کا بے عیب پیکر تھے۔ وہ خود ان پر عمل کرتے تھے اور اپنے صحابیوں کو اس پر عمل کرنے کی اس طرح تلقین کی کہ وہ بھی اس اخلاقیات میں رنگے گئے۔

اسلام نے عورتوں کو پہلی بار انسانی حقوق دیئے اور انہیں طلاق کا حق دیا۔ جسم فروشی کے لئے کڑی سزا مقرر کی۔ شراب حرام اور جوا کھیلنا گناہ قرار پائے۔ شراب' طوائفیت اور جوا۔ تین ایسے بداعمال ہیں جن کا مسیحی عالموں نے جواز تلاش کیا اور مسیح کی تعلیم سے انحراف کر کے انہیں روزمرہ کی زندگی میں شامل کر دیا۔ بنیادی فرق وہی تھا کہ مسیح اپنے حواریوں اور پیروکاروں کو سو فیصد اپنی تعلیمات پر کاربند نہ کرا سکے۔ مسیح کو یہ کامیابی اپنی زندگی میں تو کیا بعد میں بھی حاصل نہ ہوئی' جبکہ محمد (ﷺ) کے

پیروکاروں نے ان کی زندگی ہی میں ان کی تعلیمات کو سو فیصد اپنا لیا۔ آج صدیاں گزر جانے کے باوجود بھی عالم اسلام کی اکثریت ان تعلیمات اور اخلاقیات پر کاربند ہے تو یہ محمد (ﷺ) کا زندہ اور پائندہ معجزہ ہے۔

محمد (ﷺ) کی تعلیمات کی قوت جو دراصل اسلام کی قوت ہے' یہ ہے کہ اس نے انسانوں کو دینداری سے زندگی بسر کرنا سکھایا۔ محمد (ﷺ) کی تعلیمات کی تاثیر تو اپنی جگہ...... آپ (ﷺ) نے انہیں اس قدر سادہ بنا دیا کہ عام آدمی کے لئے انہیں اپنانے میں کسی قسم کی پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس دوسرے مذاہب کی تعلیمات اور اعمال اتنے الجھے ہوئے اور پیچیدہ ہیں کہ عام آدمی کی ذہنی گرفت ہی میں نہیں آتے۔ انشاء اللہ ایک ایسا حکم ہے جو صدیوں سے اسلامی دنیا میں سنا جا رہا ہے۔ اگر اللہ نے چاہا یعنی انسان کے ہر کام اور فعل' جدوجہد اور کوشش کو محمد (ﷺ) نے رضائے الٰہی کا پابند کر دیا۔ یوں مسلمانوں میں خدائے واحد کے تصوّر کے حوالے سے ایسی مساوات نے جنم لیا جس کی نظیر دنیا کا کوئی مذہب اور فلسفہ پیش نہیں کر سکتا۔

آر لینڈ اوٗ

محمد (ﷺ) نے جو خدا کا تصوّر مسلمانوں اور بنی نوع انسان کو دیا۔ وہ کیا ہے؟

محمد (ﷺ) نے بتایا کہ روزمرہ کی سماجی زندگی اور اعمال کے تمام پہلوؤں پر خدا کی بالادستی ہے۔ سماجی میل جول ہو' خاندانی تعلقات ہوں' روزمرہ کے کام ہوں' سیاسی اعمال ہوں یا صحت کے مسائل' سب حکم خداوندی کے تحت آتے ہیں۔ محمد (ﷺ) نے بتایا کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو پوری انسانیت کی فلاح کو اوّلیت دیتا ہے اور فرد ملت کا ایک حصہ ہوتا ہے...... اور...... خدا رب العالمین ہے۔

مارگولیوتھ

احکام خداوندی اور وحی کی ہدایات کے مطابق محمد (ﷺ) نے اگر اپنے دشمنوں کو سزائیں دیں تو یہ پیغمبر محمد (ﷺ) کے لئے ناگزیر تھا اور جہاں تک رحم اور ہمدردی کا تعلق ہے محمد (ﷺ) بے مثل تھے۔ وہ جو آپ (ﷺ) کو خون کا پیاسا کہتے ہیں' ان سے بڑا کذاب کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

بی سمتھ

ایک غیر ملکی سفیر جو آپ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا' اس نے بعد میں اپنے تاثرات یوں بیان کئے۔

''میں نے ایرانی خسروں اور یونانی ہرقلوں کو اپنے تاج سجائے تخت پر بیٹھے دیکھنے کا شرف حاصل کیا ہے' لیکن میں نے کبھی محمد (ﷺ) جیسا حکمران نہیں دیکھا جو اپنے جیسے لوگوں میں انہی کی طرح رہتے ہوئے ان کے دلوں پر حکمرانی کر رہے تھے۔

عیسائی اصطلاحات میں بات کریں تو محمد (ﷺ) اپنی ذات میں جہاں قیصر تھے کہ حکمران مملکت تھے۔ وہاں آپ (ﷺ) مذہبی رہنما کی حیثیت میں پوپ بھی تھے۔ ان کی ذات قیصر اور پوپ کا امتزاج تھی لیکن وہ ایک ایسے پوپ تھے جن میں پوپوں جیسا طمطراق اور ظاہری دکھاوا نہیں تھا۔ وہ ایک ایسے قیصر تھے جس کی اپنی شاندار ذاتی فوج نہیں تھی۔ ان کا کوئی حفاظتی دستہ تھا' نہ محافظ......ان کا کوئی محل تھا نہ وہ حکومت کے خزانے سے مقررہ یا من مانی رقم لیتے تھے۔

اگر کسی انسان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ رضائے الٰہی سے حکمرانی کر رہے تھے تو صرف اور صرف محمد (ﷺ) ہیں کیونکہ ان کے پاس تمام اختیارات اور

طاقت...... دنیاوی اور مادی وسائل کے بغیر موجود تھی۔

آر لینڈ اوَ

عیسائیوں نے ایک طویل عرصے تک جو صدیوں پر مشتمل ہے' قرآن' اسلام اور محمد (ﷺ) کے خلاف ہر نوع کے جارحانہ اور باطل حربے آزما کر دیکھ لئے۔ یقیناً اس میں عیسائیت کو کامیابی بھی ہوئی۔ مسلمان حکومتوں پر عیسائی مملکتوں کا نو آبادیاتی تسلط بھی قائم رہا' لیکن روح محمد (ﷺ) کو دبایا نہ جا سکا۔ محمد (ﷺ) کی شخصیت اور تعلیمات اتنی جاندار ہیں کہ پوری عیسائی دنیا کی جدوجہد اور کوششوں کے باوجود اسے غیر مؤثر نہیں بنایا جا سکا اور بیسویں صدی میں مسلمانوں میں نشاۃِ ثانیہ کی تحریکوں نے پھر عیسائی دنیا کو متحیر اور پریشان کر دیا ہے۔

آر وی سی بوڈلے

وہ زمانہ جس میں محمد (ﷺ) نے اسلام کی تبلیغ کی یوں لگتا ہے جیسے ہر شخص دیوانہ ہو اور دیوانوں کی اس دنیا میں صرف ایک ہی حکیم فرزانہ ہو۔ محمد (ﷺ)

ای ڈرمنگھم

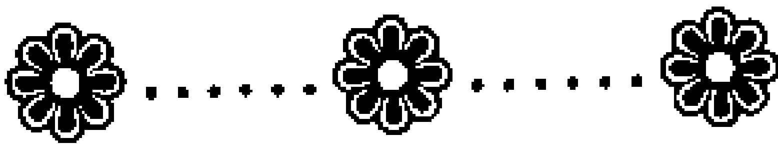
محمد (ﷺ) اس اعتبار سے دنیا کے واحد پیغمبر ہیں جن کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح ہے۔ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ چھپا ہوا نہیں' بلکہ منور اور روشن ہے۔

عقل سلیم سے عاری انسان ہی محمد (ﷺ) پر کسی بھی ذہنی بیماری کا الزام عائد کرتے ہیں۔ یہاں موازنہ نہیں بلکہ واقعہ اور حقیقت کا اظہار مقصود ہے کہ عہد نامہ قدیم کے پیغمبر کتنے جلالی...... اور مغضوب الغضب تھے' اور تو اور عہد نامہ جدید میں مسیح جیسے حلیم اور نرم دل کو بھی ہم غصے اور طیش سے مغلوب ہوتے دیکھتے ہیں' اور ایسی زبان بھی بولتے سنتے ہیں جو شائستہ قرار نہیں دی جا سکتی۔

کیا محمد (ﷺ) کا بڑے سے بڑا معترض کوئی ایسا واقعہ بنا سکتا ہے جب محمد (ﷺ) نے اپنے آپ پر غصے اور طیش کو غالب کر لیا ہو۔ کیا کسی ایسے ایک واقعے کی نشاندہی کی جا سکتی ہے جب محمد (ﷺ) نے غیر شائستہ زبان استعمال کی ہو۔ کوئی معترض اور نقاد بھی محمد (ﷺ) کی زندگی کا ایک ایسا واقعہ بیان نہیں کر سکتا۔ جب کسی مرض یا تکلیف کی وجہ سے آپ (ﷺ) کسی میدان جنگ یا زمانۂ امن میں کسی بیماری کے دورے کے زیر اثر آئے ہوں' کوئی ایسا واقعہ ان کی زندگی میں ایسا نہیں جس سے ان کی جسمانی یا ذہنی صحت کے علیل ہونے کا سراغ ملتا ہو۔

ان کی جسمانی اور ذہنی صحت قابل رشک تھی۔ محمد (ﷺ) نے اپنی زندگی میں چالیس فوجی مہمیں روانہ کیں' جن میں سے ایک اندازے کے مطابق تیس جنگوں میں خود آپ (ﷺ) نے حصہ لیا۔ ہر جنگ میں جس فراست' جس شجاعت اور جنگی حکمت عملی اور مہارت کا ثبوت آپ (ﷺ) نے فراہم کیا' کیا وہ کسی ایسے شخص کے لئے ممکن ہو سکتا ہے جو کسی بھی نوع کی ذہنی بیماری میں مبتلا ہو؟

محمد (ﷺ) کی پاک' صحت مند اور توانا شخصیت کو بیمار کہنے والے دراصل خود ذہنی بیماری میں مبتلا ہیں۔ آنکھیں رکھنے والے ایسے لوگ ہیں جو سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی کچھ نہیں دیکھتے...... جان بوجھ کر اندھے بن جاتے ہیں۔



معراج النبی (ﷺ)

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالم بشریّت کی زد میں ہے گردوں

معراج النبی ﷺ

حضور نبی کریم ﷺ کو رب کریم نے جن خصوصی انعامات اور اعزازات سے نوازا' ان میں سے ایک معراج کی صورت میں دیدار خُداوندی کی جلوہ گری ہے۔

آپ محبوب خُدا تھے' مطلوب کائنات تھے' ممدوح زمانہ تھے' ساری دنیا آپ کی دیوانی اور چاہنے والی ہے۔ دیدار خُداوندی کی خواہش انبیائے کرام کے دلوں میں مچلتی رہی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو بالخصوص دیدار خُداوندی کو اپنا حاصل حیات بنالیا تھا اور آپ بار بار رب کونین سے استدعا کرتے تھے۔

''اے خُدا مجھے اپنا جلوہ دکھا دے''

بارگاہ خُداوندی سے جواب آتا ہے۔

لَنْ تَرَانِیْ یَامُوْسٰی

یعنی اے موسیٰ! تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل سے دیدار خُداوندی کو خواہش دور نہ کوئی تو بالآخر رب کونین نے آپ کو کوہ طور پر بلا کر اپنی صفات کا معمولی سا جلوہ دکھایا تو موسیٰ علیہ السلام ہوش کھو بیٹھے۔ بہرحال آپ کو جو کچھ عطا ہوا وہ بھی رب کریم کا بہت بڑا انعام تھا۔ ان کے مقابلے میں جب محبوب خُدا حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی باری آئی تو منظر ہی نرالا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے تو کوئی تقاضا نہیں کیا تھا' کوئی ضد نہیں کی تھی۔

بس رحمت خُداوندی تھی جو آپ کو نوازنے پر تلی ہوئی تھی۔

حضور نبی کریم ﷺ کو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے بیدار کیا۔ آپ کو براق پر سوار کرایا گیا۔ بیت المقدس تک لے جایا گیا۔ آپ کو تمام انبیاء و رسل کی امامت کا شرف عطا کیا گیا۔ وہاں سے آسمانی معراج شروع ہوئی۔ آپ ساتوں آسمانوں سے گزرے۔ جنت' دوزخ کا مشاہدہ کیا۔ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے تو رحمت خُداوندی نے تقاضا فرمایا کہ ''اے محمد اور قریب آیئے'' بالآخر آپ رب قدوس کے حضور پہنچے۔ رب کریم نے اپنے ''عبد خاص'' کو اپنے دیدار کی دولت سے اس طور نوازا کہ روح فطرت جھوم جھوم اٹھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب کریم نے اپنی صفات کی تجلیات سے نوازا تو وہ تاب نظارا نہ لا سکے۔ ادھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خُدائے قدوس نے عین جلوۂ ذات سے نوازا۔ یہ عبد خاص اور معبود حقیقی کی ملاقات تھی۔ شاعر کے بقول

موسیٰ ز ہوش رفت از یک پرتوِ صفات
تو عین ذات می نگری و در تبسمی

معراج کے واقعہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے اعزازات قدسیہ میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔

اب ہم معراج النبی ﷺ کو قرآن حکیم اور احادیث نبوی کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔

اسریٰ کے معنی ہیں ''رات کے بیشتر حصے میں چلا'' عموماً اسراء اور سری (ثلاثی مجرد) کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے مگر اسراء کا لفظ رات کے ابتدائی حصے میں سفر کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ سری رات کے آخری حصہ میں سفر کے لئے۔ سیر اور اسراء میں یہ فرق ہے کہ سیر صرف چلنے یا جانے کے لئے بولتے ہیں' اس میں وقت (دن یا رات) کی کوئی قید نہیں جبکہ اسراء صرف رات کے وقت سفر کے لئے مخصوص ہے۔ اگر اسراء کا

صلہ حرف "ب" ہو اور کہا جائے "اَسْرىٰ بِه" تو اس کا مطلب ہوگا "اسے رات کے وقت لے گیا" یا "اسے رات کو روانہ کیا"۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۶۱۰)

قرآن کریم میں آیا ہے۔

سُبْحَانَ الَّذِىْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِىْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا۔

(پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱)

"وہ (اللہ) پاک ہے جو اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک راتوں رات لے گیا جس کے گرد ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ اسے ہم اپنی (قدرت) کی نشانیاں دکھائیں"۔ (پ ۱۵ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱)

یہ آیت حضور علیہ السلام کے معراج پر جانے کے بارے میں ہے۔ علمائے امت متفق ہیں کہ یہاں بندے سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ مسجد حرام، خانہ کعبہ ہے اور مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے۔ اقصیٰ کے معنی ہیں "بہت دور" یہ مسجد چونکہ کعبہ اللہ سے بہت دور ہے اس لئے اسے مسجد اقصیٰ کہتے ہیں۔ منقول ہے کہ مسجد اقصیٰ دوسری مسجد ہے جو بیت اللہ کے بعد روئے زمین پر بنائی گئی۔

یہ امر تو مسلمہ ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں پیش آیا اور رات کے ایک حصے میں وقوع پذیر ہوا، لیکن کب؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں اسے حضرت ابوطالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے پہلے کا واقعہ قرار دیا گیا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی یعنی ۱۰ نبوی میں لیکن بعض راویوں کے مطابق ان کا انتقال ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوا تھا۔ بقول ابن اثیر و ابن ہشام یہ واقعہ ہجرت سے تین سال پہلے ہوا یعنی ۱۰ نبوی میں۔

ابتدائی راویوں کی رائے ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔ ان میں حضرت عائشہ' حضرت ام سلمہ' حضرت ام ہانی' حضرت ابن عباس' حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم اور (تابعین میں) قتادہ' مقاتل' ابن جریج اور عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ یہ واقعہ ۱۲ نبوی میں ہوا۔ حضرت مسلم بن قتادہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ واقعہ ہجرت سے اٹھارہ ماہ پہلے ہوا۔ السدی نے اس کا زمانہ ہجرت سے سترہ یا سولہ ماہ پہلے متعین کیا ہے۔ امام بخاری نے اس واقعہ کا ذکر قبل ہجرت کے واقعات میں بیعت عقبہ اولیٰ اور واقعہ ہجرت سے پہلے کیا ہے۔ ابن سعد نے بھی واقعات کی ترتیب میں یہی بات ملحوظ رکھی ہے۔ اس سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ ان دو محققین کے نزدیک واقعہ معراج ہجرت سے کچھ ہی عرصہ پہلے پیش آیا۔ (گویا ۱۲ نبوی میں)۔ عیسائی مورخ ولیم میور لائف آف محمد (ص ۱۲۱ مطبوعہ ۱۹۲۳ء) میں اس واقعہ کو ۱۲ نبوی میں تسلیم کرتا ہے۔

(اُردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۶۱۰' ۶۱۱)

ابن مردویہ نے عمرو بن شعیب سے بطریق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی۔

''حضور علیہ السلام کو معراج ۱۷ ربیع الاوّل ۱ ہجری سے ایک سال قبل ہوئی''۔

(خصائص کبریٰ مترجم ج ۱ ص ۳۱۹) میں امام رافعی اور علامہ نووی نے (روضہ الاحباب میں) ماہ رجب کی تعین کی ہے جب کہ محدث عبدالغنی المقدسی نے ۲۷ رجب سے اس واقعہ کو منسلک کیا ہے۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲ ص ۶۱۱)

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ لوگوں کا ۲۷ رجب المرجب پر عمل ہے اور یہی روایت قوی ترین خیال کی جاتی ہے' نیز فرمایا کہ اصولاً جب کسی امر میں اختلاف کثیر پایا جائے اور استدلال ہے کسی پہلو کو ترجیح نہ دی جاسکے تو بظن غالب وہ پہلو درست

قرار دیا جائے گا جس پر امت کا عمل ہے اور جو لوگوں میں مشہور و مقبول ہے۔ (زرقانی علی المواہب ج ا ص ۳۵۵)

علمائے راسخین کہتے ہیں کہ ''عبد'' جسد اور روح کے مجموعہ کا نام ہے۔ ''اسری بہ'' سے مراد رات کو لے جایا گیا' رات کو سفر کرایا گیا' اور یہ بات چونکہ ممکن نہ تھی لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کی علامت عظمٰی ''سبحان'' سے بات شروع کی تا کہ اس کی قدرت کے سامنے اس معجزانہ واقعہ کی تکذیب نہ کی جاسکے' نیز خواب میں سفر کرنے کو ''اسرا'' نہیں بولتے۔

احادیث میں براق لانے کا ذکر ہے کہ اس کا قدم حد نگاہ پر پڑتا تھا۔ اگر یہ خواب کی بات ہوتی تو براق کی ضرورت نہ تھی کیونکہ خواب میں روح کے لئے زمان و مکان کی قید کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

قاضی عیاض نے ''شفاء'' میں لکھا ہے کہ سلف صالحین اور مسلمانوں کی بڑی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ معراج جسمانی تھی اور بحالت بیداری ہوئی تھی اور یہی قول صحیح ہے اور یہی قول حضرت ابن عباس' حضرت جابر' حضرت انس' حضرت حذیفہ' حضرت عمر' حضرت ابوہریرہ' حضرت مالک بن صعصعہ' حضرت ابوحیہ انصاری بدری' حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت ضحاک' سعید بن جبیر' حضرت قتادہ' حضرت ابن مسیب' ابن شہاب' ابن زید' حسن' ابراہیم' مسروق' مجاہد' عکرمہ اور ابن جریج رضی اللہ عنہم کا ہے۔ (محمد رسول اللہ از محمد رضا مصری اُردو ص ۲۱۷)

نسفی نے کہا ہے کہ معراج بیداری کی حالت میں ہوئی تھی۔ (ایضاً ص ۲۱۸)

معراج کا واقعہ اگر خواب ہوتا تو مشرکین مکہ اس پر اظہار تعجب کیوں کرتے کیونکہ خواب میں مکہ سے مسجد اقصیٰ کا سفر کسی کے لئے بھی حیرت کا باعث نہ ہوتا اور نہ آسمانوں پر جانا کوئی ناممکن بات ہے کیونکہ ایسے خواب تو عوام میں سے کوئی بھی شخص

دیکھنے کا مدعی ہو سکتا ہے۔ پس اس میں فضیلت کا کوئی پہلو نہ ہے۔

اگر یہ خواب ہوتا تو حضور علیہ السلام بذات خود یہ فرما دیتے کہ میں نے خواب میں معراج کا سفر کیا ہے مگر "اسریٰ کا سفر" والی روایت بتلاتی ہیں کہ یہ معاملہ خواب نہ تھا۔ حضرت جبرائیل کا آنا' شق صدر اور براق پر بٹھانا' براق کا چلنا اور ہر قدم حد نگاہ تک پڑنا اور قدم بہ قدم چلتے جانا۔ راہ میں قافلوں کا نظر آنا۔ بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت کرانا وغیرہ یہ سب امور قادر مطلق کی قدرت عظمیٰ کی شہادت دیتے ہوئے ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ اس کے لئے کوئی بات ناممکن نہیں جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا۔ (تحقیق پھر رب اپنے حواریوں سے بات کرنے کے بعد آسمان پر چلا گیا اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے دائیں جانب جا کر بیٹھ گیا) (مرقس کی انجیل

جسم اور روح کے ساتھ آج بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر تشریف فرما ہیں تو اگر حضور علیہ السلام کو جسم اور روح کے ساتھ معراج کا شرف ملا تو اسے ناممکن کہنا کسی طرح بھی زیبا نہیں۔

اسریٰ کے سفر کی غایت قرآن نے یہ بیان کی کہ لنریه من اٰیتنا (پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱) تا کہ اسے (حضرت محمد ﷺ) ہم اپنی نشانیاں (معجزات) دکھائیں"۔ وہ آیات جو حضور علیہ السلام نے اس سفر میں ملاحظہ کیں۔ ان کا آغاز اگر اس سفر کی معجزانہ تمہید ہی سے مان لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ سفر "سراپا معجزہ" تھا اور حقیقت بھی یہی ہے۔

اس زمین پر اصحاب کہف کو ۳۰۹ سال تک سلانے کے بعد بیدار کرنے والا حق تعالیٰ کتنا عظیم ہے۔ وہی تو ہے جس نے حضرت عزیر علیہ السلام کو مدت مدید (سو سال) تک سلائے رکھا۔ ان کے دراز گوش کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں اور دوسری طرف ان کا کھانا سو سال تک اسی آب و ہوا میں "تازہ" رہا۔ نہ بدبودار ہوا نہ گلا سڑا

بلکہ تازہ بتازہ اور کھانے کے قابل رہا۔قرآن میں یہ واقعات اس لئے بیان ہوئے ہیں تا کہ لوگ ان پر غور کریں اور نصیحت پکڑیں۔معراج کا واقعہ بھی قرآن میں مذکور ہے مگر افسوس کہ بعض لوگ اس واقعے کو سائنسی اور مادیت کے اصولوں سے جانچتے ہیں حالانکہ سائنس سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ اس کے اصول قدم قدم پر تنوع پذیری کا رنگ لئے ہوئے ہیں مثلاً کوئی چیز پانی میں حل ہو جاتی ہے کوئی نہیں ہوتی۔الیکٹرک سٹی کے اصول الگ ہیں۔آواز اور حرارت کے الگ۔ہوائی لہروں اور روشنی کے الگ یعنی ہر جگہ ایک ہی اصول کارفرما نہیں ہوتا۔قرآن کریم میں زمینی سال بارہ ماہ کا ہے لیکن اللہ کے ہاں کا ایک دن زمین کے ایک ہزار سالوں کے برابر ہے۔(سورہ الحج ۲۲ آیت نمبر ۴۷)اور یہ کہ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پ ۲۶ سورہ الفتح آیت نمبر ۴) کی شان اپنی جگہ۔یہی آگ جو کسی انسان کو جلانے سے دریغ نہیں کرتی' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر گل وگلزار ہو جاتی ہے۔یہ کسی اور دنیا کی بات نہیں بلکہ اسی زمین پر یہ واقعہ گزرا جس کی گواہی قرآن دے رہا ہے۔بات صرف اتنی تھی کہ اس قادر مطلق اور حقیقی نے آگ کو حکم دیا تھا کہ یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ (پ ۱۷ سورہ انبیاء آیت نمبر ۶۹) اور آگ نے حکم کی تعمیل کی جس طرح حضرت عزیر علیہ السلام کے ''کھانے'' کو ''تازہ'' رہنے کا حکم ہوا تھا اور وہ تازہ رہا' گویا اللہ اتنا بڑا قادر مطلق ہے کہ اس کے سامنے جمادات بھی جانداروں کی طرح فرمانبردار ہیں۔یہ زمین ایک دن اس کے حکم سے اپنی خبریں سنانے لگے گی جیسا کہ اسے وحی کی گئی ہوگی یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (پ ۳۰ سورہ الزلزال آیت نمبر ۴'۵) زمین کو وحی کرنا اور اس کا ''وحی'' کے مطابق اس پر عمل کرنا اگر قابل یقین ہے تو محمد مصطفیٰ ﷺ' فخر موجودات' ختم المرسلین' امام الانبیاء اور باعث تکوین روزگار ﷺ کا جسم اور روح کے ساتھ معراج پر جانا کیوں نہیں! جب کہ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ سے آغاز کر کے واقعہ کی

اہمیت کے پیش نظر اس قادر مطلق نے پہلے ہی جتلا دیا کہ مجھے اس قدر کمزور اور ناتواں نہ سمجھنا کہ میں اپنے حبیب ﷺ کو جسم اور روح کے ساتھ آن واحد میں ایک جگہ سے دوسری جگہ نہ لے جاسکوں۔ حقیقت یہ ہے کہ مشیت ایزدی کے باب میں یہ سارے "کرشمے" اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (پ ۲۳ سورہ یٰسین آیت نمبر ۸۲) کے زمرے میں آتے ہیں۔

وہ خُدا جس کے اسم اعظم کی برکت سے ایک انسان (حضرت آصف بن برخیا) جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر ہے، ملکہ سباء کے تخت کو ایک سرزمین سے اٹھا کر آنکھ جھپکنے میں ہزاروں میل کے فاصلہ پر مکمل شکل میں پوری آب وتاب کے ساتھ لے آتا ہے اور اس واقعہ کی گواہی قرآن دیتا ہے۔ (نمل: ۴۰) تو اس قادر مطلق کے بارے میں (جو خود لے گیا راتوں رات اپنے عبد کو) واقعہ معراج کو سامنے رکھ کر تنقید کرنا اور اسے ناممکن قرار دینا اور یہ کہنا کہ فلاں بات کیسے ممکن ہوئی کچھ مناسب نہیں لگتی۔

سیّد سلیمان ندوی واقعہ معراج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"الغرض جب اسلام کی سخت اور پر خطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا اور ہجرت کے بعد سے اطمینان اور سکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا تو وہ شب مبارک آئی اور اس شب مبارک میں وہ ساعت ہمایوں آئی جو دیوان قضا میں سرور عالم ﷺ کی سیر ملکوت کے لئے مقرر تھی اور جس میں پیش گاہ ربانی سے احکام خاص کا اجراء اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا۔ رضوان جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے سازو برگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہد عالم ﷺ آج یہاں مہمان بن کر آئے گا۔ حضرت روح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطہ لاہوت کے مسافروں کے لئے مخصوص ہے۔ حرمِ ابراہیم (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو۔ کارکنان عناصر کو حکم ہوا کہ مملکت آب وخاک

کے تمام مادی احکام وقوانین تھوڑی دیر کے لئے معطل کر دیئے جائیں اور زمان و مکان' سفر واقامت' رویت وسماعت' تخاطب وکلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھادی جائیں۔

(سیرۃ النبی ج۳ص ۴۰۶'۴۰۷)

صحیح بخاری ومسلم شریف کے مطابق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں مکہ میں تھا' آپ ﷺ کے گھر کی چھت پھٹی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے۔انہوں نے آپ ﷺ کو بیدار کیا۔ پھر آپ ﷺ کا سینہ چاک کر کے اسے آب زم زم سے دھویا۔اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھر لائے اوران کو سینہ مبارک میں بھر کر بند کر دیا۔ پھر آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آسمانوں پر لے گئے۔ پہلے فلک پر پہنچے تو اس کے داروغہ سے حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کو کہا۔داروغہ نے پوچھا ''کون ہے؟'' حضرت جبرائیل نے جواب میں اپنا نام بتایا۔ پھر اس نے پوچھا کہ ساتھ کون ہے؟ حضرت جبرائیل بولے ''محمد ﷺ ہیں''۔اس نے سوال کیا'' کیاان کو بلایا گیا ہے؟'' حضرت جبرائیل نے کہا ''ہاں''! پس اس نے دروازہ کھولا اور ہم آسمان دنیا پر پہنچے۔ وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کے دائیں اور بائیں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔وہ شخص دائیں طرف دیکھ کر خوش ہوتا اور بائیں جانب دیکھتا تو رونے لگتا۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام تھے۔انہوں نے مجھے کہا: مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح " نبی صالح اور نیک بخت بیٹے مرحبا'' حضرت جبرائیل نے بتایا کہ ان کے دائیں جانب ان کی اولاد کے جنتی لوگ ہیں جن کو دیکھ کران کو خوشی ہوتی ہے اور بائیں جانب والے ان کے وہ بچے ہیں جو دوزخی ہیں' ان کی بدقسمتی پر وہ روتے ہیں۔

پھر حضرت جبرائیل مجھے دوسرے آسمان پر لے گئے۔دربان نے پوچھا: کون ہے؟ حضرت جبرائیل نے اپنا تعارف کرایا اور پوچھنے پر بتایا کہ میرے ساتھ محمد

ﷺ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے بلایا ہے۔ پس دربان نے دروازہ کھولا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح جبرائیل مجھے ساتویں آسمانوں پر لے گئے جہاں میری ملاقات حضرت ادریس' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ و ابراہیم علیہم السلام سے ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چھٹے آسمان پر ملاقات ہوئی۔ ابن شہاب نے بروایت ابن حزم بتایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوحیہ انصاری کہتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک ہموار اور بلند مکان پر پہنچا جہاں قلموں سے لکھنے کی آوازیں سنیں۔ حضرت ابن حزم اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ میں واپس آیا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا' انہوں نے اپنی امت کے تجربہ کی بناء پر نمازوں میں تخفیف کرانے کے لئے کہا۔ میں اللہ کے پاس حاضر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ نمازیں کم کردیں۔ واپسی پر موسیٰ علیہ السلام سے پھر ملاقات ہوئی' انہوں نے پھر ''تخفیف مزید'' والا مشورہ دیا۔ میں واپس آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے سہ بارہ تخفیف کے لئے کہا۔ اس دفعہ بھی مزید کچھ نمازیں معاف کردی گئیں حتیٰ کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان میں بھی کمی کرنے کے لئے کہا مگر میں (ﷺ) نے اب ان کی تجویز نہ مانی کیونکہ مجھے اب واپس جاتے ہوئے شرم آتی تھی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچایا گیا۔ اس پر طرح طرح کے رنگ (انوار) چھائے ہوئے تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کی ماہیت کیا ہے۔ پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا۔ وہاں میں نے موتیوں کے قبوں (گنبدوں) کو دیکھا اور جنت کی مٹی مشک تھی۔

(بخاری و مسلم' مشکوٰۃ شریف مترجم ج ۳ دربیان معراج)

حضرت مالک بن صعصعہ کے بقول حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میں (ﷺ) کعبۃ اللہ میں حطیم میں سویا ہوا تھا کہ ایک آنے والا (حضرت جبرائیل) آیا' اس نے

یہاں سے یہاں تک (اشارہ کر کے سمجھایا) میرا سینہ چاک کیا۔ میرا دل باہر نکالا۔ پھر ایمان سے لبریز سونے کا طشت لایا گیا جس میں دل کو خوب دھویا اور پیٹ کی آلائش صاف کی اور دل کو اپنی جگہ رکھ کر چاک کو پہلے کی طرح برابر کر دیا۔

پھر خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا سفید براق لایا گیا جس کا قدم حدِ نگاہ پر پڑتا تھا۔ مجھے اس پر سوار کیا گیا اور جبرائیل مجھے پہلے آسمان پر چڑھا لے گئے۔ اس کا دروازہ بند تھا۔ کھٹکھٹانے پر آواز آئی ''کون ہے؟'' کہا' جبرائیل...... پوچھا ''ساتھ کون ہے؟'' جواب ملا'' محمد ﷺ '' پوچھا' کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ جواب دیا'' ہاں'' یہ سن کر دربان فرشتوں نے دروازہ کھول دیا اور آنے والوں کو خوش آمدید کہا کہ واہ سبحان اللہ کیا اچھا آنے والا ہے۔ وہاں میری (ﷺ) ملاقات حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی' تعارف کرایا گیا۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے جواب میں وعلیکم السلام کہا اور فرمایا۔ فرزند صالح! خوش آمدید۔ پھر ہم دوسرے آسمان پر پہنچے۔ اسی طرح دربان نے سوال جواب کرنے کے بعد دروازہ کھولا اور خوش آمدید کہا۔ وہاں میری ملاقات اور تعارف حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے کرایا گیا۔ ہم نے ان کو سلام کہا۔ جواب میں سلام کے بعد انہوں نے خوش آمدید کہا کہ صالح بھائی اور صالح نبی کا آنا مبارک ہو' پھر تیسرے آسمان پر ایسے ہی مراحل طے کر کے پہنچے۔ خوش آمدید کے بعد ہم اندر پہنچے۔ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو پایا۔ ہم نے انہیں سلام کیا۔ جوابی سلام کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام بولے۔ ''صالح بھائی اور صالح نبی خوش آمدید''!

اسی طرح پھر ہم چوتھے آسمان پر پہنچے وہاں حضرت ادریس علیہ السلام کو پایا۔ سلام و جوابی سلام کے بعد انہوں نے مجھے ''صالح بھائی اور صالح نبی خوش آمدید'' کہا۔ پھر پانچویں آسمان پر اسی طرح میری آؤ بھگت کی گئی' وہاں میں نے حضرت ہارون علیہ السلام کو پایا۔ سلام کہا اور وعلیکم سلام سنا۔ پھر وہ بولے صالح بھائی اور صالح نبی! خوش

آمدید۔ پھر چھٹے آسمان پر ہمارا اسی طرح استقبال ہوا۔ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی' انہوں نے بھی مجھے صالح بھائی اور صالح نبی کہہ کر خوش آمدید کہا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بات پر رو دیئے کہ میرے بعد ایک نوجوان کو پیغمبر بنایا اور اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوں گے۔ پھر ہم ساتویں آسمان پر پہنچے۔ ہمیں وہاں خوش آمدید کہا گیا۔ وہاں میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو موجود پایا۔ سلام و تسلیم کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے صالح فرزند اور صالح نبی (ﷺ) خوش آمدید! پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا۔ وہاں مجھے شراب' دودھ اور پانی کے پیالے پیش کئے گئے۔ میں نے دودھ کا پیالہ لے لیا۔ حضرت جبرائیل نے کہا' آپ (ﷺ) نے فطرت کو پسند کیا۔ یہاں مجھ پر اور میری امت پر روزانہ پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ واپسی پر چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی' انہوں نے کہا کہ آپ کی امت پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی کیونکہ بنی اسرائیل نے مجھے تجربہ کرا دیا تھا۔ لہٰذا واپس اللہ کے پاس جائیں اور نمازوں میں تخفیف کی درخواست کریں۔ میں واپس گیا' اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں کم کر دیں۔ واپسی پر حضرت موسیٰ نے پھر تخفیف کے لئے کہہ کر مجھے واپس بھیجا۔ اب کی بار بھی دس مزید کم کر دی گئیں۔ آخر متعدد بار آمد و رفت کے بعد پانچ نمازیں رہ گئیں اور کہا گیا کہ ان کا ثواب پچاس کے برابر ملے گا۔

(بخاری و مسلم' مشکوٰۃ ج ۳ مترجم ص ۱۷۵ تا ۱۷۸)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں (ﷺ) ام ہانی (بنت ابی طالب) کے گھر میں تھا۔ ربیع الاوّل دوشنبہ کی رات تھی۔ عشاء کی نماز پڑھ کر سویا تھا۔ دل بیدار تھا کہ وہ کبھی نہیں سوتا تھا۔ حضرت جبرائیل کے پروں کی آواز سے اٹھ بیٹھا۔ اور پیغام ملا۔

یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور اپنی بارگاہ میں بلایا ہے' اور میں آپ کو اللہ کی طرف لے جانے کے لئے آیا ہوں تاکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ ایسی کرامات اور بزرگیوں سے نوازے جن سے آپ ﷺ سے پہلے کسی کو نہیں نوازا گیا اور نہ آپ ﷺ کے سوا نوازا جائے گا۔

پھر آپ ﷺ کو زم زم کے پاس لے جایا گیا۔ آپ ﷺ کا سینہ چاک کر کے اسے آب زم زم سے دھویا گیا اور اس میں علم و حلم' ہمت' دانائی' ایمان اور یقین بھرا گیا اور سینہ برابر کر دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ کے سامنے براق لایا گیا جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا۔ اس کا رنگ سفید تھا اور بدن لمبا تھا۔ انبیاء سابقین میں سے بعض براق پر سفر کیا کرتے تھے۔ سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو براق پر بٹھا کر ہی مکہ لائے تھے۔ مسند احمد' ترمذی' ابن سعد اور ابو اسحاق کے مطابق جب آپ ﷺ براق پر سواری فرمانے لگے تو وہ چمکا۔ حضرت جبرائیل نے اسے ڈانٹ کر کہا کہ آج تک آپ ﷺ سے بہتر شخص تجھ پر سوار نہیں ہوا۔ پس وہ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ حضور علیہ السلام اس پر سوار ہوئے اور حضرت جبرائیل ساتھ ہو لئے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل بھی براق پر حضور ﷺ کے پیچھے سوار ہو گئے۔ حاکم اور ابن حبان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور ﷺ پیچھے اور حضرت جبرائیل آگے براق پر سوار ہو کر چلے۔ ترمذی اور نسائی میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ دونوں براق پر سوار ہو کر چلے (آگے پیچھے کی وضاحت نہیں کی گئی) مسلم شریف میں ہے کہ براق کی کمر اور کان لمبے تھے۔ طبری میں ہے کہ کان ہلتے تھے۔ نیز براق پر زین تھی اور منہ میں لگام تھی۔ (اُردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۴ ص ۲۶۹)

براق چلا' پہلی منزل مدینہ تھی۔ وہاں آپ ﷺ نے حضرت جبرائیل کے

کھنے پر نماز ادا فرمائی۔ پھر براق چلا اور طور سینا یا وادیٔ ایمن پر رکا۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوا کرتے تھے۔ ایک روایت کے مطابق دوسری منزل مدین تھی۔ یہاں آپ ﷺ نے شجر موسیٰ علیہ السلام کے قریب نماز پڑھی۔ یہ وہ درخت تھا جہاں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جانوروں کو پانی پلانے کے بعد اس درخت کے نیچے آرام فرمایا تھا۔ اس نسبت سے اسے شجر موسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں۔

تیسری منزل بیت اللحم تھی۔ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ یہاں بھی آپ ﷺ نے نماز ادا فرمائی۔ چوتھی منزل بیت المقدس تھی۔ یہاں بھی آپ نے اللہ کی منشاء کے مطابق نماز پڑھی۔ براق کو اس جگہ باندھا گیا جہاں آپ سے پہلے والے انبیاء علیہم السلام باندھا کرتے تھے۔ ترمذی اور حاکم کے مطابق حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک پتھر میں انگلی سے سوراخ کیا اور اس کے ساتھ براق کو باندھا۔ یہاں آ کر براق کا سفر ختم ہو گیا۔ یہاں حضور علیہ السلام کو پیاس محسوس ہوئی اور آپ کی خدمت میں دو یا تین پیالے پیش کیے گئے۔ ایک پانی کا' دوسرا دودھ کا اور تیسرا شراب کا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ دو پیالے پیش کیے گئے' ایک پانی اور دوسرا دودھ کا یا شراب اور دودھ کا یا شہد اور دودھ کا' لیکن اس امر پر سب متفق ہیں کہ آپ ﷺ نے دودھ کو پسند فرمایا جس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ ﷺ نے فطرت کو پسند فرمایا۔ حضرت مالک رضی اللہ عنہ بن صعصعہ کی روایت کے مطابق یہ واقعہ سدرۃ المنتہیٰ یا بیت المعمور کے قریب پیش آیا۔

(سیرت سرور عالم ج ۲ ص ۶۵۲' مکی مدنی ماہی ﷺ ص ۲۷۹ حاشیہ از قدر آفاقی)

بیت المقدس پہنچ کر جب ہیکل سلیمانی میں داخلہ ہوا تو وہاں تمام انبیاء علیہم السلام کو بقدرت الٰہی موجود پایا۔ صفیں باندھی جا چکی تھیں' پھر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو امامت کے لئے آگے کر دیا۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے

حضور امام الانبیاء کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ یہ نماز کوئی روحانی نماز نہ تھی بلکہ سب انبیاء علیہم السلام اپنے اجساد کے ساتھ موجود تھے۔ ملا علی قاری اپنی کتاب مرقات (ج ۵ ص ۲۳۰) میں لکھتے ہیں کہ نماز کے ارکان بدن کے ساتھ ہی ادا ہو سکتے ہیں، محض روح یہ کام انجام نہیں دے سکتی لہٰذا یہ سب کچھ روح اور بدن کے ساتھ وقوع پذیر ہوا۔

آسمانوں کی طرف عروج

حضور علیہ السلام اپنی امامت میں انبیاء علیہم السلام کو بیت المقدس میں نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو آپ کی خدمت میں ایک نورانی سیڑھی پیش کی گئی۔ (سیڑھی: معراج) حضرت جبرائیل کے ہمراہ آپ ﷺ نے اس نورانی سیڑھی کے ذریعے آسمان اول پر عروج فرمایا۔ آسمان کے دربان نے پوچھا۔ ''کون؟'' جبرائیل علیہ السلام نے جواب میں اپنا نام بتایا۔ پوچھا گیا ''ساتھ کون ہے؟'' جواب ملا ''حضرت محمد ﷺ ہیں''۔ پوچھا گیا ''ان کو بلایا گیا ہے؟'' جواب اثبات میں تھا، چنانچہ دربان نے دروازہ کھول دیا اور حضور علیہ السلام کی بڑی آؤ بھگت کی اور آپ کا تعارف یہاں پر مقیم فرشتوں سے کرایا گیا۔ یہاں حضرت آدم علیہ السلام سے بھی آپ ﷺ کی ملاقات ہوئی۔ ان کے داہنے طرف نیک لوگ تھے اور بائیں جانب بد۔ پس وہ دائیں جانب دیکھتے تو باغ باغ ہو جاتے اور بائیں طرف دیکھتے تو سخت دکھ محسوس کرتے۔

پھر دوسرے آسمان پر پہنچے تو وہاں کے دربان نے بھی بعینہٖ آسمان اول کے دربان کی طرح سوالات کئے اور مطمئن ہو کر دروازہ کھولا اور حضور علیہ السلام کی آؤ بھگت کی۔ یہاں پر دیگر ہستیوں کے علاوہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات ہوئی۔

تیسرے آسمان پر بھی دربان نے سوال و جواب کئے اور اطمینان کر لینے کے بعد دروازہ کھولا اور آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا۔ یہاں حضور علیہ السلام کی ملاقات

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوئی' چنانچہ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام' اور پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ (حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ چوتھے آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام ملے اور پانچویں پر حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ دوسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام اور تیسرے پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی) چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ملے' جبکہ ساتویں آسمان پر ایک شاندار محل دیکھا یہ بیت المعمور ہے جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے حاضری دیتے ہیں اور قیامت تک یہ عمل جاری رہے گا لیکن کسی فرشتے کو دوسری بار حاضری کا موقع نہیں ملتا نہ ملے گا کیونکہ قیامت تک یہ عمل جاری رہنے کے باوجود فرشتوں کی کل تعداد اتنی زیادہ ہے کہ یہاں صرف ایک بار ہی حاضری ممکن ہے۔

اس محل یعنی بیت المعمور کے ساتھ پشت لگائے ایک بزرگ کو دیکھا جن کی شکل وصورت حضور علیہ السلام کے ساتھ بہت زیادہ مشابہ تھی۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔

(سیرت سرور عالم ج ۲ ص ۶۵۶ بحوالہ بخاری' مسلم' مسند احمد وغیرہ)

پھر اور عروج نصیب ہوا اور آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے۔ یہاں تک ہی فرشتوں کی رسائی ہے۔ اس سے اوپر کسی کی مجال نہیں کہ عروج کر سکے۔ یہاں پر مخلوق کا علم ختم ہو جاتا ہے اور اس سے آگے علم غیب کی حد شروع ہوتی ہے۔ گویا سدرۃ المنتہیٰ آخری چوکی ہے جہاں اوپر سے آنے والے احکامات وغیرہ وصول کئے جاتے ہیں اور جو کچھ نیچے سے بھیجا جاتا ہے وہ بھی یہاں پر وصول کیا جاتا ہے۔

(سیرۃ سرور عالم ج ۲ ص ۶۵۷' سیرت سیدلولاک' قدر آفاقی)

حضور علیہ السلام کو قرآن میں دوسرے بابرکت اسماء کے علاوہ ایک نام شاہد سے بھی نوازا گیا ہے۔ آپ ﷺ چونکہ سید کونین اور سرور ثقلین ہیں اس لئے آپ کو

مشاہدہ بھی ایسا کرایا گیا جس کی شہادت آپ دنیا والوں کے سامنے عین الیقین کے ساتھ دے سکیں چنانچہ یہاں آپ ﷺ کو جنت کی سیر بھی کرائی گئی۔ یہاں آپ ﷺ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں اور بردبار اہل اسلام کے لئے ایسی ایسی نعمتیں محفوظ کر کے رکھی ہوئی ہیں جن کا دنیا کے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ مشاہدہ آیات الٰہی اس لئے بھی ضروری تھا کہ دوسری مخلوقات مثلاً قبل ازیں جنات آسمانوں تک رسائی رکھتے تھے اور غیبی خبریں انسانوں سے زیادہ جانتے تھے۔ اگر رسول ثقلین ﷺ آسمانوں کی خبریں اور آیات الٰہی سے نوازے جانے کے بغیر صرف حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے پیغام کی بناء پر آسمانی خبریں دیتے تو گویا آپ ﷺ پر جنات کو برتری حاصل تھی۔ پس ہر برتری آپ کو معراج میں عطا کی گئی جس سے دوسری تمام مخلوق محروم ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے کا مرحلہ آیا تو حضور علیہ السلام کی خدمت میں حضرت جبرائیل نے عرض کی کہ میں تو یہاں سے آگے ایک بال برابر عروج کا متحمل بھی نہیں ہوسکتا۔ (سیرت سرور عالم ج ۲ ص ۶۵۷ بحوالہ مواہب اللدنیہ)

چنانچہ یہاں سے آگے آپ ﷺ اکیلے تشریف لے گئے۔ اللہ کے انوار چھائے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ستر ہزار حجابات جن میں سے ہر حجاب کی مسافت پانچ سو سال کی تھی، طے فرمائی۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہاں براق رک گیا اور نور کا ایک فرش یعنی ''سبز رفرف'' ظاہر ہوا اور بقول نبی اکرم ﷺ جس کے ذریعے میں (ﷺ) نے عروج کیا حتیٰ کہ عرش کے نیچے پہنچ گیا اور سفید مروارید سے بنی گھوڑے کی شکل کی کوئی چیز تسبیح پڑھتی سامنے آئی۔ جس کے منہ سے نور پھوٹ رہا تھا۔ حضور علیہ السلام اس پر سوار ہو کر ساق عرش پر ''حجاب کبریا'' کے مقام پر پہنچے اور یہاں یہ شکل بھی آگے بڑھنے سے معذور ہو کر غائب ہو گئی۔ اب حضور علیہ السلام اس فضائے بسیط

میں بے سہارا ہی قائم تھے۔ (خلائی مسافر خلائی راکٹوں میں خلا میں پہنچے تو ان کو اپنا بے وزن وجود معلق محسوس ہوا اور انہوں نے خلائی گاڑی سے باہر نکل کر خلا میں چہل قدمی بھی کی اور دوبارہ خلائی گاڑی میں داخل ہوئے۔ یہ آج کی سائنس کی تحقیق ہے) اور ماورائے زمان و مکان تو خلا سے کئی گناہ لطیف چیز ہیں۔ وہاں آپ ﷺ کا بے سہارا قائم رہنا کسی کو متعجب نہ کرے۔ (قدر آفاقی)

سیّد سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (سیرت النبی ج ۳ ص ۹۴، ۹۵، ۳۹۳) لکھتے ہیں۔ ''انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب رفیع حاصل ہوتا ہے اور اس وقت شرائط رؤیت کے تمام مادی پردے ان کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیئے جاتے ہیں۔ اسباب ساعت کے دنیاوی قوانین ان کے لئے منسوخ کر دیئے جاتے ہیں۔ قیود زمانی و مکانی کی تمام فرضی بیڑیاں ان کے پاؤں سے کاٹ ڈالی جاتی ہیں۔ آسمان و زمین کے مخفی مناظر بے حجابانہ ان کے سامنے آتے ہیں اور اس کے بعد نور کا حلہ بہشتی پہن کر فرشتوں کے روحانی جلوس کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں اور اپنے اپنے رتبہ اور درجہ کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم بارگاہ قدس میں بار پا کر **قاب قوسین** ''دو کمانوں کے فاصلہ'' سے بھی نزدیک تر ہو جاتے ہیں اور پھر وہاں سے اپنے منصب کا فرمان خاص لے کر اسی کاشانہ آب و خاک میں واپس آ جاتے ہیں۔ لیکن حضور ﷺ چونکہ سرور انبیاء اور سیّد اولاد آدم تھے اس لئے اس خطیرہ قدس اور بارگاہ لامکان میں آپ ﷺ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں تک کسی فرزند آدم کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جواب تک دوسرے مقربان بارگاہ کی حد نظر سے باہر رہا تھا''۔

''آگے بڑھ کر آپ ﷺ سدرۃ المنتہیٰ (انتہا پر بیری کا درخت) تک پہنچے۔
اس درخت پر شان ربانی (امر اللہ) کا پرتو تھا جس نے آ کر جب اس کو چھپالیا تو اس کی ہیئت بدل گئی اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کو کوئی زبان بیان نہیں کرسکتی اور اس میں رنگ رنگ کے ایسے انوار کی ایسی تجلی نظر آئی جن کو الفاظ ادا نہیں کرسکتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں اور زمین سے چڑھ کر اوپر وہاں جاتی ہیں۔ یہاں پہنچ کر حضرت جبرائیل اپنی اصل کمالی صورت میں آپ ﷺ کے سامنے نمودار ہوئے۔ پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں راز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی (پ۲۷ سورہ النجم آیت نمبر۱۰)
(سیرت النبی ج ۳ ص ۴۱۴)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ساتویں آسمان پر مجھے اس کی پشت کی طرف لے جایا گیا۔ وہاں ایک نہر دیکھی جس پر یاقوت، موتیوں اور زمرد کے خیمے تھے اور سبز پرندے نہایت خوبصورت تھے۔ حضرت جبرائیل نے بتایا کہ یہ نہر کوثر جو اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر آپ کو عطا فرمائی ہے۔ اس کا پانی دودھ سے سفید تر تھا۔ میں نے ایک برتن لے کر اس کا پانی پیا جو شہد سے شیریں تر اور مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ (ابی بن حاکم بطریق یزید بن ابی مالک و حضرت انس بن مالک نیز خصائص کبریٰ ج ۲ (اردو ترجمہ ص ۳۰۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ میں جنت میں گھوم رہا تھا کہ ایک نہر پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر مجوف موتیوں کے قبے نصب تھے۔ حضرت جبرائیل نے بتایا کہ یہ نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کی ہے اور جس کی مٹی خالص کستوری ہے۔ (بخاری شریف)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ

ہمارے درمیان بیٹھے بیٹھے سو گئے' پھر مسکراتے ہوئے جاگے اور فرمایا' ابھی مجھ پر سورة کوثر نازل ہوئی ہے۔ کوثر وہ نہر ہے جس پر قیامت کے روز میری امت اترے گی اور اس پر پیالوں کی تعداد ستاروں کی طرح تابدار اور بے حساب ہوگی۔

(انوار محمدیہ از علامہ یوسف نبہانی (ترجمہ اُردو) مطبوعہ مکتبہ نبویہ لاہور ص ۴۴۳)

ابن مردویہ' ابی ہاشم سے بطریق حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کا بدن معراج شریف کے بعد اس قدر خوشبودار ہو گیا تھا کہ آپ کی خوشبو دلہن جیسی بلکہ دلہن سے زیادہ پاکیزہ تھی۔ (خصائص کبریٰ ج ا ص ۳۰۹)

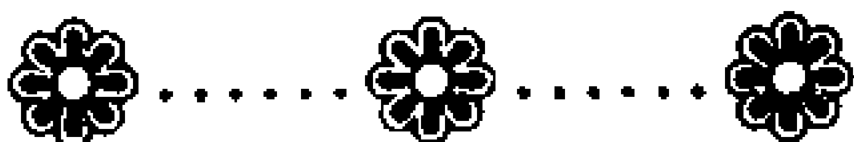
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مطابق معراج میں حضور علیہ السلام کو تین خصوصی چیزیں عطا کی گئیں۔ (۱) پانچ نمازیں (۲) سورة بقرہ کی آخری آیات (۳) آپ ﷺ کی امت کے ہر غیر مشرک کی مغفرت کا وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگرچہ وہ کبائر کا مرتکب ہوا ہو۔ (خصائص کبریٰ ج ا ص ۳۱۹)

فرمایا کہ شب معراج میں آسمانوں پر ایک جگہ ایک فرشتہ نے اذان کہی اور ہر کلمہ پر اللہ تعالیٰ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

پھر وہاں رسول اللہ سے کہا گیا کہ آپ ﷺ آگے بڑھئے۔ آپ ﷺ آگے بڑھے اور اہل السموات نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

فرمایا کہ جب مجھے ساتویں آسمان تک لے جایا گیا تو میں نے دیکھا کہ عرش کے داہنے پائے پر "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" لکھا ہوا ہے۔ (طبرانی عن ابن ابی قانع وابن مردویہ عن ابی الحمراء وخصائص کبریٰ (اُردو ترجمہ) ج ا ص ۳۲۹)

فرمایا کہ جب میں واپس پہنچا تو دیکھا کہ جس بستر سے اٹھ کر معراج واسریٰ کیلئے گیا تھا وہ ابھی تک اسی طرح گرم تھا۔ (معارج النبوۃ اُردو ج ۲ ص ۵۲۷)



خلفائے رسول معظم ﷺ

اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم

تھے غلامانِ شہِ ابرار اصحابِ رسول
جانِ ایماں صاحبِ کردار اصحابِ رسول

مہربان و مشفق و خوش خلق آپس میں تمام
تھے اشداء علی الکفار اصحابِ رسول

سرورِ عالم سپہر نور کے ماہِ مبیں
اور تھے اس چاند کے انوار اصحابِ رسول

آسماں پر ہیں ستارے جگمگاتے جس طرح
اس طرح تھے علم کے شہکار اصحابِ رسول

ان سے پھیلا نورِ علم و آگہی چاروں طرف
کاروانِ شوق کے سالار اصحابِ رسول

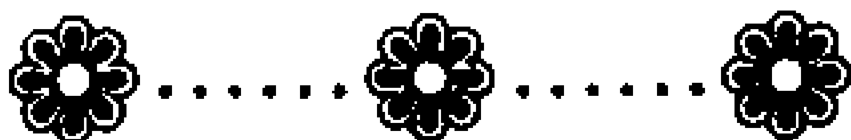
ان کا اُسوہ سر بسر ہے روشنی ہی روشنی
اِک حسیں تہذیب کے معمار اصحابِ رسول

ان سے تھی گلزار ایماں پر بہار آئی ہو
تھے اسی گلزار کی مہکار اصحابِ رسول

پاسبانِ شرعِ مصطفوی غلامانِ حضور
ہر گھڑی تعمیل کو تیار اصحابِ رسول

سرورِ کونین نے سکھلایا ہر طرزِ حیات
تھے رضؔا اس کا حسیں اظہار اصحابِ رسول

(محمد اکرم رضؔا)



جاں سپارِ سیّدِ ذی شان اِک صدیق تھے
شاہِ دیں پر ہر گھڑی قرباں اِک صدیق تھے
اس قدر دی ہیں دُعائیں ان کو احمدؒ نے رضاؔ
میرے آقا کا بہارستان اِک صدیق تھے

(خلیفۂ اوّل)

حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

محبِ سرورِ والا نشاں صدیقِ اکبر ہیں
عمل جن کا ہے ہر اک جاوداں صدیقِ اکبر ہیں
انہوں نے مال و دھن اور جان بھی سرکار پر واری
شجاعت' فقر و مستی کا نشاں صدیقِ اکبر ہیں

حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

ہر اک اہلِ نظر ہے ہمنوا صدیقِ اکبر کا
نبی صدیقِ اکبر کا' خُدا صدیقِ اکبر کا

شہِ کونین کی قُربت ملی بعد از وصال ان کو
مقامِ پاک ہے سب سے جُدا صدیقِ اکبر کا

قدم ان کے بھلا کیوں ڈگمگاتے راہِ ایماں میں
کہ عشقِ مصطفیٰ تھا ناخُدا صدیقِ اکبر کا

اگر ہم چاہتے ہیں سرفرازی دونوں عالم کی
کریں ہم بھی طریقہ پھر ادا صدیقِ اکبر کا

ہے غارِ ثور کی خلوت ہی شاہد ان کی عظمت کی
تھا قابلِ دید کے جب حوصلہ صدیقِ اکبر کا

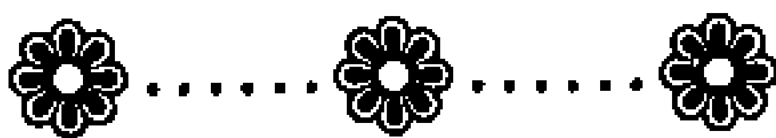
نہ چھوڑا ہاتھ سے دامن کبھی بھی عشقِ احمد کا
قیامت تک ہے اونچا مرتبہ صدیقِ اکبر کا

ملی پہلی خلافت عالمِ اسلام کی ان کو
بلندی پر علَم دیکھا سدا صدیقِ اکبر کا

گواہی آپ نے ہر گام پر دی تھی نبوت کی
ہر اک قولِ نبی تھا رہنما صدیقِ اکبر کا

ہے بے شک باعثِ حبِ نبی صدیق کی الفت
جہاں ممنون ہے سارا رضؔا صدیقِ اکبر کا

(محمد اکرم رضؔا)



جانشینِ مصطفیٰ سیّدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ نائب رسول' جانشین مصطفیٰ (ﷺ)' صدق وصفا کے پیکر' روشن ضمیر اور پاک طینت' عابد شب زندہ دار' مجاہد اور غازی' صبر و استقامت کے کوہ گراں' عشق مصطفیٰ میں اس قدر غرق کہ زمانے بھر کے شدائد اور مصائب سے بے پروا' باطل قوتوں سے ٹکرانے والے' عظمت ایمان کا لوہا منوانے والے' ہر گام پر اسلام دشمن قوتوں کو نیچا دکھانے والے' غلاموں کو خرید کر آزاد فرمانے والے' ہر لحہ اور ہر آن اطاعت رسول خدا ﷺ میں مصروف' نبی مکرم ﷺ کے رفیق خاص' دنیا کے ساتھی' قبر کے ساتھی اور حشر کے ساتھی' سب سے پہلے اسلام لائے' معراج النبی ﷺ کی بلا تاخیر تصدیق کی اور صدیق اکبر کا لقب پایا۔

سایۂ مصطفےٰ مایۂ اصطفا
عزّ و نازِ رسالت پہ لاکھوں سلام
یعنی اس افضل الخلق بعدالرُسُل
ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

آپ کا اسم گرامی عبداللہ رضی اللہ عنہ بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ ہے۔ والدہ کا نام ام الخیر رضی اللہ عنہا بنت صخر تھا۔ آپ کو زیادہ تر آپ کی کنیت یعنی ابوبکر ہی سے پہچانا اور پکارا جاتا ہے۔ آپ کا ایک لقب ''عتیق'' ہے اور عتیق کے معنی آزاد کے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ

کے لئے عَتِیْقٌ مِّنَ النَّار (آتش دوزخ سے آزاد) فرمایا۔ آپ کا دوسرا لقب "صدیق" ہے اور صدیق کے معنی ہیں "بہت سچا اور سچائی میں کامل"۔ آپ کو صدیق اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ نے کبھی جھوٹ نہ بولا' ہمیشہ سچ بولتے رہے' سچی بات کرتے اور سچ کا ساتھ دیتے۔ لقب صدیق کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ آپ نے بغیر کسی پس وپیش کے رسول محترم' نبی مکرم علیہ السلام کی رسالت کی تصدیق کی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور علیہ السلام اور آپ کے ہمراہ ابوبکر و عمر و عثمان احد پہاڑ پر چڑھے تو احد پر لرزہ طاری ہو گیا۔ حضور سلطان دو عالم ﷺ نے احد پہاڑ پر اپنے پاؤں بارک سے ٹھوکر لگائی اور فرمایا:

"احد ٹھہر جا' تجھ پر ایک نبی' ایک صدیق اور دو شہید ہیں"۔

اسی طرح جب حضور علیہ السلام شب معراج واپس آ رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ اے جبریل "میری قوم میری تصدیق نہیں کرے گی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا:

"ابوبکر آپ کی تصدیق کرے گا اور وہ صدیق (سچا) ہے"۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "سارے انسانوں میں سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا صحت و مال کے لحاظ سے ابوبکر ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"ہم پر کسی کا احسان نہیں مگر ہم نے اس کا بدلہ دے دیا' سوائے ابوبکر کے کہ اس کا ہم پر احسان ہے' اللہ تعالیٰ انہیں قیامت میں اس کا بدلہ دے گا"۔

ارشاد رسول مکرم ﷺ ہے۔

"مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہ دیا جتنا ابوبکر کے مال نے دیا۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

آں اَمَنَ النّاس برمولائے ما
آں کلیم اول سینائے ما
ہستی اُو کشتِ ملّتِ را چوں ابر
ثانی اسلامؒ و غار و بدر و قبر

اسی طرح محبوب دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد سیّدنا صدیق اکبر ﷺ کے مقام و مرتبہ کو مزید اُجاگر کرتا ہے۔

"اگر میں کسی کو سوائے اپنے رب کے خلیل بناتا تو ابوبکر ہی میرے خلیل ہوتے لیکن اخوت و محبت اسلام ہی کافی ہے"۔ (بخاری شریف)

ارشاداتِ مصطفوی کے چند مزید شہ پارے پیش ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جبریل نے مجھے خبر دی ہے کہ

آپ کے بعد آپ کی امت میں ابوبکر سب سے بہتر ہے"۔ (صواعق محرقہ)

"ابوبکر انبیاء کرام کے علاوہ تمام انسانوں سے بہتر ہیں"۔ (صواعق محرقہ)

"ابوبکر کی موجودگی میں لوگوں کی امامت کسی اور شخص کو نہیں کرنی چاہیے"۔

(ترمذی شریف)

حضور ﷺ نے فرمایا:

"اے ابوبکر! تم وہ شخص ہو جو میری امت میں سب سے پہلے جنت میں جاؤ گے۔ (مشکوۃ شریف)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سن ولادت ۵۷۱ء ۵۷۲ء ہے۔ آپ حضور نبی کریم ﷺ سے عمر میں اڑھائی برس چھوٹے تھے۔ گویا آپ عام الفیل کے اڑھائی سال بعد پیدا ہوئے۔ یعنی ہجرت سے پچاس برس چھ مہینے پہلے۔ آپ مکہ مکرمہ میں

کپڑے کے بہت بڑے تاجر تھے۔ آپ کا شمار نہایت امیر لوگوں میں ہوتا تھا۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو سب کچھ اسلام کے نام پر قربان کر ڈالا۔ اپنے آقا و مولا ﷺ کے حکم کی تعمیل میں غلام آزاد کیے۔ لونڈیوں کو غلامی کی زنجیروں سے رہا کروایا۔ مسلمانوں کی معاشی پریشانیاں دور کیں۔ ہر اس جگہ پر رقم خرچ کی جہاں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ہجرت کر کے مدینے گئے تو کافی سرمایہ ساتھ لے کر گئے، جو کچھ پاس تھا ارشاد مصطفیٰ ﷺ کی تعمیل میں سب کچھ راہ حق میں لٹا دیا۔

مالی ایثار کا ایمان آفریں واقعہ

غزوۂ تبوک کے موقعہ پر مسلمانوں کی مالی حالت بہت پتلی تھی۔ معلوم ہوا کہ کفار کا لشکر مدینے کی جانب بڑھ رہا ہے۔ مسلمانوں کے باغات اور کھیتیاں ابھی نہیں پکی تھیں۔ بیشتر گھروں میں غربت تھی۔ اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار ہو گئی مگر اناج بہت کم تھا۔ کھجوریں پکنے کا وقت بھی نہیں آیا تھا۔ مگر نبی کریم ﷺ نے جنگی تیاریوں کے لئے مالی ایثار اور تعاون کی اپیل کی تھی تو مسلمانوں کے پاس جو کچھ تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں لانے لگے۔ حضور ﷺ مالی ایثار کرنے والوں سے کہتے کہ خُدا کی راہ میں بھی لاؤ اور گھر میں بھی چھوڑ آؤ کیونکہ گھر والوں کا بھی حق ہے۔ اس موقعہ پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مالی ایثار کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مالی لحاظ سے مستحکم پوزیشن رکھتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میری آرزو تھی کہ آج نیکیوں میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بازی لے جاؤں۔ چنانچہ انہوں نے گھر کے مال و اسباب کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ آدھا چھوڑ آئے اور نصف بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں لے آئے۔ مال چونکہ کافی تھا اس لئے وہ بار بار سوچ رہے تھے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جن

کے پاس واجبی سا مال ہے مجھ سے کس طرح بڑھ جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ ابن خطاب سے پوچھا۔

''عمر! کیا لائے ہو اور کیا کچھ گھر میں چھوڑ آئے ہو''۔

سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا''یارسول اللہ! آدھا مال لے آیا ہوں اور آدھا بیوی بچوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں''۔ حضور نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر دعاؤں سے نوازا۔ اتنے میں چشم فلک نے حیرت انگیز منظر دیکھا کہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس شان سے آ رہے کہ گھر کا تمام ساز و سامان اپنے اور غلام کے کندھے پر ہے۔ نقدی' جنس' اناج اور گھر کے جھاڑو اور سوئی سمیت سب کچھ لے آئے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر صحابہ دم بخود ہو گئے۔ نبی غیب داں ﷺ نے اپنے پیارے یارِ غار کی طرف دیکھ کر فرمایا:

''صدیق! کیا لائے ہو اور گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو؟''

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اگرچہ مال تھوڑا ہے مگر خدا کی قسم گھر میں جھاڑو پھیر کر سب کچھ اٹھا کر آپ کی بارگاہ میں لے آیا ہوں''۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

''اور گھر میں کیا چھوڑ آئے''۔

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو جواب دیا وہ داستانِ عشق و عقیدت کا روشن باب ہے۔ آپ نے حسن ادب سے عرض کیا۔''گھر میں فقط خُدا اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں''۔

یہ منظر دیکھ کر صحابہ کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں''میں نے اپنے دل میں سوچا کہ اے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو بے مثال ہے اور نیکیوں میں تجھ سے کوئی بھی سبقت نہیں لے جا سکتا''۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اس واقعہ کو حسن عقیدت کے ساتھ منظوم کیا ہے۔

اس نظم کے آخری اشعار ملاحظہ ہوں۔

اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
بولے حضور چاہیے فکرِ عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار
پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیق کے لئے ہے خُدا کا رسول بس

غیر معمولی جذبۂ عشقِ رسول

جب صاحب ایمان عشق وعقیدت کی بلندیوں کو چھوتا ہے اور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت کو قلب و جان میں بسالیتا ہے تو پھر اسے محبت رسول کے مقابلہ میں ہر چیز ہیچ نظر آتی ہے۔ ماں باپ، مال، اولاد حتیٰ کہ اپنی جان بھی محبت رسول ﷺ کے نام پر فدا کرتے ہوئے روحانی مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ ارشاد رسول اکرم ﷺ بھی یہی ہے کہ جب تک میں تمہیں ہر چیز سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، تمہارے ایمان کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ (بخاری و مسلم کتاب الایمان، مشکوٰۃ کتاب الایمان) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شمار ان عظیم نفوس میں ہوتا ہے جو ہر قربان گاہِ شوق میں سرخرو رہے۔ مال کی قربانی دینی پڑی، گھر بار کو چھوڑنا پڑا، ماں باپ سے جدا ہونا پڑا حتیٰ کہ

اپنی جان بھی نثار کرنا پڑی تو آپ نے دریغ نہ کیا۔

جہاں تک مال کی قربانی کا سوال ہے تو اس میں آپ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ نہایت امیر تاجر تھے صاحب ثروت تھے مگر خود کو اسلام کی محبت میں غریب بنا لیا۔ مگر یہ ایسی غریبی تھی جس پہ شہنشاہوں کو رشک آتا تھا۔ ماں باپ اور بچوں کو چھوڑا اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں مدینہ چلے آئے۔ اولاد سب کو پیاری ہوتی ہے مگر عشق رسول کریم میں آپ کو اولاد کی بھی پروا نہیں تھی۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ ایمان کی تازگی کا باعث بنتا ہے۔ غزوۂ بدر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے جانثار سپاہی کی حیثیت سے لڑ رہے تھے۔ اس وقت تک آپ کے بڑے بیٹے مسلمان نہیں ہوئے تھے اور وہ کافروں کی طرف سے لڑنے کے لئے آ گئے تھے۔ غزوۂ بدر کے بعد وہ بیٹے مسلمان ہو گئے اور ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے۔ ایک روز باپ بیٹا بیٹھے غزوۂ بدر کی باتیں کر رہے تھے۔ آپ کے بیٹے نے کہا:

''ابا جان! غزوۂ بدر میں میں کافروں کی طرف سے لڑ رہا تھا۔ آپ کئی مرتبہ میری تلوار کی زد میں آئے مگر محبت پدری غالب آ گئی اور میں نے آپ کو چھوڑ دیا''۔

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جلالت ایمانی کے ساتھ فرمایا:

''خدا کی قسم! تم ایک مرتبہ بھی میری تلوار کی زد میں آ جاتے تو میں تمہیں حقیقی بیٹا نہ سمجھتا بلکہ دشمن رسول سمجھتا اور معمولی سی ہچکچاہٹ کے بغیر تمہاری گردن اڑا دیتا''۔

یہ ہے عشق رسول ﷺ جو سیّدنا ابوبکر کو آداب خود آگاہی سکھا رہا تھا۔ انسان تمام خطرات سے کھیل لیتا ہے ہر قسم کی قربانی دے لیتا ہے مگر اپنی جان گنوانا گوارا نہیں کرتا مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کئی مرتبہ اپنی جان رسول کریم ﷺ پر نثار کر دی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ رب کریم نے آپ کو محفوظ رکھا۔

* کفار نے کئی مرتبہ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو نرغے میں لے کر شہید کرنا چاہا مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ڈھال بن کر سامنے آ گئے۔ جان کے لالے پڑ گئے' موت کی سرحد تک جا پہنچے مگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر آنچ نہ آنے دی۔

* ہجرت کی رات جب آپ رسول کریم ﷺ کے ساتھ چلے تو وہ انتہائی پرخطر سفر تھا۔ قدم قدم پر پروانہ وار سفر کر رہے تھے اور ایک لحظہ کو بھی ہراساں نہ ہوئے۔

* غار ثور میں سانپ نے آپ کو ڈس لیا۔ یہ یقینی موت تھی۔ آپ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو جگانا بھی مناسب نہ سمجھا۔ مگر حضور اکرم ﷺ از خود بیدار ہو گئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زخم پر لعاب دہن لگا کر انہیں موت کے منہ سے نکال کر حیات تازہ بخش دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین آپ کی قربانی پر رشک کیا کرتے تھے۔ غرضیکہ آپ نے ہر قسم کی قربانی دے کر ثابت کر دیا کہ

نماز اچھی' حج اچھا' روزہ اچھا اور زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجۂ بطحا کی چوکھٹ پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

جانِ صدیق آقا پر نثار

مکہ مکرمہ میں اسلام کی برکات سے ہر سو اجالا ہونے لگا۔ اسلامی مساوات' اخوت اور اثر کرنے والی تعلیمات نے لوگوں کے دل جیت لئے۔ اسلام پہلے آہستہ آہستہ پھر تیزی سے پھیلنے لگا۔ پہلے غلام اور کمزور مسلمان ہو رہے تھے' اب طاقتور اور امیر بھی خدا کا کلمہ پڑھنے لگے۔ شمع ایمان ہر دل کو منور کرنے لگی۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ باطل ہراساں ہونے لگا۔ کفار پر مشکل وقت آ گیا۔ بانیٔ اسلام ﷺ

اور اسلام کی ان ابتدائی شاندار کامیابیوں نے کفر و باطل کے ایوانوں میں ایک کہرام مچا دیا اور انہوں نے حق و صداقت کے اس ابھرتے ہوئے آفتاب کی کرنوں کا راستہ روکنے کے لئے پردے تاننے کی مہم کا آغاز کر دیا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح وہ باطل کے اندھیروں کو حق کی ان روپہلی اور تابندہ کرنوں کی یلغار سے بچا سکیں گے' جو بالکل ناممکن تھا۔ ان کے جور و ستم کی مہم کا آغاز ایک چھوٹے سے واقعہ سے ہوا' جس کو علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر رقم طراز ہیں۔

جب مسلمان مردوں کی تعداد اڑتیس ہوگئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت پناہ میں عرض کی کہ یارسول اللہ! اب ہمیں کھل کر میدان میں نکل آنا چاہیے اور تبلیغ اسلام کا فریضہ پوری قوت سے انجام دینا چاہیے۔

حضور رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! ابھی ہماری تعداد بہت کم ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اصرار جاری رہا یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ دار ارقم کے حجرہ سے نکل کر حرم شریف کے صحن میں اپنے غلاموں کی معیت میں تشریف لے آئے اور تمام مسلمان مسجد کے کونوں میں بکھر گئے اور اپنے اپنے قبیلہ میں جا کر نشستیں سنبھال لیں۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے تو سرکار دو عالم ﷺ بھی تشریف لے آئے۔ دنیائے اسلام کا سب سے پہلا خطیب سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دینے کے لئے کھڑا ہوا۔ کفار سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ کو سن کر آگ بگولہ ہو گئے اور مشتعل ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور باقی مسلمانوں پر حملہ بول دیا اور ان کو خوب مارا اور پیٹا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تو ان کا غصہ بڑا شدید تھا۔ چنانچہ آپ کو دھکا دے کر زمین پر گرایا اور اوپر چڑھ گئے۔ پاؤں سے لتاڑتے اور ڈنڈوں سے زدوکوب کرتے رہے۔ اتنے میں بدبخت عتبہ بن ربیعہ آ گیا' اس نے اپنے بھاری بھرکم جوتے اتارے اور ان سے آپ کے چہرے پر پے

در پے ضربیں لگانے لگا اور آپ کے پیٹ پر چڑھ کر کودنے لگا۔ آپ کا چہرہ سوج کر پھول گیا یہاں تک کہ ناک اس سوجن میں نظر ہی نہیں آتی تھی۔

آپ کے قبیلہ بنو تمیم کو معلوم ہوا تو انہوں نے مشرکین کو دھکے دے کر حضرت ابوبکر سے دور ہٹایا اور آپ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر آپ کے گھر لے آئے۔ آپ کی موت میں کسی کو شک نہ تھا۔ پھر بنو تمیم مسجد حرام میں واپس آئے اور اعلان کر دیا کہ اگر ابوبکر مر گئے تو ہم عتبہ کو ضرور تہ تیغ کر دیں گے۔ یہ اعلان کرنے کے بعد پھر وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جہاں وہ مدہوش پڑے تھے۔ آپ کے والد ابوقحافہ اور آپ کے قبیلہ والے آپ کو بلاتے تھے لیکن آپ کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ سارا دن غشی طاری رہی، جب سورج غروب ہونے لگا تو آپ کو کچھ ہوش آیا۔ اور پہلا جملہ جو آپ کی زبان سے نکلا وہ یہ تھا کہ مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مجھے بتاؤ میرے آقا ﷺ میرے ہادی کا کیا حال ہے۔

یہ سن کر ان لوگوں نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور ملامت کرنے لگے۔ پھر وہ لوگ وہاں سے واپس جانے کے لئے اٹھے اور آپ کی والدہ ام الخیر کو کہا کہ خیال رکھنا انہیں ضرور کچھ کھلانا پلانا۔ جب والدہ اکیلی آپ کے پاس رہ گئیں اور اصرار کرنا شروع کیا کہ آپ کچھ بولیں۔ آپ نے پھر وہی جملہ دہرایا "مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ کہ اللہ کے پیارے رسول کا کیا حال ہے۔ والدہ نے کہا: بخدا! مجھے تیرے صاحب کے بارے میں کوئی خبر نہیں کہ ان کا کیا حال ہے۔ آپ نے کہا کہ اماں! ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اور حضور اکرم ﷺ کے بارے میں اس سے دریافت کرو۔

آپ کی والدہ وہاں سے نکل کر ام جمیل کے پاس آئیں اور اسے کہا کہ ابوبکر تجھ سے محمد بن عبداللہ کے بارے میں پوچھتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہ میں ابوبکر کو

جانتی ہوں اور نہ محمد بن عبداللہ کو۔ اگر تو پسند کرے تو میں تمہارے ساتھ تمہارے بیٹے کے پاس چلی جاتی ہوں۔ ام الخیر نے کہا' بہت بہتر۔ چنانچہ ام جمیل ان کے ساتھ ان کے گھر آئی۔ دیکھا کہ ابوبکر مدہوش پڑے ہیں اور نزع کی حالت ہے۔ ام جمیل آپ کے قریب گئی اور رونا چیخنا شروع کر دیا اور کہا بخدا جس قوم نے تیرے ساتھ یہ بہیمانہ سلوک کیا ہے بیشک وہ فاسق و فاجر اور کافر ہے اور اللہ تعالیٰ ضرور ان سے انتقام لے گا' لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی وہی سوال کیا "مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ" کہ میرے آقا کا کیا حال ہے؟ ام جمیل نے کہا "یہ آپ کی ماں سن رہی ہے"۔ آپ نے جواب دیا "اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں"۔ مطمئن ہونے کے بعد ام جمیل نے کہا کہ حضور صحیح وسلامت ہیں۔ آپ نے پوچھا۔ حضور کہاں ہیں؟ اس خاتون نے بتایا کہ حضور دار ابن ارقم میں ہیں۔ اپنے آقا کی خیریت کی خبر سن کر آپ کے ہوش ٹھکانے لگ گئے اور کہا۔ بخدا میں اس وقت تک نہ کچھ کھاؤں گا اور نہ پیوں گا جب تک اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی بارگاہ ناز میں حاضری کا شرف حاصل نہ کروں' گویا آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر حضور کی خیریت کے بارے میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ان دونوں خواتین نے کچھ دیر انتظار کیا یہاں تک کہ لوگوں کی آمد و رفت ختم ہو گئی' سناٹا چھا گیا' وہ آپ کو لے کر گھر سے نکلیں۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان پر ٹیک لگائے ہوئے حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچے۔

فَاَكَبَّ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَبَّلَهٗ' وَاَكَبَّ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ وَرَقَّ لَهٗ' رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ رِقَّةً شَدِيْدَةً.

"حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جھک گئے اور ان کو بوسے دینے لگے اور مسلمان بھی ان پر جھک گئے اور آپ کی حالتِ زار کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ کے دل رحیم پر بڑی رقت اور گداز طاری ہوا"۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ حضور پر قربان ہو جائیں مجھے کوئی تکلیف نہیں سوائے ان جوتیوں کی ضربوں کے جو عتبہ نے میرے چہرے پر ماری ہیں۔

وَهٰذِهٖ اُمِّیْ مُبَرَّہٗ بِوَلَدِهَا وَاَنْتَ مُبَارِكٌ فَادْعُهَا اِلَى اللّٰهِ وَادْعُ اللّٰهَ لَهَا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّسْتَنْقِذَهَا بِكَ مِنَ النَّارِ۔

''یہ میری ماں برہ اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر ہے' حضور سراپا برکت ہیں اسے اللہ کی طرف بلایئے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں' مجھے امید ہے حضور کی برکت سے اللہ تعالیٰ اسے آگ سے نجات دے گا''۔

حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں اس کی ہدایت کے لئے التجا کی' پھر اسے قبول کرنے کی دعوت دی' چنانچہ وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔

پھر مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک مہینہ تک دار بنی ارقم میں قیام فرما رہے اور خفیہ طریقہ سے لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے رہے۔

خطابِ اوّل

آپ نے خلیفہ منتخب ہو جانے کے بعد پہلا خطبہ جو دیا وہ مختصر ہونے کے باوصف کسی بھی فرمانروا کے دستور عمل سے بدرجہا بلند تر ہے آج جب کہ حکومت کرنے کے نئے نئے ڈھب ایجاد ہو چکے ہیں' صدیوں کے شامل بین الاقوامی تجربات سامنے ہیں' اس کے باوجود احترام انسانیت' خدمت انسانیت' تواضع' انصاف گستری' حق کی پاس داری' خدا خوفی' ظلم دشمنی' صداقت شعاری' بے لوث پاس عہد اور اصول پسندی کے ضمن میں جو روشن مثال شیخین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ عنہ قائم کر گئے وہ ان کے بعد آنے والے تمام حاکموں کے لئے تا حال درس ہدایت ہیں۔

آپ نے اس اولین خطبے میں جن امور پر زور دیا وہ یہ تھے کہ انہوں نے کبھی بھی امیر و سربراہ بننے کی خواہش دل میں پائی نہ تھی کہ وہ عظیم اور پر خطر ذمہ داری قبول کر رہے تھے۔ انہیں تأسف کے ساتھ اظہار کرنا پڑا تھا کہ اے کاش! کوئی ان سے زیادہ طاقت ور فرد اس بار گراں سے عہدہ برآ ہوتا۔ انہوں نے برملا کہا کہ اے اہل ایمان! مجھے تمہارا امیر بنا دیا گیا ہے' گو میں کسی اعتبار سے بھی برتر نہیں ہوں' اگر میں حق پر کاربند رہوں تو میری مدد کرنا ورنہ مجھے سیدھا کر دینا۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ تم میں خواہ کوئی کتنا ہی کمزور ہو میرے لئے قوی ہے جب تک میں اس کا حق نہ دلا دوں اور جو قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے' میں اس سے کمزور کا حق وصول کر کے رہوں گا۔ جس قوم نے جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دیا وہ ذلیل و عاجز ہو کر رہ گئی اور جس قوم میں بے حیائی راہ پا گئی اس پر عذاب الٰہی ٹوٹ پڑا۔ جب تک میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں تم میری اطاعت کرتے رہنا اور جب میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت سے سرتابی کروں تو تم پر بھی میری اطاعت واجب نہیں۔ گویا حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بالوضاحت سمجھا دیا کہ اطاعت اس امیر کی لازم و واجب ہے جو اطاعت خدا اور رسول خدا ﷺ کر رہا ہو' خدا اور رسول خدا ﷺ کے باغی کی اطاعت کا مطلب کیا؟

آپ نے نو مفتوحہ علاقوں کے سوا باقی علاقوں میں تقریباً وہی گورنر اور حاکم بحال رکھے جن کو رسول اللہ ﷺ نے تعینات فرمایا تھا۔ آپ نے اپنے امرا اور عمال کو جو خطوط لکھے وہ خیر سگالی اور انصاف کی تلقین سے پر ہیں۔ خوف خدا اور تقویٰ کی روح ہر سطر میں جاری و ساری ہے۔ آپ اپنے امراء جیوش کو ہمیشہ تلقین فرمایا کرتے تھے اور تلقینی نقاط یہ تھے۔

خیانت نہ کرنا' دھوکا نہ دینا' حکم امیر سے سرتابی نہ کرنا' کسی کی ناک وغیرہ نہ

کاٹنا' بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو موت کے گھاٹ نہ اتارنا' کھجور کے درخت اور میوہ دار دیگر درختوں کو ہرگز نہ کاٹنا اور نہ نذر آتش کرنا' غذا کی مجبوری کے سوا بکری گائے اور اونٹ کو ذبح نہ کرنا' جو لوگ عبادت گاہوں میں گوشہ گیر پڑے ہوں ان سے تعرض نہ کرنا۔ تمہیں ایسے لوگوں سے بھی پالا پڑے گا جو ایوان نعمت لے کر حاضر ہوں گے' تم ان کھانوں کو کھاتے ہوئے خُدا کے نام سے غافل نہ ہونا۔ وعلی ہذا القیاس

گویا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ عملاً واضح کر دیا کہ اسلام کے روشن اصول عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے بہترین اصول ہیں' یعنی شریعت کے روبرو سب کے حقوق برابر ہیں۔ کوئی طاقتور شخص زبردستی کر کے بچ نہیں سکتا' کوئی بے بس محض کمزوری کے باعث محروم اور مظلوم نہیں۔ جو کردار کی رو سے برتر وہی بہتر انسان۔ کوئی حاکم حتیٰ کہ سربراہ مملکت بھی قانون سے بالا نہیں۔ اور یہ بات خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان کہہ دی کہ جب تک میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو اور اگر میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑ لوں تو تم پر میری اطاعت فرض نہیں' یعنی کسی بھی شخص کی ذات یا شخصیت شریعت کے مقابلے میں بے حیثیت تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشیر' عالم اور امیر و کماندار وہی لوگ بنائے جو صورت حال سے بہترین طور پر نمٹ سکیں۔ آپ اسلامی اصولوں کی پاسداری کا مفہوم بہت وسیع طور پر جانتے تھے۔ ان کے نزدیک ہر فرض اور ہر منصب امانت تھا اور اس امانت کو کسی ایسے ہی شخص کے سپرد کیا جا سکتا تھا جو اس امانت سے عہدہ برآ ہونے کی کامل اہلیت کا مالک ہوتا۔ دوست پروری' کنبہ داری' قبیلہ نوازی' بے ضرورت رعایت و بخشش کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اطاعت رسول مقبول ﷺ پر ضعف ایمان کا مظاہرہ کرنے سے قبل اپنے ہی موقف کی روایت کو مضبوطی کے ساتھ جانچ لینا چاہیے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت کا تأثر عموماً یہ ہے کہ آپ بڑے ہی دھیمے بڑے ہی نرم خو اور دل جُو بزرگ تھے۔ یہ بالکل بجا مگر ہم یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ساتھ ہی ساتھ آپ بہادر بھی تھے' آپ ثابت قدم بھی تھے' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے فائق و ممتاز قوت فیصلہ سے بھی نوازا تھا۔ آپ جملہ غزوات میں حضور نبی اعظم ﷺ کے مشیر اور رفیق رہے۔ آپ کے پائے استقلال میں کبھی لغزش نہ آئی۔ قوت فیصلہ کا عالم یہ تھا کہ مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور یہ پروانہ کی کہ اپنے اعزہ اور احباب کا رویہ اس باب میں کیا ہوگا' اور پھر ان کے برتاؤ کا روپ کیا ہوگا۔ یقین کا علم یہ تھا کہ حضور رسول اکرم ﷺ کے واقعہ اسراء کا ذکر ابوجہل مخزومی نے ازراہ تمسخر کیا کہ دیکھا تمہارا دوست اب یہ کہہ رہا ہے۔ آپ نے معاً ارشاد فرمایا کہ اگر محمد ﷺ نے یہ کہا ہے تو میں تصدیق کرتا ہوں کہ بالکل سچ اور حق کہا ہے۔ اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر جب کہ اصحاب رسول اعظم ﷺ کی حاوی اکثریت کی دل شکنی ہوئی اور صلح حدیبیہ کی بعض شرائط کی رو سے بظاہر تأثر بھی یہی ملتا تھا مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فوراً حضور سیّدالانبیاء ﷺ کی تائید کی اور اس صلح نامے پر آپ ﷺ کے بعد دوسرے دستخط حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے ثبت ہوئے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بلاشبہ رسول کریم ﷺ کے عشق میں فنا تھے اور فنا ہونے کا مطلب ہے کہ خود کو بھول جانا اور فقط اسی بات کو مقدم جاننا کہ جو عمل میں کرنے لگا ہوں وہ رسول کریم ﷺ کی نظروں میں پسندیدہ ہے یا نہیں؟ چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام سے پہلے اور قبولیت اسلام کے بعد کا تمام عرصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گزارا تھا اور قدم قدم پر آپ کی خوشنودی کو مقدم رکھا تھا اس لئے حضور ﷺ کے وصال انور کے بعد آپ کی قوت ایمانی پر ایک زمانہ حیران تھا۔

نبی کریم ﷺ کے ہر ایما اور ہر حکم کی بلا چون وچرا اور بے عدیل تعمیل اپنی جگہ مگر جب خود زمام کار اپنے ہاتھوں میں لی تو بصیرت وعزیمت کی مثال بن گئے' ذمہ داری نے بے پناہ پائیداری عطا کر دی۔

کسی بڑے سے بڑے صاحب ہمت کے لئے بھی اپنے آپ کو اس صورت حال سے عملی طور پر دوچار کرنے کا تصور تک آسان نہیں۔ جب حضور پرنور خاتم المرسلین ﷺ کا وصال ہوا' عرب کی کیفیت کیا تھی؟ نئی نئی وجود میں آنے والی مملکت اسلام کو کن خطرات سے دوچار ہونا پڑ گیا تھا؟ زیادہ تفصیل میں پڑے بغیر ہم کچھ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

راہِ ایمان میں ثابت قدمی

جزیرۃ العرب مطیع تو ہو گیا تھا مگر ابھی سارا مسلمان تو نہ ہوا تھا' دوسری یہ بات کہ حجاز سے باہر جو لوگ مسلمان ہوئے تھے وہ ابھی اقرارِ لسانی کی منزل میں تھے' ان کے دلوں میں تو ایمان ابھی داخل ہی نہ ہوا تھا' بدوی آبادی ہی کی کثرت کثیرہ تھی اور بدوی لوگ مزاجاً بے لگام تھے اور قرآن انہیں انتہائی لالچی' حریص اور ہوس پرست قرار دیتا ہے۔ ان کے اس لالچ نے ان کے لئے خراج وزکوٰۃ کو بارِ گراں بنا دیا تھا۔ جو لوگ لوٹ مار کے عادی ہوں وہ ایثار اور بخشش سے کس طرح کام لیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ ہم نمازیں پڑھ لیں گے' روزے رکھ لیں گے' کلمہ شہادت کا ورد بھی ہوتا رہے گا' حج بھی عمل میں آئے گا' مگر زکوٰۃ ادا نہیں کریں گے۔ مالی قربانی اور وہ بھی بخوشی اس امر کی دلیل ہے کہ صاحب ایثار' آدمیت کا شعور رکھتا ہے اور یہ کتاب ہُدیٰ کا اہم ترین درس ہے اور اسلام کی واضح ترین تعلیم ہے' اس سے بھی کچھ آگے بڑھیں تو عربوں کی قبائلی زندگی کا نمایاں شعار سامنے آتا ہے یعنی وہ یہ جان ہی نہ سکتے تھے کہ مرکزی

حکومت بھی کوئی شئے ہوتی ہے اور اس کی اطاعت واجب ہوتی ہے' اس کا ضابطہ نافذ العمل ہوتا ہے۔ مزید آگے چلیں تو قبائل کی ذہنی مشکل مزید واضح ہوتی ہے۔ وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ محمد بن عبداللہ قریشی جو ایک خدا کو مانتے تھے اور خود کو اس خدا کا رسول کہتے تھے' فاتح کی صورت میں جلوہ گر ہوئے اور ان لوگوں میں اپنی حکومت نافذ کر دی۔ وہ فوت ہو گئے' لہٰذا جو کچھ ان کے ساتھ طے پایا تھا وہ خود بخود ختم ہو گیا۔ اہل قبائل کی سمجھ ہی میں یہ بات نہ آئی کہ ان کا واسطہ ایک شخص سے نہیں پڑا تھا' لہٰذا ان کے کئے ہوئے عہد و پیمان بھی ایک شخص کے ساتھ نہ تھے بلکہ ایک مستقل ادارے کے ساتھ کئے جانے والے پیمان تھے۔ یہ پیمان اسلامی خلافت کے ہر سربراہ کے ساتھ عمل میں آئے تھے۔ صحرانشینوں کی سمجھ میں یہ مسئلہ کیونکر آتا مثلاً شاعر حطیہ کہتا ہے۔

اَطَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا كَانَ بَيْنَنَا

فَيَا لِعِبَادِ اللّٰهِ بِلَاَبِي بَكْرٍ

(ہم نے رسول خدا ﷺ کی اطاعت کی جب تک وہ ہم میں رہے یا اس ضمن میں کہ جو کچھ ہمارے مابین طے پایا تھا' اب اے بندگان خدا ذرا یہ تو بتاؤ کہ ابوبکر کا کیا حق بنتا ہے)

بدو عرب اپنی روایات میں ڈوبا ہوا اور مخصوص قبائلی ذہنیت کا پروردہ سمجھے تو کیونکر سمجھے کہ جو عہد و پیمان محمد مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ طے پایا' اس کے وارث ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے یہ دیکھا تھا کہ رسول مبعوث ہونے کا دعویٰ کر کے قبیلہ قریش کے ایک فرد نے کتنی بڑی قوت حاصل کر لی کیوں نہ ہم بھی کہیں کہ ہم پر بھی وحی نازل ہوتی ہے اور ہم بھی پیغمبر ہیں۔ جب ہمارے قبیلے کا اپنا پیغمبر ہو گا تو قریش کے پیغمبر کی اطاعت کیونکر لازم رہے گی' لہٰذا ہر عہد و پیمان سے جان چھوٹ جائے گی' خصوصاً عشر و زکوٰۃ وغیرہ کے نام پر لئے جانے والا مال بچ رہے گا۔ اب ادھر حضور ختم

المرسلین ﷺ کا وصال ہوا اور ادھر قبائل نے سر اٹھا لیا۔ حجاز کے سوا ہر طرف سے بغاوت وارتداد کی خبریں آنے لگیں۔ ایسے عالم میں عمیق بصیرت کے ساتھ شدید عزیمت وثبات کی ضرورت تھی۔ واضح رہے کہ اکثر باغی قبائلی کو زکوٰۃ پر اعتراض تھا۔ اگر کچھ دیر کے لئے انہیں اس بارے میں رعایت دے دی جاتی تو باغیوں کے بہت بڑے حصے کو رام کیا جا سکتا تھا اور پھر دیگر ان قبائل سے نمٹا جا سکتا تھا جو سرے سے مرتد ہو گئے تھے یا جن کے یہاں مقامی نبی ''مبعوث'' ہو پڑے تھے۔

خزانہ تقریباً خالی تھا' حضور احمد مجتبیٰ ﷺ کا ہمہ جہتی سہارا چھن چکا تھا' ہر جگہ بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی' خود مدینہ باغیوں میں گھر کر رہ گیا تھا کیوں کہ گردونواح کے قبائل بھی اسی روش پر گامزن تھے جس پر دوسرے تھے۔ عین اس عالم میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہی رویہ اختیار کیا جو صلح حدیبیہ کے موقع پر کیا تھا۔ یعنی یہ حضور رسالت مآب ﷺ کا ارشاد ہے لہٰذا واجب التعمیل ہے اور اسی میں خیر ہے' میری مراد ہے حضرت اسامہ بن زید کی مہم سے کئی سو کے لگ بھگ آزمودہ کار مجاہد اس لشکر میں شامل تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بیعت کے بعد اولین چند فیصلے جو کئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اس جیش کو روانہ ہونے کا حکم دے دیا۔ اکابر اصحاب نے مشورہ دیا کہ حالات کا تقاضا کچھ اور ہے۔

مدینہ دشمنوں میں گھرا ہوا ہے' ہر جانب سے حملے کا خطرہ ہے اور آپ مدینے کی قوت کا ایک قابل لحاظ حصہ مدینے سے باہر روانہ کر رہے ہیں' لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہی' صدیق اکبر جو ثانی اثنین تھے' ایک نہ مانی۔ جواب یہ تھا کہ جس مہم کی تیاری محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمائی اور جس جیش کو حضور ﷺ نے ایک خاص مہم کو سر کرنے کے لئے مرتب کیا تھا اس کو میں کیونکر روک سکتا ہوں؟

علامہ اقبال نے بجا ہی تو کہا ہے۔

تمہیں بتاؤں مسلماں کی زندگی کیا ہے؟
یہ ہے نہایت اندیشہ و کمالِ جنوں!

مسلمان کمال دانش کا بھی مظہر ہوتا ہے اور بوقت ضرورت اس عشق کا بھی اظہار کرتا ہے جو دانش کی رسائی سے ماورا ہوتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس عمل نے اپنے امثال واقران کی بھی پرورش عشق وجنون سے فرمائی اور آئندہ نسلوں کے لئے بھی یہ دائی ہدایت چھوڑ گئے کہ رسول خدا ﷺ کے کسی بھی واضح حکم کی تعمیل میں کمزور پڑنا ایقان کا نشان نہیں ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس مہم کے ضمن میں لشکر کی مشایعت بھی کی۔ یعنی اس لشکر کی معیت میں راہ جہاد پر گامزن بھی ہوئے۔ آپ نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی لگام خود تھام رکھی تھی۔ اس سے اہل جیش پر یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ ان کا امیر خواہ ایک آزاد کردہ غلام ہی کا فرزند کیوں نہ ہو مگر اس کے گھوڑے کی لگام خلیفۃ الرسول ﷺ نے تھام رکھی ہے۔ لہٰذا لشکر میں خواہ کوئی کتنا ہی بڑا اور عالی نسب سردار کیوں شامل نہ ہو اس کو اطاعت امیر پورے خلوص واعتماد کے ساتھ کرنا ہوگی۔ اس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نظم وضبط کا دائمی درس دیا اور اطاعت امیر کی گراں بہا تعلیم دی۔ ہاں اس ضمن میں ایک بات اور یاد آتی ہے وہ یہ کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اگر ممکن ہو تو چھوڑ جائیں اس لئے کہ مجھے بہت سے معاملات میں ان کے مشورے کی ضرورت ہوگی۔ دیکھا آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفۃ الرسول ﷺ تھے اس کے باوصف حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے جیش میں شامل حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو براہ راست کوئی حکم نہیں دیا بلکہ ان کے قائد سے التجا کی۔ یہ امر ڈسپلن اور نظم وضبط کی پاسداری اور حاکم متعلق کی ذمہ داری ہے۔ قانون کی سربلندی کی یہ کتنی اعلیٰ مثال

ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس مومنانہ فیصلے نے کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی مہم کو التوا میں نہیں ڈالا جا سکتا قبائل عرب پر بھی اور رومیوں پر بھی بھرپور اثر ڈالا وہ لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گئے کہ مرکزی قوت اسلام بہرحال قائم اور استوار ہے' اگر اس میں ضعف در آیا ہوتا تو مدینے سے یہ جیش ہرگز نہ روانہ ہوتا۔

اتباعِ احکامِ رسول مقبول ﷺ میں کفار کی حوصلہ شکنی کا کس قدر سرمایہ موجود ہے۔

تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ قائم ہے کہ پورے عرب میں ارتداد کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا' خود مدینہ ایک طرح سے گھیرے میں آ گیا۔ اگر اس وقت زکوٰۃ کے باب میں نرمی اختیار کر لی جاتی تو بظاہر فوری خطرہ بڑی حد تک ٹل سکتا تھا اور قدرے آرام کے ساتھ انتظامی امور کی جانب توجہ دی جا سکتی تھی۔

اس بارے میں اکثر اصحاب نے یہی رائے دی کہ فی الوقت زکوٰۃ سے متعلق سختی نہ ہی کی جائے تو بہتر ہے۔ ان مشیروں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری اصحاب بھی شامل تھے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک ہی بات کہی کہ میں زکوٰۃ کو صلوٰۃ سے کیونکر جدا کر دوں۔ خُدا کی قسم! اگر ان لوگوں نے ان اموال میں سے جو وہ رسول خُدا ﷺ کے دور میں ادا کرتے تھے ایک رسی عقال بھی کم دی تو میں جہاد کروں گا' خواہ مجھے اکیلے ہی لڑنا پڑے۔ ساتھ ہی انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سمیت اصحاب کو سرزنش بھی کر دی کہ عہد جاہلیت میں وہ تندی اور اب عہد اسلام میں یہ نرمی' اور پھر یہ کہ میں زندہ وسلامت یہ دیکھوں؟ میں اپنے جیتے جی دین کے ضمن میں کوئی کمی اور کوتاہی برداشت نہ کروں گا۔

اس عزم صمیم کو دیکھ کر دیگر اصحاب نے بھی کمر ہمت باندھی۔ بیرون مدینہ سے تقریباً ہر امیر حاکم کا قاصد پوری سرعت کے ساتھ مدینہ پہنچا تھا اور اپنے نواح کی اضطراب انگیز خبر سنائی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قاصدوں کو ان کے علاقوں

کی جانب لوٹا دیا استقامت کی تلقین کے ساتھ اور خود مدینہ طیبہ کے دفاع کی جانب متوجہ ہوئے۔ اہم مقامات پر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور اسی طرح دیگر جنگجو اور صاحب تجربہ اصحاب رسول اللہ ﷺ کو مقرر فرمایا مسجد نبوی ﷺ کی حیثیت ایک فوجی مستقر کی بن گئی تھی جہاں ہر دم مسلح اہل ایمان حکم کے منتظر موجود رہتے تھے۔

جلد ہی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا جیش مظفر و منصور واپس آ گیا' اس سے اہل مدینہ کے حوصلوں میں مزید وسعت پیدا ہوئی۔ اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مختلف مہمیں روانہ کرنا شروع کیں۔ ان مہموں میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وہ لڑائیاں بطور خاص تاریخ اسلام کا روشن باب ہیں جن میں کذّاب نبی کیفر کردار کو پہنچے۔ یمامہ کا معرکہ ان سب معرکوں میں اس لیے ممتاز ہے کہ اس معرکے میں کئی درجن حفاظ قرآن نے جام شہادت نوش فرمایا اور اس واقعہ نے قرآن کو نسخے کی صورت قلم بند کرنے کی طرف خلیفۃ الرسول متوجہ کیا۔ قرآن لکھا ہوا موجود تھا مگر مختلف چیزوں پر تھا اور وہ بکھری ہوئی تھیں۔ ترتیب وہی تھی جس میں آج قرآن مجید موجود ہے۔ بہت سی تعداد اصحاب کبار میں موجود تھی جنہوں نے قرآن کریم حفظ کر رکھا تھا۔

یہ تو نہیں ہوسکتا کہ کسی حافظ نے کسی ترتیب میں اور کسی نے کسی ترتیب میں یاد کیا ہو' ترتیب تو خود حضور اکرم ﷺ مقرر فرماتے تھے۔ وحی آتی تو ارشاد ہوتا کہ اس کو فلاں سورۃ کے بعد درج کریں۔ اسی ترتیب سے یہ نسخہ قلم بند ہوا۔

شانِ صدیق رضی اللہ عنہ

صحیح بخاری میں ایک آیت کے تحت بروایت ابو درداء رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان کسی بات میں اختلاف ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر چلے گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ان کو منانے کے لئے

چلے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ مانے۔ یہاں تک کہ اپنے گھر میں پہنچ کر دروازہ بند کر لیا۔ مجبوراً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ واپس ہوئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ادھر کچھ دیر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی اور یہ بھی گھر سے نکل کر حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور اپنا واقعہ عرض کیا۔

حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس پر رسول اللہ ﷺ ناراض ہو گئے۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر عتاب ہونے لگا ہے تو عرض کیا ''یارسول اللہ زیادہ قصور میرا ہی تھا''۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''عمر رضی اللہ عنہ کیا تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ میرے ایک ساتھی کو اپنی ایذاؤں سے چھوڑ دو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جب میں نے حکم ربانی کے مطابق یہ کہا۔

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ جَمِيْعاً۔

تو تم سب نے مجھے جھٹلایا' صرف ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے جنہوں نے پہلی بار میری تصدیق کی۔

ایک بار رسول اللہ ﷺ نے مال مانگا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو گھر میں تلاش کے باوجود کچھ نہ ملا۔ شب بھر اضطراب اور بے چینی کی حالت میں کروٹ بدلتے رہے۔ صبح سویرے اٹھ کر بازار جا کر اپنی زیب تن پوشاک فروخت کر دی اور ٹاٹ کی پوشاک جس میں بٹنوں کے بجائے کانٹے لگے ہوئے تھے پہن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دوسری طرف حضرت جبریل امین حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں۔ ''یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ عظیم جذبۂ قربانی اس قدر محبوب ہوا کہ آج سب ملائکہ نے یہی پوشاک پہن رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر پر سلام بھیجا ہے اور پوچھتے ہیں کہ کیا ابوبکر اس حال میں مجھ سے راضی ہے''۔ اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی چشمانِ اقدس آنسوؤں سے بھر آئیں اور عرض گزار ہوئے۔

"یارسول اللہ! جبریل امین سے فرمادیں کہ میں راضی ہوں"۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عمر بھر کبھی حرام اور مشتبہ لقمہ حلق سے نیچے نہیں اتارا۔ حلال کی روکھی سوکھی کو پر تکلف کھانوں سے بدرجہا بہتر سمجھا۔ ایک بار آپ کے غلام نے کھانے کی کوئی شئے پیش کی۔ تناول فرما لینے کے بعد غلام نے بتایا کہ یہ شئے فال کھولنے کے عوض ملی تھی۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت منہ میں انگلی ڈال کر قے کردی۔ آپ اکثر فرماتے تھے کہ جس بدن نے حرام کھانے سے پرورش پائی' دوزخ اس کا اعلیٰ ترین مسکن ہے۔ حق تو یہ ہے کہ

بڑا اونچا ہے دیکھا مرتبہ صدیقِ اکبر کا
نبی صدیقِ اکبر کا' خُدا صدیقِ اکبر کا

آزمائشیں اور ایمانی سرفرازی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چونکہ اپنی تمام دولت اسلام پر نثار کردی تھی' اس لئے عسرت و ناداری کے باعث بارہا دو دو' تین تین وقت فاقے سے گزر جاتے تھے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ نے ان کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسجد میں بھوک سے بے قرار دیکھا۔ فرمایا: میں بھی تمہاری طرح سخت بھوکا ہوں۔ حضرت ابوالہیثم انصاری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے گھر پر کھانے کی دعوت دی۔

تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی۔ فرماتے ہیں۔ میں قریش میں سب سے بڑا اور متمول تاجر تھا۔ عہد اسلام میں بھی یہی مشغلہ جاری رہا اور مال تجارت لے کر دور دراز ممالک کا سفر اختیار فرمایا۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے ایک سال پہلے تجارت کے خیال سے بصریٰ تشریف لے گئے تھے۔

خلافت کا بار جب سر پر آیا تو قدرۃً ان کا تمام وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود

کیلئے وقف ہوگیا۔ اس بناء پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشورہ کر کے روزانہ آدمی بکری کا گوشت اوران کے اوران کے اہل وعیال کے کپڑے اور کھانا مقرر کردیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو منظور کر کے فرمایا: قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرا اہل وعیال کی حاجت روائی سے قاصر نہ تھا' لیکن اب جبکہ مسلمانوں کے کام میں مشغول ہوں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خاندان حسب ضرورت ان کے مال سے کھائے گا اوران کا کام کرے گا۔

ابن سعد نے وظیفہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ ان کو دو چادریں ملتی تھیں۔ جب وہ پرانی ہو جاتی تھیں تو انہیں واپس کر کے دوسری لے لیتے تھے' سفر کے موقع پر سواری اور خلافت سے پہلے جو خرچ تھا' اسی کے موافق اپنے اور اپنے متعلقین کیلئے خرچ لیتے تھے۔

ایک روز ان کی بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی' جواب دیا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا: اجازت ہو تو میں خرچ روزمرہ میں سے کچھ دام بچا کر جمع کرلوں؟ فرمایا کرلو۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع ہو گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیئے کہ شیرینی لا دیں پیسے لے کر کہا' معلوم ہوتا کہ یہ خرچ ضرورت سے زیادہ ہیں لہٰذا بیت المال کا حق ہے۔ چنانچہ وہ پیسے خزانہ میں جمع کروا دیئے اوراسی قدر اپنا وظیفہ کم کردیا۔

خودداری

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اونٹنی پر سوار ہوتے تھے اور ہاتھ سے مہار گر جاتی تھی تو اونٹنی کو بٹھا کر خود اپنے ہاتھ سے اس کو اٹھاتے۔ لوگ کہتے کہ آپ نے ہم سے کیوں نہیں کہا' ہم اٹھا دیتے۔'' فرماتے: میرے حبیب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کسی سے کچھ نہ مانگ''۔ ایک بار آپ نے فرمایا: جو شخص یہ ضمانت دے کہ کسی سے سوال نہ کرے گا میں اس کیلئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں''۔ آپ کے مولا ثوبان بولے'' میں

یہ ضمانت دیتا ہوں"۔ چنانچہ اس کے بعد وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے۔

ایک بار حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا۔ آپ نے ان کا سوال پورا کیا۔ پھر مانگا' پھر دیا۔ پھر مانگا' پھر عنایت فرمایا' لیکن اس کے ساتھ یہ نصیحت فرمائی: اے حکیم! مال نہایت شیریں اور خوش رنگ چیز ہے' جو شخص اس کو فیاض دل کے ساتھ لیتا ہے اس کو برکت نصیب ہوتی ہے اور جو شخص اس کو حرص و طمع کے ساتھ حاصل کرتا ہے اس کو برکت نصیب نہیں ہوتی۔ وہ مثل اس آدمی کے ہوتا ہے جو کھاتا تو ہے' لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اوپر والا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہر حال بہتر ہے"۔ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے اسی وقت عہد کر لیا کہ اب تادم مرگ کسی سے کچھ نہ مانگوں گا اور اس عہد کو اس شدت کے ساتھ پورا کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو عطیہ دینے کیلئے طلب فرماتے تھے اور وہ انکار کر دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو عطیہ دینا چاہا مگر انہوں نے رد کر دیا۔ بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مسلمانو! گواہ رہنا میں حکیم کو ان کا حق دیتا ہوں اور وہ قبول نہیں کرتے"۔

انفاق فی سبیل اللہ

مال و دولت اگر صحیح مصرف اور مناسب موقع پر صرف ہو تو اس کی قدر و قیمت غیر متناہی ہو جاتی ہے۔ روٹی کا ایک خشک ٹکڑا شدتِ گرسنگی میں خوانِ نعمت ہے' لیکن آسودگی میں الوانِ نعمت بھی بے حقیقت شے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اپنے جان و مال سے رسول اللہ ﷺ کی اعانت کی ہے' ان کو قرآن کریم نے مخصوص عظمت و فضیلت کا مستحق قرار دیا ہے۔ "تم میں وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خدا کی راہ میں خرچ کیا اور لڑے وہ (دوسرے مسلمانوں کے) برابر نہیں ہو سکتے' بلکہ یہ ان لوگوں سے درجہ میں بڑے ہیں' جنہوں نے بعد فتح مکہ خرچ کیا اور

لڑے"۔ (سورۃ حدید رکوع ۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس قبول اسلام کے وقت چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے' انہوں نے یہ تمام دولت راہ خُدا میں صرف کر دی۔ آنحضرت ﷺ نے بارہا اس فیاضی کے برمحل ہونے کا اعتراف فرمایا: "ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال سے زیادہ کوئی مال میرے لئے مفید نہ ہوا"۔

اس فیاضی کے ساتھ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ جب بطور تشکر و امتنان فرماتے: "جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی کا احسان نہیں"۔ تو آبدیدہ ہو کر عرض کرتے۔ "یارسول اللہ ﷺ! جان و مال سب حضور ہی کے لئے ہے"۔

آغاز اسلام میں جن لوگوں نے داعی توحید (ﷺ) کی آواز پر لبیک کہا تھا' ان میں ایک بڑی تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی' جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجۂ ستم میں گرفتار تھی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اکثر غلاموں کو آزاد کرایا۔

صدقات میں اخفاء و اظہار دونوں جائز ہے' لیکن اظہار میں ریا و تفاخر کا امکان ہے۔ اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدقات میں اخفاء کا خاص لحاظ رکھتے تھے اور ہمیشہ اس کا خیال رہتا تھا کہ ان کی تمام دولت خُدا کی امانت و ودیعت ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ نہایت مخفی طور پر صدقہ لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یارسول اللہ ﷺ! اس کے علاوہ خُدا کی اور امانت بھی میرے پاس ہے"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فیاضی کا سلسلہ آخری لمحۂ حیات تک جاری رہا' یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ نے فقراء و مساکین کو فراموش نہ کیا اور اپنے مال میں ان کے لئے ایک خمس کی وصیت فرمادی۔

حیاء

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے' مگر ورع و تقویٰ اور نیکی و پاک بازی ان کی سیرت کے نمایاں عنصر تھے۔ زمانۂ جاہلیت کا واقعہ ہے کہ ایک شخص ان کو کسی نامعلوم رستے سے لے چلا اور فخر کے طور پر کہا: "یہ وہ راستہ ہے جس میں ایسے بدمعاش اور آوارہ منش لوگ رہتے ہیں کہ اس طرف سے گزرنے میں بھی حیا دامن گیر ہوتی ہے"۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سنا تو وہیں رک گئے اور کہا: "میں ایسے شرم ناک راستے سے نہیں جا سکتا"۔

رقتِ قلب

امام زہری کا قول ہے "آواز دردناک تھی' بات بہت کم کرتے تھے' جو کہتے سنجیدہ کہتے' انداز کلام ذوق و محویت کی شان لئے ہوئے تھا' قلب نہایت رقیق و نرم تھا۔ انتہائی باوقار' حلیم و شجاع تھے۔ رائے نہایت سدید و صائب تھی۔ اس کا جوہر وہ نور ایمانی تھا جس کا نام اصطلاح شریعت میں فراست مومن ہے"۔

شاہ ولی اللہ "ازالۃ الخفاء" میں لکھتے ہیں: "حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ علم کتاب و سنت میں دیگر علمائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح تھے۔ جس صفت میں سب سے ممتاز تھے' وہ یہ تھی کہ جب کوئی مشکل مسئلہ یا مشورہ پیش آتا' وہ اپنی فراست کو اس پر غور کرنے میں صرف کرتے۔ خدا تعالیٰ غیب سے ایک شعاع ان کے دل پر ڈالتا' جس سے حقیقت حال روشن ہو جاتی۔ اس شعاع کا ظہور لطیفۂ قلبیہ سے ہوتا' لہٰذا حقیقت حال بصورت عزیمت ظاہر ہوتی نہ برنگ تخیل"۔

قرآن جب پڑھتے تو آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی اور اس طرح بلک بلک کر روتے تھے کہ جو لوگ اس وقت موجود ہوتے ان کا جی بھر آتا اور رونے لگتے

تھے۔ ۱۲ھ میں جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ میں حضرت عکرمہ بن ابی جہل اور کچھ دوسرے لوگ آنحضرت ﷺ کی تعزیت کے لئے آپ کے پاس آئے تو آپ کا حال یہ تھا کہ یہ حضرات تعزیت کرتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ روتے جاتے تھے۔ بات بات پر آہ سرد کھینچنے کی وجہ سے آپ کا لقب ہی اَوَّاہٌ مُنیب ہو گیا تھا۔

فراست ایمانی

کسی معاملہ یا قضیہ کا صحیح فیصلہ کرنے کے لئے بیرونی شہادتوں کے علاوہ خود قاضی کی اپنی ذہانت اور فراست کی بھی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ مومن کی فراست کے بارے میں حدیث بھی ہے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے' چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ قوی الایمان تھے' اس لئے ان کے نور فراست کا یہ عالم تھا کہ مرض وفات میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''بیٹی! میں نے تم کو جو جائداد دی ہے' میرے بعد تم کتاب اللہ کے قانون کے مطابق اس کو بھائیوں اور بہنوں میں تقسیم کر لینا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں۔ ابا جان! میری بہن تو ایک ہی یعنی اسماء ہیں۔ پھر آپ نے ''بہنوں'' کیسے فرمایا؟ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیوی حبیبہ بنت خارجہ امید سے تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا: اراھا جاریۃً میرا خیال ہے کہ بچی پیدا ہوگی' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اسلامی زندگی میں قانون' نسل اور قبیلہ کی کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور نہ فخر و غرور اور تکبر کے لئے اس میں گنجائش ہے۔ عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں ایک فوجی مہم درپیش تھی۔ اس غرض کے لئے مقام جرف میں فوجیں جمع ہوئیں۔ امیر المومنین فوجوں کا معائنہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔

ایک جگہ بنی فزارہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر وہ

تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو دعا دی اور مرحبا کہا۔ ان کے سرداروں نے کہا: ''اے خلیفۃ الرسول! ہم گھوڑوں پر خوب چڑھتے ہیں' اس لئے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں' بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کر دیجئے''۔ خلیفۃ الرسول نے فرمایا: ''خدا تمہاری ہمت اور تمہارے ارادوں میں برکت دے مگر بڑا جھنڈا تمہیں نہیں مل سکتا' کیونکہ وہ بنو عبس کو دیا جا چکا ہے''۔

یہ سن کر ایک فزاری کو جوش آ گیا۔ اس نے کہا: ''ہم بنی فزارہ بنو عبس سے اچھے ہیں' جھنڈا ہمیں ملنا چاہیے''۔ ''خاموش رہو' تم سے ہر عبسی اچھا ہے''۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا۔ بنو عبس نے سنا تو وہ بھی قومی عصبیت میں کچھ کہنا چاہتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی ملامت کر کے خاموش کر دیا اور قومی عصبیت اور نسلی غرور میں مبتلا ہونے سے روک دیا۔

احتسابِ نفس

جو کچھ کرتے تھے ایک نقاد کی حیثیت سے خود ہی اس کا جائزہ بھی لیتے رہے۔ چنانچہ مرض الوفات میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے بولے۔ مجھ کو کسی بات کا غم نہیں ہے' البتہ تین کام ایسے ہیں' جو میں نے کئے ہیں' اے کاش کہ نہ کئے ہوتے۔ تین کام ایسے ہیں جو میں نے نہیں کئے اے کاش کہ میں نے کئے ہوتے' اور تین باتیں ایسی ہیں کہ اے کاش وہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھی ہوتیں۔ پہلی تین باتوں میں سے ابو عبید نے ایک کا ذکر نہیں کیا' باقی دو باتوں کے متعلق فرمایا: ''میری تمنا ہے کہ سقیفہ بنو ساعدہ کے روز میں نے عمر رضی اللہ عنہ یا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح کو خلیفہ بنایا ہوتا اور میں ان کا وزیر ہوتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب میں نے خالد رضی اللہ عنہ بن الولید کو مرتدین سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا تھا تو میں خود ذوالقصہ میں قیام کرتا۔ دوسری قسم

کی تین باتیں یہ ہیں کہ اے کاش اشعث بن قیس جب گرفتار ہو کر آیا تھا تو میں نے اس کی گردن اڑا دی ہوتی۔ الفجاۃ کو میں نے زندہ آگ میں جلوا دیا تھا' اے کاش ایسا نہ کرتا اور قتل کر دیتا یا رہا کر دیتا' اور خالد رضی اللہ عنہ کو جب میں نے شام روانہ کیا تھا تو عمر رضی اللہ عنہ کو میں عراق بھیجتا۔ اس طرح اللہ کی راہ میں میں نے اپنے داہنے اور بائیں دونوں ہاتھ دراز کر دیئے ہوتے۔ رہی وہ تین باتیں جو اے کاش میں نے رسول ﷺ سے دریافت کی ہوتیں تو ان میں سے ایک تو خلافت کا معاملہ ہے۔ دوسری یہ کہ کیا انصار کا اس میں کوئی حصہ ہے۔ تیسری یہ کہ پھوپھی اور بھتیجی کا میراث میں کتنا حصہ ہے''؟

خوفِ خُداوندی

تقویٰ وطہارت اور تمام دوسری نیکیوں کی جڑ خوف خُدا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر خوف خُدا کا اس درجہ غلبہ تھا کہ ایک مرتبہ ایک چڑیا کو درخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس کو خطاب کر کے کہنے لگے۔ واہ واہ! اے چڑیا تو کتنی خوش نصیب ہے۔ اے کاش میں بھی تیرے جیسا ہوتا' تو درخت پر بیٹھتی ہے' پھل کھاتی ہے' اور پھر اڑ جاتی ہے' تجھ سے نہ کوئی حساب ہے اور نہ کتاب۔ آہ اے کاش میں ایک سر رہگزر عام ایک درخت ہوتا۔ اونٹ وہاں سے گزرتا' مجھ کو پکڑتا' اپنا منہ مجھ میں مارتا' مجھ کو چباتا اور اس طرح میری تحقیر کرتا اور پھر مینگنی کی شکل میں مجھ کو خارج کر دیتا۔ یہ سب کچھ ہوتا مگر میں بشر نہ ہوتا''۔

اس خوف خُدا کا یہ اثر تھا کہ اگر کبھی کوئی معمولی بھول چوک بھی ہو جاتی تھی تو بعد میں سخت ندامت اور پشیمانی ہوتی تھی اور جب تک وہ اس کی تلافی نہیں کر لیتے تھے انہیں چین نہیں آتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ربیعہ بن کعب الاسلمی میں زمین کے ایک ٹکڑے کے بارے میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ حضرت حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے غصہ میں کوئی سخت بات کہہ دی۔ بعد میں ان کو خود احساس ہوا تو ربیعہ سے بولے "تم بھی مجھ کو ایسی ہی سخت بات کہہ کر مجھ سے بدلہ لے لو"۔ لیکن ربیعہ نے انکار کیا۔ آخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بولے اگر تم مجھ سے اپنا بدلہ نہیں لو گے تو میں رسول اللہ ﷺ سے جا کر تمہاری شکایت کروں گا۔ ربیعہ نے کہا: میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا اور مزید برآں یہ کیا کہ زمین جو بس کی گانٹھ تھی' اس سے ہی دست برداری دے دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ مانے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چل پڑے۔ آگے آگے خود تھے' پیچھے ربیعہ آ رہے تھے۔ ربیعہ کے قبیلے والوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی ربیعہ کی حمایت کے لئے اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے۔ کیا خوب! ایک تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تم کو ایسی ناسزا بات کہہ دی اور پھر الٹے وہی رسول اللہ ﷺ سے شکایت کرنے جا رہے ہیں۔ ربیعہ نے کہا چپ رہو' تم جانتے نہیں یہ کون ہیں؟ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ' رسول اللہ ﷺ کے رفیق غار ثور ہیں۔

انہوں نے پلٹ کر تم کو دیکھ لیا تو غضب ناک ہو جائیں گے۔ ان کے غضب کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو غصہ آئے گا اور ان دونوں کے غصہ کی وجہ سے اللہ غضب ناک ہو جائے گا اور نتیجہ یہ ہو گا کہ ربیعہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ سب لوگ واپس ہو گئے۔ اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہو کر پورا ماجرا سنایا۔ آنحضرت ﷺ نے جب حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہا کا بیان بھی سن لیا تو فرمایا: ربیعہ رضی اللہ عنہا! تم نے اچھا کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو وہی بات پلٹ کر نہیں کہی' جو انہوں نے تم سے کہی تھی۔ لیکن ہاں' اب یہ کہو کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! اللہ آپ کی غلطی معاف کرے۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہا نے تعمیل ارشاد کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور اسی حالت میں واپس ہو گئے۔

ایک مرتبہ اپنے کسی غلام سے کسی بات پر خفا ہو کر لعن طعن کر دیا۔ آنحضرت

ﷺ اس وقت موجود تھے' دو یا تین بار فرمایا: ''اے ابوبکر! صدیقین اور لعانین دونوں ہرگز ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی بطور کفارہ چند غلام آزاد کر دیئے اور عرض کیا: ''اب میں کبھی ایسا نہیں کروں گا''۔

چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بر بنائے بشریت زبان سے کبھی کبھی اس طرح کی لغزش ہو جاتی تو آپ اس پر نادم ہوتے تھے' چنانچہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے تو دیکھا کہ اپنی زبان پکڑ کر کھینچ رہے ہیں' بولے ''خدا آپ کو معاف کرے ایسا نہ کیجئے''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ''اسی زبان نے تو مجھ کو تباہ کیا ہے''۔

زہد وورع

خوف خدا اور تقویٰ وطہارت کی وجہ سے انسان کے دل پر دنیا کی بے ثباتی کا نقش جم جاتا ہے اور لازمی طور پر زہد وورع کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہی دنیا نے اپنا سر مسلمانوں کے قدموں پر جھکا دینا شروع کر دیا تھا' لیکن آپ کے زہد وورع کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے پینے کے لئے پانی مانگا' لوگوں نے پانی اور شہد ملا کر پیش کیا۔ آپ نے پیالہ منہ سے لگا کر ہٹا لیا اور رونے لگے۔ جو لوگ پاس بیٹھے تھے' ان پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ وہ بھی رونے لگے۔ آپ تھوڑی دیر کے لئے چپ ہو گئے' پھر رونا شروع کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا: ''میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا' میں نے دیکھا کہ آپ کسی کو دور دور کہہ رہے ہیں' میں نے پوچھا ''یا رسول اللہ! آپ کس چیز کو دور دور کہہ رہے ہیں' میں تو یہاں کوئی چیز دیکھتا نہیں ہوں'' ارشاد ہوا: ''دنیا میرے سامنے مجسم ہو کر آ گئی تھی' میں نے اس سے کہا کہ میرے سامنے سے ہٹ جا' وہ ہٹ گئی مگر پھر دوبارہ آئی اور کہا کہ آپ

مجھ سے بچ کر نکل جائیں تو نکل جائیں' لیکن آپ کے بعد جو لوگ آئیں گے' وہ بچ کر نہیں جا سکتے۔ یہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس وقت مجھ کو یہی بات یاد آ گئی اور مجھ کو خوف ہوا کہ کہیں مجھ پر دنیا کی محبت تو غالب نہیں آ رہی؟

حضرت رافع بن ابی رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا' ان کے پاس ایک فدکی جامہ تھا' میں اور وہ جب کبھی پڑاؤ ڈالتے تھے تو ہم دونوں اس کو ہی استعمال کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی۔

فر عن الشرف یتبعك الشرف واحرص على الموت توهب لك الحیاة ''بڑائی سے بھاگو تو بڑائی تمہارے پیچھے آئے گی اور موت کی آرزو کرو تو تم کو زندگی بخشی جائے گی''۔

حضرت رافع طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کہا کہ آپ سن رسیّدہ بزرگ ہیں۔ مجھے کچھ وصیت فرمائیں۔ بولے! خُدا تم پر رحمت و برکت نازل فرمائے۔ نمازیں پڑھو' روزے رکھو' زکوٰۃ دو' حج کرو اور سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ کبھی امارت و سیادت نہ قبول کرو' دنیا میں امر کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے' نیز قیامت کے روز اس کا محاسبہ نہایت سخت ہو گا اور فرد عمل زیادہ طویل ہو گی۔

انکسار

ایک مرتبہ مجمع میں بیٹھے تھے۔ ایک شخص نے آ کر کہا! ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یا خلیفة رسول اللّٰه ''سن کر کہا' تمام مجمع میں خصوصیت کے ساتھ مجھ کو سلام کیوں کیا؟ خلافت کے بعد جب اول مرتبہ ادائے عمرہ کے واسطے مکہ گئے تو لوگ ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ سب کو علیحدہ کر دیا اور کہا اپنی اپنی راہ چلو۔ شان تکبر سے ہمیشہ جو

خود کو بچائے رکھا۔ منہ پر کوئی تعریف کرتا تو کہتے: "اے اللہ! تو میرے حال کو مجھ سے زیادہ بہتر جانتا ہے اور تعریف کرنے والوں سے میں اپنا حال بہتر جانتا ہوں۔ جوان کا گمان میری نسبت ہے اس سے اچھا مجھ کو کردے اور میرے وہ گناہ بخش دے جن کو یہ نہیں جانتے اور جو یہ کہتے ہیں اس کا مواخذہ مجھ سے مت کیجیئو"۔

مکہ میں جس فرد نے بھی دعوت اسلام پر لبیک کہی اس نے گویا اپنے لئے زمین تنگ کرلی۔ خاص طور سے جو غلام حلقہ بگوش اسلام ہوتے ان کے ایثار اور صبر و تحمل کی سرگزشت بہت دل گداز ہے۔ رحمت عالم ﷺ کو ان کی دلجوئی اس حد تک منظور تھی کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبان سے بھی ان کے حق میں کبھی کوئی بات ایسی نکل جاتی جوان کیلئے وجہ آزردگی ہوتی تو آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فوراً متنبہ فرمادیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ابوسفیان (قبول اسلام سے قبل) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ اور حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر رہا تھا کہ ان تینوں نے اس کو دیکھ کر کہا: "اللہ کی تلوار نے اس دشمن خدا کی گردن نہیں اڑائی" اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی کہیں پاس ہی تھے۔ یہ سن کر بولے "تم لوگ قریش کے بزرگ کی نسبت ایسا کہتے ہو؟" پھر جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو سرور کائنات ﷺ نے فرمایا۔ "ابوبکر رضی اللہ عنہ! تم نے شاید ان (غلاموں) کو خفا کردیا اگر ایسا ہے تو گویا تم نے خدا کو ناراض کردیا" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر فوراً پلٹے اور ان تینوں سے آکر کہا: "میرے پیارے بھائیو! کیا میں نے تم کو ناراض کردیا؟" انہوں نے جواب دیا "نہیں" ہم خفا نہیں ہیں۔ اے بھائی! اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے"۔

حسن خلق

حسن خلق اسلامی اخلاق کا اصل عنوان ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "میزان قیامت میں حسن خلق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں ہے۔ نیز "فرمایا تم میں سب سے زیادہ بہتر وہی ہے جو اخلاق میں سب سے بہتر ہے" حسن خلق کا مظاہرہ سب سے پہلے ملاقات کے وقت علیک سلیک میں ہوتا ہے۔ اس بارہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ سلام کرنے میں پہل کرتے تھے اور اگر کوئی اس سلام کا جواب بڑھ چڑھ کر دیتا تھا تو آپ اس میں مزید اضافہ کر کے پھر سلام کی تکرار کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک ہی سواری پر بیٹھا ہوا جا رہا تھا کہ راستہ میں کچھ لوگ ملے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا "السلام علیکم" ان لوگوں نے جواب دیا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" اب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" تو ان لوگوں نے کہا "السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" آخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج یہ لوگ ہم سے بازی لے گئے"۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک جھگڑا چکانے کیلئے آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا تو راستہ میں جو لوگ ملتے تھے وہ مجھ کو سلام کرنے میں پہل کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر مجھ سے کہا: "کیا تم نہیں دیکھتے کہ لوگ تم کو سلام کرنے میں پہل کرتے ہیں تو ثواب کے مستحق وہی ہوتے ہیں' تم خود سبقت کرو تا کہ تم کو ثواب ملے"۔

حسن خلق کی دوسری علامت یہ ہے کہ آدمی دوسروں کے درد وغم میں شریک ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کا اس قدر اہتمام کرتے تھے کہ حضرت عبداللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ ایک قریشی تھے۔ غزوہ بدر کے موقع پر کفار کے ساتھ آئے تھے لیکن یہاں توفیق

ایزدی نے دست گیری کی اور مسلمانوں کے ساتھ آ ملے، یہاں تک کہ لڑ کر جام شہادت بھی نوش کیا۔ حج کے موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ان کے والد سہیل بن عمرو سے ملاقات ہوئی تو آپ نے بیٹے کی تعزیت کی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور زنا کا اقرار کیا۔ بولے ''اور کسی سے کہا ہے؟'' کہا نہیں۔ فرمایا: ''خُدا کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اس پر خُدا کا پردہ ڈال دو کیونکہ خُدا بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

لیکن اس شخص کو تسکین نہیں ہوئی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے ''اگر میں چور کو پکڑتا تو میری سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی کہ خُدا اس کے جرم پر پردہ ڈال دے''۔ لیکن جہاں امر بالمعروف کا موقع ہو، وہاں نرمی و ملاطفت کے کوئی معنی نہیں۔ ایسے موقع پر تشدد برتنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی جنازہ کے ساتھ آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں آ نکلے تو کوڑا اٹھا کر فرمایا: ''ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ جنازہ میں تیز رفتاری سے جایا کرتے تھے''۔

شجاعت

شجاعت ایک ایسا وصف ہے، جو عجز و مسکنت اور تواضع و بے نفسی کے ساتھ بہت کم جمع ہوتا ہے لیکن اصلاح جو تزکیۂ نفس کے ذریعہ اخلاق اور عظمت کے اعتدال کا نام ہے اس کی تعلیمات اور آنحضرت ﷺ کے خاص فیض تربیت کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اشداء علی الکفار رحماء بینھم کی تصویر تھے۔ شبنم کی لطافت کے ساتھ سورج کی حرارت اور شیشہ کی نزاکت کے ساتھ پتھر کی سختی رکھتے

تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس وصف خاص میں بھی سب سے نمایاں تھے۔ محمد بن عقیل کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی ابن طالب نے خطبہ دیتے دیتے پوچھا کہ بتاؤ ''دنیا کا سب سے زیادہ بہادر کون ہے''؟ ہم نے کہا ''آپ'' فرمایا: نہیں اس کے بعد ارشاد ہوا اشجع الناس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے' غزوۂ بدر کے موقع پر ہم نے آنحضرت ﷺ کے لئے ایک کیمپ بنا دیا تھا جس میں آپ قیام فرمائیں' پھر ہم نے پوچھا کہ اس کیمپ میں حضور ﷺ کی چوکیداری کی خدمت کون انجام دے گا تو کسی نے پیش قدمی نہیں کی البتہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سبقت فرمائی اور شمشیر بدست آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اس مستعدی اور آمادگی کے ساتھ پہرہ دیتے رہے کہ جہاں کسی نابکار نے ادھر کا رخ کیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اس پر جھپٹ پڑے۔ اسی طرح مکہ میں ایک مرتبہ قریش نے جب رسول اللہ ﷺ کو اپنے نرغہ میں لے کر طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کیں تو اس وقت بھی تنہا یہی ابو بکر تھے جو اس ہجوم میں گھسے چلے گئے' کسی کو دھکا دیا' کسی کے تھپڑ رسید کیا' کسی کو لات ماری اور کسی کو پیٹا اور مارا اور آخر یہ کہتے ہوئے کہ ارے ظالمو! کیا تم اس شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو' جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے' رسول اللہ کو نرغہ میں سے نکال لائے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم یہیں تک کہہ پائے تھے کہ جی بھر آیا اور آنسوؤں کا دریا امنڈ پڑا جس سے ریش مبارک تر بتر ہو گئی۔

نرمی وشفقت

اعلیٰ کمال شجاعت کے ساتھ حلم اور بردباری کا ہونا ضروری ہے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سب وشتم کیا۔ آپ سن کر پی گئے۔ اس شخص نے دوبارہ پھر وہی بدتمیزی کی۔

آپ اس مرتبہ بھی خاموش رہے' لیکن جب تیسری بار اس نے پھر یہی حرکت کی تو آپ نے اس کا جواب دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب سنتے ہی آپ کھڑے ہو گئے' آپ کو رسول اللہ ﷺ کی رضا طلبی کا اتنا خیال تھا کہ معاً خیال آیا کہ آپ کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے۔ عرض کیا: اے رسول اللہ! کیا آپ کو مجھ پر غصہ آ گیا۔ ارشاد ہوا' یہ شخص تم کو جو کچھ کہہ رہا تھا' آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہو کر خود اس کی تکذیب کر رہا تھا' لیکن جب تم نے اس سے بدلہ لے لیا تو بیچ میں شیطان آ دھمکا' پھر میرے لئے مناسب نہ تھا کہ میں وہاں بیٹھا رہوں' جہاں شیطان ہو''۔

حضرت ابوبرزہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ عہد خلافت میں ایک شخص نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے منہ پر برا بھلا کہا۔ اس پر ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی گردن اڑا دینے کی اجازت طلب کی تو آپ نے سختی سے منع کیا اور فرمایا ''رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے کے علاوہ اور کسی کی گردن اڑانا جائز نہیں ہے''۔

مزاح

مزاح یعنی لطیف قسم کا مذاق شگفتہ مزاجی اور جودت طبع کی دلیل ہے۔ خود حضور ﷺ کے مزاح کے متعدد واقعات حدیث و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں' پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ خلیفہ رسول میں یہ وصف نہ ہوتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ مسجد نبوی سے نماز پڑھ کر نکل رہے تھے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ جو اس وقت کم سن تھے' محلہ کے بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے نظر آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جگر گوشۂ رسول کو فرط محبت سے گود میں اٹھا لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جو وہیں تھے' ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

اے وہ جو کہ نبی کے مشابہ ہے اور علی کے مشابہ نہیں' تجھ پر میرا باپ فدا ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو ہنسنے لگے۔

ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں آئے۔ ایک شخص نے اٹھ کر ان کے لئے اپنی جگہ خالی کر دی تو انہوں نے اس کی جگہ بیٹھنے سے انکار کر دیا اور کہا: ''رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے''۔

خانگی زندگی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے۔ خصوصاً ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ نواح مدینہ میں اپنی ایک جاگیر ان کو ہبہ کر دی تھی' لیکن وفات کے وقت خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی' اس لئے ان کو بلا کر فرمایا ''جان پدر! افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے محبوب رہی ہو لیکن جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے' اس میں تم اپنے دوسرے بھائی بہنوں کو شریک کر لو'۔ انہوں نے وفات کے بعد حسب وصیت جاگیر تقسیم کر دی۔

مخلوق کے حقوق کی پاسداری

حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کا بھی اس درجہ خیال رکھتے تھے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا: آج تم میں سے روزہ دار کون ہے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے: میں یا رسول اللہ ﷺ! پھر پوچھا: تم میں سے آج کس نے نماز جنازہ کی مشایعت کی ہے؟ تم میں سے کسی نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟ کسی نے مریض کی عیادت کی ہے؟ جس شخص نے ان سب سوالات کا جواب اثبات میں دیا' وہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات تھی۔ آنحضرت ﷺ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا: ''جس نے ایک دن میں اتنی نیکیاں کی ہیں' وہ یقیناً جنت میں جائے گا''۔

خلق اللہ کی نفع رسانی اور خدمت گذاری میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا۔ اکثر محلہ والوں کا کام کر دیتے' بیماروں کی تیمارداری فرماتے اور اپنے ہاتھ سے ضعیف و ناتواں اشخاص کی خدمت انجام دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔

مدینہ کے اطراف میں ایک نابینا اور ضعیف عورت رہتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ علی الصباح جا کر اس کی ضروری خدمات سرانجام دیتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے آ کر اس ضعیفہ کے کام کر جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حیران تھے کہ وہ کون شخص ہوسکتا ہے۔ ایک دن تحقیق حال کے لئے یہ چھپ کر بیٹھ رہے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آ کر اس کے کام کر جاتے ہیں۔ خلافت اور اس کی ذمہ داریاں بھی آپ کو اس کام سے نہ روک سکیں۔ ان کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پکار اٹھے۔ ''اے خلیفہ رسول آپ ہی ہیں' میری جان کی قسم آپ ہی ہیں''۔

معمولات کی پابندی

خلافت سے پہلے سخ میں رہتے تھے۔ وہیں ان کی بی بی حضرت حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ کی سکونت تھی۔ ایک کمبل کا حجرہ (چھوٹا خیمہ) تھا۔ مکان کی بساط صرف اس قدر تھی۔ چھ مہینے تک زمانہ خلافت میں بھی اسی میں قیام رہا۔ جس روز وہاں جانے کی باری ہوتی' جاتے' اکثر پیدل' کبھی اپنے ذاتی گھوڑے پر۔ عشاء کے بعد جاتے' صبح کو لوٹ آتے۔ خلافت سے پہلے محلہ کی لڑکیاں ان کے پاس بکریاں لاتیں اور دودھ دوہ دیتے تھے۔ جب خلیفہ ہو کر محلے میں گئے تو لڑکیوں نے دیکھ کر کہا: اب کیا دودھ نہیں دوہیں گے؟ یہ سن کر کہا: ضرور دوھوں گا۔ مجھ کو خدا کی ذات سے امید ہے کہ اس منصب سے میری کسی عادت میں فرق نہیں آئے گا۔ چنانچہ جب محلے میں آتے تو دریافت کرتے دودھ دوہ دوں یا بکریاں چرا لاؤں؟ جیسے لڑکیاں کہتیں اس کے

مطابق تعمیل کرتے۔ خود ان کی بکریاں بھی تھیں، کبھی کبھی ان کو بھی لے جا کر چراتے۔ شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب محلہ میں نکلتے تو بچے بابا بابا کہہ کر دوڑتے اور آ کر لپٹ جاتے۔ جمعہ کے دن صبح کو سُنح میں ٹھہرتے، سر اور داڑھی میں سرخ خضاب لگاتے، غسل کرتے، کپڑے بدل کر مدینہ آتے اور نماز جمعہ پڑھاتے۔ چھ مہینے کے بعد سُنح کی سکونت ترک کر کے مدینہ کے مکان میں متصل مسجد نبوی سکونت اختیار کی۔

سرمایۂ یقین ہے الفت رسول اللہ کی

ان اوصاف و کمالات کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ کا اصل سرمایۂ فخر و نازش وہ عشق تھا جو آپ کو محبوب رب العالمین کی ذات ستودہ صفات کے ساتھ تھا اور جو درد بن کر رگ رگ میں جان کے عوض ہر وقت جاری و ساری رہتا تھا۔ یہ عشق ہی در حقیقت وہ سرچشمہ تھا، جس سے دوسرے کمالات پیدا ہوئے تھے۔ جب تک رسالت و نبوت کا آفتاب جہاں تاب اس عالم ناسوت میں ضوفگن رہا، اس سے ایک دن کے لئے بھی جدا نہیں ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مکہ میں آنحضرت ﷺ روزانہ صبح و شام ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اکثر اہم امور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شرکت سے طے پاتے تھے اور اس کی وجہ سے ان کو اکثر رات کے وقت دیر تک کاشانۂ اقدس پر حاضر رہنا پڑتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی راوی ہیں کہ رسول اللہ رات رات بھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مسلمانوں کے امور میں مشورہ فرمایا کرتے تھے، نیز ان کی رازداری و خلوص پر اعتماد اس قدر تھا کہ پوشیدہ سے پوشیدہ بات کہہ دیتے تھے۔

حضرت عروہ کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم ﷺ کی وفات کے دوسرے سال ایک روز خطبہ دیا۔ اس میں یہ الفاظ زبان سے نکلے۔ "میں

نے تمہارے نبی ﷺ سے پار سال سنا ہے"۔ پار سال کے لفظ سے حادثۂ وفات یاد آ گیا۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور بے تاب ہو گئے۔ سنبھل کر پھر خطبہ کا سلسلہ درست کیا' پھر ان الفاظ سے دل پر چوٹ لگی اور مضطرب ہو گئے۔ تیسری دفعہ ضبط کی کوشش کی اور خطبہ ختم کیا۔

آنحضرت ﷺ اپنی انا حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ بعد خلافت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: "چلو سنت نبوی کی پیروی کریں اور ام ایمن سے چل کر ملیں"۔ وہاں پہنچے تو وہ رونے لگیں۔ دونوں نے کہا: "روتی کیوں ہو؟ اللہ کا تقرب اس کے رسول ﷺ کے واسطے بہتر ہے"۔ کہا یہ میں بھی جانتی ہوں' صدمہ اس کا ہے کہ وحی آسمانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ یہ سن کر دونوں صاحب رونے لگے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اصلی سبب وفات آنحضرت ﷺ کی رحلت تھی۔ اس صدمے سے گھلتے رہے یہاں تک کہ انتقال ہو گیا۔

اصابت رائے اور معاملہ فہمی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے جس معاملہ میں جو رائے دی' وہ مقبول ہو کر رہی۔ راز داری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی راز کو بھی کبھی ظاہر ہونے نہ دیا۔

حضرت سرور کائنات ﷺ کو اپنے اس رفیق جاں نثار کے ساتھ جو مخصوص تعلق اور خلوص تھا' اس کا آپ ﷺ نے بارہا نہایت محبت آمیز پیرایہ میں اظہار فرمایا۔ چنانچہ وفات سے کچھ دنوں پہلے جو تقریر فرمائی' اس میں ارشاد ہوا۔

"ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنی صحبت اور مال کے لحاظ سے میرا سب سے بڑا محسن ہے۔ اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا دوست بنا سکتا تو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو بناتا' لیکن اسلامی اخوت و محبت افضل ہے"۔

اس کے بعد حکم ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازہ کے سوا مسجد کے احاطہ میں جس قدر دروازے ہیں سب بند کر دیئے جائیں۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص نے پوچھا کہ مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو ارشاد ہوا۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ)۔

مؤرخین کے نزدیک حضور سرور کائنات ﷺ کی وفات نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جان گھلا دی۔ جدائی کا غم برداشت نہ ہو سکا۔ وہ سوز دروں سے اندر ہی اندر پگھلتے رہے' اور آخر اپنے محبوب سے جا ملے۔

آپ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے کاشانہ اقدس میں داخل ہو رہے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا' بلند آواز سے بول رہی ہیں۔ چونکہ سرور عالم ﷺ کے سامنے رفع صوت خلاف ادب تھا' اسلئے غصہ آ گیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مارنے کے لئے طمانچہ اٹھایا۔

حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہ پہلے شوہر سے بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیشکش کی کہ وہ ان سے نکاح کر لیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سن کر خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر ناگواری ہوئی۔ جب آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا تو ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم نے مجھ کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی جو پیشکش کی تھی' میں نے اسے صرف اس لئے قبول نہ کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی ایک گفتگو سے مجھ کو یہ محسوس ہوا تھا کہ حضور ﷺ خود ان کے ساتھ نکاح کرنا چاہتے تھے' اس وقت میں نہیں چاہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا بھید ظاہر کروں''۔

ایک مرتبہ عید کے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دو لڑکیاں بیٹھی ہیں جو بے ہنگم انداز میں

گیت گا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں یہ شور؟ آنحضرت ﷺ منہ پھیرے لیٹے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے گھر میں یہ شور' تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہر قوم کی عید ہوتی ہے' آج یہ ہماری عید ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اعتراض بربنائے تقویٰ نہیں تھا' بلکہ سرور کائنات ﷺ کا ادب ملحوظ خاطر تھا' اس لئے انہوں نے سخت الفاظ میں اپنی ناگواری کا اظہار کیا تھا۔

اہلِ بیت کے ساتھ محبت

آنحضرت ﷺ کی ذات قدسی صفات کے ساتھ غیر معمولی عشق و محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کو اہل بیت اطہار کے ساتھ بھی بڑی محبت تھی اور ان کا خود اپنے متعلقین سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ آپ کا یہ فرمان ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے' رسول اللہ ﷺ کے اہل قرابت مجھ کو اس سے زیادہ محبوب ہیں کہ میں اپنے اہل قرابت کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کروں۔ خلیفہ ہونے کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اپنا تعلق بیان کرنا شروع کیا تو حال یہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ (اور بعض روایات کے مطابق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) ایک ایک بات کرتے جاتے تھے اور ادھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسے سن سن کر روتے جاتے تھے۔

وفات نبوی ﷺ کے چند ہی روز بعد کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز عصر سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے تھے کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نظر آ گئے جو محلہ کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جگر گوشہ بتول رضی اللہ عنہ کو دوش پر اٹھا لیا۔

فتوحات عراق کے سلسلہ میں ایک مرتبہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے جو مال غنیمت مدینہ بھیجا اس کے ساتھ ایک قیمتی طیلسان بھی تھا' جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بطور تحفہ بھیجا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ طیلسان امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے نذر کر دیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اہل بیت اطہار کے ساتھ لطف و مدارات کا معاملہ خود تنہا نہیں کرتے تھے' بلکہ مسلمانوں کو بھی عام طور پر اس کی تاکید کرتے تھے کہ ان کا خاص طور پر خیال رکھیں' ان کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

"حضور ﷺ کے اہل بیت سے محبت رکھو"۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز پڑھی اور پھر باہر نکل کر ٹہلنے لگے۔ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کو کاندھے پر اٹھا لیا اور کہا میرا باپ قربان ہو' یہ آنحضرت ﷺ سے مشابہ ہیں"۔

دارقطنی اور حاکم نے ابویحیٰ سے' طبرانی نے حکیم ابن سعد سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بار بار منبر پر کھڑے ہو کر اور قسم اٹھا کر فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب رسول کریم ﷺ کی زبان سے صدیق نازل فرمایا"

کاتب وحی

اسلام سے پہلے عرب میں چند ہی لوگ تھے' جو لکھنا جانتے تھے اور اس وجہ سے وہ سب میں ممتاز تھے۔ انہیں چند لوگوں میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے' چنانچہ آپ کا شمار خود کاتبین وحی کے زمرہ میں بھی ہے۔

نبوت اور خلافت میں امتیاز

جس طرح سابقہ امم میں گمراہی کی ایک شکل یہ تھی کہ انبیاء کو صفات الٰہی کا مظہر

قرار دے دیا تھا۔ اسی طرح اگر نبوت اور خلافت میں تفریق و امتیاز قائم نہ کی جائے تو دونوں کے حدود باہم مل جائیں اور شرک فی النبوۃ کی ایک جدید قسم پیدا ہو جائے۔ احکامات نافذ کرنے میں خلیفہ پیغمبر کا نائب ہوتا ہے۔ اس کی اطاعت فرض ہوتی ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔ ''خُدا کی خُدا کے رسول کی اور اپنے میں امرا کی اطاعت کرو''۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلافت الٰہی کو قائم کیا تو سب سے پہلے نبوت و خلافت میں امتیاز قائم کر کے دنیا کو ایک عام غلط فہمی سے محفوظ رکھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ادب و احترام کا درجہ خلیفہ کو حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس نکتہ کو سمجھا اور نبوت و خلافت میں فرق قائم کیا۔ ایک بار وہ کسی شخص پر سخت برہم ہوئے۔ سامنے ایک دوسرے صحابی بیٹھے ہوتے تھے۔ انہوں نے تیور دیکھ کر کہا: ''ارشاد ہو تو اس کی گردن اڑا دوں''؟ غصہ فرو ہوا تو ان کو بلا کر پوچھا: اگر میں حکم دیتا تو تم واقعی اس کو قتل کر ڈالتے؟ بولے ''ہاں'' فرمایا ''خُدا کی قسم محمد ﷺ کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے''۔ ایک بار کسی نے ان کو خلیفۃ اللہ کہا۔ فرمایا: ''میں خلیفۃ اللہ نہیں ہوں خلیفۃ الرسول ہوں''۔

مساوات

رعایا اگرچہ بادشاہ کے تفوق و امتیاز کو گوارا کر لیتی ہے لیکن وہ باہمی تفریق و امتیاز کو کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔ اس لئے اگر کوئی بادشاہ رعایا کو اپنا گرویدہ بنانا چاہتا ہے تو اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ ان کے حقوق میں ہمواری اور مساوات پیدا کرے۔ اوّل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب خراج اور زکوٰۃ کا مال آیا تو انہوں نے سب پر برابر تقسیم کر دیا اور چھوٹے بڑے، آزاد غلام، مرد اور عورت سب نے سات سات درہم سے کچھ زیادہ پایا۔ دوسرے سال اس سے زیادہ مال آیا اور ہر شخص کو بیس بیس

درہم ملے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و برکت کو دیکھ کر بعض لوگوں نے کہا "آپ نے تمام لوگوں کو برابر کر دیا' حالانکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کے فضائل ان کی ترجیح کی سفارش کرتے ہیں" لیکن انہوں نے صاف صاف کہہ دیا۔ "فضائل کا ثواب خُدا دے گا' یہ معاش کا معاملہ ہے اس میں مساوات ہی بہتر ہے"۔

اسلام کی رُوح مساوات کو آپ نے آخر عہد تک نہایت اہتمام سے قائم رکھنے کی کوشش کی۔ بیت المال کی آمدنی تقسیم کرتے ہوئے جوان' بوڑھے' مرد یا عورت کا کچھ امتیاز نہ رکھتے' آپ رضی اللہ عنہ کا قول تھا۔ "تم میں سے کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھے' اس لئے کہ چھوٹا سا مسلمان (بھی) اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا ہے"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں سب لوگوں کے حسب مراتب وظیفے مقرر کر دیئے تھے لیکن چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس نکتہ سے واقف تھے کہ وظائف کی وجہ سے لوگوں میں تن آسانی پیدا ہو جاتی ہے اور محنت و جفاکشی کی عادت باقی نہیں رہتی۔ اس لئے آپ نے کسی تندرست آدمی کا وظیفہ مقرر نہیں کیا۔ جو کچھ آیا اس کو اسی وقت تقسیم کر کے برابر کر دیا۔ چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب مسلمانوں کے وظائف مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو اس پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ نے اگر سب کا وظیفہ مقرر کر دیا تو لوگ اس پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں گے اور کاروبار کرنا چھوڑ دیں گے۔

عدل وانصاف

جمعہ کا دن تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے منبر پر سے اعلان فرمایا: "آج میں صدقے کے اونٹ تقسیم کروں گا' سب لوگ آئیں مگر اجازت لئے بغیر ہمارے پاس کوئی نہ آئے"۔ یہ سن کر ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا "یہ اونٹ کی مہار لو اور خلیفہ رسول ﷺ کی خدمت میں جاؤ' ممکن ہے ہمیں بھی ایک اونٹ مل جائے"۔

وہ شخص مہار لیے ہوئے آیا مگر بلا اجازت بارگاہ خلافت میں چلا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بطور تادیب اسی مہار سے اس کو مارا۔ جب اونٹوں کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''اس شخص کو بلاؤ جسے مہار سے مارا تھا'' وہ ڈرتا ڈرتا آیا تو خلیفۃ الرسول ﷺ نے فرمایا: ''میں نے تمہیں اس مہار سے مارا تھا' تم بھی اس مہار سے اپنا قصاص لے لو''۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پاس موجود تھے۔ انہوں نے کہا: خلیفۃ الرسول ﷺ! یہ رسم قائم نہ کیجئے' آپ نے بلاوجہ تو نہیں مارا تھا بلکہ حکم کی خلاف ورزی پر سزا دی تھی''۔ آپ نے فرمایا'' یہ صحیح ہے مگر قیامت کو اگر اس کا محاسبہ ہوا تو خدا کو کیا جواب دوں گا''۔

ایک شخص جس کے ہاتھ چوری کے جرم میں کاٹ ڈالے گئے تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مہمان ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہے۔ بولے! تمہاری رات تو چوروں کی سی معلوم نہیں ہوتی' تمہارے ہاتھ کس نے کاٹے؟ اس نے کہا: ''یعلی بن منیہ نے یہ ظلم کیا ہے'' فرمایا: میں اس بارے میں ان کو لکھوں گا۔ اس کے چند ہی دنوں کے بعد حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا ایک زیور غائب ہو گیا۔ تحقیقات کی گئی تو ایک سنار کے پاس ملا۔ وہ حاضر کیا گیا تو اس نے کہا: ''اسی دست و پا بریدہ شخص نے مجھ کو یہ زیور دیا''۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ چوری کوئی بڑی چیز نہیں' البتہ اس نے مجھ کو اپنے مذہبی تقدس کی بناء پر جو فریب دیا' وہ بہت بڑا جرم ہے' اس کے پاؤں کاٹ ڈالو''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو کچھ مال دیا تھا' لیکن ابھی ان کا قبضہ نہیں ہوا تھا' اس لئے ہبہ نامکمل تھا۔ جب انتقال کرنے لگے تو کہا: ''اے بیٹی! مجھے اپنے بعد تمہارے تمول سے زیادہ کوئی چیز عزیز اور تمہارے افلاس سے زیادہ کوئی چیز ناگوار نہیں' میں نے تم پر جو مال ہبہ کیا تھا اگر تمہارا اس پر قبضہ ہو جاتا تو وہ تمہارا

ہو جاتا' لیکن آج وہ مال وراثت میں داخل ہے' جس کے وارث تمہارے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں' اس لئے کتاب اللہ کے موافق باہم تقسیم کر لو۔ بولیں: "اگر اس سے زیادہ بھی مال ہوتا تو میں چھوڑ دیتی"۔

کسی بچہ کے ماں باپ میں اگر جدائی ہو جائے تو بچہ کس کے سپرد کیا جائے گا؟ اس بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ یہ تھا کہ ماں کے سپرد کیا جائے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک انصاریہ عورت سے شادی کی تھی اور اس کے بطن سے ایک بچہ جس کا نام عاصم تھا' پیدا بھی ہو چکا تھا۔ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیوی کو طلاق دے دی۔ اس کے بعد ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ قباء تشریف لے گئے تو دیکھا کہ عاصم مسجد کے صحن میں کھیل رہے ہیں۔ شفقت پدری نے جوش مارا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بچہ کا بازو پکڑ کر اپنے پاس سواری پر بٹھالیا۔ اتنے میں بچے کی نانی آ گئی اور اب دونوں میں کشمکش ہونے لگی۔ آخر اسی حالت میں دونوں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور ہر ایک نے کہا: "بچہ میرا بیٹا ہے"۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بچہ نانی کے حوالہ کر دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور پلٹ کر کوئی بات نہیں کی۔

تجدید و اصلاح

ایک بار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو دیکھا کہ خاموش ہے۔ وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ اس نے خاموش حج کیا ہے۔ اس کو فوراً ممانعت کی اور کہا: "یہ جائز نہیں ہے' یہ جاہلیت کا کام ہے"۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مثنیٰ بن حارثہ شیبانی ایک نہایت مشہور اور بہادر شخص تھے جو خود بخود مسلمان ہو گئے اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے بہت سے

لوگ بھی اسلام لائے۔ وہ پہلے عراق میں غارت گری کیا کرتے تھے' اب وہ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ میری قوم کے جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں مجھ کو ان کا امیر العسکر مقرر فرما دیجئے' ان کے ذریعہ سے میں ایرانیوں پر حملہ کروں گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو ایک اجازت نامہ لکھ دیا۔ وہ وہاں سے چل کر مقام خفان میں آئے اور بقیہ قوم کو دعوت اسلام دی اور تمام لوگ بخوشی مسلمان ہو گئے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ خصوصیت بتائی ہے کہ ان کے تمام کام مشورے سے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیاست کے مہمات مسائل کے علاوہ مقدمات کا فیصلہ بھی مشورہ کے بغیر نہیں کرتے تھے۔ مسند دارمی میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی فریق مقدمہ لے کر آتا تو پہلے کتاب و سنت پر نظر ڈالتے' پھر تمام مسلمانوں سے مشورہ لیتے۔ انہوں نے مہاجرین و انصار کی ایک مجلس شوریٰ قائم کی تھی جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ' حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ' حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ جیسے جہاندیدہ افراد لازمی طور پر شریک کیے جاتے تھے۔ یہی مجلس شوریٰ تھی جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں نہایت وسیع' نہایت باضابطہ اور نہایت مکمل کر دیا تھا۔

فہم قرآن 'علم حدیث

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چونکہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی صحبت و معیت میں آغاز بعثت سے لے کر آخری حیات تک جلوت اور خلوت میں' سفر اور حضر میں' رزم اور بزم میں ہر جگہ اور ہر موقع پر برابر ساتھ رہے تھے' اس بناء پر آپ کا سینہ درحقیقت علوم و کمالات نبویہ کا گنجینہ بن گیا تھا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صلح حدیبیہ کا واقع بیان کرنے

کے بعد لکھتے ہیں۔

اس خصوصیت کے باعث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عام طور پر کہا کرتے تھے۔ ھو (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) اعلمنا برسول صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر ہے کہ ان علوم وکمالات میں سب سے اول نمبر علوم قرآنی کا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک آیت کو سننے کے بعد اس کی اصل روح کو معلوم کر لیتے تھے اور اس سلسلہ میں ان کا ذہن ان نکات ورموز تک پہنچ جاتا تھا جہاں تک دوسروں کی رسائی نہیں ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو مکہ کے لوگوں نے ہجرت پر مجبور کر دیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون ان لوگوں نے اپنے نبی کو ترک وطن پر مجبور کیا ہے' یہ ضرور ہلاک ہوں گے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ ''جو لوگ قتل کرنا چاہتے ہیں' اس لئے کہ وہ مظلوم ہیں' ان کو اس کی اجازت دی جاتی ہے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ (القرآن) آپ رضی اللہ عنہ اس کو سننے کے بعد ہی سمجھ گئے کہ جہاد کا حکم نازل ہو گا۔

وفات نبوی کے وقت ایک کہرام برپا تھا۔ بعض کی سمجھ میں تو آ ہی نہیں رہا تھا کہ پیغمبر کی بھی وفات ہو سکتی ہے۔ لیکن جوں ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی' سب کی آنکھیں کھل گئیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک کو محسوس ہوا کہ گویا انہوں نے یہ آیت اس سے پہلے سنی ہی نہیں تھی۔

ہر وقت کی معیت کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ موقع تھا کہ جس آیت کے متعلق ان کو کچھ پوچھنا ہوتا' بے تکلف پوچھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ دریافت کیا: ''یارسول اللہ! اس آیت کے بعد اب کیا چارہ ہے؟ کیا ہم کو ہر برے کام کا بدلہ دیا جائے گا''؟ نجات نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو شخص برا کام کرے گا' اس کو اس کا بدلہ ملے گا۔ (القرآن) آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر! خدا

تمہاری مغفرت کرے، کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم کو کوئی رنج اور صدمہ نہیں ہوتا؟ کیا تم کو کوئی مصیبت پیش نہیں آتی؟ یہ سب انہیں اعمال بد کا نتیجہ اور بدلہ ہے''۔

وہ ہر آیت کی شان نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے آگاہ تھے۔ نیز مختلف موقعوں پر انہوں نے جو باریک نکتے حل فرمائے ہیں، اس سے ان کی دقیقہ سنجی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ مجمع عام میں فرمایا: ''صاحبو! آپ قرآن حکیم میں یہ آیت پڑھتے ہوں گے۔ ''اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو، تم پر (صرف) تمہارے نفس کی ذمہ داری ہے جو گمراہ ہو گیا ہے، وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ تم خود ہدایت یاب ہو۔ (المائدہ ۱۴) حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب لوگ ناپسندیدہ امر دیکھتے ہیں اور اس کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے تو خدا کا عذاب سب کے لئے عام ہو جاتا ہے، یعنی اس آیت سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دوسروں کی اصلاح کا خیال رکھنا ضروری نہیں''۔

ایک مرتبہ کسی چیز کی قسم کھا کر اس کو توڑ دینا بزدلی اور غیر مستقل مزاجی کی دلیل ہے۔ اس وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی قسم کھا کر توڑتے نہیں تھے، لیکن جب قرآن میں کفارۂ یمین کی آیت نازل ہو گئی تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ اس آیت کا مقصد ہی یہ ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے، اس سے بہتر کوئی دوسری چیز ہو تو قسم توڑ دی جائے۔ محض بات کی عظمت کی وجہ سے اپنی قسم پر قائم رہنا کوئی چیز نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ ''ابو بکر ایک مرتبہ قسم کھا کر اس کو توڑتے نہیں تھے، لیکن جب کفارۂ قسم کا حکم نازل ہوا تو کہا کہ اب میں قسم کھانے کے بعد اس سے بہتر کوئی چیز پاؤں گا تو میں اس کو اختیار کر لوں گا اور قسم کا کفارہ ادا کروں گا''۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ صورت مذکورہ میں حنث بذات خود کوئی گناہ نہیں ہے، اگرچہ کفارہ ادا کرنا بہر حال ضروری ہے۔

حضرت عبدالرحمان بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر چند مہمان آئے ہوئے تھے۔ رات ہوئی تو والد محترم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: ''میں تو اس وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جا رہا ہوں' واپس میں دیر ہو جائے گی' تم مہمانوں کو کھانا کھلا دینا''۔ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے اس حکم کی تعمیل میں مہمانوں سے درخواست کی کہ کھانا کھالیں''، لیکن انہوں نے کہا'' جب تک صاحب خانہ نہیں آئیں گے' ہم کھانا نہیں کھائیں گے۔ اس میں رات زیادہ ہو گئی۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر آئے اور معلوم ہوا کہ مہمانوں نے اب تک کھانا نہیں کھایا ہے تو سخت برہم ہوئے اور اس برہمی میں قسم کھالی کہ اب اس رات کھانا ہی نہیں کھائیں گے۔ یہ دیکھ کر مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ جب تک آپ کھانا نہیں کھائیں گے ہم بھی نہیں کھائیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً کھانا طلب کیا اور قسم توڑ کر پہلے خود چار نوالے تناول فرمائے اور پھر مہمانوں کو شریک کیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو لوگوں نے پوچھا: طبیب بلائیں۔ چونکہ مسئلہ تقدیر پر نہایت شدت کے ساتھ اعتماد رکھتے تھے' بولے: ''طبیب نے مجھے دیکھ کر کہا ہے انی فعال لما یرید یعنی ارادۂ خداوندی میں کوئی مانع نہیں ہو سکتا''۔

قرآن فہمی میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جو مقام رفیع حاصل تھا' اس کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر قرآن کے کسی ایک لفظ کی مراد متعین کر دیتے تھے کہ پھر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم تک کو اس کی مخالفت کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ کلالہ کے لفظ کی مراد اور اس کے صحیح مفہوم و معنی کا مسئلہ نہایت پیچیدہ تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے سے جب اس کے ایک معنی متعین کر دیئے اور اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے عہد خلافت میں اس کے متعلق استفسار کیا گیا تو فرمایا: ''مجھ کو اللہ سے اس بات میں شرم آتی ہے کہ جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے میں اس کو رد کر دوں''۔ ''کلالہ'' کا تعلق

سورۃ نساء کی اس آیت سے ہے۔ ''اے محمد ﷺ! لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ کلالہ کے بارے میں تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد لاولد مرے اور اس کی بہن ہو تو اس کو ترکہ میں سے آدھا ملے گا اور اگر بہن مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو بھائی اس کا وارث ہوگا''۔ اس آیت میں جو لفظ کلالہ آیا ہے اس میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کلالہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی وفات پر نہ اس کا باپ ہو اور نہ بیٹا۔ لیکن آگے چل کر اختلاف اس میں ہو گیا کہ کلالہ کے مفہوم میں دادا کا نہ ہونا بھی داخل ہے یا نہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے یہی تھی کہ داخل ہے یعنی دادا کا حکم وہی ہے جو باپ کا ہے

علم نبوت میں قرآن کے بعد حدیث کا مرتبہ ہے۔ ظاہر ہے نبوت کی صبح و شام کے تمام جلوے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نگاہ میں بسے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: ''تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے احادیث روایت کرتے ہو اور پھر ان میں اختلاف کرتے ہو، جب تمہارا یہ حال ہے تو تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے، وہ تم سے بھی زیادہ اختلاف کریں گے، اس لئے تم رسول اللہ ﷺ سے کوئی چیز نقل مت کرو، مگر ہاں جب تم سے لوگ کچھ دریافت کریں۔ اس وقت بے شک تم کچھ ضرور کہو اور دیکھو تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے پس جو چیز کتاب اللہ میں حلال ہے اس کو حلال سمجھو اور جو چیز اس میں حرام ہے اس کو حرام سمجھو''۔ غور کرو خلیفۃ الرسول ﷺ نے اس ارشاد میں کس بلاغت کے ساتھ حدیث کا مرتبہ اور اس کے نقد کا معیار بیان کر دیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ چونکہ آنحضرت ﷺ نے کسی وقت کسی ضرورت سے کوئی حکم دیا ہے اور کسی وقت کسی ضرورت سے کوئی اور، پھر سننے والے اعرابی اور غیر اعرابی، ذہین اور غیر ذہین، قریب

التعلق اور بعید التعلق ہر قسم کے لوگ تھے' کسی نے کوئی بات پوری سنی اور کسی نے ادھوری' کسی نے کسی جملہ کا کوئی مطلب لیا اور کسی نے کچھ اور' پھر آنحضرت ﷺ کے الفاظ عین وہیں کس کو یاد رہے ہوں گے' اس لئے جو روایت ہوگی وہ عموماً روایت بالمعنی ہوگئی اور اس میں ایک دو لفظوں کا ادھر ادھر ہو جانا مستبعد نہیں ہے' لیکن ان دو ایک لفظوں کے الٹ پھیر سے معنی کچھ سے کچھ ہو سکتے ہیں۔ ان وجوہ کی بناء پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے اور بالکل صحیح سمجھتے تھے کہ اگر روایات کی کثرت شروع ہوگئی اور جس کسی شخص نے آنحضرت ﷺ سے تھوڑا بہت جو کچھ بھی سنا ہے اس کو وہ بغیر حزم واحتیاط کے نقل کرنے لگا تو اس سے طرح طرح کے اختلافات پیدا ہوں گے اور ان کا اثر اصل دین اور شریعت کے استحکام پر پڑے گا۔ اس صورت حال کا انسداد کرنے کی غرض سے ہی آپ نے ایک طرف تو اس کی تاکید کی کہ وقت ضرورت ہی روایت کریں اور دوسری جانب اس کی تصریح فرمادی کہ کسی حدیث کے صحت وسقم کو پرکھنے کی اصل کسوٹی قرآن مجید ہے' جو روایت قرآن کی نص صریح کے خلاف ہوگی' مقبول نہیں ہوگی۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پانچ سو احادیث جمع کی تھیں' لیکن ایک شب دیکھا کہ وہ بہت مضطرب اور بے چین تھے۔ آخر صبح ہوتے ہوتے اس ذخیرہ کو نذر آتش کر دیا۔ ان سے وجہ پوچھی گئی تو فرمایا: "مجھ کو اس کا اندیشہ تھا کہ میں مر جاؤں اور اس ذخیرہ کو اس حالت میں چھوڑ جاؤں کہ اس میں کچھ ایسی احادیث بھی ہوں جن کو میں نے ایک ایسے شخص سے لیا ہو جس میں ایماندار اور معتبر سمجھتا تھا لیکن درحقیقت وہ روایت ایسی نہیں تھی جیسی کہ اس نے مجھ سے بیان کی تھی' تو اب ایسی صورت میں اس روایت کو بیان کرنے کی ذمہ داری درحقیقت میرے سر ہوگی"۔

اگرچہ حافظ صاحب نے اس روایت کو غیر صحیح کہا ہے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

کا جو مزاج اور نقطۂ نظر تھا اس کے پیش نظر اس میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جو روایت کے خلاف ہو' خود آنحضرت ﷺ نے قرآن جو کہ اصل و اساس شریعت ہے اس کو غلط تعبیر سے بچانے کیلئے حکم دیا تھا کہ لاتکتبوا عنی غیر القرآن قرآن کے علاوہ تم مجھ سے کوئی روایت مت لکھو۔ حق یہ ہے کہ حدیث کی روایت کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ غایت حزم و احتیاط اسی ارشاد نبوی کی اصل روح اور اسپرٹ کی آئینہ دار تھی اور بس۔ ورنہ ان کا منشا ہرگز یہ نہیں تھا کہ روایت حدیث کا باب ہی سرے سے بند کر دیا جائے' بلکہ مقصد یہ تھا کہ جس طرح بے ضرورت روایتِ حدیث سے اجتناب کرنا چاہیئے اسی طرح عندالضرورت خاموش بھی نہیں رہنا چاہیئے۔ ورنہ ایک وقت آیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے احادیث لکھیں اور روایت بھی کیں۔ چنانچہ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل بھی یہی تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ان سے جو مرفوع احادیث مروی ہیں' وہ تعداد میں زیادہ نہیں ہیں۔ کیونکہ بلا ضرورت وہ روایت بیان ہی نہیں کرتے تھے' لیکن ساتھ ہی یہ بھی واقعہ ہے کہ ضرورت پڑتی تھی تو خاموش نہیں رہتے تھے اور فوراً حدیث بیان کرتے تھے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ سقیفۂ بنو ساعدہ میں جب انصار و مہاجرین کے درمیان ہنگامہ برپا ہوا تو آپ نے حدیث 'الائمۃ من قریش' سنا کر اس پر قابو پالیا۔ وفات نبوی ﷺ کے وقت اس پر گفتگو ہوئی کہ جسد اطہر کو دفن کہاں کیا جائے تو آپ نے ہی ارشاد نبوی ﷺ سنا کر اس کا قطعی فیصلہ کیا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی جانب سے فدک و خیبر کا مطالبہ ہوا تو آپ نے حدیث نبوی ﷺ پر ہی اپنے جواب کی بنیاد رکھی۔ عمال و محصلینِ صدقات کے نام نصاب و مقدار زکوۃ کے متعلق مفصل ہدایات روانہ کیں تو ان کی اساس احادیثِ نبویہ ﷺ ہی تھیں۔

اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں

نے خبر واحد کے متعلق ایک یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ ایسی روایت اس وقت تک قابل قبول نہیں ہو گی جب تک کہ اس راوی کے لئے کوئی دوسرا شخص نہ ہو یعنی اس روایت کی تائید کسی اور طریق سے نہ ہوتی ہو۔ چنانچہ آپ پڑھ آئے ہیں کہ میراث جدہ کے بارہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت سننے کے بعد ان سے گواہ طلب کیا اور جب انہوں نے محمد بن مسلمہ کو بطور گواہ پیش کر دیا تو وہ روایت قبول کی اسی طرح جمع قرآن کے سلسلہ میں کوئی آیت اگر کسی ایک صحابی کے پاس ملتی تھی تو آپ بغیر شہادت کے اسے قبول نہیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ابھی گزر چکا ہے کہ خبر واحد سے قرآن پر زیادتی یا اس میں کمی کرنے کو وہ جائز نہیں سمجھتے تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں ایک سو چالیس روایتیں یکجا جمع کی ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

خطابت

اہل عرب میں ابتداء ہی سے خطابت اور تقریر کا ملکہ موجود تھا۔ ان کو اپنی زبان کی فصاحت و بلاغت پر اتنا ناز تھا کہ وہ غیر عرب لوگوں کو عجمی (گونگے) خیال کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں شاعری اور خطابت کا دائرہ محدود تھا لیکن اسلام کے پھیلنے سے ان فنون کو چار چاند لگ گئے۔ مبلغین و خطباء نے اسلام کی روشنی کو عرب سے باہر دور دراز تک پہنچا دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو خطرناک اضطرابی حالت پیدا ہو گئی اس کے مٹانے کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو مختصر سا خطبہ دیا وہ اپنے تاثر کے اعتبار سے بے مثال نوعیت کا حامل ہے۔ روتے روتے لوگوں کو ہچکیاں بندھ گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی تقریر پر بڑا ناز تھا لیکن اس تقریر کو سن کر انہوں نے اعتراف کیا۔ ''وہ تقریر کرنے میں مجھ سے زیادہ حلیم اور باوقار

تھے۔ خدا کی قسم جن فقروں پر مجھ کو ناز تھا ان میں ایک کو بھی انہوں نے نہیں چھوڑا بلکہ فی البدیہہ ویسے ہی یا ان سے بہتر فقرے کہے"۔

انتہائی معاملہ فہمی

حدیبیہ کی صلح اسلامی تاریخ کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ یہ صلح جن حالات میں اور جن شرائط کے ساتھ ہوئی تھی' وہ حالات اور شرائط اول اول مسلمانوں کے لئے نہایت مایوس کن اور دل شکن تھیں' لیکن اس صلح سے آخر کار جو نتائج نکلے' وہ مسلمانوں اور اسلام کے لئے نہ صرف حوصلہ افزاء ثابت ہوئے' بلکہ وہ فی الواقعہ ایک "فتح مبین" کی صورت میں نمودار ہوئے۔ اس صلح میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو کردار ادا کیا' وہ ان کے تدبر' معاملہ فہمی اور دُور اندیشی کی ایک نہایت نا قابل انکار دلیل ہے۔ یہ صلح جن شرائط پر طے پائی' ان کو قبول کرنے کے لئے صحابہ میں سے ایک شخص بھی تیار نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو ان شرائط کے اس قدر سخت مخالف تھے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے رُو در رُو اس کی مخالفت میں نہایت تیز لب ولہجہ میں گفتگو کی (جس کا ان کو زندگی بھر پچھتاوا رہا) صرف اکیلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے جو اس معاملے میں برابر آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے۔ انہوں نے پوری قوت کے ساتھ اس صلح نامہ کی تائید فرمائی اور اپنے زور واثر سے کام لے کر مسلمانوں کو اس پر راضی اور مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ بھی انہی کی کوششوں سے فرو ہوا۔

حیرت ہوتی ہے کہ جو معاہدہ ظاہر میں مسلمانوں کے مصالح کے اس قدر خلاف تھا کہ مسلمانوں کی پوری جماعت میں سے ایک شخص بھی اس پر مطمئن نہ ہو سکا' اس کی مخفی مصلحتوں کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے ظاہر ہونے سے کئی سال پہلے کس طرح دیکھ لیا۔ حضور ﷺ کی نسبت تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان مصلحتوں کو وحی

اور الہام کی روشنی میں دیکھ لیا ہوگا' لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کس روشنی سے دیکھا؟ اگر یہ نبی پر ایمان کی روشنی تھی تو بلاشبہ یہ ایمان کا ایسا بلند درجہ ہے' جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا' اور اگر انہوں نے اس معاہدے کے مضمرات اور مخفی مصلحتوں کو محض اپنی سیاسی بصیرت اور اپنے تدبر کی روشنی میں پڑھ لیا تھا تو اس سیاسی بصیرت اور اس دور رسی کی مثال بھی سیاست اور تدبر کی تاریخ میں مشکل ہی سے ملے گی۔

خُدا اور رسولِ خُدا کے محبوب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی مخلصانہ دینی خدمات کے ذریعہ سے اللہ' اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کی نظر میں یکساں محبوبیت کا وہ بلند درجہ حاصل کر لیا تھا' جو صرف انہی کے لئے مخصوص تھا۔ اس محبوبیت کی ایک سے زیادہ شہادتیں ہماری اسلامی تاریخ میں موجود ہیں' جن میں سے بعض کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

آنحضرت ﷺ نے مرض الموت میں اپنی جگہ پر نماز پڑھانے کی خدمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سپرد فرمائی اور اس کے خلاف آپ ﷺ کو جو مشورے دیئے گئے' آپ ﷺ نے نہایت شدت کے ساتھ وہ مشورے رد فرما دیئے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھانی شروع کر دی تو ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ وہ وقت پر نہ پہنچ سکے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نماز پڑھانے کے لئے درخواست کی اور وہ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز آدمی تھے۔ جب انہوں نے تکبیر کہی تو ان کی تکبیر کی آواز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے کمرے میں آنحضرت ﷺ کے کانوں میں پڑی۔ آپ نے ان کی آواز سن کر فرمایا: ''ابوبکر'' کہاں ہیں' اس چیز کو نہ تو اللہ پسند کرے گا اور نہ مسلمان''۔

اللہ اور مسلمانوں کی نظر میں محبوبیت کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو

پیغمبر ﷺ کی نظر میں محبوبیت اور اعتماد کی جو جگہ حاصل تھی، اس کی شہادت خود نبی کریم ﷺ نے ان الفاظ میں دی ہے۔

''تمام صحابہ میں کوئی نہیں ہے، جس کے ان سے زیادہ احسان ہوں۔ اگر میں انسانوں میں سے کسی کو دوست بنانا پسند کرتا تو ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کو اپنا دوست بناتا۔ البتہ ہمارے درمیان رفاقت، اخوت اور ایمان کا رشتہ ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاس ہم کو جمع کرلے''۔

آزمائش اور ایمانی سرفرازی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی میں سب سے زیادہ آزمائش کا موقع وہ آیا ہے، جب آنحضرت ﷺ نے وفات پائی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ سے جو محبت تھی، اگر سوءِ ادب نہ ہو تو اس کو عشق کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس عشق کے باوجود آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر سن کر جس صبر و ضبط کا ثبوت انہوں نے دیا، اس صبر و ضبط کا ثبوت کوئی اور نہ دے سکا، بلکہ یہ کہنا ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ اگر اس نازک موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہوش و گوش نے مسلمانوں کو سنبھالا نہ ہوتا تو تمام امت ایک نہایت خوفناک فتنہ میں مبتلا ہو جاتی۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر سن کر اکثر مسلمانوں کے اوسان قائم نہ رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے دل و دماغ کے آدمی کا یہ حال ہوا کہ مسجد نبوی میں لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر انہوں نے یہ تقریر کرنی شروع کر دی کہ آنحضرت ﷺ نے وفات نہیں پائی ہے بلکہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے تھے اور پھر لوٹ آئے، اسی طرح آپ ﷺ لوٹ آئیں گے اور اگر کوئی شخص اس بات پر اصرار کرتا کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہو چکی ہے تو اس کو

قتل کی دھمکی دیتے اور کہتے کہ جب آنحضرت ﷺ دوبارہ تشریف لائیں گے تو اس قسم کی باتیں کرنے والوں کو عبرت انگیز سزائیں دیں گے''۔

جس حادثہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کے دماغی توازن کو اس درجہ درہم برہم کر دیا ہو اس کا اثر دوسروں پر کیا کچھ ہوگا' اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرنا مشکل ہے اور اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ اس خبر کا کیا اثر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل پر ہوا ہوگا' جن کا حال یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی کسی معمولی سی تکلیف کے تصور سے بھی بے چین ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن آیئے اور دیکھئے کہ اس سب سے بڑے حادثہ کا وہ کس صبر جمیل سے مقابلہ کرتے ہیں اور کس طرح قرآن کی روشنی کے ذریعہ سے مسلمانوں کو ایک بڑی تاریکی میں گھر جانے سے بچا لیتے ہیں۔

جس وقت آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مدینہ میں موجود نہیں تھے' بلکہ مدینہ سے کچھ فاصلے پر سُنح میں تھے۔ حادثہ کی اطلاع پا کر آئے تو لوگوں کو سراسیمہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسجد میں تقریر کرتے ہوئے پایا۔ لیکن وہ بغیر ذرا بھی رکے سیدّھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں داخل ہوئے۔ آنحضرت ﷺ کے چہرۂ مبارک سے چادر ہٹائی اور بوسہ دیتے ہوئے فرمایا: ''کتنے پاکیزہ تھے زندگی میں اور کتنے پاکیزہ ہیں مرنے کے بعد'' اس کے بعد لوگوں کے پاس گئے اور فرمایا:

''اے لوگو! جو لوگ محمد ﷺ کی پرستش کر رہے تھے' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ محمد (ﷺ) وصال فرما گئے اور جو لوگ اللہ کی پرستش کر رہے تھے' ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا''۔

اس کے بعد قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت فرمائی' جس کا ترجمہ یہ ہے۔

''محمد صرف اللہ کے ایک رسول (ﷺ) ہیں' ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ کیا وہ اگر مر گئے یا قتل ہو گئے تو تم پیٹھ پیچھے پھر جاؤ گے۔ وہ اللہ کو کچھ

نقصان نہیں پہنچائیں گے' اللہ شکر گزاروں کو عنقریب بدلہ دے گا"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو ان کو یقین آیا کہ آنحضرت ﷺ فی الواقع انتقال فرما چکے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہوئے شدت غم سے زمین پر گر پڑے۔ اس کے بعد انہوں نے اور دوسرے مسلمانوں نے معاملہ کی اہمیت پر اس کے صحیح پہلو سے غور کرنا شروع کیا۔ ورنہ اس سے پہلے تو ان کے ذہن ایک بالکل دوسری ہی راہ پر چل پڑے تھے' جس سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بصیرت ایمانی نے اگر ان کو بالکل وقت پر نہ موڑا ہوتا تو نہیں معلوم وہ اس غلط راہ پر کتنی دور تک نکل جاتے اور کن کن خطروں سے دوچار ہوتے اور کتنے فتنوں میں مبتلا ہوتے!۔

حسن تدبر

سیاست و تدبر کے لحاظ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو مقام حاصل تھا' اس کے ثبوت کے لئے ان کا صرف ایک کارنامہ کافی ہے' جو انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ میں انجام دیا۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کی خبر پھیلتے ہی ابھی آپ کی تجہیز و تکفین بھی نہیں ہوئی تھی کہ انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر اس سوال پر غور کرنا شروع کر دیا کہ آپ کے بعد آپ کی خلافت کا حق کن کو پہنچتا ہے' انصار کو یا مہاجرین کو؟ خزرج کے راہنما حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کی رہنمائی میں انصار کی عام رائے یہ تھی کہ یہ حق انصار کو حاصل ہے نہ کہ مہاجرین کو۔ وہ اپنے اس حق کو حاصل کرنے کے لئے اس قدر سرگرم اور پرجوش تھے کہ ان کے بعض لیڈروں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر ان کے اس حق کو تسلیم نہ کیا گیا تو اس کے لئے تلواریں نیام سے نکلیں گی۔ انصار کے حلقہ میں ہلکی سے ہلکی رائے اس معاملے میں ان لوگوں کی تھی جو منا امیر ومنکم امیر (خلیفہ انصار و مہاجرین دونوں میں سے باری باری مقرر ہو) کے فارمولے پر

سمجھوتے کے لئے راضی تھے۔

ادھر سقیفہ بنی ساعدہ میں یہ ہنگامہ گرم تھا اور ادھر مہاجرین کے بڑے بڑے رہنماؤں کا حال یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے ساتھ مسجد نبوی میں آنحضرت ﷺ کی وفات کے مسئلہ پر غور کر رہے تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تجہیز و تکفین کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ اتنے میں ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع اور انصار کے لیڈروں کی تقریروں کی اطلاع دی۔ انہوں نے یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو باہر بلایا۔ پہلے تو انہوں نے اپنی مشغولیت کی بناء پر معذرت کی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاملے کی اہمیت سمجھائی تو مجبوراً باہر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حالات سنتے ہی فوراً محسوس کر لیا کہ اگر جلد سے جلد صورت معاملہ پر قابو پانے کی کوشش نہ کی گئی تو اندیشہ ہے کہ امت کا شیرازہ درہم برہم ہو جائے۔ چنانچہ اسلام اور مسلمانوں کی محبت نے ان کو مجبور کیا کہ وہ رسول کریم ﷺ کی تجہیز و تکفین کے اہم ترین کام کو ملتوی کر کے پہلے مسلمانوں کو ایک ہولناک فتنہ سے بچانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ وہ فوراً حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے۔

وہاں پہنچ کر انہوں نے پہلے ساری صورت حال کا جائزہ لیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ انصار کے بعض رہنماؤں کی زہر آلود تقریروں نے لوگوں کے ذہن بری طرح خراب کر دیئے ہیں اور اکثریت کے تیور اچھے نہیں رہے ہیں۔ لیکن وہ مایوس نہیں ہوئے بلکہ حالات کو درست کرنے اور غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تقریر کے لئے اٹھنا چاہا لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی طبیعت کی تیزی کا خیال کر کے اس موقع پر ان کا تقریر کرنا مناسب نہیں سمجھا اور خود اٹھ

کر ایک تقریر فرمائی۔ یہ تقریر ایسی فصیح و بلیغ، ایسی مدلل ایسی منصفانہ اور ایسی حکیمانہ تھی کہ تمام سلیم طبیعتوں کے اندر گھر کر گئی۔ انصار کے بعض رہنماؤں نے اس تقریر کا جواب دینے کی کوشش کی، لیکن اس کا جواب دینا ممکن نہ تھا۔ انصار کی تعریف میں جتنا کچھ کہا جا سکتا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود بہتر سے بہتر لفظوں میں کہہ دیا تھا اور ساتھ ہی اپنے نقطہ نظر کو ایسے مدلل طریق پر اور ایسے غیر متزلزل لب ولہجہ میں پیش کر دیا تھا کہ کسی غلط امید کے لئے کوئی گنجائش سرے سے باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی تقریر سے اکثریت کا ذہن صاف ہو چکا ہے اور اب لوگ ان کی رہنمائی قبول کرنے کے لئے آمادہ ہیں تو انہوں نے ایک بہترین سیاسی رہنما کی طرح صحیح موقع سے صحیح فائدہ اٹھایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں تمہارے بہترین آدمیوں میں سے ہیں، ان میں سے جس ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو قبل اس کے کہ ان کا یا حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نام زیر بحث آئے، فوراً سبقت کر کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے درخواست کی۔

''ہاتھ لایئے ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں، آپ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی جگہ مسلمانوں کو نماز پڑھانے کیلئے منتخب کیا، اس وجہ سے آپ ہی سزاوار ہیں کہ مسلمانوں کے خلیفہ بنیں۔ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے درحقیقت اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کریں گے جو ان تمام لوگوں میں بہترین ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے محبت کی ہے۔ اسی طرح حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی آگے بڑھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے بولے'' ''آپ تمام مہاجرین میں سب سے افضل ہیں۔ آپ غار میں رسول اللہ ﷺ کے تنہا ساتھی تھے۔ مسلمانوں کے سب سے بڑے فریضہ دینی نماز کے قیام واہتمام میں آپ رسول اللہ ﷺ کے جانشین ہیں تو

آپ کے ہوتے ہوئے بھلا اس منصب کا سزاوار آپ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے"؟

مہاجرین کے وہ چوٹی کے لیڈروں نے جن پر اس منصب کیلئے نگاہ پڑھ سکتی تھی' مذکورہ بالا الفاظ میں اپنے ہی جذبات کا اظہار نہیں کیا بلکہ پوری قوم کے جذبات کی ترجمانی کر دی اور اس شخص کی طرف انگلی اٹھا کے اشارہ کر دیا جو پوری قوم کے اندر منصب خلافت کی ذمہ داریوں کیلئے بہترین شخص تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب محسوس کر لیا کہ لوگ یہ ذمہ داری انہیں کے کندھوں پر ڈالنے کیلئے مصر ہیں تو باوجود یکہ ان سے زیادہ اس قسم کے عہدوں سے بھاگنے والا کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا لیکن انہوں نے قبول کر لیا' ان کی آمادگی کا اظہار ہوتے ہی تمام انصار بجز حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کیلئے اس جوش و خروش کے ساتھ بڑھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کی ریل پیل میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ روندے جائیں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر اپنے سیاسی عزم و حزم کا جو ثبوت دیا' اس کے بیان کیلئے میں مصر کے مشہور مورخ محمد حسین ہیکل کے مندرجہ ذیل الفاظ مستعار لے لیتا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں "اس میں شبہ نہیں کہ یہ اجتماع اسلام کی زندگی میں ایک نہایت اہم اجتماع تھا اور اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر غیر معمولی عزم و حزم کا ثبوت نہ دیا ہوتا تو اندیشہ تھا کہ اس نئے دین کے خلاف خود اس کے گہوارہ کے اندر بھی اس طرح کی بغاوت پھوٹ پڑے جس طرح کی بغاوت عرب کے دوسرے مقامات سے پھوٹ پڑی تھی' اور یہ بغاوت ایسے وقت میں پھوٹتی جب کے پیغمبر اسلام کی نعش مبارک ابھی سپردِ خاک نہ ہوئی تھی"۔

واقعہ غار ثور

مکہ میں ایک مکان دارالندوہ تھا اس میں کفار قریش کا مجمع ہوتا اور اس امر کے

ریز ولیوشن پاس ہوا کرتے کہ کن کن ذرائع سے تبلیغ رسالت روکی جائے۔ چنانچہ ایک بار مسلمانوں پر کفار قریش کے سخت تشدد ہوئے تو حضور ﷺ کی اجازت سے اکثر و بیشتر مسلمان مکہ سے حبشہ وغیرہ چلے گئے۔ پھر کفار نے مشورہ کیا کہ ممکن ہے اہل مدینہ سے مل کر یہ لوگ ان مظالم کا ہم سے بدلہ لیں۔ بہتر یہ ہے کہ اس سے قبل محمد ﷺ کا کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ بذریعہ وحی ارشاد الٰہی ہوا کہ اے ہمارے حبیب! تمہارے قتل کے سامان ہو چکے ہیں' لہٰذا اب مدینہ ہجرت کر جاؤ۔ آپ اس حکم کو سن کر دوپہر کے وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہے کہ تمہاری کیا مرضی ہے؟ آپ نے عرض کی: ''حضور ﷺ صدیق کی جان حضور ﷺ پر نثار ہے۔ جب حضور ﷺ تشریف لے جا رہے ہیں تو صدیق کہاں رہ سکتا ہے اور فرطِ محبت سے آنسو نکل آئے۔ پھر آپ نے دو اونٹنیاں اپنے روپیہ سے خرید فرمائیں اور عبداللہ بن اریقط کو جو مشرک تھا وہ دونوں اونٹنیاں دیں اور پھر فرمایا: غار ثور میں یہ اونٹنیاں خفیہ طور سے لے جا کر رکھو اور آج کے تیسرے روز ہمیں وہاں ملو اور اس راز کی کسی کو خبر نہ دینا۔

غار ثور مکہ معظمہ سے جنوب کو پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ مشورہ کر کے حضور ﷺ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہاں سے دولت کدہ پر تشریف لائے۔ شب کو نوجوانانِ قریش ندوہ سے مشورہ کر کے آئے اور باب عالی کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ حضور رسول اکرم ﷺ نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹایا اور فرمایا کہ یہ امانتیں مکہ والوں کی دے کر تم مدینہ آنا اور خود کفار مکہ کے درمیان سے گزر کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لے گئے۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے دونوں مقدس ہستیوں کیلئے سامان سفر مہیا کر لیا تھا۔

حضور رسول اکرم ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مقام غار ثور میں پہنچ

گئے۔ علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر کی جلد رابع میں فرماتے ہیں کہ جب دونوں غارِ ثور پر پہنچے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پہلے غار میں اس نیت سے اندر داخل ہوئے کہ غاروں میں اکثر خطرناک جانور ہوتے ہیں' میں نے یہ سوچا کہ اگر کوئی ہو تو مجھے ایذا پہنچائے اور حضور ﷺ کو اس سے محفوظ رہیں۔۔

صبح تک دولت سرائے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر کفارِ قریش کے نوجوان چاروں طرف رہے۔ علی الصباح معلوم ہوا کہ حضور ﷺ تو صاف نکل گئے' اور یہ علی (رضی اللہ عنہ) ہیں تو مایوس ہو کر لوٹے اور اعلان کیا کہ جو حضور سیّد یوم النشور ﷺ کا سر لائے گا اسے خاطر خواہ انعام ملے گا۔

یہ سنتے ہی سوار چاروں طرف دوڑ پڑے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ تین بار غارِ ثور پر بھی آئے۔ یہاں تک کہ خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی انہیں دیکھا تو آبدیدہ ہو کر حضور نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اگر کوئی بھی ان میں سے اپنے قدموں پر نظر ڈالے گا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ حضور ﷺ نے متبسم ہو کر جواب دیا: ابوبکر! کس خیال میں ہو ہم دو کے ساتھ تیسرا اللہ نگہبان ہے''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضور ﷺ تین شبانہ روز اس غارِ ثور میں پوشیدہ رہے اور عبداللہ بن ابی بکر شب میں حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت کرنے کو آ جاتے اور دن نکلنے سے پہلے مکہ پہنچ جاتے' دن بھر جو مشورہ قریش میں ہوتا سن کر شب کو حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کر دیتے۔

گویا آپ اسلامی سی آئی ڈی کی خدمت پر مامور تھے اور اس سے سی آئی ڈی کی وجۂ جواز بھی ملتی ہے۔

عامر بن فہیرہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بکریاں دن بھر غارِ ثور ہی کے پاس چرایا کرتے' رات کو دودھ والی بکریاں غار کی طرف ہانک دیتے' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

ان کا دودھ لے لیتے۔ بالآخر قریش مایوس ہو کر کچھ خاموش ہوئے۔ ان کی تلاش کی سرگرمی ٹھنڈی ہوئی تو تیسرے روز عبداللہ بن اریقط نے اونٹنیاں غار پر لا کر لگائیں۔ ان پر سوار ہو کر آپ نے مدینہ کا رخ کیا۔

صاحب تفسیر حسینی فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ جب غار میں داخل ہوئے تو بحکم الٰہی کیکر کا درخت اس غار کے منہ پر شب بھر میں پیدا ہو گیا اور صحرائی کبوتر نے گھونسلا بنا کر انڈے دے دیئے اور مکڑی نے جالا پور لیا۔ کفار قریش شیطان کی مخبری سے یہاں تک آئے تو کبوتر کا گھونسلا اور مکڑی کا جالا دیکھ کر لوٹ گئے کہ یہاں کوئی آیا گیا نہیں۔

سورہ توبہ کی آیہ کریمہ سے خاص طور پر فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایسا اظہار ہے کہ قرآن کا ماننے والا انکار نہیں کر سکتا۔ اللہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مصاحب رسول (ﷺ) فرما رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ **اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ** یعنی جب وہ یار غار سے فرماتے تھے **لَا تَحْزَنْ** مت ڈرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

کتب سیر میں باختلاف الفاظ ایک قصہ یہ بھی ہے کہ اس غار میں ایک سانپ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ سے محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کا منتظر تھا۔ اس نے تصور محبوب سے ہزارہا سوراخ غار میں کر رکھے تھے جس کی دو وجہیں تھیں۔

اوّل یہ کہ فراق محبوب کے تیروں سے جو اس کا سینہ چھلنی تھا اس کی تصویر اپنے محبوب کو غار کی زمین پر دکھا دے یا یہ کہ جب محبوب رونق افروز ہوں تو کہیں کوئی میرا راستہ بند کر کے مجھے محروم دیدارِ جمالِ باکمال نہ بنا دے۔ بناء بریں ہزارہا راہیں کشادہ کر رکھی تھیں کہ اس راستہ کو بند پاؤں تو اس سے نکل کر اس شمع حسن و جمال وقمرِ توحید پر پروانہ وار فدا ہو جاؤں اور اگر یہ راہ بھی بند ہو تو اس سے نکل کر جمالِ محبوب حاصل کروں۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان سوراخوں کو اپنی ردائے مبارک

کے ٹکڑے کر کے بند کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ ایک سوراخ جب باقی رہ گیا تو چادر ختم ہو گئی۔ آپ نے اپنی جان کی اس جان جہان کے مقابلہ میں پرواہ نہ کی اور اپنے بائیں پاؤں مبارک کی ایڑھی اس پر رکھ دی پھر حضور اکرم ﷺ نے زانوئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر سر ناز رکھ کر خواب فرمایا۔ جب شمیم گیسو نے مشامِ دماغِ عاشق معطر کیا تو بے تابانہ ہر راہ کی طرف پھرا، سب مسدود پائیں۔

حتیٰ کہ سانپ نے ڈس لیا۔ آپ نے پاؤں پھر بھی نہ ہٹایا کہ اتنے میں زہر نے دماغ تک اثر پہنچایا اور بعالمِ بے حسی پائے اقدس ہٹ گیا۔ آپ رونے لگے' آنسو چہرۂ زیبائے محبوب پہ گرے۔ آنکھ کھول کے فرمایا: صدیق! کیا بات ہے' عرض کی کہ حضور ﷺ! میرے کو سانپ نے ڈس لیا' جان کے خوف سے نہیں روتا ہوں' حضور ﷺ کی تنہائی کا غم رلاتا ہے۔ آپ نے اپنے لعاب دہن سے اس زہر کا ازالہ فرمایا جس کا اثر آپ کی پشتوں میں آج تک ہے یعنی شیخ صدیقی نجیب الطرفین کے بائیں پیر کا غسالہ مارگزیدہ کے لئے اکسیر ہے' مختصر یہ کہ وہ سانپ حضور ﷺ کے اردگرد مثلِ طواف کعبہ کے چکر لگا رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ' اس واقعہ کو ایک شعر میں بیان فرماتے ہیں۔

صدیق بلکہ غار میں جاں اس پہ دے چکے
اور حفظِ جاں تو جانِ فرائض غرر کی ہے

غرض کہ حضور ﷺ منازل سفر طے فرماتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ صحیح بخاری کے باب الہجرت میں یوں مندرج ہے۔ حضور ﷺ اونٹنی پہ سوار ہو کر آگے چلے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے تھے تو اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بوڑھے معلوم ہوتے تھے اور حضور رسول کریم ﷺ جوان۔

اسوۂ صدیقی

آپ کا اخلاق وسیع اور خوفِ خُدا بدرجۂ غایت تھا۔ آپ اپنی ضرورت سے زیادہ کبھی صرف نہ فرماتے اور مکلف اغذیہ سے مجتنب رہتے حتیٰ کہ حضور سیّد یوم النشور ﷺ نے فرمایا کہ جو زمین پر مردہ کو چلتا دیکھے تو وہ صدیق کو دیکھ لے۔ چنانچہ مولانا روم مثنوی شریف میں اس قصہ کو یوں فرماتے ہیں۔

مصطفیٰ زیں گفت اے اسرار جُو — مردۂ خواہی کہ بینی زندہ تُو
می رود چوں زندگاں برخاکداں — مُردۂ جانش شدہ بر آسماں
جانش را ایندم بہ بالا مسکنی است — گر بمیرد رُوحِ او را نقل نیست
زانکہ پیش از مرگ او کردہ است نقل — ایں بمردن فہم آید نے بہ عقل
ہر کہ خواہد کہ بہ بیند بر زمیں — مُردۂ کو مے رود ظاہر چنیں
مر ابوبکر تقی را گو ببیں — شد ز صدیق امیرُ المتقیں

آپ کے فضائل میں حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔ ”اگر ابوبکر کے ایمان کو سارے عالم کے آدمیوں اور جنوں کے ایمان کے ساتھ تولیں تو بے شک ابوبکر کا ایمان بھاری نکلے گا“۔

آپ کے فضائل میں ایک دن حضور ﷺ نے فرمایا: ”اے ابوبکر! کل قیامت کو خُدا سب پر عموماً تجلی فرمائے گا اور تمہارے ساتھ ایک خاص تجلی ہوگی“ حضرت خواجہ شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے مضمون کو یوں نظم فرماتے ہیں۔

ہرچہ آں از بارگاہِ کبریا — ریخت در صدر شریف مصطفیٰ
جملہ آں در سینۂ صدیق ریخت — لا جرم دائم از و تحقیق ریخت

مختصر یہ کہ آپ غارِ ثور سے چل کر پہلی یا دوسری یا بارہویں یا تیرہویں باختلاف

روایات ربیع الاول شریف اہجری روز دوشنبہ مدینہ منورہ پہنچے۔ اہل مدینہ استقبال کے لئے بیرون شہر حاضر آئے۔

آپ کی سخاوت اور مرتبہ صدیقی کی شان میں یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى. (پ۳۰ سورہ اللیل آیت نمبر ۱۷ تا ۲۰) "یعنی اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیز گار ہے جو اپنا مال دیتا ہے صاف و پاک ہونے کو اور کسی کا اس پر احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے وہ صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے"۔

صاحب تفسیر حسینی اس آیہ کریمہ کے ماتحت فرماتے ہیں کہ بہت جلدی دور کیا جائے۔ وہ عذاب جہنم جو بے حد پرہیز گار ہے یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو انہوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو خرید کر آزاد کیا تو اللہ نے ان کی شان میں یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی۔ آپ کی ہیبت وجلالتِ شاہی باوجود سادہ زندگی بسر فرمانے کے ایسے تھی کہ مملکت کے علاوہ جس کسی غیر سے بھی ملاقات ہوتی تو وہ صاف صاف بے کھٹکے بات کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ تقویٰ اس درجہ تک تھا کہ سوائے معمولی غذا کے کبھی کوئی مٹھائی وغیرہ یا مشتبہ غذا نوش نہ فرماتے۔

خصائص

آپ کے خصائص یہ ہیں کہ آپ کی چار پشتیں شرفِ اسلام سے مشرف ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں رہیں۔

حضرت ابو قحافہ، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، پھر آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن، پھر ان کے صاحبزادے اور آپ کے پوتے ابو عتیق۔ غار ثور میں حضور ﷺ

کے جاں نثار رفیق رہے۔ جنگ بدر میں اخیر تک حضور ﷺ کے جاں نثار رہے۔

مردوں میں اسبق بالایمان آپ ہی ہیں۔ قرآن کریم جمع فرمانے میں سب سے پہلے آپ نے ہاتھ بڑھایا۔ سب سے اول خلیفۂ رسول اللہ ﷺ آپ ہی ہیں۔ سب میں بڑی بات یہ ہے کہ اول سے زندگی بھر حضور ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ بعد انتقال بھی پہلوئے حبیب میں ہی مدفون ہوئے۔ آپ کی مہر پر "نعم القادر اللّٰہ" کندہ تھا۔

آپ کی نظر میں اہل اسلام غریب، امیر، صغیر، کبیر، غلام، آزاد، فقیر، رئیس، مرد، عورت سب برابر تھے۔ جب کچھ تقسیم فرماتے تو سب کو برابر دیتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اعتراض فرمایا تو آپ نے جواب دے دیا کہ سابقین اولین اگر سب سے پہلے ایمان لائے ہیں تو اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے۔ یہ دنیا ہے، یہاں سب مسلمان برابر ہیں۔

موسم سرما میں گرم کپڑے اور کمبل خرید کر بیوہ عورتوں، یتیم بچوں کو تقسیم فرماتے۔

ہر روز بازار جا کر عورتوں مردوں کے سودے خرید لاتے۔ اکثر اپنی بکریاں جنگل سے چرا لیتے اور ان کا دودھ دوھ کر غرباء کو پلاتے۔ جب آپ خلیفہ ہو گئے تو ایک عورت نے جو بیوہ تھی آہ سرد بھر کے عرض کی "ابوبکر! اب تو تم خلیفہ ہو گئے، اب ہمیں دودھ کیوں لا کر دینے لگے"۔ آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: "نیک بخت! خلیفہ ہو جانے سے تیری خدمت مجھ پر فرض ہو گئی"۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب تک آپ زندہ رہے سب خدمات بدستور ادا کرتے رہے۔ آپ پندرہ دن بخار میں رہے اور گھر سے باہر تشریف نہ لا سکے۔ ان پندرہ دنوں میں آپ کی اجازت سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز کی امامت فرمائی۔

مؤرخین کا اتفاق ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہایت اعلیٰ حاکم، منصف مزاج، متحمل، سادہ دل، اور اپنے ذاتی نفع سے بے تعلق خلیفہ تھے۔ غرض کہ آپ کی تمام زندگی اتباع محمد رسول اللہ ﷺ میں گزری۔

صدیق کا لقب

صدیق کے معنی ہیں سچ بولنے والا۔ معاملے کا کھرا' اور سچی بات کی تصدیق کرنے والا۔ اسراو معراج کے سفر سے واپسی پر حضور علیہ السلام کی تصدیق کرنے کی بناء پر آپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہلاتے ہیں۔ محمد حسین ہیکل بعض متاخرین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ کی کنیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وجہ یہ تھی آپ نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور بلا حیل و حجت اور بلا تامل قبول کیا تھا۔

شادیاں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ شادیاں کیں۔

۱) پہلی شادی مکہ معظمہ کے قبیلہ عامر کی قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے ہوئی۔ جن سے بروایت ابن سعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی پیدائش ہوئی۔ حضرت اسماء بنت ابوبکر کی شادی حضرت زبیر بن العوام سے ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ بیوی ایمان کی دولت سے محروم رہیں اور علیحدگی کے بعد انہوں نے مکہ میں ہی دوسری شادی کرلی تھی۔ وہ ایک موقع پر اپنے خاوند کے ہمراہ مدینہ منورہ بھی گئی تھیں۔

۲) دوسری شادی بنی کنانہ کی ام رومان بنت عمر بن عامر سے ہوئی۔ جن کے بطن سے حضرت عبدالرحمٰن اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جنم لیا۔ یاد رہے کہ یہ حضرت ام رومان کی دوسری شادی تھی جبکہ ان کی پہلی شادی طفیل بن سنجرہ سے ہوئی تھی۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ طفیل بن سنجرہ کے بیٹے تھے' اس طرح وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخیافی بھائی تھے۔

۳) آپ کی تیسری شادی ام بکر سے ہوئی تھی جو قبیلہ کلب سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ مسلمان نہ ہوئیں اور نہ ہجرت کے موقع پر مدینہ گئیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

انہیں طلاق دے دی تھی۔ (بخاری کتاب مناقب الانصار باب ۴۵)

۴) یہ شادی قبیلہ خثعم کی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس سے ہوئی جن سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شادی ہوئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

۵) یہ شادی مدنی خاندان الحارث بن الخزرج کی حبیبہ بنت خارجہ سے ہوئی۔ ان کے بطن سے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔

(اُردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ا ص ۵۱، ۷۵۰)

تجارت سے لگاؤ

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک کامیاب تاجر تھے۔ قبول اسلام کے وقت بھی آپ چالیس ہزار درہم کے سرمایہ کے تاجر تھے۔ تجارت کے سلسلے میں بیرون ممالک و امصار کے لوگوں سے بھی اچھی خاصی واقفیت تھی۔ پہلا سفر اٹھارہ سال کی عمر میں کیا۔ ہجرت کے بعد بھی آپ کو بسلسلہ تجارت بصرہ وغیرہ جانے کا موقع ملا۔ (ابن ماجہ کتاب الادب باب المزاح) آپ کپڑے کے کامیاب تاجر تھے اور بہت خوشحال تھے۔ جس کی شہادت قرآن (سورۃ نور آیت ۲۲) سے بھی ملتی ہے۔ ابن ماجہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان موجود ہے کہ میں قریش میں سب سے بڑا اور متمول تاجر تھا۔ (ایضاً) ابن سعد نے بھی آپ کو ایک مشہور تاجر بتایا ہے۔ (ابن سعد ۳/ا ص ۱۲۲)

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو لکھنا پڑھنا بھی آتا تھا۔ آپ قبائل عرب کے حسب نسب کے بھی ماہر تھے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی آپ کے اخلاق میں اخلاق محمدی کا پرتو ملتا تھا۔ ابن الدغنہ نے قریش کے سامنے آپ کے بارے میں یہ الفاظ کہے تھے کہ

آپ فقراء و مساکین کے دستگیر ہیں۔ گمشدہ نیکیوں کو بجا لانے والے ہیں۔ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ مہمان نواز ہیں۔ راہ حق میں ڈٹ جانے والوں کے معان و مددگار ہیں۔ (بخاری کتاب الکفالہ باب ۴ کتاب مناقب الانصار باب ۴۵) ایسے ہی الفاظ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے سیّدنا سرور کونین ﷺ کے بارے میں استعمال کئے تھے۔ اس سے دونوں کی طبیعت کی یکسانیت و ہم آہنگی کا پتہ چلتا ہے۔ حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایام جاہلیت میں ہی اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی۔

سیّد عالم ﷺ سے دوستی

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سرشت میں نیکی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ آپ نیک لوگوں کے ساتھی اور دوست تھے۔ سیّد عالم کی بعثت سے پہلے ہی ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ اخلاق و عادات کی مماثلت نے بھی ان تعلقات کو بہت بڑھا دیا تھا۔ صبح و شام دونوں وقت رسول خدا ﷺ آپ کے مکان پر ضرور تشریف لاتے تھے۔ یہ دستور العمل مکی زندگی میں اسلام سے پہلے اور ظہور اسلام کے بعد بھی قائم رہا۔

(بخاری مناقب الانصار ب ۴۵)

ابن سعد (طبقات ج ۳/ا ص ۱۲۱) اور ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں تصریح کی ہے کہ حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ' سیّد عالم نبی اکرم ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ ایک قول یہ ہے کہ بالغ مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بچوں میں سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور عورتوں میں سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے۔

ایمان لانے کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی ساری قوت و ثروت' اثر و رسوخ'

مال و متاع حتیٰ کہ جان اور اولاد تک کو سیّد عالم ﷺ اور دین حق کے لئے وقف کر دیا تھا اور آپ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ حضور سیّد عالم ﷺ کی اطاعت و رفاقت میں پوری استقامت اور اولوالعزمی ساتھ وقف تھا۔ جب کفار مکہ نے نئے نئے اہل ایمان کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا تو ایک متمول اور باوقار تاجر ہونے کے باوجود حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہ تھے۔ چنانچہ بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے دو مرتبہ حبشہ کی طرف رخت سفر باندھا اور ہجرت کر گئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ہجرت کے ارادے سے پانچ منزلیں طے کر چکے تھے کہ راہ میں برک الغماد کے مقام پر القادہ کے سردار ابن الدغنہ مل گئے۔ انہیں جب آپ کی ہجرت کے بارے میں علم ہوا تو بولے کہ آپ جیسا نیک اور اخلاق حمیدہ کا حامل شخص مکہ سے نکلنے پر ہرگز مجبور نہیں کیا جا سکتا' پس وہ آپ کو اپنے ساتھ مکہ واپس لے آئے۔ حتیٰ کہ جب سیّد کونین ﷺ کو ہجرت کا اذن ملا تو حضرت سیّدنا ساتھ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی ان کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ (بخاری کتاب المنازل ب ۲۸) اور یہی وہ رفاقت عظمیٰ ہے جس کا ذکر بلند قرآن حکیم (سورۃ انفال ۴۰) میں بھی آیا ہے' جس کی تلاوت ابد تک ہوتی رہے گی۔ مدینہ پہنچنے پر جلد ہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کنبہ بھی ہجرت کر کے سیّد عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں پہنچ گیا جس میں حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا وغیرہ شامل تھیں۔ البتہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ مکے میں ہی رہے۔ مدینہ منورہ میں سیّدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بنو حارث بن خزرج کے درمیان ''السنح'' کے محلہ میں رہنے کو ایک مکان ملا۔ مواخات مدینہ میں آپ کے انصاری بھائی حضرت خارجہ رضی اللہ عنہ بن زید تھے جو بعد میں آپ کے خسر بھی ہو گئے کیونکہ حضرت حبیبہ بنت خارجہ سے آپ کی شادی ہو گئی تھی۔ آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن کو فتح مکہ سے پہلے ایمان کی دولت نصیب ہو سکی جبکہ انہوں نے کفار مکہ کے ساتھ مل

کر غزوہ بدر و احد میں مسلمانوں کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا تھا۔

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر

مدینہ منورہ میں سب سے پہلی مسجد تعمیر کرائی گئی جس کی زمین دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھی۔ اگرچہ ان بچوں نے برضا و رغبت زمین بغیر کسی معاوضہ کے پیش کر دی تھی لیکن سیّد عالم ﷺ نے اس کی زمین کی قیمت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے انہیں دلوا دی۔

اسلام کے لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمات کا احاطہ کرنا آسان نہیں۔ مکہ میں جن دنوں اسلام کا نام لینا جان جوکھوں کا کام تھا' سیّدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سعی بلیغ فرمائی اور حضرت سعد بن ابی وقاص' حضرت عثمان بن عفان' حضرت طلحہ' حضرت زبیر بن عوام عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت ابوعبیدہ بن الجراح' حضرت عثمان بن مظعون' حضرت ابوسلمہ' حضرت ابن عبدالاسد اور حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین کو بارگاہ رسول ﷺ میں لا کھڑا کیا تاکہ ایمان کی دولت پا سکیں۔ آپ کے غلام عامر بن فہیرہ نے ابتداء میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپ نے بعض صحابہ کبار رضی اللہ عنہم کو گرہ سے رقم دے کر غلامی سے نجات دلائی۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو قرآن' حدیث اور فقہ میں غیر معمولی فہم و فراست حاصل تھی' نیز خطابت' فن شاعری' انساب اور تعبیر رویا میں بھی کمال حاصل تھا۔ عہد اسلام میں آپ نے شاعری چھوڑ دی تھی تاہم نبی کریم ﷺ کی وفات پر آپ نے تین مرثیے کہے تھے جو طبقات ابن سعد (ج ۲/۲ ص ۸۹ بعد) میں منقول ہیں۔ آپ کے ایمان کا یہ حال تھا کہ بسا اوقات نبی اکرم ﷺ نے اپنے ایمان میں آپ کے ایمان کو شامل فرمایا (کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ ب ۶/۵ کتاب الحرث والمزارعت ب ۴)

زہد وورع کا یہ عالم تھا کہ اپنا سارا مال راہ خُدا اور رسول ﷺ میں لٹا دیا۔ آپ نے مرتے وقت نہ درہم چھوڑے نہ دینار گویا' آپ درویشانہ بسر اوقات کرتے تھے۔

(طبقات ابن سعد ج ۳/ ا ص ۱۳۹)

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بطور سرخیلِ تصوف

سیّد ہجویر' مخدوم امم' حضرت داتا گنج بخش لاہوری ''کشف المحجوب'' میں تصوف کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **من سمع صوت اهل التصوف فلا يومن علىٰ دعائهم كتب عندالله من الغافلين** جو کوئی صوفیاء کی آواز سنے پھر ان کی پکار کو قبول نہ کرے تو وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں شمار ہوگا۔ (کشف المحجوب اُردو ص ۶۹)

دین کے دو پہلو ہیں۔ (۱) صوری (۲) معنوی

صوری پہلو شریعت کہلاتا ہے اور معنوی پہلو طریقت یا تصوف' جس کا تعلق قلبی سوز و گداز اور روحانی طہارت و لطافت سے ہے۔ اس کا تعلق تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن سے ہے۔ اگر ظاہری اعمال کی روح یعنی خلوص کو نکال دیں تو باقی ریاکاری ہی بچتی ہے۔ گویا پھول اپنی رنگینیاں تو رکھتا ہے لیکن خوشبو سے معرا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے تصوف پر بھرپور روشنی ڈالی ہے اور ثابت کیا ہے کہ کمال طریقت کے لئے جن اوصاف اور ملکات کی ضرورت ہوتی ہے وہ سارے کے سارے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات میں بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔ مثلاً توکل' احتیاط' تواضع' رقت قلب' شفقت بر مخلوق خُدا' رضاء الٰہی' عشق رسول ﷺ' نفی ارادہ وذات' زہد' خشیت' عبرت' عاجزی وانکساری' تحمل' بردباری' فقر و درویشی وغیرہ۔

یہ سرمایہ گویا حضرت سیّدنا صدیق عتیق رضی اللہ عنہ کے گھر کی لونڈی ہے۔ اسی بناء پر

اصفیاء کا ہر گروہ اور ہر دور کے اہل تصوف تسلیم کرتے ہیں کہ آپ اصفیاء و اہل طریقت کے سرخیل و امام تھے۔

حضرت سیّد علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تصوف کی جڑ صفا ہے۔ صفا کی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ اصل اس کی انقطاع عن الاغیار ہے یعنی غیر سے تعلق توڑ لیا جائے اور فرع اس کی یہ ہے کہ سالک کا دل دنیا کی محبت سے خالی ہو۔ چونکہ صفا صدیقیت کی لازمی صفت ہے۔ اس وجہ سے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اہل طریقت کے امام ہیں۔ (بحوالہ ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۱) حضرت ابوالعباس رضی اللہ عنہ بن عطا ایک مشہور صوفی بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ: کونوا ربانیین کا کیا مطلب ہے تو فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح اللہ والے بن جاؤ۔ کیونکہ حقیقی اللہ والے کی یہ صفت ہوتی ہے کہ چاہے دونوں جہاں زیر و زبر ہو جائیں لیکن اللہ والے کو اللہ پر اس قدر بھروسہ اور یقین ہوتا ہے کہ وہ کسی اضطراب اور تشویش کا شکار نہیں ہوتا۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہی شان تھی۔ جیسا کہ حضور ﷺ کی وفات کے وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کا برا حال تھا لیکن اپنے پورے حواس کے ساتھ اگر کوئی شخص اپنا کردار نبھا رہا تھا تو وہ حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ نے اپنی کل جمع پونجی دربار رسالت میں بصد ادب و احترام پیش کر دی۔ دانائے کونین ﷺ نے حالات کو بھانپ کر پوچھا۔ صدیق! گھر والوں کے لئے بھی کچھ رکھا ہے؟ عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ! بہت بڑی متاع ان کے لئے بھی رکھ آیا ہوں۔ فرمایا کیا؟ عرض کیا۔ اللہ اور اس کا رسول ﷺ۔ حضرت ابوبکر الواسطی کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ طریقت و معرفت کی راہ کا پہلا پتھر ہے جس کو دیکھ کر سالکین اپنی منزل کا تعین کرتے ہیں۔ پس آپ کے اس جملے سے صوفیائے کرام نے بڑے بڑے اہم لطائف اخذ کئے ہیں اور رموز تصوف کا استخراج کیا ہے۔

(کتاب اللمع فی التصوف مطبوعہ لندن ص ۱۲۱)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صدیق اکبر ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت بکر بن عبداللہ المزنی سے مروی ہے کہ آپ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس لئے افضل نہ تھے کہ آپ نماز، روزہ وغیرہ میں سے کوئی زاد کثیر رکھتے تھے بلکہ اس کی وجہ ان کے قلب منور کی ایک خاص حالت تھی کہ آپ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے لئے عشق کی حد تک محبت اور عرفان رکھتے تھے اور آپ کا جینا مرنا سب اللہ کے لئے تھا۔ (ایضاً ص ۱۲۳)

حضرت جنید بغدادی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان سے توحید الٰہی کے بارے میں اس فقرے کا ذکر کرتے ہیں۔ **سُبْحَانَ من لم یجعل للخلق طریقا الی معرفته الا العجز عن معرفته** یعنی اللہ پاک نے اپنی معرفت کا یہی طریقہ کھلا چھوڑا ہے کہ مخلوق اس کی معرفت کے معاملے میں عجز کا اقرار کرے۔

(بحوالہ ایضاً ص ۱۳۴)

شریعت و طریقت اور عرفان و معرفت میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا درجہ ہے۔ انبیاء کے بعد صدیقین، شہداء اور صالحین کی درجہ بندی قرآن سے ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے صدیق کا لقب پانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ شریعت اور طریقت میں ارباب شرع و تصوف کے امام اور پیشوا ہیں، اور صوفیاء کے تین سلسلے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک اور سلسلہ نقشبندیہ سیّدنا صدیق عتیق رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے۔

حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخش کشف المحجوب (ذکر ائمہ تصوف از صحابہ اُردو ترجمہ ص ۱۱۳ تا ۱۱۵) میں لکھتے ہیں۔

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شیخ الاسلام بعد از انبیائے خیر الانام (علیہم السلام) خلیفہ و امام تارکان دنیا کے سردار، صاحبان خلوت کے شہنشاہ، آفات انسانی سے دور امیر المومنین سیّدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

آپ کی کرامتیں اور بزرگیاں مشہور ہیں اور معاملات وحقائق میں آپ کے نشانات ودلائل ظاہر ہیں۔ باب تصوف میں آپ کے کچھ حالات مذکور ہیں۔ آپ کو مشائخ طریقت نے ارباب مشاہدہ وعرفاء میں مقدم (پہلے نمبر پر) رکھا ہے اس لئے کہ آپ کی روایت وحکایت کم ہیں' اور سیّدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو ارباب مجاہدہ میں مقدم رکھا ہے اس لئے کہ آپ کے معاملات اور حق پر صلابت صحیح خبروں میں مرقوم اور اہل علم کے علم میں ہے...... مجاہدہ کا مقام مشاہدہ کے پہلو میں ایسا ہے جیسے دریا میں قطرہ۔ یہ اس لئے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: **ھل انت الا حسنه من حسنات ابی بکر** یعنی اے عمر رضی اللہ عنہ تم تو بس صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہو۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نیکیوں میں سے ایک نیکی ہیں' جن سے اسلام کو تقویت اور نیکی ملی تو غور کرو کہ سارے جہان کے لوگ (صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں) کس درجہ میں ہوں گے۔ جو فرماتے ہیں **دارنا فانية واحوالنا عارية وانفاسنا معلودة وكسلنا موجودة** یعنی ہمارا گھر فانی ہے' ہمارے احوال عاری ہیں اور ہمارے سانس گنتی کے ہیں اور ہماری سستی وکاہلی ظاہر وباہر ہے۔ میں (علی ہجویری) کہتا ہوں کہ فقر کی صفت اس وقت کھل کر ظاہر ہوتی ہے جب غنا اور مال داری کی حالت میں فقر کا ارادہ اس کے دل پر جاری ہو جائے اور وہ ایسا عمل کرے جو اسے آدم علیہ السلام اور اس کی ذریّت کی محبوب چیزوں یعنی دنیوی مال ودولت سے دست کش کردے' نہ یہ کہ فقر کی حالت میں دل غنا اور مال داری کا حریص ہو' اور اسے ایسے اعمال کی رغبت دلائے جو اسے تونگری کے لئے مال داروں کے ڈیروں اور بادشاہوں کے درباروں میں لے جائے۔ بلکہ فقر کی حقیقی صفت تو یہ ہے کہ غنا سے کنارہ کشی اختیار کر کے فقر کی وردی میں بسیرا کرلے نہ یہ کہ فقر میں مال جاہ اور ریاست کی تمنا میں جلتا رہے"۔

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انبیاء علیہم السلام کے بعد ساری مخلوق سے افضل اور مقدم ہیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی ان سے آگے قدم رکھے اور وہ معنی میں مقدم ہو جائے کیونکہ آپ نے فقر اختیاری کو فقر اضطراری پر مقدم اور افضل رکھا ہے۔ یہی تمام مشائخ طریقت کا مذہب ہے۔ جب اللہ تعالیٰ بندے کو کمال صدق پر فائز کرتا اور عزت ومنزلت کے مقام پر اسے متمکن کرتا ہے تو بندۂ صادق امر الٰہی کا منتظر ہوتا ہے۔ اگر فرمان آئے کہ فقیر ہو جا تو وہ فقیر ہو جاتا ہے اور اگر حکم آئے کہ امیر ہو جا تو وہ امیر ہو جاتا ہے' اس معاملے میں اس کی اپنی مرضی نہیں چلتی اور نہ وہ اپنی مرضی کو استعمال کرتا ہے' جس طرح سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابتداء میں بھی امر الٰہی کو اختیار فرمایا اور انتہا میں بھی۔ اسی لحاظ سے صوفیائے کرام نے ترک دنیا ومنزلت وحرص کو فقر پر اور ترک ریاست کی تمنا کو اس لئے پسند کیا ہے کہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دین میں تمام مسلمانوں کے امام عام ہیں اور طریقت میں وہ تمام صوفیاء کرام کے امام خاص ہیں۔

(کشف المحجوب اقتباسات وملخص)

حضرت گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بھی صوفیاء کے منکرین اور مخالفین بوجوہ موجود تھے جس کا ذکر آپ کشف المحجوب کے باب تصوف میں (اُردو ترجمہ ص ۷) اس طرح کرتے ہیں۔

''اس زمانہ میں حق تعالیٰ کی اکثر مخلوق تصوف اور صوفیائے کرام کی ذوات قدس سے پردہ میں رکھی گئی ہے اور تصوف کے لطائف ان کے دلوں پر پوشیدہ کئے گئے ہیں تا کہ کوئی گروہ تو یہ جانے کہ ظاہری اصلاح کے لئے ریاضتیں ہیں اور باطنی مشاہدات سے خالی ہیں اور کوئی گروہ یہ سمجھے کہ تصوف وطریقت بلا اصل وحقیقت ایک رسم ہے اس حد تک ان کا اقرار کرتے ہیں کہ مسخرے اور ظاہر بین علماء جو کلی طور پر اس (تصوف وطریقت) کے منکر ہو کر تصوف کے حجاب (دور رہنے) میں خوش رہتے ہیں اور ان کی

دیکھا دیکھی بعض عوام بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگتے ہیں۔ منکرین کا گروہ کتنا بدنصیب ہے کہ باطن کی صفائی کی طلب وجستجو کو دل سے محو کر کے سلف صالحین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مذہب کو بھی طاق پر رکھ دیتا ہے (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) ان الصفاء صفة الصديق. ان ارادت صوفياء على التحقيق یعنی اگر تو حق و صداقت کی راہ میں صوفی ہونا چاہیے تو بے شک ہو جا کیونکہ درحقیت صوفیانہ طرز عمل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صفت ہے۔

ہر کہ عاشق شد اگرچہ نازنین عالم است

ناز کی کے راست آید بار می باید کشید

(جو بھی عاشق بنتا ہے چاہے وہ بذات خود دنیا بھر کا معشوق ہو تو عشق کرنے کے بعد اسے نازک مزاجی راس نہیں آسکتی بلکہ اب اُسے مشقت میں لازمی پڑنا پڑے گا)

وفات

آپ کے حالات وفات مختصر یوں ہیں کہ ایک سال قبل از وفات کسی نے آپ کو کھانے میں زہر دے دیا۔ آپ نے حارث بن کلدہ کے ساتھ وہ کھانا نوش فرمایا: حارث طبیب تھے' انہوں نے زہر کو محسوس کر کے آپ سے عرض کی کہ اس کھانے میں یقیناً زہر تھا اور یہ زہر ایسا ہے کہ ایک سال بعد اس کا اثر ظاہر ہوگا۔ ممکن ہے کہ آپ اور ہم ایک ہی دن دنیا سے رخصت ہوں۔ اکثر مورخوں کا بیان ہے کہ حسب پیشگوئی حارث اور آپ دونوں نے ایک ہی تاریخ میں انتقال فرمایا۔

ابتداء آپ کے مرض کی یہ ہوئی کہ ایک روز بوجہ شدت گرمی سرد ہوا میں غسل فرمایا جس سے آپ کو بخار ہوا۔ ایام مرض میں لوگوں نے عرض کی۔ اجازت ہو تو علاج کرایا جائے۔ آپ نے فرمایا: میرے طبیب نے مجھ سے کہہ دیا ہے' فعال لما يريد جوالله

چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔ اس جواب سے جو سمجھنا تھا سب نے سمجھ لیا اور خاموش ہو گئے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انتقال کے دن آپ بے ہوش ہو گئے۔ میں غم مفارقت میں رو رہی تھی کہ کچھ افاقہ ہوا۔ آپ نے فرمایا جاء ت سکرا لموت بالحق ذلك ما كنت منه تحيدُ یعنی موت کی غشی ضرور آئے گی اور یہی وہ حالت ہے جس سے انسان بھاگتا ہے۔ پھر مجھ سے دریافت فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کے کفن میں کیا کیا تھا؟ میں نے عرض کیا، قمیض، عمامہ کے سوا تین کپڑے تھے اور وہ سحول علاقۂ یمن کے بنے ہوئے تھے۔ اس کے بعد پوچھا: کس دن انتقال فرمایا؟ میں نے عرض کی۔ دوشنبہ کے دن انتقال فرمایا: اور آج دوشنبہ ہے۔ آپ نے دعا کی۔ الٰہی! مجھے بھی اپنے محبوب کے روز وفات میں موت دے۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا: بیٹی عائشہ! یہ کپڑا جو اس وقت میرے جسم میں ہے اس میں مجھے ایک دھبہ زعفران کا نظر آتا ہے، اس داغ کو دھوڈالو اور دو کپڑے اور ملا کر مجھے کفن دے دینا۔ یہ سن کر میں رونے لگی۔ آپ نے فرمایا: بیٹی! روتی کیوں ہو؟ یہ دن سب کے لئے ہے۔ میں نے عرض کی: ابا جان! یہ کپڑا نہایت پرانا ہے۔ آپ نے فرمایا: الحی الی الجدید من المیّت انما هو للمهنة والصدید زندہ بہ نسبت مردہ کے نئے کپڑے کا زیادہ محتاج ہے اور کفن قالب انسانی کے لئے ہے جو خون وریم سے ہوتا ہے۔

آپ کا انتقال شب سہ شنبہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ بمطابق ۶۳۴ء کو ہوا۔ صاحب اصابہ آپ کی عمر مبارک ۶۳ سال لکھتے ہیں۔ امام ابن قتیبہ اس سے زائد بتاتے ہیں۔ آپ کی مدت خلافت ۲ سال ۳ ماہ ۲۶ یوم ہے، اور ایک روایت سے ۲ سال ۳ ماہ ۱۰ یوم ہے۔

وقت انتقال آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے میری بیوی اسماء بنت عمیس غسل دیں اور عبدالرحمٰن ان کی امداد میں رہیں۔ ان کے سوا کوئی میرے بدن کو برہنہ نہ دیکھے۔ دم واپسیں آپ کی زبان مبارک پر یہ لفظ تھے۔ اللهم توفني مسلما

والحقنی بالصالحین یعنی اے الٰہی! مجھے دنیا سے مسلمان اٹھا اور اپنے نیک بندوں میں ملا۔ آپ کا جنازہ اس تخت پر اٹھایا گیا جس پر حضور ﷺ استراحت فرمایا کرتے تھے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور حجرۂ صدیقہ میں حضور سیّد یوم النشور ﷺ کے ہم پہلو آپ کو سلایا۔ آپ کا شب میں انتقال ہوا اور شب میں ہی مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت ابن سعد نے حضرت سعید بن مسیّب سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت مکہ معظّمہ تھرتھرایا۔ جس پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے والد جناب ابوقحافہ نے فرمایا: یہ زلزلہ کیسا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا مَاتَ ابْنُکَ کہ آپ کے صاحبزادے نے جام رحلت نوش کیا ہے۔ جس پر حضرت ابوقحافہ نے فرمایا: یہ تو بڑی سخت مصیبت آن پڑی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بعض لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ آپ کو شہداء کے درمیان دفن کر دیا جائے۔ اور بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا جائے۔ ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ مجھ پر نیند کا غلبہ ظاہر ہو گیا پھر میں نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ محبوب کو محبوب کی طرف لے آؤ۔ جب میں بیدار ہوئی تو معلوم ہوا کہ تمام حاضرین نے اس آواز کو سن لیا ہے۔ یہاں تک کہ مسجد میں موجود لوگوں نے بھی اس آواز کو گوشِ ہوش سے سنا۔

(شواہد النبوت' علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ)

ایک روایت ہے کہ انتقال سے پہلے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے تابوت کو رسول اللہ ﷺ کے روضۂ انور کے سامنے رکھ دینا اور ''السلام علیک یارسول اللہ'' کہہ کر عرض کرنا۔ حضور! ابوبکر آپ کے آستانہ پاک پر حاضر ہوا ہے اگر اجازت ہوئی تو دروازہ کھل جائے گا اور مجھے اندر لے جانا' وگرنہ جنت

البقیع میں دفن کر دینا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وصیت پر عمل کیا گیا اور ابھی یہ کلمات پایۂ اختتام کو نہ پہنچے تھے کہ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ (شواہد النبوت)

آپ کے وصال پر چاروں طرف صف ماتم بچھ گئی اور امت اسلام خوف زدہ ہو گئی۔ یہ تو آپ کی مردم شناس نظر تھی کہ آپ نے اپنے بعد حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا۔ بعض صحابہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سخت رویہ کی شکایت کی تو فرمایا: جب خلافت کا بوجھ پڑے گا تو سختی خود بخود عدل و انصاف اور لطف و رحمت کی نرمی میں بدل جائے گی اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے پیش رو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مشن کو آگے بڑھایا۔ وہی عمر رضی اللہ عنہ جن سے لوگ بدکتے اور خوف زدہ رہتے تھے' اس درجہ رقیق القلب اور امت اسلام کے مسائل میں گم ہو گئے کہ ایک ضعیف بڑھیا بھی سر عام ان کا مواخذہ کر سکتی تھی۔ ایک عام بوڑھا' مدینہ کا باشندہ' ان کے جمعہ کے خطاب کو روک کر ان کے جسم کے ملبوس کا حساب طلب کر سکتا تھا۔

لاکھوں سلام ہوں محبوب خدا ﷺ کے اس رفیق پر جو جوانی میں بھی آپ کا ساتھی تھا اور قبر میں بھی آپ کے پہلو میں آرام فرما رہا ہے۔ جس نے اپنا سب کچھ آپ پر لٹا دیا۔ جو ہر جنگ اور ہر مشکل وقت میں رسول اللہ ﷺ کے آگے ڈھال بن کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ جو اپنوں کے لئے بے حد کریم اور باطل قوتوں کے مقابل عزم و ہمت کی چٹان تھا۔ جو قول کا سچا تھا' کلام کا کھرا تھا۔ جو خدا کو بھی پیارا تھا اور خدا کے رسول ﷺ کی آنکھوں کا ستارا تھا۔ جس کے فکر و تدبر کے ستارے آج بھی روشنی بکھیر رہے ہیں اور جس کا کردار وقت کی ظلمتوں میں عشق مصطفیٰ ﷺ کے کبھی نہ بجھنے والے چراغ روشن کر رہا ہے۔

فروغِ روئے دیں صدیق اکبر امیر المومنین صدیق اکبر
چمن زارِ محمد مصطفیٰ کی بہارِ اوّلیں صدیق اکبر

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جلیل القدر صاحبزادی

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

جنہیں حضور ﷺ کی شریک حیات
(اُم المومنین) ہونے کا شرف حاصل ہوا

عفیفۂ کائنات ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عظیم محسنۂ اسلام ہیں۔ آپ کے فضائل اور محاسن عقل وخرد سے ماوریٰ ہیں۔ آپ نے رسول کریم ﷺ کی حیات ظاہری اور آپ کے وصال کے بعد اسلامی تعلیمات کو جس شان سے اصحاب اسلام تک پہنچایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اگر آپ اخفا اور بخل سے کام لیتیں تو نجانے کتنے ہی مسائل عوام الناس اور خاص طور پر محدثین اور مفسرین کی نگاہوں سے اوجھل رہتے۔ آپ کا جب رسول کریم ﷺ سے عقد ہوا تو آپ کی عمر تھوڑی تھی مگر یہ آپ کی کمال درجہ کی علمی فضیلت اور سرکار دو عالم ﷺ سے اثر پذیری تھی' آپ سیرت نبوی کی سب سے بڑی شارح تھیں اور آج علوم اسلامیہ کا جو ایمان آفرین سرچشمہ بہہ رہا ہے اس میں آپ کا بھی قابل قدر حصہ ہے۔

بنت صدیق آرامِ جانِ نبی
اس حریمِ برأت پہ لاکھوں سلام
یعنی ہے سورۂ نُور جن کی گواہ
ان کی پُرنُور صورت پہ لاکھوں سلام

آپ اس جلیل القدر باپ کی بیٹی تھیں جو رسول خُدا ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھا' جسے دنیا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کرتی ہے اور جس کے بارے میں

حضور پرنور ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے سب کے احسان چکا دیئے مگر صدیق کا احسان باقی ہے' اور جن کی وفاداری و جانثاری آج ایک ضرب المثل بن چکی ہے۔

آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پانچ سال چھوٹی تھیں اور ۴ نبوی میں مکہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والدین آپ کی پیدائش سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے' لہٰذا دنیا میں آنکھیں کھولتے ہی توحید کی صدا کانوں میں پڑی۔ جس ماحول میں پروان چڑھیں وہ عین اسلام تھا' اسی بناء پر آپ شروع ہی سے کفر و شرک کی آلودگیوں سے محفوظ رہیں۔ آپ بچپن ہی سے کافی ذہین تھیں۔ خُدا نے صورت بھی پسندیدہ دی تھی اور سیرت میں بھی یکتا تھیں۔

دوسری بچیوں کی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی بچپن میں کھیل کود کی شائق رہیں۔ گڑیوں سے کھیلنا اور جھولے جھولنا آپ کے پسندیدہ کھیل تھے' جن کا ذکر آپ شادی کے بعد بھی کیا کرتی تھیں۔ ذہن اس بلا کا پایا تھا کہ بچپن کی باتیں جوانی میں اس طرح بتایا کرتی تھیں جیسے سامنے کا واقعہ ہو۔ آپ کے والدین آپ کی ذہانت دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔

نبوت کے دسویں سال جب حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا تو حضور پرنور ﷺ کو بہت صدمہ پہنچا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے جس طرح سے اپنی زندگی حضور ﷺ کی رفاقت میں گزاری تھی' وہ ناقابل فراموش تھی' اور پھر ساتھ ہی ساتھ حضرت ابوطالب بھی انتقال کر گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کفار مکہ کے ظلم و ستم انتہائی شدید ہو چکے تھے اور مسلمانوں پر عرصۂ حیات پہلے کی نسبت تنگ ہوتا جا رہا تھا۔ ایسے میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جیسی مونس و ہمدم رفیقۂ حیات کی وفات کو حضور نبی کریم ﷺ نے شدت سے محسوس کیا۔

حضورِ اکرم ﷺ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی جدائی کے غم میں دیکھ کر

حضرت خولہ زوجہ حضرت عثمان بن مظعون نے عرض کیا ''حضور ﷺ نکاح کر لیجئے''۔ اگر کنواری سے کرنا چاہیں تو افضل البشر (بعد الانبیاء والرسل) کی بیٹی عائشہ موجود ہیں اور اگر بیوہ سے کرنا مقصود ہو تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو پیغام دیا جاسکتا ہے۔ حضور ﷺ نے دونوں رشتے منظور کر لئے۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے تو فوراً نکاح ہو گیا اور پھر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضرت ابوبکر اور اُم رُومان سے بات اٹھائی گئی۔ دونوں کو انکار کچھ نہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تامل صرف یہ تھا کہ حضور ﷺ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی کہتے ہیں' اس طرح آپ حضور ﷺ کی بھتیجی ہوئیں اور بھتیجی سے نکاح کیونکر ممکن ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر میرے سگے بھائی نہیں ہیں' لہٰذا رشتہ ہوسکتا ہے۔ اس سے قبل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی منگنی حضرت جبیر بن مطعم سے ہوچکی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جبیر کی والدہ سے مل کر منگنی توڑ دی اور پانچ سو درہم حق مہر پر ان کا آپ سے نکاح پڑھا دیا گیا۔ نکاح کے وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سات سال کی تھی اور آپ کو اپنے نکاح کی خبر تک نہ ہوئی' بس والد آئے اور کھیلتے ہوئے لے گئے اور نکاح پڑھا دیا۔

نکاح کے بعد چونکہ آپ کم سن تھیں لہٰذا اپنے والد کے گھر رہیں اور پھر وہ وقت بھی آیا جب حضور ﷺ کو مشیت ایزدی کے مطابق مکہ سے ہجرت کر کے عازم مدینہ ہونا پڑا۔ آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ دونوں کے اہل و عیال مکہ ہی میں تھے۔ جب مدینہ میں امن و سکون سے بیٹھنا نصیب ہوا اور فضا سازگار ہوگئی تو آپ نے زید بن حارثہ اور ابو رافع کو بھیجا کہ آپ کے اہل و عیال کو مدینہ لے آئیں۔ ان کے ساتھ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل و عیال کو لانے کے لئے دو آدمی اور بھیج دیئے۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے بعض افراد خاندان کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ اپنی والدہ اور دونوں بہنوں

کے ساتھ مدینہ چلے آئے۔ ابتداءً مدینہ کی فضا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو راس نہ آئی اور یہاں آ کر بیمار پڑ گئیں۔ جب آپ کو بیماری سے صحت نصیب ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود ہی عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! اپنی بیوی کو گھر منگوا لیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "میرے پاس ادائے مہر کے لئے روپیہ نہیں ہے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مہر کی رقم لا کر حضور ﷺ کے حوالے کر دی، جسے حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا اور ۲ ہجری ۱۹ شوال کو رخصتی عمل میں آئی۔ جس سادگی سے نکاح ہوا تھا اسی سادگی سے یہ تقریب بھی منائی گئی۔ شوال کا مہینہ عرب عقیدہ کے مطابق منحوس خیال کیا جاتا تھا مگر اس خوش آئند اور مبارک واقعہ نے اس مہینہ کی نحوست کے باطل عقیدہ کو پاش پاش کر دیا۔ آپ نے اس مہینہ میں شادی کی تقریب کو بہت پسند فرمایا۔ چنانچہ فرمایا کرتی تھیں کہ میرا نکاح اور میری رخصتی دونوں شوال میں ہوئے، اس کے باوجود میرے شوہر کے نزدیک مجھ سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔

آپ نے ۹ سال حضور ﷺ کی رفاقت میں بسر کئے۔ آپ کی اس سے بڑھ کر اور خوش نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ ماہ عرب جو ظلمت کدوں میں نور پھیلانے اور پردۂ باطل چاک کرنے کے لئے فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا تھا، آپ ہی کے حجرے میں غروب ہوا۔ آپ وہ پہلی عفیفہ و عصمت مآب خاتون تھیں جو نوعمری میں حضور ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہو کر حضور ﷺ کے زیر سایہ رہیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب رہیں اور آپ پر ہمیشہ حضور ﷺ کی چشم رحمت رہی۔ آپ علم و فضل کی ماہتاب، فقیہہ، فاضلہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔ آپ نے حضور ﷺ سے کثیر احادیث روایت فرمائیں۔ خلاصۃ التہذیب میں مروی ہے کہ آپ سے دو ہزار دو سو دس احادیث مروی ہیں، جن میں سے

بخاری نے چون اور مسلم نے ازسٹھ راویوں سے روایت لی۔ وصال حضور ﷺ کے وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ کل عمر تریسٹھ سال ہوئی۔

آپ میں چند ایسی خصوصیات تھیں جو دوسری امہات المومنین کو حاصل نہ تھیں؛ اور وہ یہ ہیں۔

آپ حضور اکرم ﷺ کی واحد بیوی ہیں جو کنواری آپ کے نکاح میں آئیں۔

فرشتے نے خواب میں آپ کی صورت حضور ﷺ کے سامنے پیش کی۔

آپ پیدائش سے ہی شرک وکفر کی آلودگی سے منزہ رہیں۔

آپ ہی کے لحاف میں کئی بار حضور ﷺ کو وحی ہوئی۔

آپ کے والدین مہاجر تھے۔

آپ کی برأت میں قرآن حکیم کی آیات نازل ہوئیں۔

آپ کا مرتبہ ومقام اس لحاظ سے بھی بلند ہے کہ بریّت قرآن حکیم میں مولا کریم نے فرمائی ہے۔ یہ مرتبہ آپ سے پہلے حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو ملا تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ غزوۂ بنی المصطلق میں قرعہ ڈالنے کے نتیجہ میں آپ بھی حضور پرنور ﷺ کے ساتھ تھیں۔ قافلہ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ آپ قضائے حاجت کے لئے ایک سمت گئیں۔ جب واپس آئیں اور گلے پر ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ ہار گر چکا ہے۔ چنانچہ پھر ہار کو ڈھونڈنے گئیں۔ جب تلاش کر کے اسی جگہ آئیں تو قافلہ کوچ کر چکا تھا۔ قافلے والے آپ کی غیر حاضری سے بے خبر تھے۔ آپ پر پریشانی لاحق ہوئی اور چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں۔ موسم خوشگوار تھا' آنکھ لگ گئی۔ حضرت صفوان بن معطل قافلہ کی گری پڑی چیزوں کو اٹھانے کے لئے پیچھے آرہے تھے۔ انہوں نے آپ کو سوتا پا کر قرآن حکیم کی آیات تلاوت کرنا شروع کر دیں۔ آپ جاگ پڑیں تو انہوں نے اونٹ پیش

کر دیا، آپ بیٹھ گئیں اور پھر قافلہ سے جا ملیں۔

اب منافقوں کی بن آئی، وہ پہلے ہی رسول اللہ ﷺ کو بدنام کرنے کے بہانے ڈھونڈا کرتے تھے۔ اس واقعہ نے ان کی زبانوں کو دراز کر دیا۔ اس دریدہ دہنی کا نتیجہ چند سادہ لوحوں کی اسلام سے برگشتگی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اصحاب سے مشورہ کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے منافقوں کا شوشہ قرار دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پاکیزہ طینت قرار دیا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں سوائے بھلائی کے اور کوئی چیز نہیں دیکھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ تحقیق کر لیجئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی راز دار خادمہ بریرہ کو بلایا گیا اور سختی سے دریافت کیا گیا، مگر اس نے کہا کہ میں نے عائشہ میں کوئی برائی نہیں دیکھی، ہاں البتہ آٹا گوندھتے ہوئے سو جاتی ہے۔ منافقوں کی دریدہ دہنی سے اصحاب رسول میں اشتعال پھیل گیا اور وہ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے سخت خلاف ہو گئے۔ بعض صحابہ کرام تو اس منافق اعظم کا سر قلم کرنے کے لئے اجازت طلب کرنے لگے مگر سرور کائنات ﷺ نے منع فرمایا۔

حضرت عائشہ ان دنوں بیمار تھیں۔ اس صدمہ نے اور نڈھال کر دیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تو کہنے لگیں ''خدا گواہ ہے کہ میں بے گناہ ہوں اور وہی کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے باپ نے بیٹوں کو سخن سازی پر کہا تھا۔ ''خدا ضرور میری مدد کرے گا'' اور پھر باپ کے گھر آ گئیں۔ ایک روز حضور ﷺ آپ ہی کے گھر آئے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی، چادر اوڑھا دی گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب حضور اکرم ﷺ کی طبیعت بحال ہو گئی تو آپ نے سورہ نور کی وہ دس آیات تلاوت فرمائیں جن میں آپ پر عائد کردہ الزامات کی تردید کی گئی ہے۔ آپ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ حضور ﷺ باہر تشریف لائے اور اصحاب کو آپ کی بریت سے مطلع فرمایا اور

غلط الزام لگانے والوں کو اسی اسی دُرے لگائے گئے۔

ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش کے ہاں شہد نوش کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مل کر کہا کہ جس کے ہاں حضور ﷺ تشریف لائیں وہی کہے: حضور ﷺ نے شاید مغافیر کا گوند کھایا ہے۔ حضور ﷺ آپ کے ہاں تشریف لائے تو آپ نے یہی فقرہ دہرایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''میں نے تو شہد کھایا تھا لیکن اب خُدا کی قسم کھاتا ہوں کہ شہد کبھی نہیں کھاؤں گا' تم اس بات کو کسی دوسرے تک نہ پہنچانا۔

اس پر سورۂ تحریم نازل ہوئی۔ اے نبی تم اس چیز کو اپنے پر حرام کرتے ہو جسے اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دیا ہے۔ تم اپنی بیوی کی مرضی چاہتے ہو' اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی زندگی جس طرح سادہ تھی اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات نے بھی آپ کے ساتھ نباہ کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو کبھی دو وقت متواتر گیہوں کی روٹی کھاتے نہیں دیکھا تھا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد آپ فرمایا کرتی تھیں کہ میں جب بھی سیر ہو کر کھاتی ہوں تو مجھے رونا آ جاتا ہے' اور وہ وقت یاد آ جاتا ہے جب حضور ﷺ نے سیر ہو کر دو دفعہ متواتر گوشت نہیں کھایا تھا۔

اور پھر اس وقت جب سلسلۂ فتوحات پھیلنے لگا اور آسودگی کا دور دورہ ہوا تو ازواج مطہرات نے خرچ میں فراخی چاہی تو حضور ﷺ نے ایک ماہ تک آپ کے بالا خانہ پر گوشہ نشینی اختیار کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ امہات المومنین کی طرف سے وکیل بن کر حاضر ہوئے تو حضور ﷺ کے بدن پر پلنگ کے بانوں کے نشان دیکھ کر رو پڑے اور عرض کیا:

''یارسول اللہ ﷺ! قیصر و کسریٰ تو مزے اٹھائیں اور اللہ کا حبیب اس حال میں'' آپ نے فرمایا: تمہیں یہ پسند نہیں کہ ان کے لئے تو دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔ ایک ماہ بعد حضور حجرہ سے باہر آئے اور سورہ احزاب رکوع نمبر ۴ کی آیات تلاوت فرمائیں، جن میں آپ کی بیویوں کو نیکی، پرہیزگاری، عبادت گزاری اور کفایت شعاری کی تلقین کی گئی تھی۔ دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے کو کہا تھا اور انہیں دوسروں سے ممتاز اور ہر لحاظ سے فائق بنانا چاہا تھا۔ سب سے پہلے یہ آیات حضور ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سنائیں اور پھر کہا: والد سے پوچھ لو۔ آپ نے عرض کیا: مجھے کسی سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے، مجھے تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ کافی ہے۔ یہی جواب تمام ازواج مطہرات کا بھی تھا۔

اس زندگی میں کتنا نفیس سبق ہے دنیاداروں کے لئے۔ حضور ﷺ نے ان بیویوں کو اسلامی تعلیم کے رنگ میں ایسا مطمئن رکھا کہ انہوں نے کبھی دنیاوی سامان کی خواہش نہ کی اور ہمیشہ آخرت کو دنیا سے بہتر سمجھا۔ کاشانہ نبی کیا تھا؟ اللہ کے محبوب نبی کا برتر از عرش بریں حجرہ تھا جس کا دل دنیا کے تمام دولت مندوں سے زیادہ غنی تھا۔ باوجودیکہ تما عرب مطیع تھا لیکن گھر کی حالت یہ تھی کہ مٹی کی چاردیواری تھی اور کھجور کی پتوں کی چھت تھی، جو بارش سے بچنے کے لئے ڈال دی گئی تھی مگر آپ کی ازواج مطہرات نے صرف اسی کو دنیا و آخرت کا اعزاز سمجھ کر زندگی گزار دی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا جوئی کو سرمایۂ حیات سمجھا، ہمیشہ فقر و فاقہ کی زندگی کو اپنے لئے باعث اعزاز خیال کیا۔

بعض روایات میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ کی نعلین پر ایک دفعہ معمولی سی آلودگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو بھیج کر نعلین شریفین کے اتارنے کا آپ کو حکم دیا۔ آپ کی زوجۂ مطہرہ

مقدسہ میں اس قسم کی آلائش ہوتی جس کا منافقین چرچا کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو نکال دینے کا بھی آپ کو حکم دیتا' کیونکہ جب اسے آپ کی نعل شریف کی آلودگی پسند نہیں تو بیوی کس طرح پسند ہو سکتی ہے' تو اللہ تعالیٰ کا حکم نہ کرنا۔ اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔ (تفسیر مدارک ص ۱۳۵۔۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بچپن ہی سے بہت ذہین تھیں۔ بچپن میں ایک دفعہ حضرت عائشہ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں کہ سرور عالم ﷺ پاس سے گزرے۔ ننھی عائشہ کی گڑیوں میں ایک پردار گھوڑا بھی تھا۔ حضور نے پوچھا: عائشہ یہ کیا ہے؟ جواب دیا ''گھوڑا ہے''۔ حضور ﷺ نے فرمایا: گھوڑوں کے پر تو نہیں ہوتے۔ انہوں نے بے ساختہ کہا۔ ''کیوں یا رسول اللہ! حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تو تھے''۔

حضور نے یہ جواب سن کر تبسم فرمایا۔

شادی کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ کی زندگی میں بہت ذمہ داری آ گئی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر سرکار دو عالم ﷺ کی سہولتوں کا خیال رکھتیں اور آپ کی دلدہی اور دلداری کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتیں۔ حضور ﷺ بھی آپ سے غیر معمولی محبت کرتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا: یا حضرت! ''آپ کو دنیا میں سب سے زیادہ کون عزیز ہے؟'' فرمایا ''عائشہ رضی اللہ عنہا'' کہا ''مردوں میں پوچھتا ہوں'' فرمایا ''عائشہ کا باپ'' یہی حال حضرت عائشہ کا تھا وہ بھی محسن کائنات حضرت محمد ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ چنانچہ بعض اوقات ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رات کو بیدار ہو جاتیں اور آپ کو پاس نہ دیکھتیں تو مضطرب ہو جاتیں۔ ایک دفعہ یہی صورت پیش آئی اور بمقتضائے عشق است و ہزار بدگمانی خیال ہوا کہ شاید آپ کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہوں۔ ادھر اُدھر تلاش

کیا تو یکھا آپ تسبیح وتہلیل میں مصروف ہیں۔ اپنی غلط خیال پر نادم ہوئیں اور بے اختیار زبان سے نکل گیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں کس خیال میں ہوں اور آپ کس حال میں ہیں"۔

رسول اللہ ﷺ نے جن کپڑوں میں انتقال فرمایا حضرت عائشہ نے انہیں بڑی محبت سے محفوظ رکھا تھا۔ چنانچہ ایک دن انہوں نے ایک صحابی کو آپ کا تہ بند اور ایک کمبل دکھا کر کہا کہ خدا کی قسم آپ نے انہی کپڑوں میں انتقال فرمایا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گو رسول اللہ ﷺ کو نہایت محبوب تھیں لیکن اس محبوبیت کا کوئی اثر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نہیں پڑتا تھا بلکہ سب سے زیادہ انہی کو آپ کا شرف خدمت حاصل تھا۔ رسول اللہ ﷺ کامل طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھلوایا کرتے تھے اور اس پاک خدمت کا انصرام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ تھا۔

آپ گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں، ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی جو پیسے اور اس کی روٹی پکائی اور حضور ﷺ کا انتظار شروع کیا۔ آپ کے آنے میں دیر ہوگئی تو سو گئیں۔ آپ آئے تو جگایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لباس کے متعلق مختلف روایتیں آئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سرخ کرتہ اور سیاہ اوڑھنی زیب تن فرماتی تھیں، لیکن زعفرانی رنگ کے لباس کا تذکرہ اکثر ملتا ہے۔ حضرت قاسم بن محمد کی روایت ہے کہ میں نے سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بحالت احرام سونے کی انگوٹھی اور زرد رنگ کا لباس پہنے دیکھا ہے۔ ایک ریشمی چادر بھی کبھی کبھی استعمال فرماتی تھیں جو بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمادی۔ قناعت پسندی کی وجہ سے ایک ہی جوڑا پاس رکھتی تھیں اور اسی کو دھو دھو کر پہنتی تھیں۔ لباس میں شرع کا اتنا لحاظ تھا کہ ایک بار ان کی بھتیجی حضرت حفصہ بنت

عبدالرحمٰن ایک باریک اوڑھنی سر پر ڈالے ملنے آئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ اوڑھنی پھاڑ ڈالی اور فرمایا "تم نہیں جانتی ہو سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے؟ پھر ایک دبیز کپڑے کی اوڑھنی منگوا کر انہیں پہنا دی۔

آپ پردے کا بہت خیال رکھتی تھیں۔ ایک دفعہ ایک گھر میں مہمان اتریں۔ صاحب خانہ کی دو لڑکیوں کو جواب جوان ہو چلی تھیں، دیکھا کہ بے چادر اوڑھے نماز پڑھ رہی ہیں۔ تاکید فرمائی کہ آئندہ کوئی لڑکی بے چادر اوڑھے نماز نہ پڑھے۔ ایک دفعہ ابن اسحاق نابینا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے آئے تو آپ نے پردہ کیا۔ ابن اسحاق نے کہا "آپ مجھ سے چھپتی ہیں، میں تو آپ کو نہیں دیکھتا"۔ فرمایا کہ اگر تم مجھ کو نہیں دیکھتے تو کیا ہوا، میں تو تم کو دیکھتی ہوں۔

عورتیں بالعموم اسراف کی عادی ہوتی ہیں مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں قناعت کا وصف خصوصیت سے ودیعت ہوا تھا۔ لذائذ دنیوی اور مال ومنال کی طرف رخ بھی نہ کرتی تھیں۔ ترمذی کے باب زہد میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ایک دفعہ انہوں نے کھانا طلب فرمایا۔ پھر فرمایا: میں کبھی سیر ہو کر نہیں کھاتی کہ مجھے رونا آتا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا: یہ کیوں؟ فرمایا: مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے دنیا کو چھوڑا تھا، خدا کی قسم دن میں دو دفعہ بھی سیر ہو کر آپ نے روٹی اور گوشت نہیں کھایا"۔

ایک دن آپ روزے سے تھیں اور گھر میں سوائے ایک روٹی کے کچھ اور موجود نہ تھا۔ اس حالت میں ایک مسکین عورت آئی تو آپ نے کنیز کو حکم دیا کہ وہ روٹی اس کو کھلا دے۔ اس نے عرض کی: افطار کس چیز سے کیجئے گا؟ بولیں "اللہ مالک ہے"۔ شام ہوئی تو کسی نے بکری کا گوشت بھجوا دیا۔ لونڈی کو بلا کر فرمانے لگیں "لے کھا یہ تیری روٹی سے بہتر ہے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ پر جان چھڑکتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ رات کے وقت اٹھ کر کہیں تشریف لے گئے' جب حضرت عائشہ کی آنکھ کھلی اور حضور کو موجود نہ پایا تو سخت پریشان ہوئیں' دیوانہ وار انہیں ادھر ادھر اندھیرے میں ٹٹولنے لگیں۔ آخر ایک جگہ حضور کا قدم مبارک ملا' دیکھا تو آپ سربسجود یادِ الٰہی میں مشغول ہیں۔ اس وقت انہیں اطمینان ہوا۔

نبی اکرم ﷺ احرام باندھتے یا احرام کھولتے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جسم مبارک پر خوشبو لگاتی تھیں۔

ایک دفعہ سفر میں حضرت عائشہ کا ہار گم ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کی تلاش میں چند صحابہ کو بھیجا۔ وہ اس کی تلاش میں نکلے تو راستے میں نماز کا وقت آ گیا' دور دور تک پانی نہیں تھا اس لئے لوگوں نے بغیر وضو نماز پڑھی۔ واپس آ کر حضور ﷺ سے ماجرا بیان کیا۔ س وقت آیت تیمّم نازل ہوئی۔ حضرت اسیّد بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہت بڑی فضیلت سمجھا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا۔

''ام المومنین! خُدا آپ کو جزائے خیر دے' آپ کو کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس سے خُدا نے آپ کو نکلنے کا راستہ نہیں بتایا اور مسلمانوں کے لئے وہ ایک برکت بن گیا''۔

فی الحقیقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا پایۂ علم و فضل اتنا بلند تھا کہ اس کو بیان کرنے کے لئے سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ یہاں ہم اسی قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ بہت سے اہل سیر کے نزدیک علمی کمالات' دینی خدمات اور سرور عالم ﷺ کی تعلیمات وارشادات کے نشر واشاعت کے اعتبار سے حضرت صدیقہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا۔ اگر انہیں ''محسنۂ امت'' کہا جائے تو اس میں مطلق کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے تلامذہ اور مستفیذین کی تعداد دو سو کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے جن میں متعدد اکابر صحابہ کے علاوہ تابعین کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فیاضیاں بھی ضرب المثل ہیں۔ وہ بڑی فراخ دستی سے راہ خُدا میں صرف کرتی تھیں۔ تھوڑے بہت کا لحاظ نہ ہوتا تھا' جو کچھ پاس ہوتا سائل کو دے دیتیں۔ ایک بار حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک لاکھ درہم بھیجے۔ آپ اس دن روزہ سے تھیں' سب اسی وقت تقسیم کر دیئے۔ جب شام ہوئی تو ام ذرہ نے کہا: یاام المومنین! اس رقم سے افطار کے لئے کچھ گوشت ہی لے لینا تھا۔ فرمایا ''تم نے یاد دلایا ہوتا''۔

ایک بار حضرت منکدر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پوچھا ''تمہارے کوئی اولاد ہے؟'' انہوں نے کہا: نہیں' فرمایا ''اگر میرے پاس دس ہزار درہم ہوتے تو تم کو دے دیتی''۔ حسن اتفاق سے اسی شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے پاس کچھ رقم بھیجی۔ فرمانے لگیں ''کس قدر جلد میری آزمائش ہوئی ہے۔ فوراً آدمی بھیج کر حضرت منکدر کو بلایا اور دس ہزار درہم ان کو عطا کئے۔ انہوں نے اس رقم سے ایک لونڈی خریدی' جس سے متعدد بچے پیدا ہوئے۔

خُدا تعالیٰ سے بہت ڈرتی تھیں' بڑی رقیق القلب تھیں' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب شہید ہوئے' یہ مکہ میں تھیں۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما نے مدینہ سے پہنچ کر ان کو اطلاع دی تو وہ دعوت اصلاح کے لئے بصرہ گئیں اور وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ پیش آئی۔ اس موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر بیٹھی تھیں' اس لئے اس جنگ کو جمل کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ جنگ اتفاقیہ پیش آ گئی تھی تاہم جب ان کو اس کی شرکت یاد آتی تھی تو بے اختیار رقت طاری ہو جاتی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی تھیں۔ ان کو

اپنی اس غلطی پر ہمیشہ افسوس رہا۔ اکثر فرمایا کرتیں کاش آج سے بیس برس پہلے میں معدوم ہو چکی ہوتی۔

اس واقعہ جمل کے متعلق آنحضرت ﷺ نے اشارۃً ازواجِ مطہرات سے فرمایا تھا کہ تم میں سے ایک اونٹ پر بیٹھنے والی ہے، جس کے آس پاس بہت سے مقتول ہوں گے اور اس کے بعد ہی اس کی مغفرت ہو گی۔

ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دین کو سمجھنے اور اصول دین کو پھیلانے کا خاص ملکہ تھا، اس مقام میں آپ وہاں تک پہنچی ہوئی ہیں کہ چند ہی صحابہ آپ سے سربلند نظر آتے تھے۔ یہ کمال کی عنایت خداوندی ہے کہ شادی ہوتی ہے تو لڑکپن ہے، فقط ۹ سال حضور ﷺ کی معیت میں گزارے ہیں مگر اس مدت میں ہی تفقہ فی الدین کے اس مقام تک پہنچ گئیں جہاں بڑے بڑے صحابہ آپ سے رجوع کرنا باعث اعزاز سمجھا کرتے تھے۔ آپ پوری شرح صدر اور کمال احتیاط کے ساتھ مسائل سمجھایا کرتی تھیں۔ آپ کو حضور ﷺ سے خصوصی نسبت کی بناء پر چند ایسے فضائل اور بلند درجات حاصل تھے جو کسی اور کا مقدر نہ بن سکے۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان اوصاف خاص کا بڑے فخر سے ذکر کرتیں اور فرمایا کرتیں:

۱) بجز میرے آنحضرت ﷺ کے نکاح میں کوئی بیوی نا کتخدا نہیں آئی۔

۲) آپ کی ازواج میں صرف مجھی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ میرے ماں اور باپ دونوں مہاجر ہیں۔

۳) اللہ عزوجل نے آسمان سے میری برأت کی آیت نازل فرمائی۔

۴) حضرت جبریل علیہ السلام اللہ عزوجل کے حکم سے آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ عائشہ سے شادی کر لیجئے۔

۵) میں آپ کے سامنے ہوتی تھی اور آپ نماز میں مصروف ہوتے تھے۔

۶) نزول وحی کے وقت صرف میں ہی آپ کے پاس ہوتی تھی۔

۷) جب رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک نے عالم قدس کی طرف پرواز کی اس وقت آپ کا سر مبارک میرے سینے پر تھا۔

۸) جس شب کو میری باری تھی اسی شب کو رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا۔

۹) میں اور آنحضرت ﷺ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے۔

۱۰) میرے ہی حجرہ کو آنحضرت ﷺ کا مدفن بننے کا شرف حاصل ہوا۔

مزید چند فضائل پیش خدمت ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''عورتوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کے سوا کوئی کامل نہیں ہوئی۔ پھر فرمایا کہ عائشہ کو عورتوں پر ایسے فضیلت ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر۔

تمام ازواج مطہرات کے ہاں حضور ایک ایک رات قیام کرتے جبکہ سیدہ عائشہ کے ہاں دو راتیں۔ (حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری آپ کو دے رکھی دی تھی)۔

حضور ﷺ تمام اہل خانہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے محبت کی خصوصی تلقین فرمایا کرتے۔

حضور ﷺ آپ کے لئے خصوصی دعائیں فرمایا کرتے تھے۔

حضرت جبریل امین ریشم کے ایک کپڑے میں آپ کی تصویر لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے' اور کہا کہ ان سے شادی کرلیں۔

عبادت الٰہی سے بے پناہ شغف تھا' نمازوں کے علاوہ سنتیں اور نوافل بھی کثرت سے ادا کرتی تھیں۔ اکثر روزے سے رہتی تھیں' حج کی شدت سے پابند تھیں۔

آپ کے پردے کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب تک آپ کے حجرے

میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق آرام فرما ہے' اس وقت تک آپ وہاں آیا جایا کرتی تھیں اور سوتی بھی تھیں لیکن حضرت عمر کے آجانے سے رک گئیں حالانکہ شریعت میں فوت شدگان سے پردہ نہیں۔

آپ جس مکان میں رہتی تھیں وہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں فروخت کردیا اور جو رقم ملی وہ سب کی سب غرباء اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جو کہ آپ کے بھانجے تھے اور سیّدہ کے سب سے زیادہ چہیتے تھے اور آپ کی خدمت اکثر یہی کیا کرتے تھے۔ آپ کی فیاضی کو دیکھتے دیکھتے گھبرا گئے اور انہوں نے کہہ دیا کہ آپ کا ہاتھ روکنا چاہیے۔ جب سیّدہ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے قسم کھالی کہ اب کبھی ابن زبیر سے بات نہ کروں گی۔ وہ میرا ہاتھ روکے گا۔ بہت عرصہ حضرت ابن زبیر سے ناراض رہیں' آخر بہت لوگوں کی سفارش سے انہیں معاف فرمایا۔

چند ممتاز صحابہ کی آپ کے بارے میں رائے دیکھئے جس سے آپ کی وسعت علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

مسروق تابعی سے کسی نے پوچھا ''کیا حضرت عائشہ فرائض سے واقف تھیں''۔ جواب دیا'' بخدا میں نے ان سے بڑے بڑے صحابہ کو فرائض کے مسئلے دریافت کرتے دیکھا''۔

امام زہری کا مقولہ ہے'' اگر تمام مردوں اور اُمہات المومنین کا علم جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم ان میں سب سے زیادہ ہوگا''۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں'' ہم صحابیوں کو کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی کہ جس کو ہم نے حضرت عائشہ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں''۔

عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں ''میں نے فقہ' طب اور شاعری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو عالم نہیں پایا''۔

یہی عروہ اپنے باپ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ اکثر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ساٹھ ساٹھ سو سو اشعار کے قصیدے سنایا کرتی تھیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت ابوسلمہ جو بڑے جلیل القدر تابعی تھے' بیان کرتے ہیں'' میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ سنت نبوی کا عالم' تفقہ فی الدین کا ماہر اور آیات کلام مجید کے شان نزول اور فرائض کا جاننے والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔

حضرت موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں ''میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ فصیح و بلیغ کسی اور کو نہیں دیکھا۔

حضرت احنت کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے حکام اور فصحاء کے فیصلے سنے ہیں لیکن جو شان حضرت عائشہ کے خطبوں میں پائی وہ اور کہیں نہیں دیکھی۔

جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی کے نو برس گزر گئے تو آقائے دو جہاں مرض وفات میں مبتلا ہوئے۔ حضور تیرہ دن علیل رہے' ان تیرہ دنوں میں پانچ دن دیگر ازواج کے ہاں قیام فرمایا اور آٹھ دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہے۔ شدت مرض میں کمزوری کی وجہ سے حضور ﷺ اپنی مسواک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتے' وہ اپنے دانتوں میں چبا کر زم کرتیں اور پھر حضور ﷺ استعمال کرتے۔

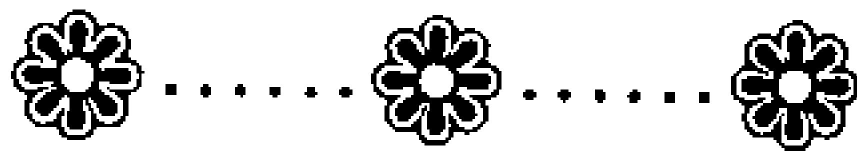
۲ یا ۹ ربیع الاول ۱۱ھ کو سرور کونین ﷺ کی روح اطہر نے عالم قدس کی طرف پرواز کی۔ اس وقت حضور ﷺ کا سر مبارک حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سینہ پر دیکھا ہوا تھا اور پھر انہیں کے حجرہ مبارک کو حضور کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔

رحلت نبی اکرم ﷺ کے وقت حضرتِ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔

۴۸ برس انہوں نے عالم بیوگی میں بسر کیے۔ اس تمام عرصہ میں وہ تمام عالم اسلام کے لئے رشد و ہدایت، علم و فضل و خیر و برکت کا ایک عظیم مرکز بنی رہیں۔ ان سے ۲۲۱۰ (دو ہزار دو سو دس) حدیثیں مروی ہیں، بعض کا قول ہے کہ احکام شرعیہ کا چوتھائی حصہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔

آپ کو جنت البقیع میں دوسری امہات المومنین کے قریب دفن کیا گیا۔ حالانکہ اگر آپ چاہتیں تو اپنی تدفین کے لئے روضہ رسول ﷺ کے حوالے سے بھی وصیت کر سکتی تھیں لیکن آپ نے دیکھا کہ وہاں آقائے دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر حاضر ہیں تو کوئی حق نہیں جتایا بلکہ جنت البقیع کو پسند فرمایا۔

دین و دُنیا میں پیامِ نُور اُمُّ المومنین
لاڈلی صِدِّیق کی، ہاں اِفتخارِ عالمیں
سرورِ کونین کے الطاف کی حقدار ہیں
عائشہ یعنی حبیبِ رحمۃ اللعالمیں



حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عظیم صاحبزادے

حضرت عبداللہ بن صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول کے لائق اور ذہین فرزند تھے۔ اپنے والد محترم کا ہر حکم بجالانے والے اور آپ کے ہر ارشاد کی تعمیل کرنے والے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنا شریک کار اور خصوصی رازدار سمجھتے تھے اور انہیں بعض باتیں بتا کر امتحان لیتے تھے کہ انہوں نے یہ باتیں اپنی ذات تک رکھی ہیں یا کسی اور تک بھی پہنچا دی ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے والد محترم کے ایسے وفادار تھے کہ جو بات ان کے والد گرامی نے ان سے ایک مرتبہ کہہ دی اسے ہمیشہ کیلئے اپنے سینے میں چھپا لیا۔ ان کا بلند کردار پہلی مرتبہ پوری شدت سے اس وقت سامنے آتا ہے جب حضور اکرم ﷺ نے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہمراہی میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ یہ دونوں اصحاب شہر مکہ سے شہر مدینہ کی جانب رات کے اندھیروں میں روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن صدیق اکبر مخبر کا کردار ادا کیا کرتے تھے اور جو کچھ وہ تمام دن قریش مکہ سے سنتے' رات کو غار ثور میں آ کر انہیں سب کچھ بتا دیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن ابوبکر صدیق ابن ابی قحافہ عثمان بن عامر ابن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن کعب بن لوی بن غالب) ذات النطاقین حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنت ابوبکر صدیق کے برادر حقیقی تھے۔ ماں کا نام قتیلہ (مصغر) بنت عبدالعزیٰ تھا جو قبیلہ بنی

عامر بن لوی سے تھیں وہ اسلام سے مشرف نہیں ہوئیں اور اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق نے انہیں طلاق دی۔ اہل سیر نے حضرت عبداللہ کے سال ولادت کی تصریح نہیں کی لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ ہجرت نبوی کے وقت وہ نوجوان تھے اور شرف اسلام سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تو صلح حدیبیہ تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے لیکن چھوٹے عبداللہ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ اوائل بعثت ہی میں بادۂ توحید سے مخمور ہو گئے اور یوں سابقون الاولون کی مقدس جماعت میں شمار ہوئے۔ وہ بڑے ہوشیار اور زود فہم نوجوان تھے۔ ہجرت کے سفر پر روانہ ہونے سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں تاکید فرمائی کہ وہ قریش کے ارادوں اور مشوروں سے انہیں برابر آگاہ کرتے رہیں۔ حضرت عبداللہ نے یہ خدمت بخوشی اپنے ذمہ لی اور اس کو بطریق احسن بڑی رازداری کے ساتھ نبھایا۔ وہ دن بھر مشرکین قریش کے منصوبوں کا کھوج لگایا کرتے اور رات کو غار ثور میں پہنچ کر تمام خبروں سے سرور عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آگاہ کر دیتے اور پھر وہیں سو جاتے۔ طلوع فجر سے پہلے اٹھ کھڑے ہوتے اور خاموشی سے مکہ واپس آ جاتے۔

ایک روایت میں ہے کہ وہ روزانہ رات کو سرور عالم ﷺ اور اپنے والد ماجد کے لئے کھانا بھی ساتھ لے جاتے تھے۔ علامہ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت اسماء ہر رات حضور اور حضرت ابوبکر صدیق کو تازہ کھانا بھی پہنچاتی رہیں۔ اس روایت سے بعض علماء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت اسماء خود کھانا لے کر جاتی تھیں اور بعض نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ اپنے بھائی عبداللہ کے ہاتھ کھانا بھیجتی تھیں۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد رحمت عالم ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو مکے بھیجا تاکہ وہ آپ کے اہل و عیال اور متعلقین کو وہاں سے مدینہ منورہ لے آئیں۔

ان دونوں کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق نے عبداللہ بن اُریقط کو اپنے فرزند عبداللہ کے نام خط دے کر بھیجا کہ وہ بھی اپنی (سوتیلی) والدہ اُمِ رُومان رضی اللہ عنہا اور بہنوں حضرت اسماء اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ صحیح بخاری اور مسند ابوداؤد میں ہے کہ حضور ﷺ کے اہل و عیال مسجد نبوی سے ملحقہ نو تعمیر حجروں میں فروکش ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق کے اہل و عیال نے بنو حارث بن خزرج کے محلہ میں حضرت حارثہ بن نعمان انصاری کے مکان میں قیام کیا۔

حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی شادی جلیل القدر صحابی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ عاتکہ رضی اللہ عنہا بنت زید بن عمرو بن نفیل سے ہوئی تھی۔ وہ شرف صحابیت سے بہرہ ور تھیں اور نہایت حسین و جمیل اور عاقلہ و فاضلہ خاتون تھیں۔ ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ کو ان سے اس قدر محبت تھی کہ ان کے عشق میں جہاد تک کو ترک کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق ان کے ترک جہاد سے سخت آزردہ تھے۔ چونکہ حضرت عاتکہ نے حضرت عبداللہ کو جہاد پر جانے پر مجبور نہیں کیا تھا اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حصرت عبداللہ کو حکم دیا کہ وہ عاتکہ کو طلاق دے دیں۔ پہلے تو وہ کچھ عرصہ ٹالتے رہے لیکن جب والد ماجد کی طرف سے سخت اصرار ہوا تو انہوں نے اطاعت والدین کے حکم الٰہی کے مطابق طلاق دے دی اور بڑے دردناک شعر پڑھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے رقیق القلب تھے وہ ان اشعار سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے حضرت عبداللہ کو رجعت کرنے کی اجازت دے دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ (رمضان ۸ ھ) سے کچھ پہلے کا ہے کیونکہ کئی ارباب سیر نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ نے فتح مکہ اور حنین و طائف کے غزوات میں شرکت کی۔

طائف کے محاصرے کے دوران میں ایک دن وہ دشمن کی طرف سے آنے

والے ایک تیر سے سخت زخمی ہو گئے (کہا جاتا ہے کہ یہ تیر ابو محجن ثقفی نے چلایا تھا) اگر چہ یہ زخم بظاہر مندمل ہو گیا لیکن تیر کا زہر اندر ہی اندر کام کرتا رہا چنانچہ سرور عالم ﷺ کے وصال کے کچھ عرصہ بعد شوال ۱۱ھ میں زخم عود کر آیا' اور اسی کے صدمہ سے حضرت عبداللہ نے وفات پائی۔ انہوں نے اپنے پیچھے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک چادر حضور ﷺ کے کفن مبارک سے بچ گئی تھی' حضرت عبداللہ نے اس کو سات دینار دے کر بخیال تبرک اپنے کفن کے لئے خرید لیا تھا۔ لیکن جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ اب اس چادر میں مجھ کو نہ کفنانا کیونکہ اس چادر میں کچھ بہتری ہوتی تو سید المرسلین ﷺ ضرور اس میں مکفون ہوتے۔ حضرت عبداللہ کی نماز جنازہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر' حضرت عمر فاروق اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ قبر میں اترے اور ظہر کی نماز کے بعد خلیفۃ الرسول کے لخت جگر کو سپرد خاک کر دیا' چونکہ حضرت عبداللہ طائف کے غزوے میں لگنے والے زخم کی وجہ سے فوت ہوئے تھے' اس لئے بعض اہل سیر نے انہیں شہدائے طائف میں شمار کیا ہے۔

تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور شعر و شاعری میں بھی مہارت رکھتے۔ اپنے عظیم المرتبت والد گرامی کے لئے بے حد اطاعت گزار تھے' یہاں تک کہ ان کے حکم پر اپنی ''دل و جان سے عزیز'' بیوی کو طلاق دے دی۔ جس کی نماز جنازہ انبیاء علیہم السلام کے بعد دنیا کی افضل ترین ہستی نے پڑھائی۔ جن کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور طلحۃ الخیر رضی اللہ عنہ صاحب احد جیسی ہستیوں نے ابدی آرام گاہ میں لٹایا ہو اس کی جلالت قدر میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ جس طرح اپنی بیوی پر فدا تھے وہ بھی اسی طرح ان سے محبت رکھتی تھیں۔ حضرت عاتکہ کو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا بے حد صدمہ ہوا اور ایک

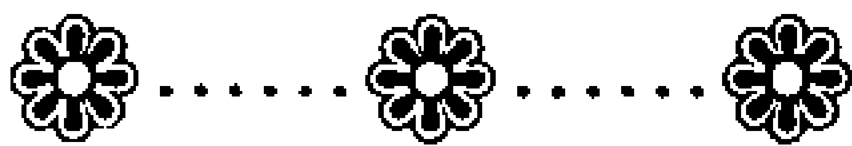
مرتبہ پھر رنج والم کے سمندر میں ڈوب گئیں۔ انہوں نے اس غم آفرین ماحول کی مناسبت سے ایک پردرد مرثیہ کہا جس کے کچھ اشعار کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

(قسم کھا کر کہتی ہوں کہ تیرے غم میں میری آنکھ روئے گی اور میرا جسم غبار آلود رہے گا)۔ زہے قسمت اس آنکھ کی جس نے تجھ جیسا جنگجو اور ثابت قدم جوان دیکھا۔

اس پر تیر برستے تو ان کی بوچھاڑ میں گھستا ہوا وہ اس وقت تک موت کی طرف چلتا رہتا جب تک کہ خون کی ندیاں نہ بہا لیتا)

سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے حالات زندگی بہت کم ملتے ہیں۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ وہ عہد رسالت کے بیشتر غزوات میں شریک نہ ہو سکے' تاہم ان کی زندگی کے بعض پہلو بڑی فضیلت کے حامل ہیں۔ انہیں نہ صرف سبقت فی الاسلام اور ہجرت کا شرف حاصل ہوا بلکہ ہجرت نبوی کے موقع پر انہوں نے آقائے دو جہاں ﷺ کی خاطر جس طرح اپنی جان کو خطرے میں ڈالا' اس سعادت میں بہت کم صحابہ ان کے شریک و سہیم ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر وہ سینکڑوں سال پہلے کتاب استثنا کی پیشین گوئی میں قدسی کہہ کر پکارا گیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے حنین اور طائف کے غزوؤں میں جانبازانہ شرکت کر کے مجاہد فی سبیل اللہ ہونے کا شرف بھی حاصل کر لیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی اور غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ بہرحال وہ دنیا سے اس شان سے گئے کہ خُدا ان سے راضی تھا اور وہ خُدا سے راضی سے تھے۔

بنا کر دند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خُدا رحمت کنداں عاشقانِ پاک طینت را



حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بہادر صاحبزادے

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما

حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے لئے یہ شرف کیا کم ہے کہ آپ خلیفۂ اوّل سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لخت جگر تھے۔ وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو جانثاری' وفاداری اور سرکار دو عالم ﷺ سے عشق و عقیدت میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ ان کے لئے صدہا بشارتیں اور احادیث ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو بھی شرف صحابیت حاصل تھا۔ اور آپ کی حقیقی بہن اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم ﷺ کی محبوب ترین شخصیت تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے والد محترم غار ثور کے جانثار تھے اور جنگ بدر کے رفیق بھی اور وصال کے بعد انہیں اپنے محبوب آقا ﷺ کی قربت میں جگہ عطا ہوئی۔ یہ خاندان نجابت' شرافت' دلیری' شجاعت' جود وسخا اور صلح و خیر میں اپنی مثال آپ تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اسی تاریخ ساز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

سیّدنا ابو عبداللہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے حسب و نسب کے لئے یہی شرف کافی ہے کہ **افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق** سیّدنا حضرت ابو بکر صدیق کے فرزند ارجمند تھے۔ نسب نامہ یہ ہے عبدالرحمٰن بن ابو بکر صدیق بن ابو قحافہ عثمان بن عامر بن کعب نبی سعد بن یتیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی۔ والدہ کا نام اُم رِومان تھا جو جلیل القدر صحابیہ تھیں۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بھی انہی کے بطن سے تھیں۔ اس لحاظ سے حضرت عبدالرحمٰن اور ام المومنین حقیقی بھائی بہن تھے' کہا جاتا ہے کہ حضرت

عبدالرحمٰن کا اصل نام عبدالکعبہ تھا جسے ان کے قبول اسلام کے بعد سرورِ دو عالم ﷺ نے بدل کر عبدالرحمٰن کر دیا۔

کاشانہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وہ برج سعادت تھا جسے آفتاب اسلام کی ضیاء باری نے سب سے پہلے منور کیا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ حضرت عبدالرحمٰن سبقت فی الاسلام سے سعادت اندوز نہ ہو سکے اور صلح حدیبیہ تک کفر و شرک کی بھول بھلیوں میں بھٹکتے رہے۔ معلوم نہیں وہ کیا اسباب تھے کہ ان کے دل میں قریش کے آبائی مذہب کی محبت اس طرح جاگزین ہو گئی تھی کہ انہیں اپنے جلیل القدر والدین کا تقدم فی الاسلام اور اخلاص عمل بھی متاثر نہ کر سکا۔ یہاں تک غزوۂ بدر ۲ ہجری میں وہ لشکر باطل میں شامل ہو کر حق سے لڑنے لگے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں لشکر قریش کی طرف سے مسلمانوں کو دعوت مبارزت دیتے دیکھا تو فرط غضب سے بے تاب ہو گئے اور پکار کر کہا "او پلید میرے حقوق کیا ہوئے۔ وہ جواب کیا دیتے" آئیں بائیں شائیں کر کے رہ گئے۔

مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود ان کے مقابلے پر جانا چاہا لیکن رحمت عالم ﷺ نے ایک باپ کو بیٹے سے نبرد آزما ہونے کی اجازت نہ دی۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام لانے کے بعد ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی سے کہا کہ غزوۂ بدر میں ایک موقع پر آپ میری تلوار کی زد پر آ گئے تھے لیکن میں نے حق پدری کا لحاظ کر کے چھوڑ دیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بیٹے اگر اس دن تو میری تلوار کی زد پر آ جاتا تو خدا کی قسم میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا"۔

ایک شاعر کی اس سلسلہ میں طویل نظم سے آخری تین شعار ملاحظہ ہوں۔

سن کے یہ حضرت صدیق نے ارشاد کیا — راہ حق میں نہیں رشتہ کی رعایت کا محل
تو مری زد پہ جو آتا تو نہ بچ کر جاتا — یہ مری تیغ تھی تیرے لئے پیغام اجل
دشمن حق سے مسلماں کی قرابت کیسی — اس کا رشتہ ہے فقط حُبِّ خُدا عزَّ وجل

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کمال درجے کی مسرت ہوئی۔ آپ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس مدینہ منورہ بلا لیا اور ذاتی کاروبار اور جائیداد کا انتظام ان کے سپرد کر دیا۔ وہ یہ تمام امور بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے تھے اور والد گرامی کی مرضی ومنشاء کو ہر معاملے میں پوری طرح ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کبھی کبھی غصہ آ جاتا تھا لیکن حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بڑے تحمل اور بردباری کے ساتھ والد گرامی کی جھڑکیاں سہتے تھے اور کبھی اُف تک نہ کرتے۔ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رات کو چند اصحاب حضرت صفہ صدیق اکبر کے ہاں کھانا کھانے آئے۔ کھانے سے کچھ دیر پہلے حضرت ابوبکر صدیق کو بارگاہ رسالت میں کوئی کام در پیش آ گیا۔ گھر سے چلنے لگے تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں جا رہا ہوں، تم میرے واپس آنے سے پہلے مہمانوں کو کھانا کھلا دینا، مبادا میری واپسی میں دیر ہو جائے اور انہیں تکلیف کا احساس ہو۔

حضرت عبدالرحمٰن نے والد گرامی کے حکم کے مطابق مہمانوں کے سامنے کھانا رکھا لیکن انہوں نے اس بناء پر اس کے کھانے میں عذر کیا کہ صاحب خانہ موجود نہیں ہیں۔ آپ بڑی دیر کے بعد واپس تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ مہمان ابھی تک بھوکے ہیں۔ انہوں نے خیال کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن سے مہمانوں کو کھانا کھلانے میں کوتاہی ہوئی ہے۔ غضبناک ہو کر انہیں برا بھلا کہنے لگے اور قسم کھائی کہ اب یہ بھی کھانے میں شریک نہ ہوگا اور اسے بھوکا رہنا ہوگا، حضرت عبدالرحمٰن والد گرامی سے بہت ڈرتے تھے، اس لئے ان کے سامنے سے ہٹ گئے تھے۔ جب معلوم ہوا کہ انہیں یونہی قصوروار ٹھہرایا جا رہا ہے تو سامنے آ کر نہایت ادب سے عرض کی ''ابا جان میں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں مہمانوں کے سامنے کھانا پیش کیا تھا لیکن میرے بے حد

زور دینے کے باوجود انہوں نے آپ کی عدم موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا۔

مہمانوں نے حضرت عبدالرحمٰن کی تصدیق کی اور کہا "خدا کی قسم ان کا مطلق کوئی قصور نہیں اس لئے جب تک یہ کھانا نہیں کھائیں گے ہم بھی نہیں کھائیں گے"

اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا غصہ دور ہوا اور سب نے مل کر کھانا کھایا۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں دو لڑکوں اور دو لڑکیوں کے نام ملتے ہیں۔ لڑکوں کے نام ابو عتیق محمد رضی اللہ عنہ اور عبداللہ تھے' اور لڑکیوں کے حفصہ اور اسماء' یہ سب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آغوش تربیت کے پروردہ تھے۔ ام المومنین ان سے بے حد محبت کرتی تھیں اور دینی امور میں قدم قدم پر ان کی رہنمائی فرماتی تھیں۔

موطا امام مالک میں ہے کہ ایک مرتبہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن نہایت باریک دوپٹہ اوڑھ کر پھوپھی کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ ام المومنین ان کا دوپٹہ دیکھ کر سخت ناراض ہوئیں اور فرمایا "حفصہ تمہیں علم نہیں' سورۂ نور میں اللہ نے کیا احکام نازل فرمائے ہیں؟ پھر انہوں نے وہ دوپٹہ پھاڑ ڈالا اور ایک گاڑھے کا دوپٹہ منگوا کر انہیں اوڑھایا۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابو عتیق محمد بھی شرف صحابیت سے بہرہ ور ہوئے گویا حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے گھر میں چار نسلیں صحابی تھیں' یعنی ان کے دادا ابو قحافہ رضی اللہ عنہ والد' حضرت ابوبکر صدیق' وہ خود اور ان کے فرزند ابو عتیق محمد۔

ابو عتیق محمد رضی اللہ عنہ کے بیٹے عتیق اور پوتے عبداللہ بن عتیق نے بھی ام المومنین کی آغوش تربیت میں پرورش پائی۔ ام المومنین کی وفات کے بعد ان کے جن اعزہ نے انہیں قبر میں اتارا ان میں حضرت عبدالرحمٰن کے بیٹے عبداللہ اور پڑپوتے عبداللہ بن عتیق بن محمد بھی شامل تھے۔

جلالت و بسالت حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو اپنے جلیل القدر والد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر ملی تھی وہی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جنہیں اسد اللہ الغالب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے

دلیری اور دلاوری کی بنا پر ''اشجع الناس'' کا لقب دیا تھا' وہ تیر اندازی اور نیزہ بازی کی کمال درجے کی مہارت رکھتے تھے اور میدان رزم میں بھپرے ہوئے لشکر سے بہادری سے لڑتے تھے۔ حدیبیہ کے بعد وہ تمام غزوات نبوی (فتح حنین' طائف وغیرہ میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔

ہر معرکے میں اپنی شجاعت اور استقامت کے جوہر دکھائے۔ ۱۱ھ میں حضور ﷺ نے وصال فرمایا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ ان کی خلافت کے بعد عرب میں فتنۂ ارتداد کے شعلے بھڑک اٹھے۔ اس سلسلے کی سب سے خونریز جنگ مسیلمہ کذّاب کے خلاف یمامہ میں لڑی گئی۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اس لڑائی میں حیرت انگیز شجاعت اور پامردی کا مظاہرہ کیا۔

دشمن کے سات زبردست جنگجو یکے بعد دیگرے ان کے تیروں سے جہنم رسیّد ہو گئے۔ اثنائے جنگ میں یمامہ کے قلعے کی دیوار میں ایک جگہ شگاف پڑ گیا اور مسلمانوں کے لئے قلعہ میں گھسنے کا راستہ بن گیا تھا' لیکن دشمن کا ایک جانباز محکم بن طفیل اپنے پیر جما کر اس شگاف میں کھڑا ہو گیا تھا۔ اور کسی کو نہیں بڑھنے دیتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے تاک کر اس کے سینے میں ایسا تیر مارا کہ آناً فاناً ہلاک ہو گیا اور مسلمانوں کو فتح عظیم حاصل ہوئی۔

شام کی رومی سلطنت سے جب معرکہ آرائیوں کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بھی جانے والے مجاہدین میں شامل ہو گئے اور کئی سال تک شام کی لڑائیوں میں جوش اور جذبہ کے ساتھ دادِ شجاعت دیتے رہے۔ انہوں نے ہر معرکے میں دلیری و شجاعت کے غیر معمولی جوہر دکھائے۔

عہدِ فاروقی میں قنسرین کی خونیں جنگ میں حضرت عبدالرحمٰن بھی شامل تھے۔ اس جنگ میں ایک موقع پر ایک خطرناک مہم کے لئے حضرت خالد بن ولید نے دس

آزمودہ کار شہسوار منتخب کیے تو ان میں ایک حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ تھے' اس مہم کی انجام دہی کے دوران میں ان آزمودہ کار شہسواروں کا دشمن کی ایک کثیر تعداد سے مقابلہ ہوا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے اس معرکے میں دشمن کے پانچ آدمی قتل کیے یہاں تک کہ غسانیوں کا بادشاہ جبلہ بن ایہم خود ان کے مقابلے کے لئے نکلا۔

جبلہ ایک نامی جنگجو تھا اور بالکل تازہ دم تھا' حضرت عبدالرحمٰن پانچ آدمیوں سے لڑ کر تھک چکے تھے لیکن اس کے باوجود جبلہ کے مقابلے پر ڈٹ گئے بڑی دیر تک دونوں میں نیزے اور تلوار کی لڑائی ہوئی رہی یہاں تک کہ دونوں شدید زخمی ہو گئے اور اپنے ہمراہیوں سے جا ملے۔

یرموک کی ہولناک جنگ کا شمار شام کی فیصلہ کن لڑائیوں میں ہوتا ہے۔ اس لڑائی میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے محیر العقول کارنامے انجام دیئے۔ ایک موقع پر ساٹھ ہزار غسانی عربوں کے مقابلے کے لئے حضرت خالد بن ولید نے صرف ساٹھ شہسوار منتخب کیے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بھی ان ساٹھ شہسواروں میں شامل تھے۔ ان ساٹھ مجاہدوں نے گروہ بنا کر چھاپہ مار انداز سے لڑائی شروع کی اور ساٹھ ہزار کے ٹڈی دل کو ایسا زچ کیا کہ وہ شام تک ان ساٹھ سرفروشوں سے پناہ مانگ اٹھا۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ' زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام اور فضل بن عباس تو دشمن کے ایک دستے کو مارتے رگیدتے اتنی دور نکل گئے کہ مسلمانوں کو ان کی شہادت کا خدشہ پیدا ہو گیا تاہم رات گئے وہ بخیریت اپنے لشکر میں واپس آ گئے۔

اس کے بعد وہ بیت القدس پر چڑھائی کرنے والے لشکر میں شامل ہوئے اور جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری کے بعد سرزمین بیت القدس نے اپنی آغوش مجاہدین اسلام کے لئے وا کر دی تو تسخیر حلب کے لئے جانے والی مہم میں شریک ہو گئے۔ حلب کی فتح کے لئے مسلمانوں کو بڑی جدوجہد کرنی پڑی کیونکہ اہل حلب قلعہ

کے اندر محصور ہو کر عرصہ تک مسلمانوں کی مزاحمت کرتے رہے۔ اس دوران میں حضرت عبدالرحمٰن نے کئی بار اپنے لشکر کی نگہبانی اور گشت کی خدمت انجام دی۔ حلب فتح ہونے کے بعد وہ شام کے کئی اور معرکوں مین داد شجاعت دیتے رہے۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے مصر کی جنگوں میں بھی شرکت کی لیکن تاریخوں میں ان کے جہاد مصر کی تفصیل نہیں ملتی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے آغاز میں جمل کی افسوس ناک جنگ پیش آئی تو وہ اپنی ہمشیرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے۔

حافظ ابن عبدالبر نے ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' میں لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے انہیں ایک لاکھ درہم بھیجے لیکن حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے انہیں چھونا تک گوارا نہ کیا اور فرمایا میں دین کو دنیا کے عوض نہیں بیچ سکتا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی سکونت ترک کر کے مکہ معظمہ سے دس میل کے فاصلے پر حبشی یا حبیشی نام کے ایک پہاڑی مقام میں اقامت پذیر ہو گئے۔ وہیں ایک دن اچھے بھلے سوئے لیکن عالم خواب میں ہی پیغام اجل آ گیا جس کے بعد لوگوں نے آپ کو دفن کر دیا۔ یہ واقعہ ۵۶ھ کے بعد کا ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد نامزد کیا تو انہوں نے مروان بن الحکم والیٔ مدینہ کو خط لکھا کہ اہل کوفہ وشام یزید کی ولی عہدی پر رضامند ہیں، تم اہل مدینہ کو بھی اس کام پر آمادہ کرو۔ مروان نے خط پہنچنے پر اہل مدینہ کے ایک اجتماع عام میں لوگوں کو یزید کی ولی عہدی تسلیم کرنے کی دعوت دی۔ اہل مدینہ نے مروان کی باتیں پسند نہ کیں۔ سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اٹھے اور کڑک کر کہا۔

''تمہارا اور معاویہ کا یہ ارادہ ہے کہ امت محمدیہ ﷺ میں رسم قیصری جاری

کی جائے کہ ایک قیصر مر جائے تو اس کا بیٹا دوسرا قیصر بنے' خُدا کی قسم اس طرح تو تم عامۃ المسلمین کو خلیفہ کے حق انتخاب سے محروم کر رہے ہو۔ اس واقعہ سے پہلے حضرت امیر معاویہ اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ اس لئے مروان ان کی بات سن کر سخت برہم ہوا اور ان کو گرفتار کرنا چاہا۔ وہ اپنی ہمشیرہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے۔

مروان کو اندر گھسنے کی جرأت نہ ہوئی۔ دروازے کے باہر کھڑے ہو کر بآواز بلند کہا "یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی۔

والذی قال لو الدیه اف لکما (یعنی والدین کی اطاعت نہ کرنے پر خُدا نے ان کی مذمت کی) ام المومنین مروان کی بات سن کر غضب ناک ہو گئیں اور پردے کے پیچھے سے فرمایا: ہم لوگوں کے بارے میں اللہ نے کوئی آیت نازل نہیں فرمائی بجز اس کے کہ میری برأت فرمائی (صحیح بخاری تفسیر سورۂ احقاف)

علامہ ابن اثیر نے "اُسد الغابہ" میں لکھا ہے کہ اس موقع پر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے "خُدا کی قسم! نہیں' یہ آیت عبدالرحمٰن کے بارے میں نہیں ہے' اگر چاہوں تو میں اس شخص کا نام بتا سکتی ہوں جس کی نسبت اس آیت میں اشارا ہے۔

مروان چپ چاپ واپس چلا گیا۔

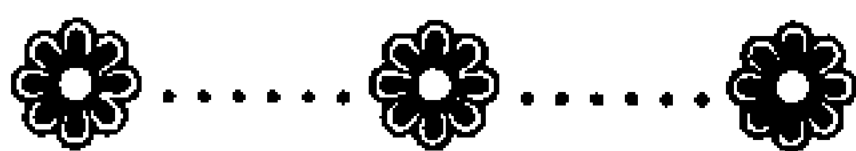
حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حج کیلئے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آئیں تو حضرت عبدالرحمٰن کی قبر پر پہنچ کر جذبات سے بے قرار ہو کر رونے لگیں اور یہ شعر پڑھے۔

ترجمہ ہم دونوں جذیمہ (بادشاہ) کے مصاحبوں کی طرح مدت تک ایک ساتھ رہے' یہاں تک کہ لوگ کہنے لگے یہ اب ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے) پھر جب ہم جدا ہو گئے تو گویا میں نے اور مالک نے عرصۂ رفاقت کی درازی کے باوجود ایک رات بھی ساتھ نہیں گزاری۔

پھر وہ رقت انگیز لہجے میں فرمانے لگیں۔ ''اے صاحب قبر! جب تم اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر رہے تھے' اگر اس وقت میں تمہارے پاس موجود ہوتی' واللہ اس قدر نہ روتی اور تمہیں اسی جگہ سپرد خاک کرتی' جہاں تم نے وفات پائی تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن ابوبکر اگرچہ دیر سے مسلمان ہوئے جس پر ان کے والد محترم سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کافی عرصہ ان سے ناراض بھی رہے مگر آہستہ آہستہ آپ اپنی فرمانبرداری' والدین سے محبت' اسلام سے پروانہ وار لگاؤ کی بدولت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نگاہوں میں انتہائی محبوب ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بہادری شجاعت' دلیری واستقامت' جرأت' ہمت و پامردی میں بے مثال اور سب سے بڑھ کر آقائے دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیوانے تھے۔ اس لئے حضور ﷺ کی خصوصی محبتوں کے بھی حق دار بن گئے۔ آپ کی عظیم بہن سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ پر جان چھڑکتی تھیں۔ آپ پر انہیں بے پناہ اعتماد تھا۔ ظاہر ہے جو اُم المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا پیارا ہوگا وہ کیونکر حضور ﷺ کو عزیز نہ ہوگا۔ تمام مسلمانانِ مدینہ آپ کو دل و جان سے عزیز سمجھنے لگے۔ آپ پر ہر طرف سے عطاؤں اور لطف و کرم کا موسم آ گیا۔ صحابہ کرام میں سے کوئی بھی آپ کے ماضی کو نہیں دیکھتا تھا بلکہ جنگ یمامہ' جنگ یرموک اور دوسری جنگوں میں آپ کی اسلام کی خاطر قربانیوں کو دیکھ کر آپ سے پیار کرتے تھے۔

اسلام سربلند ہے' اسلام زندہ باد — اللہ کا یہ آخری پیغام زندہ باد
صدیقؓ کے وہ لاڈلے تھے' قوم کو عزیز — ان پر ہو اَخلاق کا انعام زندہ باد
اسلام میں جو آئے تو پھر کفر ہل گیا — اس صاحبِ جہاد کا انجام زندہ باد
اس پہ رضا ہو رحمتیں خالق کی ہر گھڑی — وہ عائشہؓ کا بھائی' خوش اکرام زندہ باد



عیاں ہے اس سے عظمت حضرتِ فاروقِ اعظم کی
نبی کرتے تھے عزّت حضرتِ فاروقِ اعظم کی
کئی بار ان کی باتیں بن گئیں آیاتِ قرآنی
مسلّم تھی فراست حضرتِ فاروقِ اعظم کی
رسولُ اللہ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے
رہے دل میں محبت حضرتِ فاروقِ اعظم کی

(خلیفۂ دوم)

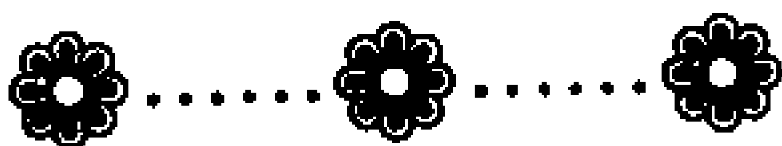
حضرت سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

عیاں ہے اس سے عظمت حضرتِ فاروقِ اعظم کی
نبی کرتے تھے عزّت حضرتِ فاروقِ اعظم کی
کئی بار ان کی باتیں بن گئیں آیاتِ قرآنی
مسلّم تھی فراست حضرتِ فاروقِ اعظم کی
رسول اللہ پر ایمان لانے کا تقاضا ہے
رہے دل میں محبت حضرتِ فاروقِ اعظم کی

امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

وقارِ اہلِ دیں کہیے مرادِ مصطفیٰ کہیے
عمر کو ظلمتوں کے درمیاں شمعِ ہدیٰ کہیے
حیاتِ نو ملی اسلام کو اس مردِ کامل سے
عمر کو کشتیٔ دینِ نبی کا ناخدا کہیے
ملا بعد از وصال اس مردِ حق کو قرب آقا کا
اسے کیونکر شہنشاہ دو عالم سے جدا کہیے
عمر جس کی جلالت سے شیاطیں پہ بھی لرزہ تھا
اسی کی حق شناسی کو جلالِ کبریا کہیے
وہ جس کا نامِ نامی امتیازِ حق و باطل ہے
اسی فاروقِ اعظم کو وقارِ اتقیاء کہیے
عبادت میں، ریاضت میں، عدالت میں، شجاعت میں
جمالِ مذہب اسلام اس کی ہر ادا کہیے
عمر کے کارنامے حسن ہیں تاریخِ ایماں کا
اسی کی سیرتِ عالی کو شمعِ حق نما کہیے
عمر فاروق کو محبوب رکھتا ہے جو ہر ساعت
رضا اس کو محبِ سرورِ ہر دوسرا کہیے

(محمد اکرم رضا)



امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفہ راشد ہیں۔ جوان ہوئے تو دل و دماغ میں حضور نبی کریم ﷺ سے نفرت شعلہ جوّالا کی صورت بھڑک رہی تھی۔ دوسرے کفار مکہ اپنی بدباطنی کی بدولت آپ کی اسلام دشمنی کو ہوا دیتے رہے تھے۔ لیکن وہ تقدیر کے اس فیصلے سے بے خبر تھے کہ قدرت اسلام اور بانی اسلام حضور رسول اکرم ﷺ سے حد درجہ دشمنی رکھنے والے عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو فروغ اسلام کیلئے منتخب کر چکی ہے۔ اور وہی عمر کہ جو حضور نبی کریم ﷺ کا نام سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے ایک دن محمد رسول اللہ ﷺ کے دامان رحمت سے یوں وابستہ ہوں گے کہ تاریخ اسلام کے عظیم محسن کہلائیں گے۔ اور نبی معظم کی بارگاہ عظمت پناہ سے عطا ہونے والا لقب "فاروق اعظم" ہمیشہ کیلئے ان کی پہچان بن جائے گا اور زمانہ پکار اٹھے گا کہ

جناب سیّد فاروق کی عظمت نرالی ہے
زمانہ کہہ رہا ہے آپ کا اُسوہ مثالی ہے
شہ فاروق کا اُسوہ بصیرت ہی بصیرت ہے
جہاں میں حسنِ ایماں آپ کی عالی مقالی ہے

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کے وہ بطلِ جلیل ہیں کہ جن کا نام سن کر قیصر و کسریٰ پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ آپ کے مجاہدین کے گھوڑوں کے سموں کی ٹاپ سے

باطل کے کاخ و ایوان لرز جایا کرتے تھے۔ یہ وہ عظیم المرتبت ہستی ہے کہ جس کے سائے سے شیطان بھی دور بھاگتا تھا، اور جس کی آمد سے کفر و ضلالت کے اندھیرے چھٹ جاتے تھے۔ آپ کے اسلام لانے پر رسول اللہ ﷺ کو غیر معمولی فرحت اور راحت محسوس ہوئی۔ مسلمانوں کی ایمانی قوت میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کو متعدد بشارتوں سے نوازا۔

اللہ تعالیٰ نے عمر کے قلب و زبان پر حق جاری کر دیا ہے اور وہ فاروق ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حق و باطل میں فرق کرایا ہے۔ (صواعق محرقہ)

حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ارشاد قدسی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے عظمتِ عمر رضی اللہ عنہ کا باعث بن گیا۔

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتا"۔ (جامع ترمذی ج ۲)

ہوتی نہ محمد پہ اگر ختم رسالت
فاروق تھے اس عظمت کبریٰ کے سزاوار

حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر بے شک تم سے شیطان خوف کھاتا ہے۔

(ترمذی ج ۲)

ابن ماجہ شریف صفحہ ۱۱ پہ حدیث مصطفےٰ ﷺ مرقوم ہے کہ

"اے محمد ﷺ آسمان والوں نے عمر کے اسلام لانے کی خوشی منائی ہے"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کس درجہ محبوب رکھتے تھے اس کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان پر حق جاری کر دیا ہے۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں حق ہی کہتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ شریف صفحہ ۱۱)

آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام سے حد درجہ دشمنی رکھنے والے عمر بن خطاب کس

طرح حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

کتب سیر میں ہے کہ ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے قتل کے ارادہ سے گھر سے نکلے' بازار میں آئے' بدن پر ہتھیار سجا رکھے تھے' چہرے پر غصہ کے آثار نمودار تھے۔ آنکھیں سرخ اور قہر آلود تھیں۔ سراپا غضب نظر آرہے تھے کہ راستے میں نعیم بن عبداللہ سے ملاقات ہوگئی۔ انہوں نے پوچھا: عمر خیر تو ہے؟ اتنے غصے میں کیوں ہو؟ کہاں کا ارادہ ہے؟ جواب میں آپ نے کہا کہ آج میں محمد بن عبداللہ کا سر اڑانے اور اس کے دین کا جھگڑا چکانے جا رہا ہوں۔ حضرت نعیم نے اس ارادے سے باز رہنے کا مشورہ دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بھی اپنا آبائی دین چھوڑ کر دین محمدی اختیار کر لیا ہے۔ انہوں نے کہا تمہاری بہن (فاطمہ) اور بہنوئی (سعید بن زید) بھی اپنا آبائی مذہب ترک کر کے دین اسلام سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ یہ خبر سن کر عمر اور زیادہ غضبناک ہو گئے۔ الٹے پاؤں اپنی بہن کے گھر پہنچے۔ گھر میں آپ کی بہن اور بہنوئی کے علاوہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ تینوں دھیمی آواز میں سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کر رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں کی آہٹ پا کر حضرت خباب اس مکان کے ایک کونے میں چھپ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھر میں داخل ہوتے ہی سوال کیا کہ یہ تم آہستہ آہستہ کیا پڑھ رہے تھے؟ اور سنا ہے کہ تم لوگوں نے اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے۔ دوسری طرف سے جواب ملا۔ ہاں! ہم نے باطل کو چھوڑ کر حق کا دامن تھام لیا ہے۔ یہ جملہ سنتے ہی عمر نے اپنے بہنوئی اور بہن کو اتنا مارا کہ ان کے زخموں سے خون بہہ نکلا۔ عمر مارتے مارتے تھک گئے تو کہنے لگے۔ اے میری بہن اور بہنوئی! کان کھول کے سن لو کہ تمہیں دین محمد چھوڑنا پڑے گا' وگرنہ اپنی تلوار سے تم دونوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔

حضرت عمر کی یہ بات سن کر

بہن بولی عمر ہم کو اگر تو مار بھی ڈالے
شکنجوں میں کسے یا بوٹیاں کتوں سے نچوالے
مگر ہم اپنے دین حق سے ہرگز پھر نہیں سکتے
بلندی معرفت کی مل گئی ہے گر نہیں سکتے

ہمشیرہ کی جرأت واستقامت اور بے خوف لہجۂ گفتار دیکھ کر عمر کی آنکھیں کھل گئیں۔ بہن اور بہنوئی کی جانب غور سے دیکھا کہ

دہن سے نام حق آنکھوں سے آنسو منہ سے خوں جاری
عمر کے دل پہ اس نقشے سے عبرت ہوگئی طاری

(حفیظ جالندھری)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ایک عالم کیف طاری ہوگیا۔ ندامت سے گردن جھک گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب سر اٹھایا تو پیشانی پر پسینے کے قطرے اور آنکھیں اشکبار تھیں۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولے: بہن! وہ کتاب جو تم پڑھ رہی تھیں ذرا مجھے بھی دکھانا۔ آپ کی ہمشیرہ نے جواب دیا۔ اس کتاب کے اوراق کو چھونے کیلئے پاک صاف ہونا شرط ہے' لہٰذا آپ غسل کریں پھر اس کو ہاتھ لگانا۔

آپ نے بہن کے کہنے پر عمل کرنے کے بعد اوراق قرآن کو لیا اور پڑھنا شروع کیا۔ ابھی چند ہی آیات تلاوت کی تھیں کہ پکار اٹھے۔

اے ہمشیرہ! مجھے بھی دربار رسالت میں لے چلو تا کہ میں بھی ایمان ویقین کی دولت لازوال سے بہرہ یاب ہوسکوں۔

یہ سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور کہنے لگے۔ اے عمر! مبارک وبشارت ہو۔ مجھے امید ہے کہ تم حضور ﷺ کی اس دعا کا جواب ہو جو آپ نے

جمعرات کی شب کو کی تھی۔ حضور ﷺ نے اس شب کو اللہ کی جناب میں عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْبِعَمْرِوبْنِ ھَشَّام.

اے اللہ! تو عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام کے ذریعے سے اسلام کو عزت و سربلندی اور قوت وغلبہ عطا فرما۔

دعائے مصطفیٰ فاروقِ اعظم
عطائے کبریا فاروقِ اعظم

غرض حضرت خباب رضی اللہ عنہ جناب عمر کو ساتھ لئے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے جہاں سرکار ﷺ تشریف فرماتے تھے۔ آپ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ کلمۂ شہادت پڑھا اور آغوش اسلام میں چلے گئے۔ یہ سرور عالم ﷺ کی دعا کے اثرات تھے کہ ایک بہن کی استقامت نے بھائی کو دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر فاروق اعظم بننے کی سعادت کا موقع فراہم کیا۔

اسلام میں عمر کی ہے اک شانِ امتیاز
یہ حاصلِ دعائے رسالت مآب ہے

فرشتوں نے خوشی منائی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو جبریل امین علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا:

یَامُحَمَّدُ لَقَدِ اسْتَبْشَرَ اَھْلُ السَّمَآءِ بِاِسْلَامِ عُمَر.

(ابن ماجہ شریف ص ۱۱)

ترجمہ: اے محمد ﷺ! آسمان والوں نے عمر کے اسلام لانے کی خوشی منائی ہے۔

اس کے ایماں سے لَقَدِ اسْتَبْشَرَا اَهْلُ السَّمَآءِ
یوسفِ گم گشتہ آئے جیسے سوئے کارواں

سونے کا محل

حضرت جابر' معاذ' انس' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے جنت میں سونے کا ایک محل دیکھا تو میں نے پوچھا یہ کس کا ہے؟

فَقِيْلَ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ۔ (ترمذی شریف ج ۲ص ۲۰۹)

ترجمہ: تو کہا گیا کہ یہ عمر بن خطاب کا ہے۔

چراغ اہل جنت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ مقرر ہوئے تو آپ کے پاس کچھ مال حاضر کیا گیا تاکہ اسے تقسیم کریں۔ آپ نے حضرت امام حسن' امام حسین رضی اللہ عنہما سے مال کی تقسیم کی ابتدا کی تو آپ کے صاحبزادہ عبداللہ رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے اور عرض کی کہ ابا جان! میں زیادہ حق دار ہوں' آپ مجھے عطیہ میں مقدم رکھیں کیوں کہ میں خلیفہ کا بیٹا ہوں۔

آپ نے فرمایا: اے عبداللہ۔

هَاتِ لَكَ اَبًا كَاَبِيْهِمَا اَوْ جَدًّا كَجَدِّهِمَا.

تم ان کے باپ جیسا اپنا باپ اور ان کے نانا جیسا اپنا نانا لاؤ۔

حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے اس گفتگو کا ذکر کیا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ جاؤ امیر المومنین کو یہ خوشخبری دو کہ میں نے سرور کائنات ﷺ سے سنا ہے کہ جبریل نے کہا' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اِنَّ عُمَرَ سِرَاجُ اَهْلِ الْجَنَّةِ

عمر اہل جنت کے چراغ ہیں۔

دونوں صاحبزادے آئے اور امیر المومنین کو یہ خبر دی تو آپ کو بہت خوشی ہوئی اور فرمایا: تم جو بیان کر رہے ہو' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لکھوا لاؤ۔ دونوں صاحبزادے آئے اور اپنے والد سے لکھوا لیا۔ جب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے فرمایا:

اِذَامِتُّ فَادْفِنُوْا مَعِیْ خَطَّ الْاِمَامِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ.

ترجمہ: جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے ساتھ امام علی رضی اللہ عنہ کا خط دفن کر دینا۔

فَعَلَ ذٰلِکَ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ (نور الابصار ص ۶۵ مطبوعہ مصر ۱۳۸۴ھ)

حضور ﷺ عمر کے ساتھ ہیں

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

عُمَرُ مَعِیْ وَاَنَا مَعَ عُمَرَ وَالْحَقُّ مَعَ عُمَرَ (نور الابصار ص ۶۱)

عمر میرے ساتھ ہے اور میں عمر کے ساتھ ہوں۔ عمر جہاں بھی ہو حق اس کے ساتھ ہے۔

حضرت علامہ سیّد مومن شبلنجی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے دیلمی اور مسند فردوس کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

رِضَا الرَّبِّ رِضَا عُمَرَ (نور الابصار ص ۶۱)

عمر کی رضا میں رب کی رضا ہے۔

علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اَلصَّوَاعِقُ الْمُحرَقَة میں طبرانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابی بن کعب نے بیان کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: قَالَ لِیْ جِبْرِیْلُ لِیَبْکِ الْاِسْلَامُ عَلٰی مَوْتِ عُمَرَ. (صواعق محرقہ ص ۹۷)

ترجمہ: جبریل نے مجھے کہا کہ اسلام کو عمر کی موت پر رونا چاہیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھ کر تبسم فرمارہے تھے اور آپ نے فرمایا: اے عمر بن خطاب! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے چہرہ کو دیکھ کر کیوں خوش ہوا ہوں۔ عرض کیا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں' آپ نے فرمایا کہ بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ نے عرفہ کی رات تمہاری طرف شفقت اور رحمت کی نظر فرمائی۔ وَجَعَلَكَ مِفْتَاحَ الْاِسْلَامِ اور اللہ تعالیٰ نے تجھے اسلام کی کنجی بنادیا ہے۔

(شہادت نواسۂ سید الابرار ص ۲۵۰ بحوالہ دار قطنی)

حضرت امام الانبیاء ﷺ ایک روز عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، عباس بن عبدالمطلب (عم رسول) اُبی بن خلف، امیہ بن خلف وغیرہ کو اسلام کی دعوت فرمارہے تھے، اس درمیان میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ (جو نابینا تھے) حاضر ہوئے اور انہوں نے ''باربار بلند آواز سے'' ندا کر کے عرض کیا: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِیْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ اے اللہ کے رسول جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے، اس میں سے مجھے بھی سکھایئے۔ ابن ام مکتوم نے یہ نہ سمجھا کہ حضور دوسروں سے گفتگو فرمارہے ہیں۔ (اس لئے کہ آپ نابینا تھے) اس سے قطع کلام ہوگیا۔ یہ بات حضور علیہ السلام کو گراں گزری اور آثارِ ناگواری چہرۂ اقدس پر نمایاں ہوئے جس پر سورۂ عبس کی آیات نازل ہوئیں۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ○ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ○

ترجمہ: تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا (اس وجہ سے کہ) آپ کے پاس ایک نابینا حاضر ہوا اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا۔

یہاں نابینا فرمانے میں عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی معذروی کی طرف اشارہ

ہے۔(تفسیر خزائن العرفان از صدر فاضل رحمۃ اللہ علیہ)

خیال رہے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضورِ اکرم ﷺ سے تھوڑے سے رنگ جلال وعتاب میں گفتگو فرمائی۔

ضیاء القرآن میں تعارف سورۂ عبس کے ضمن میں روح البیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق کو پتہ چلا کہ ایک امام (مسجد) ہمیشہ نماز میں اسی سورۃ (عبس) کی قرأت کرتا ہے تو آپ نے ایک آدمی بھیجا جس نے اس کا سر قلم کر دیا۔ چونکہ وہ حضور ﷺ کے مرتبۂ عالی کی تنقیص کے ارادے سے اس کی قرأت کیا کرتا تھا تا کہ مقتدیوں کے دل میں بھی حضور ﷺ کی عظمت کم ہو جائے۔ اس لئے نگاہ فاروق میں وہ مرتد تھا اور مرتد واجب القتل ہوا کرتا ہے۔(ضیاء القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ حضورِ اکرم ﷺ کی تنقیص کے ارادے سے قرآن حکیم کی تلاوت بھی ایک خاص قسم کے جرم کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے اور یہ اہل نفاق کا پرانا طریقہ ہے۔ ان لوگوں کو اس بات پر بار بار غور کرنا چاہیے جو اپنی تمام علمی صلاحیتیں اس پر صرف کر رہے ہیں کہ سرورِ عالم بھی ایک عام انسان کی مانند تھے۔

ان کی تنقیص کرو، آقا بھی مانو ان کو
یوں نہ ہم دوش کرو کفر کو اسلام کے ساتھ

حسین کو مقدم سمجھا

علامہ محمد عبدالسلام رضوی نے اپنی کتاب شہادت نواسۂ سیّد الابرار میں اصول کافی کے صفحہ نمبر ۲۹۲ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب ایران کو فتح کیا اور اسلام کا علم بلند کیا تو مال غنیمت میں ایران کے بادشاہ یزدگرد کی بیٹی شہر بانو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سیّدنا حسین علیہ السلام کے

ساتھ نکاح کر کے آپ کے حوالے کر دیا۔

چنانچہ شہزادی شہر بانو رضی اللہ عنہ کے بطن اطہر سے سیّدنا امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور آپ سے نسل حسینی جاری ہوئی۔

ایک مرتبہ سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منبر پر گود میں سیّدنا حسین علیہ السلام کو لے کر کہا۔

هَلْ اَنْبَتَ الشَّعْرَ علی رُؤُسِنَا اِلَّا اَبُوْكَ

ہمارے سروں پر بال کس نے اگائے ہیں تمہارے ہی نانا جان ﷺ نے۔
یعنی یہ سب عزت و عظمت اور ثروت مرتبت سرور کون و مکاں ﷺ کی طفیل ہے۔ (شہادت نواسہ سیّد الابرار ص ۲۷۲)

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی زبان حق کی ترجمان تھی۔ جو خُدا کا ہو جاتا ہے خُدا اس کا ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کس طرح انعامات ربانی کے حق دار قرار پائے اس کا اندازہ درج ذیل واقعات سے ہو جاتا ہے۔

لہر میں آئیں تو کردیں خشک دریا کو رواں
قہر میں آئیں تو کرلیں سلب نورِ آفتاب

مکتوب بنام نیل

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے جب مصر فتح کیا تو مصر والوں نے آ کر کہا کہ دریائے نیل ہر سال ایک نوجوان کنواری لڑکی چاہتا ہے جس کو ہم اس میں پھینک دیتے ہیں ورنہ وہ جاری ہونے سے رک جاتا ہے اور ملحقہ علاقوں کو خراب کر دیتا ہے۔
حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین فاروق حق و باطل کو اس کی خبر دی۔ فاروق اعظم نے ان کو یہ خط لکھا کہ اسلام پہلی رسومات ختم کرتا ہے اور دریائے نیل کو ایک خط

لکھا اور ان سے یہ فرمایا کہ یہ مکتوب دریائے نیل میں پھینک دیا جائے۔ حضرت عمرو بن عاص نے خط دیکھا تو اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مِنْ عَبْدِاللّٰهِ اَمِيْرِالْمُؤْمِنِيْنَ اِلٰى نِيْلِ مِصْرَ (اَمَّابَعْدُ) فَاِنْ كُنْتَ تَجْرِیْ مِنْ قَبْلِكَ فَلاَ تَجْرِیْ وَاِنْ كَانَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ هُوَالَّذِیْ يُجْرِيْكَ فَنَسْئَلُ اللّٰهَ الْوَاحِدَ الْقَهَّارَ اِنْ يُّجْرِيْكَ۔

ترجمہ: اللہ کے بندے امیر المومنین کی طرف سے نیل مصر کی طرف (امابعد) اے نیل! اگر اس سے پہلے تو اپنی مرضی سے بہتا تھا تو بے شک نہ چل اور اگر اللہ تعالیٰ واحد وقہار تجھے بہاتا تھا تو میں اللہ تعالیٰ واحد وقہار سے سوال کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری کر دے۔ (نورالابصار ص ۶۲)

طوفانوں کے سرخم ترے احکام کے آگے
ہے یاد زمانے کو ابھی نیل کا قصہ

رات کو اللہ نے نیل کو جاری فرما دیا اور اس بری رسم کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو گیا۔

یَا سَارِيَةُ الْجَبَلَ

عمرو بن حارث سے روایت ہے کہ جمعہ کے روز سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اکہ اچانک انہوں نے خطبہ ترک کر دیا اور دو یا تین مرتبہ بلند آواز سے یَاسَارِيَةُ الْجَبَلَ اے ساریہ پہاڑ کا خیال کر' فرمایا پھر خطاب شروع کر دیا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا کہ امیر المومنین کو جنوں ہو گیا ہے کہ خطبہ چھوڑ کر یَاسَارِيَةُ الْجَبَلَ کہہ رہے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو حضرت امیر المومنین سے بے تکلف تھے

امیر المومنین کے پاس آئے اور کہا: اے امیر المومنین! آپ لوگوں کو باتیں کرنے کا موقع دے رہے ہیں کہ خطبہ کی حالت میں یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلَ اونچی آواز سے فرمایا' یہ کیا معاملہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

وَاللّٰہِ مَا مَلَکْتُ ذٰلِکَ حِیْنَ رَاَیْتُ سَارِیَۃَ وَاَصْحَابَہ' یُقَاتِلُوْنَ عِنْدَ جَبَلٍ یُؤْتَوْنَ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَمِنْ خَلْفِھِمْ فَلَمْ اَمْلِکْ اَنْ قُلْتُ یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلَ لِیَلْحَقُوْا بِالْجَبَلِ۔

ترجمہ: ''خدا کی قسم جب میں نے ساریہ اور اس کے لشکر کو پہاڑ کے پاس لڑتے ہوئے دیکھا کہ ان کے آگے پیچھے دشمن جمع ہو رہے ہیں تو میں نے بے اختیار ہو کر کہا ''اے ساریہ پہاڑ کا خیال کر'' تاکہ مسلمانوں کا لشکر پہاڑ کی طرف متوجہ ہو''۔

چنانچہ کچھ دن گزرے کہ سالار لشکر اسلام ساریہ کا قاصد پیغام لے کر آیا کہ جمعہ کے دن دشمن سے سامنا ہوا صبح سے ہم نے لڑائی شروع کی حتی کہ جمعہ کا وقت ہو گیا۔ ہم نے بلند آواز سنی یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلَ دو تین مرتبہ سنائی دیا۔ ہم پہاڑ کی طرف متوجہ ہوئے اور دشمن پر غلبہ حاصل کر لیا اور ان کو اللہ نے شکست دی۔

علامہ شبلنجی مذکورہ بالا روایت ریاض النضرہ کے حوالے سے نقل فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ بعض نے ذکر کیا ہے کہ نہاوند کے پہاڑ میں غار سے ساریہ نے جناب عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی۔

اِلَی الْاٰنِ یُعَظِّمُوْنَ ذٰلِکَ الْغَارَ وَیَتَبَرَّکُوْنَ بِہٖ۔

اب تک اس غار کی تعظیم کی جاتی ہے اور اسے متبرک سمجھا جاتا ہے۔

(نور الابصار ص ۶۲)

اس بات پر غور کرنے سے جو نتائج اخذ ہوتے ہیں وہ کسی قسم کی تاویل کے محتاج نہیں' وہ غیر مبہم اور بالکل واضح ہیں۔

غور فرمائیں کہ مدینۃ الرسول میں مسجد نبوی کے منبر پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں اور نہاوند کے میدان میں لڑی جانے والی جنگ کا مشاہدہ بھی فرما رہے ہیں۔ لشکر اسلام کے سپہ سالار کو خطرے سے خبردار بھی کر رہے ہیں اور آپ کی آواز بھی وہاں سنی جا رہی ہے۔

ان تمام امور سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ بندگان خدا کے سامنے کائنات ہیچ اور محدود ہو جاتی ہے ان کا ہر عمل رضائے الٰہی کی تصویر بن جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت محبوب جانتے تھے۔ اس کا اندازہ آپ کے ان کلمات سے ہوتا ہے جو آپ کے بارے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمائے۔

سیّدنا امام محمد باقر رضی اللہ عنہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ جب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو بعد از شہادت غسل دے کر کفن پہنایا گیا تو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمائے۔

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ مَا عَلَى الْاَرْضِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَلْقَی اللّٰهَ بِصَحِيْفَةِ هٰذَا الْمُسْتَجٰی بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ.

ترجمہ: اس پر اللہ کی صلوٰۃ (رحمتیں اور برکتیں) ہوں، تمام روئے زمین پر میرے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں کہ میں اللہ سے ملوں اور میرا نامۂ اعمال بھی اس کفن پوش کے اعمال نامہ کی طرح ہو جو اس وقت تمہارے سامنے موجود ہے۔

جب آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وظائف مقرر کئے تو حضور علیہ السلام کے محبوب غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت اسامہ بن زید کی تنخواہ اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے عذر کیا تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ اسامہ رضی اللہ عنہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے روز

خطبہ دے رہے تھے تو میں نے شمار کیا کہ ان کے تہبند پر بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کرتہ کے مونڈھے پر تہ بہ تہ پیوند لگے ہوئے تھے۔

فتح شام کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک دفعہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہا (آپ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں' اس نے جواباً شیشیوں کو جواہرات سے بھر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا: گو عطر تمہارا تھا لیکن قاصد جو لے کر گیا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف بیت المال سے ادا کیے گئے تھے' چنانچہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا۔

ایک دفعہ فاروقِ حق و باطل بیمار ہو گئے۔ اطباء نے شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن قلب متقی بغیر مسلمانوں کی اجازت کے لینے پر راضی نہ تھا۔ چنانچہ اسی حالت میں مسجد میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو جمع کر کے اجازت طلب کی' اجازت ملنے پر شہد استعمال فرمایا۔

بازار میں ایک فربہ اونٹ فروخت ہوتے دیکھا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ اونٹ آپ کے صاحبزادے عبداللہ کا ہے۔ ان سے پوچھا: یہ اونٹ کیسا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا اور اب کچھ موٹا تازہ ہو گیا ہے تو بیچنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چوں کہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے اس لیے تم صرف راس المال (اصل قیمت) کے مستحق ہو اور بقیہ قیمت لے کر بیت المال میں داخل کر دی۔

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو کے خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ بدو کی عورت دردِ زہ میں مبتلا ہے۔ آپ گھر آئے اور

اپنی زوجہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ساتھ لے کر بدو کے خیمہ میں گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کی زوجہ محترمہ نے کہا: امیر المومنین رضی اللہ عنہ! اپنے دوست کو بچہ کی مبارک باد دیجئے۔ بدو امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا سن کر چونک پڑا۔ آپ نے فرمایا: فکر نہ کر کل میرے پاس آنا بچے کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔ (ماخوذ از خلفائے راشدین)

مالی ایثار

''آج آپ اس قدر مسرور کیوں ہیں؟''

اہل خانہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابن خطاب کے بشرے میں کسی ولولہ انگیز جذبہ کا شعلۂ جوالہ دیکھ کر ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

''کیا''؟ آپ کی آواز میں احتجاج کی تلخی تھی' ایک چوٹ کھایا ہوا جوش اور اُمڈتی ہوئی والہانہ سپردگی تھی۔ ''کیا تم لوگ بھول رہے ہو کہ مغرور رومیوں کی فوجیں رسول خدا ﷺ کی امت پر حملہ آور ہونا چاہتی ہیں''۔

لیکن ......سوال میں اس بار کچھ اور ذہنی الجھاؤ کا اضافہ ہو گیا تھا۔ لیکن......
دشمن کے حملے کی خبر پر یہ خوشی! مسلمان تو مدینے کے گلی کوچوں میں فکر و تشویش سے سرگوشی کرتے پھر رہے ہیں کہ اس بار دشمن ہمیشہ سے زیادہ طاقتور ہے' موسم کی تمازت ناقابل برداشت ہے' اور خطرہ ہے کہ کھجوروں کی فصل تباہ ہو گئی تو......

بس کرو! عمر رضی اللہ عنہ کی غیرت ایمانی مشتعل ہو کر گرج اٹھی۔ ''جو بزدل یہ بات کرتا ہے اس کا جواب میری تلوار ہے اس لئے یہ بات کہنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا۔ بزدلی اور ایمان ممکن نہیں کہ جمع ہو سکیں۔ (پھر ذرا رک کر دل ریش برہمی کے ساتھ) تم اس شخص کو مسلمان کہہ سکتے ہو جو دشمن کی طاقت کے احساس کو اس دل میں جگہ دے رہا ہے جہاں خدا کی لامتناہی طاقت کے ایمان کی کسی خوف کیلئے جگہ نہیں چھوڑی گئی۔

''معاذ اللہ۔ خُدا کی پناہ''۔ اہل خانہ موقع کی نزاکت کو محسوس کر کے سہم گئے۔

صحن مسجد سے ابھرتی ہوئی آواز سنو! عمر رضی اللہ عنہ نے والہانہ جوش کے ساتھ کہا۔ یہ خُدا کے رسول ﷺ کی آواز ہے۔ یہ اس شخص کی آواز ہے' جو زمین پر خُدا کے عرش بریں کا آخری نمائندہ ہے۔ نہیں! یہ صرف سننے نہیں کچھ کر گزرنے کا وقت ہے۔ ایمانی زندگی کا آخری فیصلہ ہے' جس کا ثبوت زبان کے لفظ نہیں خود اپنے جسم کا ٹپکا ہوا خون ہی دے سکتا ہے۔ صادق القول محمد ﷺ کے خُدا نے ہم سے جس جنت کا وعدہ کیا ہے' اس پر یہ ساری دنیا ہنسی خوشی قربان کی جا سکتی ہے۔ (ذرا رک کر عجلت کے ساتھ) ہاں تم لوگ اس گھر کا ساز و سامان اکٹھا کرو۔ سب کچھ ایک ایک ذرہ!

اہل خانہ اس غیر متوقع حکم پر چکرا گئے۔ وہ نہ سمجھ پائے کہ تبوک کے محاذ پر گھر کے برتن کس کام آ سکتے ہیں۔

ہاں ہاں! گھریلو ساز و سامان! عمر رضی اللہ عنہ کی آواز میں بچوں کی سی معصوم خوشی تھی۔ جوانوں کا جوش و خروش اور بوڑھوں کی پر وقار سنجیدگی تھی اور ساتھ ساتھ قربانی اور جانثاری کی ایک ایسی اتھاہ تڑپ تھی جس کے لئے سمندر کی گہرائیاں بھی کافی نہیں۔ ہاں ہاں! عمر رضی اللہ عنہ اپنے محبوب رہنما کی آواز پر اپنا گھر لٹائے بغیر چین نہ پا سکے گا۔ آج زندگی کے ساتھ سامان زندگی لٹانے کی باری ہے (مجذوبانہ محویت کے سے عالم میں دل ہی دل میں سرگوشی کے انداز سے) ''جو خُدا ہمیشہ دینے کا عادی ہے وہ آج انسان سے کچھ مانگ رہا ہے۔ اللہ اکبر! کیسا حسین موقع ہے یہ۔ کتنا دلکش موڑ! خُدا کے رسول ﷺ کی پکار پر خُدا کے بندے جانیں پیش کر رہے ہیں دولت نذر کر رہے ہیں' ہتھیار لا رہے ہیں لیکن عمر رضی اللہ عنہ اپنا نصف گھر لٹا دے گا اور اس کی قیمت میں ان محبوب ہونٹوں پر وہ محبت بھری مسکراہٹ صرف اپنے لئے دیکھ سکے گا' جس کو حاصل کرنے کیلئے ہر مسلمان کا سینہ فرطِ شوق سے پھٹا جا رہا ہے۔ (دھیرے دھیرے)

ابوبکر رضی اللہ عنہ! تمہارا بھلا ہو' تم نے ہمیشہ مجھے نیکی کی جنگ میں مات دی ہے۔ آج عمر تم پر ضرور بازی لے جانا چاہتا ہے۔ کاش! اگر گھر کی کفالت کا بوجھ ایک فرض نہ ہوتا تو خطاب کا بیٹا اپنا سب کچھ رسول خُدا ﷺ کے قدموں پر رکھ دیتا''۔

اور جب اپنے ایک ہاتھ میں جان عزیز اور دوسرے میں گھر بھر کی نصف ملکیت اٹھائے ہوئے آپ ''منزل شوق'' کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ چاروں طرف دین کی راہ میں دنیا لٹائی جا رہی ہے۔ قربانی کے شوق نے جذبے سے ''جنون'' کی شدت اختیار کر لی ہے۔ انسانی سمندر میں طوفان اٹھانے والا جنون۔ لوگ افتاں' خیزاں دوڑ رہے تھے۔ مدینہ کی پوری زندگی سمٹ سمٹ کر صحن مسجد میں اس گوشے کی طرف تڑپتی ہوئی جا رہی تھی' جہاں خُدا کا رسول ﷺ ''انسان'' کا منتظر تھا۔ کاندھوں پر ہتھیاروں کے بوجھ لے جائے جا رہے تھے۔ دامنوں میں سمٹی ہوئی عمر بھر کی دولت جا رہی تھی۔ یہ عظیم ترین انسان کے غلام تھے جس نے آدمی کو دنیا کی غلامی سے ہمیشہ کیلئے آزاد کیا تھا۔ جس نے چالیس سالہ صداقت کی زبان سے زندگی اور زمین' حیات اور کائنات کے آخری انجام کی خبر سنائی تھی۔ جس نے پرستش کی آوارہ بیتابیوں کو اس کے خُدائے واحد کی طرف لے جانے والی سیدھی راہ دکھائی تھی۔ جس نے انسانی تاریخ میں پہلی بار خُدا کی جنت کے مقابلے میں سلطنت کی پیشکش پر ٹھوکر ماردی تھی۔ جس کی صداقت پر انسان ہی نہیں' طائف کے جامد پتھر اور مکہ کے زہریلے کانٹے بھی گواہ تھے۔ جس کی مقدس ہڈیوں کے زخموں اور گھائل رخسار کے خون کی بوندیں انسانیت کو صد بہار بنانے کے لئے اس زمین کے سینے میں ہمیشہ کیلئے جذب ہو چکی تھیں۔

خُدا کے رسول ﷺ نے شکر کے عمیق ترین جذبے اور مسرت کے اتھاہ تبسم کے ساتھ جب اس حسین اجتماع کا جائزہ لیا جو لوٹے نہیں لٹ جانے کے لئے بیتاب تھا' تو دل کی دھڑکنیں ہونٹوں پر تڑپ گئیں۔ ''اے خُدا کے سچے رسول ﷺ ہماری

قربانی قبول ہو' آج یہاں ہر فرد خدا کی راہ میں سب سے پہلے کام آنے کیلئے دوسروں سے بازی لے جانے کیلئے بیتاب تھا۔

اے عمر! یہ خدا کے رسول ﷺ کی نغمہ آفریں صدائے دلنواز تھی۔

اے خطاب کے بیٹے! کیا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا' گھر والوں کیلئے بھی کچھ چھوڑا۔

اے خدا کے رسول! (عمر رضی اللہ عنہ کی آواز میں شکر کا عجز' مسرت کی بے پناہی اور سپردگی وایثار کا حیات انگیز اظہار تھا)۔ "میرے پاس جو کچھ تھا' اس کے دو ٹکڑے کئے' آدھا دین کے لئے حاضر ہے' آدھا دنیا کے فرائض کیلئے چھوڑ آیا"۔

محبتِ رسول ﷺ

وفات رسول ﷺ کے جاں کاہ اور ہوشربا حادثے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عجیب حالت تھی۔ زندگی بھر وہ جس انسان کو دنیا جہان کی ہر شئے اور خود اپنی جان سے بھی زیادہ چاہتے رہے تھے' اس ہستی کا اس دنیا سے اٹھ جانا کتنی بڑی چوٹ تھی عشق رسول ﷺ سے' جو دل چور چور تھا' یکا یک چکنا چور ہو گیا تھا اور ہوش وحواس ایک زبردست خوں چکاں جنوں کے سامنے سے ہٹ کر نہ جانے کہاں گم ہو گئے تھے۔

توحید ورسالت پر جی جان سے فدا ہونے والا کیسا قابل رشک بندہ مومن تھا۔ یہ شخص! یہ کہاں سے چلا تھا اور کہاں چلا گیا۔ حق سے بے خبری کے دور میں ایک دن ایسا بھی آیا تھا' جب یہی انسان تلوار سونتے محمد ﷺ کو شہید کر دینے کی قسم کھاتا ہوا آیا لیکن جوں ہی قرآن کے افق سے ابلتی ہوئی روشنی کو دیکھ کر اس نے روح ودل کی محرابوں پر ایمان وعرفان کا چراغاں کیا' بس اس نے اپنی اسلام سے پہلے کی ساری زندگی پر وہی تلوار بے دریغ چلا دی۔

جنگ بدر کے صبر آزما محاذ پر اس کی یہ تلوار بجلی بن کر چمکی اور ایمان کے مقابلے میں نسل وخون کے تمام رشتوں کو زہرہ گداز کرتی چلی گئی۔ اس کا اپنا ماموں عاص بن ہشام بھی خُدا اور رسول ﷺ کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی جسارت بے جا کرنے کے بعد غیرت حق کی ملکی تلوار کے آگے اپنی جان سلامت نہ لے جا سکا۔ پھر خون و ایمان اور جسم و جان کے درمیان جہاد وعزیمت کی گھاٹیاں طے کرنے کے بعد اس نے اسلامی پرچم کے قدموں میں بڑے بڑے ملکی کافروں کی جنگی قیدیوں کی شکل میں پابجولاں ہوا دیکھا تو وہ بے ساختہ پکار اٹھا۔ ''ان لوگوں کی جان بخشی نہ کی جائے' جو جاں آفریں کے ذلیل باغی ہیں۔ یہ سب کے سب خُدا کے نہیں تو ہمارے بھی کچھ نہیں۔ آؤ ہم میں سے ہر شخص ان میں سے اپنے اپنے قریبی عزیزوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے خُدا کے قدموں میں ڈال دے''۔

غزوۂ اُحد میں یہی تلوار چمکی۔ آہن وفولاد کا جگر چیرتی ہوئی تلوار۔ باطل کی سنگلاخ چٹانوں کو ریزہ ریزہ کرتی ہوئی تلوار۔ جیسے ہی محمد ﷺ کی شہادت کی جھوٹی خبر میدان کارزار میں اس کو سنائی دی' اس کے بازو یکا یک شل ہو گئے اور اس کی کوہ افگن ہمت موم کی طرح پگھلتی چلی گئی۔ لیکن یہ سنتے ہی کہ محمد ﷺ ہمارے درمیان زندہ سلامت ہیں وہ شیر نر کی طرح اٹھا اور اس وقت بھی حق کی گرج سے باطل کا سینہ دہلاتا رہا' جب فتح یاب اسلام کچھ لوگوں کی لغزش کی بنیاد پر شکست کے خونچکاں معنی سمجھا رہا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر زخموں سے چور چور مومن پیغمبر اسلام ﷺ کے مقدس چہرے کو خون سے شرابور دیکھ کر تڑپ رہے تھے اور اپنے ہاتھوں سے حضور ﷺ کے زخم دھو رہے تھے' تو عمر رضی اللہ عنہ زخمی شیر کی طرح ابوسفیان کے نعرۂ کفر کے خلاف یوں گرج رہے تھے۔

''اللہ۔ سب سے عظیم ہے۔ اللہ کی بڑائی کی کوئی حد نہیں اور اللہ ہمارا ہے' تمہارا نہیں۔ سن لے او دشمن خُدا کہ ہم زندہ ہیں۔ محمد ﷺ بھی زندہ ہیں۔ ابوبکر

رضی اللہ عنہ بھی اور عمر رضی اللہ عنہ بھی تا کہ کفر کو کیفر کردار تک پہنچا کر دم لیں۔

غزوۂ خندق کی برفانی راتیں بھی عمر رضی اللہ عنہ کے سوز دروں کو ٹھنڈا نہ کر سکیں۔ خندق کے جس کنارے پر وہ حضور ﷺ کے ارشاد پر آتش بار دن اور یخ پوش راتوں میں ایک زبردست چٹان کی طرح باطل کے ٹڈی دل کے خلاف سینہ سپر رہے تھے' وہاں بھی اس مومن حنیف کی یادگار میں ''مسجد عمر رضی اللہ عنہ'' قبلہ رو کھڑی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں حضرت عمر بن خطاب نے تیروں کی بوچھاڑ اور تلواروں کی چھاؤں میں جہاد و عزیمت کی نماز پڑھی تھی۔

صلح حدیبیہ کے نازک موقعہ پر جب خدا کی دور رس مصلحتوں کے اشارے سے اللہ کے رسول ﷺ کفر و شرک کو بظاہر دب کر دعوت صلح و آشتی دے رہے تھے تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بے تابی حق دیدنی تھی۔ ان کی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ جب تک عمر کے ہاتھ میں تلوار اور سینے میں حق کی تپش ہے وہ کس طرح یہ منظر دیکھنے کی تاب لائے کہ دعوت صلح و آشتی کیلئے بظاہر بھی دبنا نہ پڑے' ہائے وہ حسین حدِ ادب میں ان کی غیرت حق کا اضطراب ہائے وہ بارگاہ رسالت میں خدا کے اس جان نثار بندے کا بچوں کی طرح مچلنا!

''اے خدا کے رسول ﷺ! کیا...... ہم حق پر نہیں ہیں''؟

لیکن اللہ اللہ! وہ عظیم جذبۂ تسلیم و رضا کہ جیسے ہی غیرت حق کے اس نیم بسمل کو محمد ﷺ کی زبان سے یہ پتہ چلا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے مشیت خداوندی کے ٹھیک ٹھاک اشارے پر ہو رہا ہے تو دنیا نے دیکھا کہ عمر رضی اللہ عنہ فوراً سجدۂ اطاعت میں گر گئے۔ سجدے سے سر اٹھایا تو قدم قدم پر ایمان بالغیب کو درجۂ عین الیقین تک پہنچانے والے واقعات پیش آئے اور اسلام کی اس شان مغلوبی کے افق سے فاتحانہ مستقبل کے ہزاروں آفتاب نمودار ہوتے چلے گئے۔

''اے خُدا کے رسول ﷺ! ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو دیکھ کر والہانہ انداز میں عرض کیا'' مجھے اپنی جان کے سوا دنیا جہان کی ہر شئے سے زیادہ آپ ہی عزیز ہیں''۔

''نہیں عمر رضی اللہ عنہ'' سرکار ﷺ نے جواب دیا۔''ایمان تو پورا جبھی ہوگا جبکہ میں تمہیں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز محسوس ہونے لگوں''۔ یکا یک ایک بجلی سی چمکی ایک خاموش زلزلہ سا آیا اور پھر اسی آن عمر رضی اللہ عنہ کے سینے میں عشق رسول ﷺ کے جذبات سیل بیکراں میں تبدیل ہوتے چلے گئے۔ منزل تکمیل تک پہنچنے میں صرف ایک قدم کا فاصلہ دیکھ کر کمالِ ایمانی کیلئے ترستی ہوئی زندگی نے جست کی اور چشم زدن میں کمال ایمانی کی منزل کو چھولیا۔

''اے خُدا کے رسول ﷺ'' روح عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو ہمیشہ سے زیادہ والہانہ عالم میں پکارا'' اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں''۔

اس دن وہ بزم رسول ﷺ سے ایک نئی تب وتاب لے کر اٹھے۔ اور پھر عمر بھر اس تب وتاب نے ان کو کہیں چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ اس میں نہ جانے کس بلا کا سرور وسکون تھا کہ عیش وعشرت ان کے پاؤں پڑتی تھی مگر وہ اسے ٹھوکر مارتے تھے۔ لذتیں ان کے ہاتھوں کو چومتی تھیں مگر وہ دونوں ہاتھوں کو گھبرا گھبرا کر جھٹکتے تھے۔ اینٹ پتھر اور سونے چاندی کی اس دنیا میں بیٹھ کر وہ تو ہر لمحہ سوتے جاگتے خُدا کے ان سدا بہار باغات خلد کو اشک آلود اور پرشوق نظروں سے تکے جا رہے تھے جن کے کنارے ابدی نہریں ابدیت کی حسین ترین موسیقی بکھیرتی ہوئی بہہ رہی ہیں۔

حضور ﷺ کی زندگی کا یہ پہلو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے تھا کہ حق اپنی فتح و کامیابی کیلئے ساز وسامان کا محتاج نہیں۔ ایک اکیلا انسان محض خُدا کے بھروسے پر کفر و درندگی کے ہولناک جنگل میں کھڑا ہو کر حق کی آواز بلند کرسکتا ہے۔ تیرہ سال تک ظلم

واستبداد کی بدترین چکی ہڈیوں کو پیس تو سکتی ہے۔ مگر اس حق کی آواز کو کچل نہیں سکتی۔ اس حق وصداقت کے محض تین سو تیرہ بے سروسامان شیدائی تیرہ سالہ مظلومیت کا خون ٹپکاتے ہوئے اٹھتے ہیں تو محاذ بدر پر سینکڑوں خوں آشاموں کی کلائیاں موڑ دیتے ہیں اور آخر فتح مکہ کے روشن دروازے سے یہی حق ''جاء الحق وز حق الباطل ان الباطل کان زھو کا کارجز چھیڑتا ہوا آتا ہے تو باطل کو نہ زمین پر پناہ ملتی ہے اور نہ انسان کے تنگ وتاریک سینوں میں۔

خلافت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے اسی اُسوۂ حسنہ پر بے جھجک چلتے گئے۔ انہوں نے جزیرہ نمائے عرب کے چٹیل ریگستان میں کھڑے ہو کر باغات اور کھیتوں سے لدی ہوئی سرزمینوں کو للکارا۔ قیصر وکسریٰ کی طاقتوں کو خدا کے اقتدار اعلیٰ کا جلال انگیز پیام بھیجا تو سینکڑوں سالہ درفش کاویانی کے پرخچے اُڑ گئے۔ قیصر کی سطوت وشکوہ کو نعرۂ تکبیر سے پاش پاش کر ڈالا۔ فراعنۂ مصر کی سرزمین پر آسمانی قانون کا نفاذ کیا۔

حق کے دفاع میں ایک اٹل چٹان بن جانا اور حق کی پذیرائی میں موم سے زیدہ نرم ہو جانا' انہوں نے اپنے آقا سے سکھا تھا۔ یہ بات ان کیلئے کچھ مشکل نہ تھی کہ عظیم الشان مہمات کے قائد حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کے قصر کوفہ کی ڈیوڑھی کو آگ لگانے کا حکم دے دیں کیونکہ اندیشہ تھا کہ یہ ڈیوڑھی حاکم ومحکوم کے درمیان انصاف کی راہ میں دیوار بن کر حائل ہوئی۔ ان کے لئے یہ بھی کچھ دشوار نہ تھا کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عین میدان جنگ میں اس لئے سپہ سالاری سے معزول کر دیں کیونکہ اندیشہ ہو چلا تھا کہ اسلامی فتوحات کیلئے خاص خُدا کی طرف دیکھنے کے بجائے لوگ خالد رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرف دیکھنے لگے ہیں۔ یہ سب کچھ ان کیلئے بہت آسان تھا لیکن یہ بات ان کے بس میں نہ تھی کہ کوئی بھی شخص اٹھ کر انہیں خُدا سے ڈرائے اور وہ

خوف وخشیت کی شدت سے برگ حشیش کی طرح کانپ نہ جائیں۔

ایک بار دور خلافت میں جب وہ کسی مسئلے پر تقریر کر رہے تھے تو ایک معمولی سا شخص بیچ تقریر میں کھڑا ہو گیا اور تلخ و کرخت لہجے میں بولا۔

اتق اللّٰہ ۔یا عمر رضی اللہ عنہ! اے عمر رضی اللہ عنہ! اللہ سے ڈر۔ایک ہی تقریر میں ایک ہی شخص نے یہ مداخلت بار بار کی تو تمام حاضرین اس بے محابا انداز تنقید پر چراغ پا ہو گئے اور چاہا کہ اس آدمی کا منہ بند کر دیں لیکن وہ بندۂ مومن جو کمال صبر سے بر سر منبر یہ تنقیدی کچو کے مسلسل سہہ رہا تھا اور اُف تک نہیں کر رہا تھا۔لوگوں کے اشتعال پر خفا ہو گیا: خوف وخشیت میں ڈوبی ہوئی آواز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے منہ سے بے تابانہ نکلی۔"نہیں، نہیں! کہنے دو۔اگر یہ لوگ نہ کہیں، تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم نہ سنیں، تو ہمارا مصرف کوئی نہیں"۔

ایک بار زرِ مہر کو گھٹانے کے لئے انہوں نے امیر المومنین کے عظیم الشان منصب سے امت کو خطاب کیا کہ یکا یک دوران تقریر میں ایک عورت نے کتاب وسنت کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تردید کرتے ہوئے پوری قوت سے کہا: اے عمر! اللہ سے خوف کھا! اور عمر رضی اللہ عنہ کو فوراً خشیت الٰہی نے پکڑ لیا۔وہ پورے جوش سے بولتے بولتے اس آواز پر گنگ ہو گئے اور کھڑے کھڑے کانپنے لگے۔مدینے کی عورتوں کے آگے حق کی خاطر بے تکلف ہتھیار ڈالتے اور اس خاتون کو خراج عقیدت نذر کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا: مدینے کی عورتیں بھی عمر (رضی اللہ عنہ) سے زیادہ جانتی ہیں۔

اُسوۂ رسول ﷺ کی ان کو کیسی چاہت تھی، اس کا کچھ اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جو مسلم ونسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔کہا جاتا ہے کہ ایک بار حضورِ اکرم ﷺ نے ہدیہ میں آئی ہوئی ایک دیبا کی حسین قبا زیب تن فرمائی، لیکن اس فخر عبودیت کو دیر تک اس کو پہنے رہنا گوارا نہ ہوا۔بہت جلد آپ ﷺ نے

اس کو اتار دیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ تحفہ بھجوا دیا۔ کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ یہ بیش قیمت تحفہ لئے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بارگاہ رسول ﷺ میں دوڑے ہوئے آئے تو ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز گلو گیر تھی۔ ''حضور (ﷺ) وہ بچوں کی طرح رو پڑے۔ میں اس چیز کو آخر کیا کروں جس کو آپ نے ناپسند فرمایا ہے''؟

سنت رسول ﷺ کے پروانے کو اس وقت قرار آیا' جب یہ پتہ چلا کہ حضور ﷺ نے یہ قبا پہننے کے لئے نہیں بھیجی تھی' بلکہ مقصد یہ تھا کہ اس کو فروخت کر کے اس کی رقم کو بہترین مصرف میں لایا جائے۔

یہی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عشق رسول ﷺ میں اس درجہ سرشار رہتے تھے کہ جب خود مسند حکومت پر بیٹھے تو ہر وقت احساس ذمہ داری سے لرزتے رہتے تھے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو میں نے ان کو متفکر اور غمگین دیکھا۔ میں نے دریافت کیا ''یا امیر المومنین رضی اللہ عنہ! آپ مغموم کیوں ہیں؟ آپ نے فرمایا'' میں ڈرتا ہوں کہ کہیں کوئی گناہ نہ کر بیٹھوں اور تم میں سے کوئی بھی میری تعظیم کے خیال سے نہ روکے''۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''بخدا! اگر ہم آپ کو حق سے دور دیکھیں گے تو ضرور روکیں گے۔ اور آپ نہ رُکے تو آپ کو تلوار سے قتل کر دیں گے''۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے حد خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میرے دوست ایسے بنائے ہیں کہ اگر میں کجروی اختیار کروں تو وہ مجھے سیدھا کر دیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود کو مکتب عشق رسالت مآب ﷺ میں اس طرح ڈھال لیا تھا کہ زندگی بھر احکام قرآنی اور ارشادات نبوی ان سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اس وقت بھی جب یہ مکہ اور مدینہ کے عام شہری تھے اور اس وقت بھی جب آپ کو رسول خدا ﷺ کا مشیر ہونے کا اعزاز حاصل تھا۔ اس وقت بھی جب آپ

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نائب کہلاتے تھے اور اس وقت بھی جب آپ خلیفۃ المسلمین تھے اور آپ کی سلطنت کئی براعظموں تک پھیل چکی تھی۔

سنوارا عدل و حکمت کا چمن فاروقِ اعظم نے
نکھارا راستی کا بانکپن فاروقِ اعظم نے
ممالک ہی نہیں قوموں کے دل تسخیر فرمائے
دکھا کر شوکتِ دینِ حسن فاروقِ اعظم نے

فرض شناسی

ایک دن صدقہ کے کسی اونٹ کے بدن پر تیل کی مالش اپنے ہاتھوں سے کرتے ہوئے پسینہ پسینہ ہو رہے تھے کہ کسی مسلمان نے پاس آ کر دُکھ بھری شکایت کی۔ ''یہ کام آپ خود کیوں کر رہے ہیں؟ اے مومنوں کے سردار! کسی غلام سے یہ خدمت لے لی ہوتی''۔

تیز اور تلخ انداز میں آپ نے اس شخص کی طرف دیکھا' جیسے کہنے والے نے ان کی عزت افزائی نہیں' توہین کی تھی۔ ''آخر مجھ سے بڑھ کر غلام کون ہو سکتا ہے''؟

آپ نے پلٹ کر جواب دیا: ''جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ ان کا غلام بھی ہے''۔

خلافت ہی کا زمانہ تھا۔ سر پر چادر ڈال کر کسی خدمت خاص پر روانہ ہوئے تھے واپسی میں بری طرح تھک گئے تھے۔ دیکھا کہ ایک غلام گدھے پر سوار جا رہا ہے۔ آپ نے اس کو آواز دی اور کہا ''میں تم سے درخواست کرتا ہوں' مجھے بھی اپنے ساتھ بٹھا کر لے چلو''۔

یہ سنتا تھا کہ غلام فرطِ ادب اور کمال مسرت کے عالم میں سواری سے اتر کر کھڑا ہو گیا اور بولا: اے امیر المومنین بسر و چشم! یہ سواری پوری کی پوری حاضر خدمت ہے۔

''نہیں'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صاف صاف جواب دیا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تمہیں

میری وجہ سے تکلیف اٹھانی پڑے۔" تو...... پھر کیا حکم ہے"؟

"تم جس طرح بیٹھے تھے اسی طرح بیٹھ جاؤ"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سیدھا سادہ حل پیش کرتے ہوئے کہا "اور میں تمہارے پیچھے بیٹھ جاؤں گا"۔ چنانچہ غلام کو بجبر واکراہ ایسا ہی کرنا پڑا۔ جب یہ عجیب وغریب سواری مدینے کی گلیوں میں داخل ہوئی تو لوگ حیرت کے مارے یہ منظر پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ کر اشارے کر رہے تھے" دیکھ رہے ہو! غلام کہاں بیٹھا ہوا ہے اور امیر المومنین کہاں!"

ایک بار صفوان بن امیہ نے ان کی خدمت میں لذیذہ دسترخوان سجا کر بھیجا تو اس دسترخوان کے چاروں طرف فقیروں اور غلاموں کی بھیڑ جمع کرلی اور ان کے ساتھ بیٹھ کر یہ کھانا کھایا اور کھلایا۔ اخوت ومساوات کی مقدس قربان گاہ پر اس طرح عربی فخر ومباہات کو بھینٹ چڑھانے کے بعد فرمایا: خُدا کی پھٹکار ہو ان خودسروں پر جن کو غلاموں کے ساتھ کھانا کھانے سے عار آتا ہے۔

خود اپنے کھانے پینے کا یہ حال تھا کہ لوگ ان کے "شاہی دسترخوان" سے جان چرا کر دور بھاگتے تھے۔ اس شاہی دسترخوان پر سوکھی روٹیوں اور بے مزہ سالن کے سوا اور ہوتا ہی کیا تھا۔ حضرت حفص رضی اللہ عنہ بن ابی العاص جو اکثر و بیشتر کھانے کے وقت موجود رہتے تھے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے شریک طعام ہونے کا دل گردہ پیدا نہ کر سکے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی محبت ایمان ہے۔

فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی محبت سنت ہے۔

(الصواعق المحرقہ)

حضرت غضیف رحمۃ اللہ علیہ بن حارث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

وہ کہتے تھے ایک جوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ہو کر گزرا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"کیا اچھا نوجوان ہے" راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس نوجوان کے پیچھے ہو لئے اور اس سے کہا "اے نوجوان! تم میرے لئے خدا سے مغفرت کی دعا کرو"۔ اس نے جواب دیا: اے ابوذر رضی اللہ عنہ! میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کروں۔ حالانکہ آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ (مجھ سے بدرجہا بہتر ہیں) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ میرے لئے دعائے مغفرت کرو۔ جوان نے کہا کہ میں دعا نہ کروں گا یہاں تک کہ آپ اس اصرار کے سبب سے مجھے آگاہ فرمائیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ہو کر گزرے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمہارے حق میں فرمایا کہ کیا اچھا نوجوان ہے، اور میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے، اللہ تعالیٰ نے حق کو عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور دل پر جاری کر دیا ہے۔ لہٰذا میں تم سے دعا کا طالب ہوں۔ (حاکم، ازالۃ الخفاء)

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ فرماتے کہ میں نے ارادہ کیا کہ اطراف ممالک میں چند اشخاص بھیج دوں جو لوگوں کو دین کے فرائض اور سنتیں سکھائیں جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اپنے حواری بھیجے تھے۔ کسی نے کہا، آپ ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لئے کیوں نہیں بھیجتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے تو ہر وقت مجھے کام رہتا ہے اور بے شک وہ دونوں دین اسلام کیلئے مثل کان اور آنکھ کے ہیں، پھر وہ کس طرح مجھ سے جدا ہو سکتے ہیں۔ (حاکم، ازالۃ الخفاء)

فرمایا نبی ﷺ نے، میں علم کا شہر ہوں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی بنیاد (نیو) ہیں، اور عمر رضی اللہ عنہ اس کی چاردیواری اور عثمان رضی اللہ عنہ اس کی چھت ہیں اور علی رضی اللہ عنہ اس کا دروازہ ہیں۔ (حاکم، ازالۃ الخفاء)

حضرت شقیق نے بیان کیا۔ وہ کہتے تھے۔ میں نے حضرت حذیفہ بن یمان

رضی اللہ عنہ سے سنا' ہو کہتے تھے' ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم میں سے کس کو فتنے کے متعلق نبی کریم ﷺ کی حدیث یاد ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں' میں نے کہا' انسان کا فتنہ اس کے اہل اور مال اور اولاد...... ان سب کا کفارہ تو نماز اور صدقہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں تم سے یہ فتنہ نہیں پوچھتا' بلکہ وہ فتنہ کہ جو دریا کی طرح موجزن ہوگا''۔ حضرت حذیفہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا! اے امیر المومنین آپ کو اس فتنہ سے کچھ خوف نہ کرنا چاہیے' کیونکہ آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان بند دروازہ حائل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا' وہ دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا؟ حضرت حذیفہ نے جواب دیا۔ کھولا نہیں' بلکہ توڑا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ٹوٹ کر کبھی بند نہ ہوگا؟ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے کہا' ہاں بے شک ایسا ہی ہوگا۔ شقیق کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ دروازہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں' خوب جانتے تھے' جیسا کہ میں جانتا ہوں کہ کل دن کے بعد رات ضرور ہوئی ہے اور یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ میں نے ان سے کوئی پیچیدہ بات نہیں کہی تھی بلکہ صاف صاف حدیث بیان کی تھی۔ پھر ہماری جرأت نہ ہوئی کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کریں کہ دروازہ سے کیا مراد ہے' لہٰذا ہم نے مسروق سے کہا کہ وہ ان سے دریافت کریں؟ چنانچہ انہوں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ دروازہ کون تھا۔ انہوں نے جواب دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی دروازہ تھے۔ (بخاری)

معیارِ خلافت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں ایک باغ میں گیا۔ ابھی میں دیوار کے

اس طرف تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسری طرف کہ میں نے سنا حضرت فرما رہے تھے کہ اے عمر (رضی اللہ عنہ) تو کہاں اور کہاں امیر المومنین کا رتبہ' ذرا خدا سے ڈر' ورنہ اللہ تعالیٰ تجھ کو سخت عذاب دے گا۔

ابن سعد نے حسن سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ آسان معلوم ہوتا ہے کہ میں ایک امیر کو دوسرے امیر کی جگہ تبدیل کر کے قوم کی اصلاح کروں۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑے سے مس نہیں ہوا۔

ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے۔ باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے اس لئے انہیں کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کیلئے ڈال رکھا تھا۔ خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

ایک روز خطبہ کیلئے منبر پر تشریف لائے تو صرف اتنا فرما کر منبر سے اتر آئے۔

ایک وہ زمانہ تھا جب میں ایک مٹھی جو کے عوض اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اس وقت غالباً حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے پوچھا' اے امیر المومنین! آخر یہ الفاظ کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی؟ فرمایا۔

ابھی ابھی مجھے خیال آیا تھا کہ آج میں ایک پوری قوم کا والی ہوں تو اپنا دماغ درست کرنے کیلئے سب کے سامنے اپنی گذشتہ حالتِ فقر کو بیان کرنا ضروری سمجھا۔

بیواؤں اور رانڈوں کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ رات کے وقت ان کے لئے پانی بھرا کرتے۔ ایک دفعہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان کو رات کے وقت ایک گھر میں داخل ہوتے دیکھا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں دن کو اس کے گھر گیا تو وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ اندر ایک اندھی بڑھیا بیٹھی ہے میں نے اس سے پوچھا "یہ آدمی جو رات کو تمہارے گھر آتا ہے کیا کام کرتا ہے" وہ بڑھیا بولی "کئی دنوں سے وہ میری خبر گیری کرتا ہے اور جس چیز کی مجھ کو ضرورت ہوتی ہے وہ دے جاتا ہے۔ میرے گھر میں

جھاڑو دے جاتا ہے اور پیشاب پاخانہ صاف کرتا ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں یہ سن کر دل میں بہت نادم ہوا اور اپنے آپ سے کہا تیری ماں تجھے گم پائے کیا عمر رضی اللہ عنہ کی لغزشوں کی ٹوہ کرتا ہے؟

ایک دفعہ خدمت میں شہد کا شربت لایا گیا۔ آپ نے پیالے میں ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اگر شربت کو پی لوں تو کچھ دیر میں اس کی مٹھاس بھول جائے گی، مگر ذمہ داری باقی رہ جائے گی۔ تین دفعہ یہی کلمات دہرائے اور پھر ایک غریب کو پلا دیا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ مدائن کے گورنر مقرر کیے گئے تو لوگوں نے کہا: جو کچھ دل چاہے طلب کیجئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: صرف میرا کھانا اور میرے گدھے کا چارہ، میں اس سے زیادہ نہیں چاہتا۔ آپ گورنری کے بعد جب واپس مدینے پہنچے تو جس حال میں گئے تھے، اس میں بال برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو بے اختیار لپٹ گئے اور فرمایا۔

"تم میرے بھائی اور میں تمہارا بھائی"۔

مروی ہے ایک دن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مکتب سے روتے روتے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صاحبزادے کیوں روتے ہو۔ جواب دیا: مکتب کے لڑکوں نے میرے پیوند گنے اور کہا: دیکھو! یہ امیر المومنین کے صاحبزادے ہیں جن کے کرتے میں اس قدر پیوند لگے ہیں۔ اس وقت حضرت کے کپڑے میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے، جن میں بعض چمڑے کے تھے۔ اپنے خزانچی کے پاس ایک آدمی بھیجا اور یہ کہا کہ ہمیں بیت المال سے ایک مہینہ کے وعدے پر چار درہم قرض دے دو، اگلے مہینے ہمارے اس وظیفہ سے جو ماہ بماہ ملتا ہے وضع کر لینا۔ خزانچی نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا کہ اگر آپ کو مہینہ بھر تک اپنی زندگی کا بھروسہ ہے تو میں چار درہم دے سکتا ہوں ورنہ بالفرض آپ اس عرصہ میں انتقال کر گئے اور بیت المال کے درہم آپ کے

ذمہ رہے تو کیا کیجئے گا۔ یہ سن کر بہت رقت طاری ہوئی اور بیٹے سے کہا ''تم اسی طرح مکتب میں چلے جاؤ مجھے اپنی زندگی کے متعلق گھڑی بھر کا بھروسہ نہیں''۔

قیس بن حازم کا قول ہے کہ جب شام کے ملک کی طرف گئے تو آدھے راستے خود اونٹ پر سوار ہوئے اور آدھے راستے غلام کو بٹھایا۔ کبھی غلام نکیل پکڑ کے آگے چلتا اور کبھی خود نکیل تھامتے تھے۔ جب ملک شام کے قریب پہنچے تو غلام کے سوار ہونے کا نمبر تھا۔ حضرت نکیل تھام کر آگے بڑھے، راستے میں پانی آ گیا۔ اپنی جوتیاں بغل میں لے کر پانی میں داخل ہوئے۔ اتنے میں حاکم شام حضرت ابوعبیدہ بن الجراح جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے، تشریف لے آئے اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین! شام کے بڑے بڑے رئیس آپ کے استقبال کیلئے آنے والے ہیں، میں مناسب نہیں سمجھتا آپ کو ایسی حالت میں دیکھیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی عزت عطا فرمائی ہے، اس لئے لوگوں کے اعتراضات کی پروانہ ہونی چاہیے۔

حج کو تشریف لے جا رہے تھے۔ اثنائے راہ میں ایک بڈھا ملا جس نے قافلے کو روک کر پوچھا:

تم میں رسول اللہ ﷺ ہیں؟

نہیں۔ ان کا تو وصال ہو چکا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ اس پر بوڑھا بے اختیار رونے لگا۔

پھر پوچھا: رسول اللہ ﷺ کے بعد کون خلیفہ ہوا۔

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا

وہ تم میں ہیں؟ بوڑھے نے پوچھا۔

نہیں، ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

ان کے بعد کون خلیفہ ہوا؟ بوڑھے نے روتے ہوئے پوچھا:

''عمر بن خطاب'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

وہ تم میں ہیں۔ بوڑھے نے کہا:

میں عمر بن خطاب ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا:

تو میری فریاد رسی کرو، مجھے کوئی ایسا آدمی نہیں ملتا جو میری ضروریات میں میری مدد کرے۔ بوڑھے نے کہا

تم کون ہو؟ میں تمہاری فریاد رسی کروں گا۔ انشاء اللہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میرا نام ابو عقیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دعوت اسلام دی۔ میں آپ پر ایمان لایا۔ آپ نے مجھے اپنے جوٹھے پلائے اور میں اب تک بھوک اور پیاس میں اس کی لذت اور سیرابی کو محسوس کرتا ہوں، پھر میں نے بکریوں کا ایک گلہ لیا اور ان کو اب تک چراتا رہا، نماز پڑھتا ہوں روزہ رکھتا ہوں مگر اس سال بدبختی نے ایک بکری کے سوا جس کا ہم لوگ دودھ پیتے ہیں کچھ نہ چھوڑا، اس کو بھی بھیڑیا اٹھا لے گیا، اب آپ میری دستگیری فرمائیے۔ بوڑھے نے تفصیل کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔

تھوڑے فاصلے پر چشمہ ہے، تم ہم سے وہاں ملو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بوڑھے کو ہدایت کی۔ قافلہ روانہ ہو گیا اور اونٹوں کی گھنٹیوں سے فضا لبریز ہو گئی۔

منزل پر پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک اونٹنی کی مہار پکڑے بڈھے کا انتظار کرنے لگے لیکن جب اس کے آنے میں دیر ہوئی اور قافلے کی روانگی کا وقت آ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چشمے کے مالک کو بلا کر فرمایا کہ ابو عقیل نامی ایک بوڑھا آئے گا تم اس کو اور اس کے اہل و عیال کو کھلاتے پلاتے رہنا۔ یہاں تک کہ میں حج سے واپس آ جاؤں، اور قافلہ پھر آگے کو روانہ ہو گیا۔ جب حج سے فارغ کر لوٹے تو اس چشمے پر پہنچے اور اس کے مالک سے پوچھا: ابو عقیل کہاں ہے جس کی خدمت کرنے کیلئے میں ہدایت کر گیا تھا۔

امیر المومنین! جب وہ آیا تو بخار میں مبتلا تھا۔ میں نے تین دن اس کی تیمار

داری کی یہاں تک کہ وہ اپنے رب سے جا ملا اور میں نے اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کر دیا۔ اس نے بتایا۔

اس کی قبر کہاں ہے؟۔ امیر المومنین نے پوچھا۔

چشمہ کے مالک نے ایک قبر کی نشاندہی کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس قبر پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد اس کے اہل و عیال کو ہمراہ لے گئے اور جب تک زندہ رہے ان کی کفالت کرتے رہے۔

ایک روز بازار سے گزر رہے تھے۔ ایک نوجوان عورت نے ان کا دامن پکڑ کر ٹھہرا لیا اور کہا اے امیر المومنین! میرے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے اور اس نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں جو کسی کام کاج کے قابل نہیں اور کوئی کھیتی باڑی یا مویشی نہیں چھوڑتے کہ ان کی آمدنی سے بسر اوقات ہو سکے۔ میں بچوں کو چھوڑ کر کوئی محنت مزدوری بھی نہیں کر سکتی۔ میں ڈرتی ہوں کہ ان کو درندے نہ کھا جائیں۔ امیر المومنین! خفاف بن ایماء انصاری کی لڑکی ہوں' جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صلح حدیبیہ میں شریک تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو وہیں ٹھہرنے کو کہا اور خود تشریف لے گئے' تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو اس حال میں کہ روم و فارس کے فاتح کے ہاتھ میں اونٹ کی نکیل تھی' اونٹ پر غلہ اور کپڑا لدا ہوا تھا۔

''اونٹ کی مہار تھامو اور اسے ہانک کر لے جاؤ''۔ امیر المومنین نے اس عورت سے فرمایا۔

''امیر المومنین! آپ نے اس کو بہت زیادہ دے دیا''۔ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ارے کم بخت' اس کے باپ اور بھائی نے میرے سامنے مدتوں ایک قلعے کا محاصرہ کیا اور اس کو فتح کر کے دم لیا' جو کچھ میں نے اس عورت کو دیا ہے وہ

تو اس حسن خدمت کے مقابلہ میں کچھ نہیں''۔ امیر المومنین نے جواب دیا۔

ایک وقت بھی سیر ہو کر نہ کھاتے تھے' نتیجہ یہ ہوا کہ قوت گھٹ گئی' جسم مبارک سوکھ گیا اور بڑھاپے سے بہت پہلے بڑھاپا محسوس کرنے لگے۔ ان ایام میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی دوسرا شخص بارِ خلافت اٹھا سکتا' تو خلیفہ بننے کے بجائے مجھے یہ زیادہ پسند تھا کہ میری گردن اڑا دی جائے۔

۲۳ھ میں کرمان' سجستان' مکران اور اصفہان کے علاقے فتح ہوئے' گویا سلطنت اسلامی کی حدود مصر سے بلوچستان تک وسیع ہوگئی۔ اسی سال آپ نے آخری حج فرمایا۔ حج سے واپس تشریف لا رہے تھے' راہ میں ایک مقام پر ٹھہر گئے اور بہت سی کنکریاں جمع کر کے ان پر چادر بچھائی پھر چت لیٹ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور دعا کرنے لگے۔

''خداوند! اب میری عمر زیادہ ہوگئی ہے' میرے قویٰ کمزور پڑ گئے ہیں اور میری رعایا ہر جگہ پھیل گئی ہے' اب تو مجھے اس حالت میں اٹھا لے کہ میرے اعمال برباد نہ ہوں اور میری عمر کا پیمانہ اعتدال سے متجاوز نہ ہو''۔

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ہی یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ کے دورِ خلافت میں فتوحات اسلامی کا پرچم دُور دُور تک لہرانے لگا۔ زمانہ چشم حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ عرب کے بادیہ نشین بڑی سے بڑی سلطنت کو بدترین انجام سے دوچار کرنے کے قابل کس طرح ہو گئے۔ آپ کی حدود سلطنت جس قدر وسیع ہوتی گئیں اتنا ہی آپ کا احساس ذمہ داری بڑھتا گیا۔ آپ دوسرے کے حقوق کا شبانہ روز خیال رکھنے لگے۔ انسان تو انسان تھے آپ کو جانوروں تک کا احساس رہتا تھا۔ آپ عوام الناس کے حقوق کو کس درجہ اہمیت دیتے تھے' اس کا اندازہ آپ کے اس ارشاد سے ہوتا ہے۔

''یقیناً محمد ﷺ کو تمہارے مال میں اس طرح کا حق ہے جس طرح کہ ولی

کو یتیم کے مال میں۔ اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر صاحب حاجت ہو جاؤں گا تو کھانے کیلئے لوں گا۔ لوگو! میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو مؤاخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بے جا طور پر جمع نہ کیا جائے۔ ایک یہ کہ وہ بے جا طور سے مجھ سے خرچ نہ ہو جائے۔ ایک یہ کہ تمہارے روزینے بڑھاؤں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں اور یہ کہ تمہیں خطرات میں نہ ڈالوں۔

مذکورہ بالا تقریر جہاں آپ کی حکومت کی پالیسی کی ترجمان ہے وہاں اپنی جامعیت اور ترتیبِ خیالات کے حوالے سے خطابت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اسی طرح کے متعدد خطابات تذکروں کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ بیعت خلافت کے بعد آپ نے جو خطبہ دیا وہ ذہانت، خُدا ترسی اور سیاسی بلند نظری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

''اے خُدا! میں سخت ہوں بس تو مجھ کو نرم کر دے۔ اے اللہ! میں کمزور ہوں تو مجھے قوت بخش دے۔ بیشک اہل عرب سرکش اونٹ کی مانند ہیں اور ان کی مہار میرے ہاتھ دے دی گئی ہے۔ لیکن میں ان کو نیک راستے پر چلا کر چھوڑوں گا''۔

عظمت انسانیت

ٹھیک اس وقت جب فقر و فاقہ کی طویل آزمائش میں کھرا اترنے کے بعد اللہ کے بندوں پر دنیا کشادہ ہو رہی تھی، وہ تخت خلافت پر بیٹھے ہوئے موٹے جھوٹے کھانے کھاتے تھے اور بھوکوں کا پیٹ بھرنے کیلئے ایک مزدور کی طرح غلے کی بوریاں ڈھوڈھو کر بھوکوں کے گھر پہنچاتے تھے۔ ایسی ہی تو ایک رات تھی، جب ایک دور افتادہ جھونپڑی میں چولہا ٹھنڈا پا کر وہ بیت المال تک ہانپتے ہانپتے آئے تھے اور پھر وہاں سے کھانے کا بھاری سامان اپنی کمر پر لادے ہوئے لرزاں و ترساں اسی دور افتادہ مسکن کی طرف بھاگے جا رہے تھے۔ غلام التجائیں کرتا ہوا پیچھے پیچھے دوڑا کہ آپ تھکان سے چور ہیں،

خُدارا یہ بوجھ میری کمر پر لاد دیجئے ورنہ آخر ہمارے وجود کا مقصد ہی کیا ہے؟ مگر عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہاں ہوش تھا کہ ان کے وجود کا مقصد کیا ہے۔ انہیں تو خود اپنا مقصد حیات تڑپائے ہوئے تھا۔ وہ تو خُدا کے بندے تھے اور انہیں اپنی رعایا کے دکھ درد کا پورا حساب خُدا کو دینا تھا۔ جب غلام نے بہت زیادہ اصرار کیا تو ان الفاظ میں انہوں نے دل و جگر کا لہو نچوڑا۔ ''بتا کیا اس دن بھی جب خُدا کی عدالت میں میرے لئے پکار لگ رہی ہوگی تو میرا بوجھ اٹھا سکے گا''؟

امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی عظیم الشان حیثیت سے عمر رضی اللہ عنہ امت اسلامیہ کے سامنے خطبہ جملہ پیش فرما رہے تھے اور ٹھیک اس وقت جب وہ اللہ کے بندوں کو آخرت کی گھاٹیاں یاد دلا کر اللہ کے جلال سے لرزا رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ اللہ کا یہ عاجز بندہ پورے بارہ پیوند کا تہبند باندھے ہوئے ہے۔

اس دنیا میں کسی بھی وقت ان کو اپنے کفنائے جانے کا اتنا یقین تھا کہ ایک ہی جوڑے کو خود دھوتے اور سکھاتے ہوئے وہ اس سرائے فانی میں اپنے دن کاٹ رہے تھے۔ یہ جوڑا پھٹ کر بھی بدن سے جدا نہ ہوتا تھا۔ اس پر خود ہی پیوند لگاتے اور پیوند بھی جواب دے دیتا تو یہ لباسِ فقر' ہائے یہ لباس تقوی' پیوند در پیوند اور پیوند بالائے پیوند کے عبرت خیز مرحلوں سے گزرتا تھا۔ انس رضی اللہ عنہ ابن مالک سے پوچھ لیجئے کہ کیا انہوں نے خطاب کے بیٹے کے بدن پر زمانہ خلافت میں وہ کرتا نہیں دیکھا تھا جس کے شانوں پر پیوندوں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔

اسی ایمان افروز گدڑی میں وہ اسلامی قلمرو کے شاہی معائنوں پر تشریف لے جاتے اور بڑی بڑی سلطنتوں کے کج کلاہوں سے آنکھیں چار کرتے تھے۔ فلسطین کی مہم پر جب ان کو بہ نفس نفیس روانہ ہونا پڑا تو جسم پر وہی بارہ بارہ پیوند کا کرتا تھا۔ سر پر وہی پھٹا ہوا عمامہ تھا اور پاؤں میں وہی ٹوٹی ہوئی جوتیاں۔ سواری ضرور ان کے ساتھ تھی

مگر یہ سواری جب عیسائیوں کے فلسطین میں داخل ہو رہی تھی تو سواری کی باگ ان کے ہاتھ میں تھی اور سوار وہ غلام ہمراہی تھا جس کی سواری کی باری اس مقام پر آ گئی تھی۔

یہ دیکھ کر کہ بڑھتی پھیلتی چمکتی دمکتی اسلامی سلطنت کا یہ خُدا ترس ''فرماں روا'' روز بروز خود کو قبر ہی میں اتارے چلا جا رہا ہے' ایک بار ان کے پاس امہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا وفد پہنچا اور صورت حال کی نزاکت سمجھائی۔

''آپ اپنے لباس کی طرف تھوڑی سی توجہ فرمائیں۔ آپ کو قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملنا پڑتا تھا اور مسلمانوں کو شرم آتی ہے''۔

''افسوس''! آہ سرد کھینچتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''افسوس! تم دونوں امت کی مائیں ہو کر مجھے دنیا طلبی کی ترغیب دے رہی ہو! اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا تم رسول اللہ کی اس حالت کو بھول گئیں کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جس کو دن میں بچھایا جاتا اور رات کو اوڑھ لیا جاتا اور اے حفصہ رضی اللہ عنہا! تم کو یاد نہیں کہ ایک بار تم نے فرشِ خواب کو دوہرا کر کے بچھا دیا تھا تو رسول اللہ اس نرمی کے باعث رات بھر سوتے رہ گئے اور پھر بلال رضی اللہ عنہ کی اذان پر گھبرا کر حضور ﷺ کی آنکھ کھلی تو آپ ﷺ نے تمہارے اس عمل پر اظہارِ غم کرتے ہوئے فرمایا: ''مجھے راحتِ دنیا سے کیا سروکار۔ اور فرش کی نرمی سے تم نے مجھے کیوں غافل کر دیا''؟ امہات المومنین بے اختیار رو پڑیں اور دیر تک روتی رہیں۔ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پورا وجود جیسے آنسوؤں میں نہا رہا تھا۔

ایک مرتبہ اقلیمِ فقر کا یہ دلق پوش شہنشاہ سفر شام پر نکلا تو وہاں کے مسلمان افسروں کو دیکھا کہ وہ پر تکلف حریر و دیبا کی قباؤں میں ان کا شاہانہ استقبال کرنے آئے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ان کا چہرہ کبھی شدت غم سے زرد ہوتا تھا تو کبھی غصے کے مارے تمتما اٹھتا تھا' یہ احساس ان کی دھڑکنوں پر تیشہ زنی کر رہا تھا کہ سلطنت کے عظیم

پھیلاؤ کے ساتھ وہ "فقر" سمٹ رہا ہے جس پر حضور ﷺ فخر کرتے تھے۔ اپنے اس استقبال و اعزاز پر وہ اپنے ہاتھ سے خاک ڈالتے ہوئے غم و غصہ کے عالم میں آگے بڑھے اور ان پر تکلف پوشاکوں پر سنگریزے مارتے ہوئے بولے: تم! "تم اس وضع میں میرا استقبال کرتے ہو"؟

احنف بن قیس کو ایک جماعت کے ساتھ عراق کی تاریخی مہم پر روانہ کیا تھا۔ یہ لوگ وہاں سے فاتحانہ پلٹے تو ان کے جسم پر زرق برق ملبوسات نظر آ رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل پر یہ تبدیلی تیر بن کر لگی۔ اس قدر خفا ہوئے کہ ان لوگوں کو دیکھ کر غصے سے منہ پھیر لیا۔ جلال عمر رضی اللہ عنہ سے سہمے ہوئے یہ لوگ دربار خلافت سے اٹھ آئے اور عرب کی سادہ پوشاک پہن کر دوبارہ حاضر خدمت ہوئے۔ اب ان کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا' تو خوشی کے مارے بے قابو ہو گئے۔ بے تابانہ اپنی جگہ سے اٹھے اور ان سب کو ایک ایک کر کے سینے سے چمٹایا۔ اور اس طرح حق پسندوں کے دامن سادگی کو خوشی اور قدر شناسی کے اشکوں سے تر کر دیا۔

سفر شام کے موقع پر جب اسلام کی فاتح قوتوں نے ان کو ایک قیمتی پوشاک نذر کرنی چاہی اور سواری کے لئے ایک صبا رفتار ترکی گھوڑا حاضر خدمت کیا' تو انہوں نے درد بھرے انداز میں کہا: "خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے' وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے تو وہی بس ہے"۔

وہ دل کی گہرائیوں سے اللہ کے غلام تھے' اس لئے غلاموں کا درد ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھرا تھا اور اس طرح وہ حضور ﷺ کی اس پر سوز وصیت پر جان و دل سے عمل پیرا ہوئے جو آپ نے دنیا سے جاتے جاتے حجۃ الوداع کے موقعہ کی تھی اور بستر وفات پر جب آواز نے ساتھ چھوڑ دیا تھا تو اپنے لبوں کی آخری حرکت سے یہ درد بھری تنبیہ فرمائی تھی کہ "نماز! نماز! اور وہ جو تمہارے دست نگر ہیں"۔

تختِ خلافت پر آتے ہی عربی غلامی کو بیک قلم ختم کر ڈالا تھا اور غلام نوازیوں کا شاندار اسوہ پیش کر کے گویا ہر قسم کی انسانی غلامی کے جسم سے جان ہی نکال دی تھی۔

ایک دفعہ کرتہ پھٹ گیا تو آپ پیوند پر پیوند لگاتے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے روکا' تو فرمایا: اے حفصہ رضی اللہ عنہا! میں مسلمانوں کے مال میں اس سے زیادہ تصرّف نہیں کر سکتا''۔

اپنی خلافت کے زمانہ میں اون کا جبہ پہن لیتے تھے' جس کو چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔ (تاریخ الخلفاء عن قتادہ)

اسی طرح دُرّہ لئے ہوئے بازار چلے جاتے تھے اور اہل بازار کو ادب وسلیقہ کی تلقین فرماتے تھے۔ اگر آپ ترکش کی پرانی رسی یا کھجور کی گٹھلی زمین پر پڑی دیکھتے' تو اس کو اٹھا لیتے تھے اور لوگوں کے گھروں میں پھینک دیا کرتے تھے' تاکہ لوگ پھر اس سے نفع اٹھائیں۔ (تاریخ الخلفاء)

اپنے وسیع کنبے کے لئے بیت المال سے صرف دو درہم روزانہ لیتے تھے۔ ایک دفعہ سفرِ حج میں کل ۱۶ دینار خرچ ہو گئے۔ اس پر آپ بار بار افسوس کرتے تھے کہ مجھ سے فضول خرچی ہو گئی ہے۔

ایک مرتبہ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے' تو سیّدنا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کے کرتہ کے پیوند گنے وہ شمار میں بارہ تھے۔

ایک بار بحرین سے مالِ غنیمت میں مشک وعنبر آیا' اور اسے تقسیم کرنے کے لئے آپ کو ایک ایسے شخص کی تلاش ہوئی' جو نہایت احتیاط کے ساتھ وزن کر سکے۔ آپ کی بیوی نے کہا' میں نہایت ہی خوش اسلوبی سے اس خدمت کو سرانجام دے سکتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: عاتکہ! تم سے یہ کام نہیں لوں گا۔ مجھے ڈر ہے' مشک تمہاری انگلیوں میں لگ جائے گا پھر تم اسے اپنے جسم پر ملوگی' اور جواب دہ اس کا میں ہوں گا۔

جب حج ادا فرمایا تو اپنے کمبل کا سایہ کر لیا یا ٹاٹ کو درخت پر ڈال کر سایہ بنا لیا۔

۱۸ھ میں قحط پڑا' اس وقت آپ کی بیقراری قابل دید تھی۔ گوشت گھی اور تمام مرغوب غذائیں ترک فرما دیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ عام الرمادہ (قحط کا سال) میں آپ نے گھی کھانا چھوڑ دیا۔ ایک روز آپ نے روغن زیتون کھا لیا۔ آپ کے شکم مبارک میں قراقر ہوا تو آپ نے انگلی ڈال کر قے کر دی اور فرمایا جب تک قحط سالی موجود ہے' مجھے اس قسم کی چیز نہیں کھانی چاہیے اور اسی وجہ سے اس سال آپ کا چہرہ مبارک زرد پڑ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے' مجھے سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے جو میرے عیب مجھ پر ظاہر کرے۔

ایک روز مشک کاندھے پر اٹھا کر چلے' لوگوں نے کہا یہ کیا۔ آپ نے فرمایا میرے نفس میں تکبر پیدا ہو گیا تھا' اس کو میں نے ذلیل کیا ہے۔

شروع میں آپ نے بیت المال سے بہت دیر تک کچھ لے کر نہ کھایا' یہاں تک کہ فاقوں کی نوبت آ گئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور فرمایا میرا نفس اس مال پر قانع ہو گیا ہے' اس لئے میرے واسطے اس سے کچھ لینا درست نہیں۔ یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صبح و شام کا کھانا لے لیا کیجئے' چنانچہ یونہی عمل کیا۔ (صواعق محرقہ)

محمد بن سیرین فرماتے ہیں' آپ کے خسر آپ کے پاس آئے اور انہوں نے چاہا کہ انہیں کچھ بیت المال میں سے دے دیں۔ آپ نے جھڑک دیا اور کہا: کیا آپ چاہتے ہیں' خداوند تعالیٰ کے نزدیک میں خیانت کنندہ بادشاہوں میں شمار کیا جاؤں' پھر آپ نے ان کو اپنے مال سے دس ہزار درہم عطا فرمائے۔ (تاریخ الخلفاء)

ایک دن اپنے بیٹے کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھا تو سخت خفا ہوئے اور کہنے لگے۔ مسلمان بھوکے مر رہے ہیں اور تم میوے کھاتے ہو۔

ایک روز اپنے بیٹے عاصم کے پاس آئے' اور انہیں گوشت کھاتے دیکھ کر فرمایا: یہ کیا کھا رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ میرا دل گوشت کو بہت چاہ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا' آدمی اسراف کر کے ہی وہ چیز کھا سکتا ہے' جو اس کی طبیعت چاہے۔

جو لوگ محاذ جنگ پر ہوتے' ان کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے پوچھ کر انہیں بازار سے سودا سلف لا دیتے۔ اہل فوج کے خطوط آتے تو خود گھروں میں پھر کر پہنچاتے۔ جس گھر میں کوئی پڑھا لکھا نہ ہوتا' وہاں خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو کچھ لکھاتے' اس کو لکھ دیتے۔

اسلم کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا دل تازہ مچھلی کو چاہتا ہے۔ آپ کا غلام نیفا نامی اونٹ پر سوار ہو کر مچھلی لینے گیا اور ایک مچھلی خریدی۔ راستہ میں لوٹتی بار اپنے اونٹ کو نہلا لایا۔ آپ نے فرمایا مچھلی ابھی رکھو' میں اپنے اونٹ کو دیکھ لوں' چنانچہ آپ اونٹ کے پاس تشریف لائے اور اس کے کان کے نیچے پسینہ لگا ہوا دیکھا تو فرمایا کہ میری خواہش نے اس جانور کو بے فائدہ تکلیف دی۔

عتبہ بن ابی فرقد کی روایت ہے' میں نے سیّدنا عمر رضی اللہ عنہ کا کھانا دیکھا۔ روٹی کے ساتھ زیتون تھا۔ ایسا بدمزہ کہ میں ایک لقمہ نہ نگل سکا۔ میں نے کہا: کیا امیر المومنین آپ کے پاس مائدہ نہیں ہے؟ فرمایا کیا اور سب مسلمانوں کے لئے ہو سکتا ہے؟ عرض کیا' نہیں۔ فرمایا: عتبہ تم پر افسوس ہو' کیا میں دنیاوی زندگی میں لذیذ کھانا کھاؤں؟

(اسد الغابہ)

ابن سعد نے آصف بن قیس کے حوالے سے لکھا ہے ایک روز ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک باندی گزری' لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین کی باندی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ امیر المومنین کی باندی نہیں ہے اور کیسی باندی جبکہ امیر المومنین کیلئے خُداوند تعالیٰ کے مال میں سے باندی رکھنی

حلال بھی نہیں ہے"۔ ہم نے عرض کیا: تو پھر کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا عمر کیلئے سوائے ان چیزوں کے اللہ تعالیٰ کے مال سے کچھ حلال نہیں ہے۔ دو کپڑے جاڑوں کے، دو گرمیوں کے، حج اور عمرے کا خرچ، اپنا اور اپنے اہل و عیال کا کھانا اور یہ بھی مثل ایک مرد قریش معمولی درجہ کے موافق کہ نہ امیر ہو نہ فقیر کیونکہ میری بھی وہی حیثیت ہے جو ایک معمولی مسلمان کی۔ (تاریخ الخلفاء)

ہرمزان بڑی شان و شوکت کا سپہ سالار تھا۔ یزدگرد شہنشاہ ایران نے اسے اہواز اور فارس کے دو صوبوں کی گورنری دے کر مسلمان کے مقابلے میں بھیجا تھا۔ جنگ ہوئی تو ہرمزان نے اس شرط پر ہتھیار ڈالے کہ اسے مدینہ منورہ میں صحیح سلامت پہنچا دیا جائے گا۔ عمر (رضی اللہ عنہ) جو کچھ بھی فیصلہ کریں گے اسے منظور ہوگا۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا بڑے بڑے ایرانی رئیس اس کے ہمراہ تھے۔ جب یہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو اس نے تاجِ مرصع سر پر رکھا، دیبا کی قبا زیبِ تن کی، کمر سے مرصع تلوار لگائی اور شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ دارالخلافے میں داخل ہوا۔ مسجد نبوی کے قریب پہنچ کر پوچھا: امیرالمومنین کہاں ملیں گے؟ ایرانیوں کا خیال تھا کہ جس شخص کے دبدبے نے تمام دنیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے، اس کا دربار بھی بڑے ساز و سامان کا ہوگا۔ ایک بدوی نے اشارہ سے بتایا، وہ ہیں امیرالمومنین۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وقت صحن مسجد میں فرش خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

جب یرموک میں ۳۰ ہزار رومی اپنے پاؤں میں بیڑیاں پہن کر مسلمانوں کے ساتھ لڑے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کیا حال تھا؟ صحیح روایت ہے، جب تک یہ لڑائی ہوتی رہی حضرت رات کے وقت چین سے نہیں سوئے۔ پھر جب فتح کی خبر پہنچی تو بے اختیار سجدہ میں گر گئے۔

جنگ قادسیہ میں شہنشاہ ایران نے ملک کی آخری طاقتیں میدان جنگ میں

جھونک دی تھیں۔ جنگ کی بلا خیزی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ صرف ایک دن کے اندر معرکہ اغوث میں دس ہزار ایرانی اور ۲ ہزار مسلمان مقتول و مجروح ہوئے۔ حضرت کا یہ حال تھا کہ جب سے قادسیہ کا معرکہ شروع ہوا تھا آپ ہر روز طلوع آفتاب کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل جاتے تھے اور کسی درخت کے نیچے اکیلے کھڑے ہو کر قاصد کی راہ تکتے رہتے تھے۔ جب قاصد فتح کی خبر لایا تو آپ اس وقت بھی باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے' جب معلوم ہوا کہ سعد رضی اللہ عنہ کا قاصد ہے تو آپ نے حالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ قاصد اونٹ کو بھگائے جاتا تھا' حالات بیان کرتا جاتا تھا اور سیّدنا فاروق رضی اللہ عنہ رکاب کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے۔ شہر کے اندر مسلمانوں نے انہیں امیر المومنین کہہ کر پکارنا شروع کیا تو قاصد حیران رہ گیا کہ آپ ہی رسول اللہ کے جانشین ہیں۔ اب قاصد کہتا ہے' امیر المومنین! آپ نے اپنا نام کیوں نہیں بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا مگر آپ فرماتے تھے یہ نہ کہو اپنی اصلی بات جاری رکھو۔ قاصد بیان کرتا گیا اور آپ اسی طرح سواری کے ساتھ ساتھ چل کر گھر تشریف لائے۔

جب خلافت کی ذمہ داری قبول فرما چکے تو مسلمانوں کو مسجد نبوی میں جمع کر کے ارشاد فرمایا: مسلمانو! مجھے تمہارے مال میں اسی قدر ہے جس قدر کہ یتیم کے سرپرست کو یتیم کے مال میں ہوتا ہے' اگر میں دولت مند ہوا تو کچھ معاوضہ نہیں لوں گا' اگر تہی دست ہو گیا تو کھانے کا خرچ لوں گا' پھر بھی مجھ سے برابر باز پرس کرتے رہنا کہ میں نہ تو بے جا طور پر خرچ کروں اور نہ بے جا طور پر جمع کروں۔

بیماری میں شہد کی ضرورت ہوئی تو مسجد نبوی میں سب کو جمع کر کے درخواست کی کہ اگر آپ لوگ اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لے لوں۔ لوگوں نے منظور کیا تو شہد لیا۔ (تاریخ الخلفاء)

رات رات بھر نمازیں پڑھتے تھے اور اس قدر روتے تھے کہ روتے روتے ہچکی

بندھ جاتی تھی۔ آنسوؤں کی روانی سے چہرۂ اقدس پر دو سیاہ لکیریں پڑ گئی تھیں۔

(تاریخ الخلفاء)

حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے' جب قرأت کرتے ہوئے آیہ پاک "انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ" پر پہنچے تو اس زور سے روئے کہ لوگ مضطرب ہو گئے۔

بعض دفعہ لوگوں کو شبہ ہوتا کہ فرط غم سے آپ کا دل پھٹ جائے گا اور اب آپ زندہ نہیں رہیں گے۔ کئی دفعہ حالت اس قدر رقیق ہو جاتی تھی کہ کئی کئی دن تک لوگ بیمار پرسی کرنے آتے تھے۔

ایک صحابی ان اعمالِ حسنہ کا ذکر کر رہے تھے' جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر انجام دیئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے قرار ہو گئے اور ارشاد فرمایا: مجھے اس ذات پاک کی قسم ہے' جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں تو اسی کو غنیمت سمجھتا ہوں کہ اگر اجر نہ ملے' تو عذاب ہی سے بچ جاؤں۔

ایک راستہ پر سے گزر رہے تھے کہ کچھ خیال آیا۔ وہیں آپ زمین کی طرف جھکے اور ایک تنکا اٹھا لیا۔ پھر ارشاد فرمایا: اے کاش! میں اس تنکے کی طرح خس و خاشاک ہوتا۔ اے کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ اے کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی۔

ایک دوسرے موقع پر فرمایا: اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا دنیا کے تمام لوگ بخش دیئے گئے ہیں' تب بھی میرا خوف زائل نہیں ہو گا۔ میں سمجھتا ہوں' شاید وہ ایک بدقسمت انسان میں ہی ہوں گا۔

وصال

ابو رافع سے روایت ہے کہ لؤلؤ (جس کا نام فیروز تھا اور کنیت ابولولو تھی) جو

مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا اور چکیاں بنایا کرتا تھا۔ اس سے مغیرہ بن شعبہ چار درہم روزانہ لیتے تھے۔ ابولولو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا: اے امیر المومنین! مغیرہ نے میرے ذمہ خراج زیادہ مقرر کر رکھا ہے' آپ ان سے بات کریں کہ خراج میں کمی کر دیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ سے ڈر اور اپنے مالک کی فرمانبرداری کر۔ وہ غصہ سے بھر گیا اور کہنے لگا کہ میرے سوا تمام لوگوں کا آپ انصاف کرتے ہیں' اور آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ اس نے دودھاری خنجر بنایا اور اسے زہر کی پان دی۔

امیر المومنین ۲۳ھ میں ذوالحجہ کی ۲۳ تاریخ بروز بدھ صبح کی نماز پڑھانے تشریف لائے اور لوگوں کی صفوں کو دیکھنا شروع کیا تو ابولولو بھی لوگوں میں داخل ہو گیا اور اس کے ہاتھ میں وہی دودھاری خنجر تھا اور اس کا ''قبضہ'' درمیان میں تھا۔ اس نے امیر المومنین کو تین ضربیں ماریں' ایک روایت میں چھ ضربیں مذکور ہیں' ان میں سے ایک ضرب آپ کی ناف کے نیچے لگی اسی ضرب سے آپ شہید ہوئے اور آپ کے ساتھ کلیب بن نضر لیثی کو بھی اس نے شہید کیا۔ امیر المومنین نے جب خنجر کی شدت محسوس فرمائی تو زمین پر گر پڑے اور فرمایا کیا یہاں عبدالرحمٰن بن عوف ہیں؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: وہ آگے آئیں اور لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے نماز پڑھائی اور آپ زمین پر پڑے رہے' پھر آپ کو آپ کے مکان میں لے جایا گیا۔ آپ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے کہا۔ بعض نے کہا کہ عبداللہ بن عباس سے کہا کہ جاؤ دیکھو کس نے مجھے قتل کیا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا امیر المومنین! ابولولو نے جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام ہے۔ آپ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَجْعَلْ قَتْلِیْ اِلَّا عَلٰی یَدِ رَجُلٍ لَمْ یَسْجُدِ اللّٰهَ سَجْدَةً وَاحِدَةً۔

ترجمہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے میرا قتل ایسے شخص کے ہاتھ میں رکھا

ہے جس نے اللہ تعالیٰ کو ایک سجدہ بھی نہیں کیا۔

آپ نے فرمایا: اے عبداللہ! اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ وہ نبی کریم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت دیتی ہیں؟

ابولؤلؤ ملعون نے گرفتار ہونے کے بعد اسی خنجر سے خودکشی کر لی۔ آپ ۲۳ھ ذی الحجہ کو زخمی ہوئے اور تین دن کے بعد ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ کو یہ درخشندہ آفتاب غروب ہو گیا۔

بعض نے کہا کہ آپ نے پیر کے دن شہادت پائی اور ۶۳ سال عمر پائی۔ بعض نے کہا کہ ۶۵ سال۔ آپ کا عہد خلافت دس سال چھ ماہ سے ایک دن کم

(نوالابصار صفحہ ۶۷)

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ صحابہ کی نظر میں

جس وقت آپ کی جانشینی کے لئے سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سفارش کی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ آپ عمر جیسے سخت گیر شخص کو ہم لوگوں کا حاکم بنا کر جا رہے ہیں۔ آخر آپ خُدا کو کیا جواب دیں گے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس وقت میں یہ کہوں گا کہ اے خُدا! میں تیرے سب سے بڑے پرستار کو امت کی ذمہ داری سونپ کر آیا ہوں۔

اسماعیل بن خالد کا بیان ہے۔ ایک بار حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ "آپ عمر بن الخطاب کیوں نہیں بن جاتے" تو فرمایا: میں لقمان بننے کی اہلیت نہیں رکھتا یعنی عمر ابن خطاب بننا اتنا ہی مشکل ہے جتنا لقمان حکیم بننا۔

جعفر نے محمد اور محمد نے اپنے والد سے ہدایت کی ہے ان کا بیان یہ ہے۔ غسل

اور تکفین کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے بستر پر لٹا دیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا اس وقت پوری دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جس کے اعمال میرے لئے اس زیر کفن شخصیت کے اعمال کے مقابلہ میں قابل رشک ہوں' عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا عہد و پیمان پورا کر دکھایا''۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرۂ انور سے کفن سرکایا اور یوں گویا ہوئے۔ ''ابو حفص! تم پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔ بخدا رسول اللہ ﷺ کے بعد میرے لئے کوئی شخص ایسا نہیں جس کے بارے میں سوچوں کہ کاش اس کا نامۂ اعمال مجھے مل جاتا''۔

ابو سریحہ سے روایت ہے۔ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا ہے کہ عمر مخلصینِ خُدا میں سے ہیں۔ ابو اسحاق شعبی کہتے ہیں ''نجران کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا امیر المومنین! آج آپ کی زبان قانون ہے اور تمام احکام آپ کے ہاتھوں صادر ہوتے ہیں۔ عمر (رضی اللہ عنہ) کے عہد میں ہمیں ہماری زمینوں سے نکال دیا گیا تھا' کیوں نہ آپ وہ زمینیں واپس کر دیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ظالمو! عمر رضی اللہ عنہ کے تمام کام صحیح ہوتے تھے اور میں ان کے دور کی کارروائیوں میں کوئی تبدیلی نہیں لاؤں گا۔

حضرت سعید بن زید کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت پیار تھا۔ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو سعید بہت روئے' کسی نے کہا: کیسے رو رہے ہیں آپ؟ آپ نے فرمایا: میں تو خود اسلام کو روتا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ کی موت اسلام کے لئے ایک کاری زخم ہے جو تا صبح حشر مندمل نہ ہو سکے گا۔ ایک خلا ہے جو تا ابد پر نہ ہو سکے گا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فقیہہ الامت کہا جاتا ہے۔ آپ کے سامنے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر چھڑا تو آپ پر گریہ طاری ہو گیا' آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ ان کے آنسوؤں نے ان کنکریوں کو تر کر دیا ہے جن پر

وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے روتے ہوئے فرمایا: یاد رکھو، عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام کا ایک ایسا قلعہ تھے جس میں داخل تو ہوا جا سکتا ہے لیکن اس سے نکلا نہیں جا سکتا۔ وہ شہید ہوئے تو اس قلعہ میں دراڑیں پڑ گئیں۔ شگاف نمودار ہو گئے اور اب لوگ اس میں سے باہر آتے جاتے ہیں۔ (روایت زید بن وہب)

حضرت حذیفہ نے فرمایا "عمر کے عہد انصاف میں اسلام کا اقبال زوروں پر تھا وہ کیا گئے اسلام کا ادبار شروع ہو گیا جو اب تک جاری ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید اس کی تخلیق کا مقصد ہی یہ تھا کہ اسلام سرفراز ہو۔ بخدا عمر بے حد زود گیر اور اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ منفرد اور اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، معاصرین اور مجاہدوں کو اعلیٰ کارناموں کیلئے تیار کیا۔

حضرت ابوطلحہ انصاری نے کہا۔ "کوئی ایک بھی گھر ایسا نہیں جس کی دنیاوی اور دینی زندگی میں عمر کی موت سے فرق نہ آیا ہو"۔

علی بن حسین سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے دربار میں ابوبکر اور عمر کا کیا مقام تھا؟ آپ نے فرمایا: وہی جو آج ہے یعنی آج بھی یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے ہم مرقد ہیں۔

حضرت طارق بن شہاب کہتے ہیں کہ ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زبان سے کوئی فرشتہ بولتا ہے یعنی ان کا کلام ملکوتی تھا۔

جلیل القدر صحابہ کے اقوال اس شخصیت کے بارے میں ہیں جسے دنیا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ یہ وہی عمر رضی اللہ عنہ ہیں جو اپنی ذمہ داریوں کو بھرپور انداز سے ادا کرتے تھے مگر پھر بھی خوف خدا سے لرزتے تھے۔ جب مملکت ایران فتح ہوئی تو کسرائے ایران کا تاج حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو فرمایا: "جنہوں نے

آج یہ انتہائی قیمتی اور ہیرے جواہرات سے مزین تاج ہمارے سپرد کیا ہے' کیسے امانت دار لوگ ہیں''۔اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بول اٹھے''دراصل قوم نے آپ کو پاکیزہ پایا اور وہ بھی پاکیزہ ہوگئی' کہیں آپ راہ حق سے منحرف ہوگئے ہوتے تو آپ دیکھتے کہ قوم بھی منحرف ہوگئی ہے''۔

شیر خدا رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

حضور نبی کریم ﷺ کی نگاہِ کریمانہ نے صحابہ کو اس طرح نوازا کہ وہ انسانی کردار کا سب سے اعلیٰ نمونہ بن گئے۔آپ نے غیروں کے دل ملا دیئے۔عرب کے صحرانشینوں کو قیصر و کسریٰ کے مقدر کا مالک بنا دیا۔تمام اصحاب رسول آسمان رشد و ہدایت کے ستارے ہیں۔ہم جس کی پیروی کریں گے منزلِ حق تک پہنچیں گے۔ اصحاب رسول بلاشبہ آپس میں لُطف و رحمت کی تصویر تھے۔محبت اور اخوت کی تصویر تھے۔اگر کبھی رنجش ہوئی تو نہایت معمولی اور وقتی تھی اور پھر پیار اور صلح و امن کا شاہکار بن جاتے تھے۔دوسرے صحابہ کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی آپس میں محبتِ ایمانی کا لازوال نقش تھے اور تاریخ ہمیشہ ان مناظر کو اہل شوق تک پہنچاتی رہے گی۔

جس دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے اسی دن اسلام کے غلبہ اور مشرکین کے مغلوب ہونے کی ابتداء ہوئی اور آہستہ آہستہ وہ غلبہ فتوحات کی شکل اختیار کرتا چلا گیا' اور ایک دن وہ بھی آیا کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کی قیادت میں فاتح مکہ بن کر داخل ہوئے اور شرک و کفر کی بنیاد اکھیڑ کر رکھ دی۔پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور آیا تو دعائے رسول ﷺ کا اثر تھا کہ ہر طرف کفار و مشرکین' یہود و نصاریٰ لشکرِ فاروقی کا نام سن کر کانپ جاتے تھے اور فتح و کامرانی مسلمانوں کا طواف کرنے لگی۔حتیٰ

کہ اسلامی سلطنت ستائیس لاکھ مربع میل کے وسیع وعریض علاقے پر پھیل گئی اور پوری دنیا پر مسلمانوں کا رعب ودبدبہ چھا گیا۔ اس غلبے کا نتیجہ تھا کہ حاکمین اسلام ایک طرف تو تاشقند و بخارا تک جا پہنچے اور دوسری طرف آبنائے فارس کو چیرتے ہوئے بلاد ہند پر حملہ آور ہوئے اور راجہ داہر جسے ظالموں کی دھجیاں اڑاتے ہوئے ہند کی سرزمین پر بھی اسلام کا جھنڈا اگاڑ دیا۔ یہی نہیں بلکہ آقائے دوجہاں کی دعا نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ میں ان گنت اوصاف حمیدہ پیدا فرما دیئے۔ اب وہی عمر بن خطاب نہ صرف فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تھے بلکہ ایک نامور مجاہد عادل فقیہہ 'زاہد' سیاست داں' فاتح' منکسر المزاج اور مدبر' عاشق رسول تھے۔ جناب رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں آپ کو جو مقام حاصل تھا' اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے' لیکن یاد رکھو! میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور آپ بھی ان کا بے پناہ احترام کرتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کی مجلس مشاورت کے ممتاز رکن تھے۔ انہوں نے بعض مواقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے جن خیالات کا اظہار کیا انہیں ہم یہاں پیش کر رہے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نظر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ومرتبہ تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ فارس میں جب خود شریک ہونا چاہا اور اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا: اسلام کی نصرت اور فتح کا انحصار فوج کی کمی یا زیادتی پر نہیں' یہ خدا کا وہ دین ہے جسے تمام ادیان پر اس نے غلبہ عطا فرمایا ہے اور یہ اس کا وہ لشکر ہے جسے اس نے مہیا کیا ہے اور اس کی اعانت کی ہے یہاں تک کہ یہ کہاں تک پہنچا اور اس نے کہاں تک ترقی کر لی؟ ہمیں خدا کے وعدے پر بھروسہ ہے

اور بلاشبہ خُدا اپنا وعدہ (ضرور) پورا کرے گا وہ اپنے لشکر کا مددگار و ناصر ہے۔

حاکم' امیر کی حیثیت ہار کے دھاگے کی مانند ہوتی ہے' جو موتیوں و جواہرات کو مجتمع رکھتا ہے' پس اگر دھاگہ ٹوٹ گیا تو مہرہ بھی جدا ہو جائے گا اور ہار کے دانے پراگندہ ہو جائیں گے اور وہ پھر کسی طرح بھی اکٹھا نہیں ہو سکیں گے آج اگرچہ عرب کم ہیں لیکن دین اسلام کے سبب وہ سب پر بھاری ہیں اور اپنے اجتماع و اتحاد کے باعث سب پر غلبہ رکھتے ہیں اس لئے آپ وہ میخ بن جائیں جو چکی کے وسط میں ہوتی ہے اور پھر اسے عربوں کے ذریعے گردش دیجئے۔ جنگ میں انہی کو روانہ کیجئے خود نہ جایئے اور اگر آپ نے اس سرزمین (مدینہ طیبہ) سے قدم باہر نکالا تو عرب اطراف و جوانب سے ٹوٹ پڑیں گے' عہد توڑ دیں گے اور فساد و تباہ کاری پر مائل ہو جائیں گے (رشتۂ نظم مملکت کمزور پڑ جائے گا) اور یہ ان رخنوں سے زیادہ اہم ہو جائے گا جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں۔

ایرانی آپ کو دیکھیں گے تو کہیں گے "یہی پیشوائے عرب ہے' اسے اگر کسی طرح ہلاک کر دیا جائے تو آرام حاصل ہو جائے' پھر یہی بات انہیں جنگ پر اور زیادہ حریص کر دے گی اور آپ کی طمع میں (ایڑی چوٹی کا) زور لگا دیں گے اور آپ کا یہ قول کہ ایرانی مسلمانوں پر چڑھائی کر رہے ہیں تو خُدائے کارساز ان کے اس فعل کو آپ سے کہیں زیادہ ناگوار سمجھتا ہے اور وہ اپنے ناپسند امر کے تغیر پر آپ سے زیادہ قادر ہے۔

اور آپ نے ان کی (کثرت) تعداد کا جو ذکر کیا' تو یاد رکھئے ہم نے عہد ماضی (عہد رسالت) میں کبھی کثرت تعداد کے بل پر لڑائی نہیں لڑی' ہمارا جہاد ہمیشہ نصرت و امداد الٰہی کی بنیاد ہی پر رہا ہے۔ (بحوالہ نہج البلاغہ)

خُدائے تعالیٰ اہل اسلام کا ضامن اور ان کے حدود و اطراف کا نگہبان ہے اور ان کے رازوں کا (جن سے دشمن کو آگاہ ہونا چاہیے) پوشیدہ رکھنے والا ہے اور اس

خُدائے بزرگ و برتر نے اس زمانے میں مسلمانوں کی مدد کی جب کہ وہ تعداد میں کم تھے اور دشمن سے انتقام نہیں لے سکتے تھے اور انہیں مغلوب ہونے سے بچائے رکھا۔ حالانکہ وہ کم تھے وہ قوتِ دفاع سے محروم تھے۔ جب خُدا نے اس وقت مدد فرمائی تو اب کیوں نہیں فرمائے گا کیونکہ وہ خُدائے متعال زندہ ہے' اس پر موت کبھی طاری نہیں ہوتی۔

اگر آپ خود دشمن (قیصر روم) سے لڑنے گئے اور اس سے بھڑ گئے اور شکست کھا گئے تو دُور کے شہروں اور سرحدوں کے مسلمانوں کو (کہیں) پناہ نہیں مل سکے گی آپ کے (کشتہ ہونے یا شکست یاب ہونے کے بعد) ان کا کوئی مرجع نہیں ہوگا کہ مسلمان فتنہ و فساد سے بچنے کے لئے اس کی طرف مراجعت کر سکیں۔ لہٰذا مصلحت یہی ہے کہ آپ خود تشریف نہ لے جائیں' ہاں آپ اپنے بجائے مردِ جنگ دیدہ دلیر کو ان کی طرف بھیجیں اور ان کے ساتھ ایسے لوگوں کو روانہ کریں جو جنگ کے شدائد اور سختیوں کو جھیل سکیں اور اپنے سردار کی نصیحتوں اور ہدایات کو قبول کر سکیں' پس اگر یہ لوگ غالب آ گئے تو یہی ہمارا مقصود ہے اور کیا چاہیے؟ اور اگر کچھ اور (شکست) پیش آیا تو آپ کی ذات مسلمانوں کے لئے بدستور پناہ و مددگار رہے گی۔ (بحوالہ نہج البلاغہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کے بعد جب ان پر چادر ڈالی گئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: حق تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے آپ کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں کہ میری خواہش ہو کہ اس جیسے اعمال لے کر خُدا تعالیٰ کے روبرو پیش ہوں' اور مجھے امید ہے کہ حق تعالیٰ آپ کو آپ کے دوستوں (حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر) سے ملائے گا۔

اے عمر بن خطاب! (رحمک اللہ) تم آیات اللہ کے عالم تھے' تمہارے سینے میں حق تعالیٰ کی عظمت تھی' تم صرف خُدا سے ڈرتے تھے اور دین میں لومتہ لائم کی پرواہ نہیں کرتے تھے' تم حق کے لئے سخی تھے اور باطل کے لئے بخیل اور دنیا سے بھوکے اور آخرت سے سیر۔

روایت ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کا حال معلوم ہوا تو غسل کر کے گھر سے نکلے' سلام کیا اور سر جھکا لیا' پھر سر اٹھایا اور فرمایا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر نوحہ کرنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔ آہ عمر نے ٹیڑھے کو سیدھا کیا اور بیمار کو شفادی' سیاست خوب کی' آہ عمر! پاک وصاف گناہوں سے بچ کر دنیا سے تشریف لے گئے' آہ! عمر سنّت کو ساتھ لے گئے اور فتنہ وفساد کو چھوڑ گئے' اس کو کیا معلوم محض الفاظ ہیں جو اس کی زبان سے نکل گئے۔ واللہ حضرت عمر خیر کی طرف تشریف لے گئے اور شر وفساد سے دور ہو گئے۔ (زمخشری)

عدل فاروقی کی عظیم مثال

ابوشحمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے۔ عبدالرحمٰن ان کا نام تھا۔ عبدالرحمٰن الاوسط کہلاتے تھے' کیونکہ ان سے ایک بڑے بھائی کا نام بھی عبدالرحمٰن تھا' عبدالرحمٰن الاکبر! حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ایک ہی ماں سے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا مقام سب سے اونچا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی وہ اپنی فضیلت اور منزلت کی وجہ سے بڑے ممتاز مقام کے حامل تھے۔ دین کی جو خدمت ان کے ہاتھوں انجام پائی اور قرآن وحدیث کی اشاعت میں جو حصہ انہوں نے لیا' اس پر امت مسلمہ جتنا فخر کرے کم ہے۔ وہ اسلام کے چار جلیل القدر عباداللہ میں سب سے بڑے مقام کے حامل ہیں۔

ابوشحمہ کسی کام سے مصر گئے تھے' غالباً تجارت کے سلسلے میں۔ وہ بھی اللہ سے ڈرنے والے' عالم' فاضل' متقی اور پرہیزگار بندے تھے۔ ایک دن مصر کے قیام کے زمانے میں انہوں نے نبیذ پی' یعنی کھجور کا شربت! کوئی خاص بات نہ تھی' نبیذ پینے کا عام رواج تھا' یہ حلال ہے۔ نبیذ اگر دھوپ میں رہ جائے یا گرمی کی شدت بڑھ جائے تو

اس میں تخمیر پیدا ہو جاتی ہے جس سے ہلکا سا نشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

ابو شحمہ نے نبیذ پی تو تھوڑی دیر میں انہیں محسوس ہوا کہ اس میں تخمیر پیدا ہو گئی تھی' کیونکہ انہیں ہلکا سا خمار ہو گیا تھا۔ یہ اتفاق کی بات تھی' یہ بات پرہیزگاری کے خلاف تھی' اس لئے خود چل کر گورنر مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے کہا کہ مجھ پر شراب کی حد جاری کی جائے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے تفصیلات پوچھیں۔ دیکھا کہ ابو شحمہ کا تقویٰ اجازت نہیں دیتا کہ وہ حد جاری کرائے بغیر لوٹ جائیں تو نرمی سے حد جاری کی۔ بات آئی گئی ہو گئی' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدینۃ النبی اس کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ فوراً ابو شحمہ کو میرے پاس روانہ کر دو' میں خود اس معاملے کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب شخصیت کا حامل بنایا تھا۔ ان کا عدل ضرب المثل تھا۔ دنیا کی تاریخ اس کا جواب نہیں پیش کر سکتی۔ یہ سب کچھ اللہ کے رسول کی تربیت اور توجہ کا نتیجہ تھا اور آپ ہی کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے تھے۔

ابو شحمہ اس بات کو خوب جانتے تھے۔ وہ خود بھی پاکباز اور پاک نفس تھے۔ یہ اور بات ہے کہ انہیں دھوکہ ہو گیا۔ جو صورت بھی ہو انہوں نے اپنی کیفیت کو چھپایا نہیں' نہ کوئی دیکھنے والا تھا نہ رپورٹ کرنے والا' صرف اللہ کا ڈر تھا کہ ابو شحمہ نے اپنے آپ کو قانون کے حوالے کر دیا۔

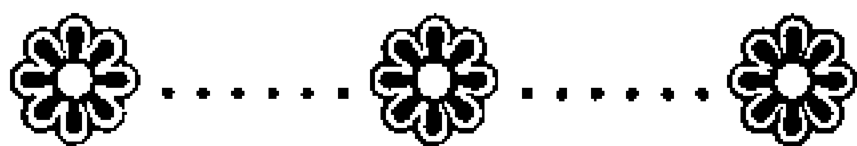
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے مسئلہ بڑا نازک تھا۔ اپنے فرائض کا انہیں اس درجہ احساس تھا کہ انہوں نے ابو شحمہ پر پھر سے حد جاری کی تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ امیر المومنین کے لڑکے سے رعایت ہوئی۔

باپ کے حکم سے بیٹے پر حد جاری ہوئی تو ابو شحمہ کا برا حال ہوا۔ سفر کی تکان'

اُولُوا العزم باپ کی ناراضگی اور کوڑوں کی مار نے انہیں بیمار ڈال دیا۔ طنطناوی نے لکھا ہے کہ کوئی ایک مہینہ بعد وہ اس صدمے سے اللہ کو پیارے ہوئے۔

رب العلمین! اپنا لطف وکرم نازل فرما سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر کہ جو روضہ رسول ﷺ میں اپنے آقا ومولا کے قدموں میں آرام کر رہے ہیں۔ بلند درجات عطا فرما اس محسن اسلام پر جس کی زندگی شوکت اسلام اور مساوات محمدی کے فروغ کے لئے وقف تھی۔ عنایات فرما رُوحِ عمر رضی اللہ عنہ پر کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق جن سے محبت کرنے والا جنتی اور دشمنی رکھنے والا جہنمی ہے۔ جو اسلام پر جئے اور اسلام پر ہی شہادت کا سرخ ملبوس زیب تن فرمایا۔

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر
اس خُدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
فارقِ حق و باطل امام الہدیٰ
تیغِ مسلولِ شدّت پہ لاکھوں سلام
ترجمانِ نبیؐ ہم زبانِ نبی
جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام



حضرت عمر مستشرقین کی نظر میں

امیر المومنین سیّدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام ہی نہیں تاریخ انسانیت کا بھی افتخار تھے۔ آپ کئی براعظموں کے حکمران تھے مگر جسم پر درجن بھر پیوند لگے ہوتے تھے۔ مدینہ کا گشت کرتے تو جہاں نیند آ جاتی سو جاتے۔ کبھی یہ فکر دامن گیر نہ ہوئی کہ میں اپنے دور کی سب سے بڑی سلطنت کا حکمران ہوں میرے دشمن بھی ہزاروں ہوں گے۔ آپ خُدا ہی کیلئے زندہ رہے اور اسی کے نام پر جان قربان کر دی۔ سیّدنا فاروق اعظم کی شخصیت کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ آپ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے زیادہ لکھا گیا۔ اپنے تو اپنے تھے مستشرقین نے بھی آپ کے سیاسی تدبر، حکومتی وقار اور تہذیبی سرفرازی کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس سے پہلے ہم مستشرقین کی زبان سے ان اعتراضات کا جواب دے چکے ہیں جو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر کئے تھے۔ اب ہم اس خراج عقیدت کا جائزہ لیتے ہیں جو مستشرقین کی جانب سے آپ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔

مسٹر گاندھی ہندوؤں کے فلاسفر تھے۔ ان کے مذہبی راہنما تھے۔ مگر دیکھئے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کس طرح خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

"آؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مثالی زندگی کو آئینہ توجہ کے سامنے لائیں۔ وہ وسیع سلطنت کے فرمانروا تھے مگران کی زندگی ایک مفلس کی زندگی تھی"۔

(تقریر بمقام پونا ۲۷ جولائی ۱۹۲۷)

مسٹر گاندھی مزید کہتے ہیں۔

''سادگی اربابِ کانگریس کا خاصہ واجارہ نہیں ہے۔ میں رام اور کرشن جی کا نام نہیں لے سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کی شخصیت تاریخی شخصیتیں نہیں ہیں۔ میں مجبور ہوں کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے نام لوں۔ وہ عظیم الشان فرمانروا تھے مگر انہوں نے فقیرانہ زندگی بسر کی۔ (ہری چن ۱۹۳۷)

پروفیسر ایچ اے جی فشر اپنی کتاب ''اے ہسٹری آف یورپ کے صفحہ ۱۳۸' ۱۳۷ پر لکھتا ہے۔'' کوئی سراغ نہیں ملتا کہ کوئی عربی ریاست بھی تھی یا کوئی باقاعدہ فوج بھی تھی یا یہ کہ وہاں کوئی مشترکہ سیاسی تمنا ہی تھی مگر عمر رضی اللہ عنہ جیسی انقلاب پرور شخصیت نے انہیں اقوام کا سالار بنا دیا۔ یہ کہنا پڑتا ہے کہ عرب شاعر تھے' خواب نہیں تھے' لڑاکے تھے' تاجر تھے مگر سیاستدان نہیں تھے۔ یہ امور انہیں عمر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت نے سکھائے۔

سٹینلے لین پول اپنی کتاب ''رسول خُدا اور اسلام'' میں لکھتا ہے۔

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ طبیعت کے تیز تھے۔ بڑے جذباتی قسم کے انسان تھے۔ شروع میں اسلام کے شدید دشمن تھے۔ لیکن جب مسلمان ہوئے تو آپ نے خود کو اسلام کا ایک بنیادی اور مضبوط ستون ثابت کیا۔

سر ولیم میور اپنی ضخیم کتاب ''خلافت'' میں رقم طراز ہے۔

(حضرت) ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرب کے مرتد قبائل کا زور توڑا۔ ان کے وصال پر اسلامی افواج نے بھی شام کی سرحد کو عبور کیا۔ (حضرت) عمر نے خلافت کا آغاز کیا۔ اس وقت تمام عرب آپ کے تصرّف میں تھا لیکن آپ نے اپنی فراست اپنے صبر و تحمل اور اپنے کس بل سے شام' مصر اور ایران پر تصرّف حاصل کر لیا اور اسی میں اپنی جان اپنے خُدا کے سپرد کر دی۔ جب آپ اس عظیم مملکت کے امیر المومنین بنے تو اس میں

بازنطینی حکومت اور ایرانی سلطنت کے بعض عمدہ ترین صوبے شامل تھے۔

یاد رہے کہ سرولیم پرلے درجے کا متعصب اور اسلام دشمن تھا مگر سچائی کی آواز پر لبیک کہہ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جلالت کو سلام کرنے پر مجبور ہو گیا۔

ایم۔این۔رائے (مایہ ناز داعی انقلاب اور زبردست عالم) اپنی مشہور کتاب ''ہسٹاریکل روک آف اسلام'' میں لکھتا ہے

روما کی سلطنت جس کی داغ بیل الستس نے ڈالی' جانباز تراجینوں نے جس کو وسیع کیا۔ اس اقلیم کی وسعت و عظمت سات سو سال کی عظیم الشان اور رفیع الوقار فتوحات کا صلہ تھی۔ تاہم اس کی وسعت عرب کے ان چند حصص کے برابر بھی نہ تھی جو حضرت عمر کے زمانے میں قائم ہوئی۔ حالانکہ یہ عربی حکومت سو سال سے کم عرصہ میں قیام پذیر ہوئی۔ اسی طرح سکندر اعظم کی اقلیم خلفائے اسلام کی سلطنت کی پہنائیوں کے ایک گوشہ کے برابر بھی نہیں تھی۔ ایران کی ولادت نے روس کی تقریباً ایک ہزار سال تک کامیابی سے روک تھام کی مگر اسی ولایت فارسی کی گردن دس سال سے کم عرصے میں ''سیف اللہ'' کے سامنے اطاعت کیلئے جھک گئی۔

لالہ لاجپت رائے نے کہا:

ہندوستان کو عمر (رضی اللہ عنہ) درکار ہے۔

عظیم مورخ ایڈورڈ گبن اپنی تصنیف ''عروج وزوال رومہ'' میں اپنی علمی تحقیق کا خلاصہ بیان کرتا ہے۔

''اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ روشن حقیقت نکھر اور ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ جن وحشی کفار نے پیغمبر اسلام کے ارادت مندوں کی گردنوں کو دبایا وہی خود فرزندان توحید بن گئے اور پھر ان میں عمر رضی اللہ عنہ جیسا مدبر سیاستدان اور حکمران اٹھا جس نے زمانے کا نقشہ بدل کر رکھ دیا''۔

سر ولیم میور اپنے تمام تر متعصبانہ رویے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہنے پر مجبور ہے۔

''اس کا ہر فیصلہ دانش و تدبر اور دور اندیشی کے میزان و پیمانہ کا آئینہ تھا۔ وہ ایک عالم شیخ عرب کی مانند کفایت شعار تھا۔ منزل پر پہنچنے کیلئے اس کے خضر راہ دو اصول تھے۔ سادگی اور فرض شناسی یہی اس کے نظم و نسق کے امتیازی مقصد نما خدوخال عدل و اخلاص تھے۔

ایم۔ این۔ رائے اپنی کتاب ''اسلام کا تاریخی کردار'' میں لکھتا ہے۔

''اسلام کے دوسرے خلیفہ راشد عمر رضی اللہ عنہ کے بیت المقدس میں فاتحانہ داخلہ کا منظر یہ ہے کہ آپ نے مدینہ منورہ سے لے کر شام تک کا سفر ایک اونٹ پر کیا جس پر شاہانہ سامان کی کل کائنات اونٹ کے کھردرے بالوں کا ایک خیمہ ستو اور جو کا ایک تھیلا' ایک پیالہ اور پانی پینے کا ایک کٹورا تھا''۔

جون ڈہم پارنز اپنی کتاب ''عیسائیت سے پہلے'' میں لکھتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عظیم تھے' فیاض تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے پیرو کاروں نے ۶۳۷ میں بیت المقدس فتح کیا۔ انہوں نے عادلانہ و کریمانہ طرز عمل کا اظہار کیا۔ عیسائیوں کے صلیبی ستیزہ کاروں نے یروشلم کو ۱۰۹۹ء میں فتح کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے علاوہ یہودیوں کو بھی اپنے وحشیانہ مظالم کا نشانہ بنایا۔ چھٹی صدی کے مسلمان گیارہویں صدی کے عیسائیوں سے بھی زیادہ مہذب تھے۔ ان صدیوں کے درمیان عرصہ میں جن اشخاص نے سائنس اور تہذیب کے چراغوں کو درخشاں و تاباں رکھا وہ عیسائی نہیں تھے' مسلمان تھے۔

سر ولیم میور اپنی کتاب میں صفحہ ۱۹۰ پر تحریر کرتا ہے۔

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیرت کے چند گوشے یہ ہیں۔ سادگی اور فرائض کی انجام

دہی پر آمادگی، غیر جانبدار، رواداری ان کا شعار حیات تھا۔ آپ کا احساس بڑا مضبوط تھا۔ سپہ سالاروں اور حاکموں کے بارے میں آپ کا انتخاب رُور عائت سے پاک تھا۔ آپ دُرّہ بدست مدینہ کی گلیوں اور منڈیوں میں گھوما کرتے تھے۔ مجرموں کو سرعام سزائیں دیتے تھے۔ بنابریں یہ بات ضرب المثل ہوگئی کہ درۂ عمر اپنی دہشت آفرینی میں تلوار سے زیادہ اثر خیز ہے۔ اس کے باوجود آپ کا دل رقیق تھا، شفیق تھا، یہ حقیقت ان گنت شواہد پر مبنی ہے کہ بیوگاں اور یتیموں کے دکھوں کو دور کرنا اور ان کیلئے راحتوں کا اہتمام کرنا آپ کا نصب العین تھا۔ ایک مثال ان حقائق کے آئینہ کرنے کیلئے کافی ہے۔ قحط کا زمانہ تھا۔ آپ عرب میں سفر کر رہے تھے۔ آپ کی نظر ایک غریب عورت اور اس کے گریہ کناں بچوں پر پڑی۔ کیفیت یہ تھی کہ آگ جل رہی تھی۔ بچے اس کے اردگرد بیٹھے تھے۔ چولہے پر ایک برتن تھا جو خالی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے آگاہ ہوئے تو بڑی تیزی سے روٹی خریدی، گوشت خریدا، ضرورت مند خاندان میں آکر اپنے ہاتھ سے گوشت بھونا، شوربا تیار کیا اور بھوکے بچوں کو کھلایا۔ بچے کھا پی کر ہنسنے اور کھیلنے میں مصروف ہوگئے۔ عمر رضی اللہ عنہ انہیں اس حال میں چھوڑ کر تشریف لے آئے۔

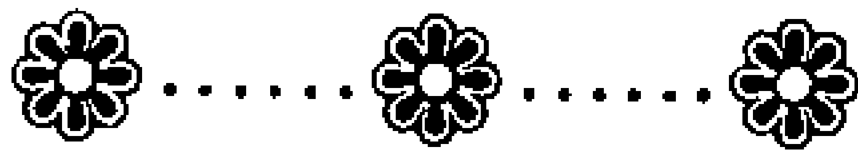
نامور شیعہ مورخ محقق سیّد امیر علی مرحوم اپنی کتاب ''مختصر تاریخ عرب'' میں لکھتے ہیں۔

نظم عدالت کا فریضہ دیوانی، ججوں کے برابر تھا۔ انہیں خلیفۂ وقت مقرر کرتا تھا اور وہ گورنروں کے اثر سے آزاد ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اوّلین فرمانروا ہیں جنہوں نے اپنے ججوں کی تنخواہیں مقرر کیں اور انہیں اپنے فریضہ منصبی کو انتظامی کارپرداز افسروں کے فرائض سے علیحدہ قرار دیا۔

حوالہ جات کا بہت بڑا ذخیرہ سامنے ہے۔ مگر ہم صرف چند حوالوں پر ہی اکتفا

کررہے ہیں کیونکہ ہمارا مقصد اہل اسلام کو یہ باور کرانا ہے کہ خدارا احساس کمتری کے سایوں سے چھٹکارا حاصل کرلو۔ اسلام اور اس سے فیضاب ہونے والے تو چودہ صدیوں سے ہر قوم اور ہر دور کو مسخر کررہے ہیں۔ کون سا زمانہ ہے جس تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر فرزندان اسلام کی علمی و عملی روشنی نہ پہنچی ہو۔

وہ عمرؓ جس سے روشن ہے ہر انجمن
جس سے مہکا زمانے کا ہر اِک چمن
وہ عمرؓ عدل و انصاف کی روشنی
جس کے اُسوۂ سے ضوریز ہر اِک زمن
وہ عمرؓ جس کے ہیں معترف غیر بھی
زینت بزمِ دیں جان سروسمن



سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر غیر مسلم مؤرخین کے اعتراضات اور ان کے جواب

محسنِ اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جس ایمانی شان، روحانی وقار اور دینی دبدبے کے ساتھ حکومت کی دنیا میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ غیر مسلم مؤرخین اس بات پر حیران ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تاریخ ساز مقام کیسے حاصل کر لیا کہ وہ صرف مسلمانوں کی آنکھوں کے تارے ہی نہیں ہیں بلکہ اغیار بھی ان کی تعریف و توصیف کرتے نہیں تھکتے۔ جب آپ کا کردار روز روشن کی طرح جگمگ کرتا نظر آیا تو دشمنان اسلام آپ کے عہد خلافت کے مختلف فیصلوں پر نکتہ چینی کرنے لگے۔ عیسائی دنیا دل و جان سے آپ کی عظمت کو تسلیم کر چکی تھی مگر ان کا مذہبی تعصب انہیں چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا۔ پھر بہت سے متعصب غیر مسلمانوں کو یہ پریشانی بھی کھائے جا رہی تھی کہ عیسائی مورخین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس قدر مدحت سرائی کیوں کر رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مدحت سرا جانتے تھے کہ انہوں نے یہ تاریخی مقام تلوار کے زور اور فوجوں کے شکوہ سے حاصل نہیں کیا بلکہ اس کی حقیقی وجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حق گوئی، راست بازی، عدل وانصاف، سیاست گری اور فکر و تدبر کی سربلندی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حقیقت کو جان چکے تھے کہ کشور کشائی اور فتوحات اپنی جگہ لیکن حکومت کے دوام اور اسلامی اقدار

کے فروغ کے لئے مذہبی تعصب سے بالاتر ہو کر حکومتی فرائض کو انجام دیا جا سکتا ہے۔ عسائی مؤرخین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہرۂ آفاق شخصیت پر اعتراضات بھی کئے جن کا اس تحریر میں جواب دیا جا رہا ہے۔

کیا مقدر کے دھنی ہیں حضرتِ ابن خطاب
تا ابد ہیں جو حریمِ مصطفیٰ میں باریاب
ان کی ہیبت سے لرزتے تھے نصاریٰ کے قلوب
ان کے ہاتھوں قبلۂ اوّل ہوا تھا بازیاب

جو حکومتیں قانون کی پاسداری کرتی ہیں اور اس کی پابند رہتی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ جن کے قوانین مناسب اور انسانی حقوق کی عظمت پر قائم ہوتے ہیں۔ ان کے تمام شہری چین اور عزت سے رہتے ہیں۔ اسلام کے شرائع چونکہ فیاضی و حق شناسی پر قائم ہیں اس لئے ان کے ماتحت مسلم و غیر مسلم راحت سے زندگی بسر کر سکتے ہیں پھر ان اسلامی اصولوں کی تعبیر و تفسیر اور زندگی کے مسائل پر ان کے انطباق کیلئے ایسے روشن خیال، مخلص، مدبر اور بے نفس حکمران ہوں۔ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے تو ظاہر ہے کہ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کا خیال بھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا اور اگر ان کی جگہ کوئی نفس پرست اور خود غرض حکمران ہوتا تو مسلمان اور ذمی دونوں بے حال و پریشان ہوتے۔

اس حوالے سے ڈبلیو منٹگمری لکھتا ہے۔

ترجمہ:- (ذمیوں کی) اس سرکشی اور خود رائی کے باوجود (جو مسلمانوں کی نظر میں سرکشی و خود رائی ہی تھی) سلطنت اسلامیہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کو ذمی کی حیثیت سے قبول کرنے کیلئے مسلمان تیار تھے اور یہ تسلیم کرتے تھے کہ ان یہود و نصاریٰ کی موجودگی سلطنت کی مذہبی اساس سے بالکل متصادم نہیں۔ ہم پرانی شراب کو نئے پیمانوں سے ناپتے ہیں لیکن اصولِ تنقید یہ ہے کہ پرانی شراب کو پرانے پیمانوں سے ناپا جائے۔

جب غالب کسی مغلوب پر قابو پاتا ہے تو کسی ضابطۂ اخلاق کو خاطر میں نہیں لاتا لیکن بیت المقدس کی فتح کے بعد دیکھو فاتح مسلمانوں کے بیت المقدس کے مغلوب عیسائیوں سے ایک معاہدہ کیا جارہا ہے شاید تاریخ عالم اس معاہدے کی نظیر نہ پیش کر سکے ۱۵ھ/۶۳۶ء میں یہ معاہدہ لکھا گیا حضرت خالد بن ولید' حضرت عمر بن العاص' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہم اجمعین اس پر گواہ ہیں۔ ذرا اس معاہدے کی تمہید تو ملاحظہ ہو۔

"یہ وہ امان ہے جو خُدا کے غلام' امیرالمومنین عمر نے ایلیا (بیت المقدس) کے لوگوں کو دی' یہ امان ان کے جان و مال' گرجا' صلیب' تندرست بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کیلئے ہے"۔

اور اب اس معاہدے کی تفصیلی دفعات ملاحظہ ہوں۔

۱) ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی اور نہ ان کے احاطے کو نقصان پہنچایا جائے گا۔

۲) نہ ان کی صلیبوں اور نہ ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔

۳) مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا۔

۴) نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔

۵) یونانیوں میں جو شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال کو امان ہے تا آنکہ وہ جائے پناہ میں پہنچ جائے اور جو ایلیا (بیت المقدس) میں رہنا اختیار کرے تو اس کو بھی امان ہے اور اس کو جزیہ دینا ہوگا۔

ڈبلیو آرنلڈ ان رعائتوں کے متعلق لکھتا ہے۔

ترجمہ اس رواداری کی رفعت و بلندی کا اندازہ ان شرائط سے لگایا جاسکتا ہے جو مفتوحہ شہروں کیلئے منظور کی گئیں۔ یہ رواداری ساتویں صدی عیسوی میں نہایت حیرت

ناک اور قابل توجہ ہے۔

ٹی پی ہیوز نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رواداری کا ذکر کرتے ہوئے بنو تعلب کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب انہوں نے حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور آپ نے تبدیلی مذہب پر ان کو مجبور کرنا چاہا تو دربار خلافت سے یہ فرمان جاری ہوا۔

ترجمہ "آپ نے تحریر فرمایا کہ ان کو دین عیسوی پر ہی رہنے دو"۔

مصر کی مکمل فتح کے بعد بہت سے قبطی اور رومی گرفتار ہو کر آئے' فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ان کے مستقبل کے بارے میں استفسار فرمایا تو جواب آیا۔

سب کو بلا کر کہہ دو کہ ان کو اختیار ہے' مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر ہی رہیں۔ اسلام قبول کر لیں گے تو ان کو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ورنہ جزیہ دینا ہو گا جو تمام ذمیوں سے لیا جاتا ہے۔

دور جدید کے مورخ فلپ کے ہٹی نے اگرچہ فاروق اعظم کے معاملے میں زیادہ انصاف سے کام نہیں لیا لیکن یہ اعتراف اس نے بھی کیا ہے کہ آپ کے عہد مبارک میں غیر مسلموں کو بالکل مذہبی آزادی حاصل تھی' وہ لکھتا ہے۔

معاہدے کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بیت المقدس میں داخل ہوئے ایک پادری کے ساتھ گرجا میں تشریف لے گئے کہ نماز کا وقت آ پہنچا' پادری نے عرض کیا کہ گرجا میں ہی نماز ادا فرمائیں لیکن فاروق اعظم نے وہاں نماز نہ ادا فرمائی کہ مبادا مسلمان اس گرجا کو مسجد بنا لیں کہ امیر المومنین نے یہاں نماز ادا فرمائی ہے۔ اللہ اللہ یہ حزم و احتیاط اور معاہدین کے ساتھ یہ حسن سلوک

مسلمان کسی ذمی کو قتل کرتا تو قصاص میں قتل کیا جاتا۔ چنانچہ بقول حضرت امام

شافعی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ایک مسلمان نے عیسائی کو قتل کر دیا کہ مقدمہ خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا' آپ نے مقتول کے ورثاء کو اختیار دیا کہ وہ قاتل سے قصاص لیں چنانچہ وہ قصاص میں قتل کیا گیا۔

دور جدید میں غیر مسلم رعایا کا کیا پوچھنا اگر مسلمان ہی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے تو اس کوئی پرسان حال نہیں۔ پھر سچ کہو کہ امن وسلامتی خلافت فاروقی میں تھی یا جدید حکومتوں میں ہے؟

ذمی پر مسلمان کا ظلم وستم کرنا تو بڑی بات ہی ہوگی اگر وہ سخت کلامی بھی کرتا تو سزا کا مستحق ہوتا۔ اور سزا تو بعد میں ملتی مسلمان افسران خود اس کا خیال رکھتے کہ یہ نوبت نہ آنے پائے چنانچہ حاکم حمص (شام) حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ نے غصے میں ایک ذمی کو صرف اتنا کہا۔

اخزاك اللہ (خدا تجھے رسوا کرے) حاکم موصوف کو اس حرکت پر اتنی ندامت ہوئی کہ دربار خلافت میں اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔

فاروق اعظم نے ذمی رعایا کو وہ حقوق عطا فرمائے جو اس عہد کی دوسری سلطنتوں میں رعایا کو حاصل نہ تھے روم اور فارس کی حکومتوں میں غیر قوموں کے حقوق غلاموں سے بدتر تھے۔ شام کے عیسائی باوجودیکہ رومیوں کے ہم مذہب تھے لیکن ان کو مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا اختیار نہ تھا بلکہ وہ خود ایک قسم کی جائیداد خیال کیے جاتے تھے۔ یہودیوں کا حال اس سے بھی بدتر تھا بلکہ اس قابل بھی نہ تھا۔ کہ کسی حیثیت سے ان پر رعایا کا اطلاق کیا جائے۔

ٹی ڈبلیو آرنلڈ ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وسعت قلبی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

ترجمہ "بازنطینی حکومت کے وہ صوبے جو بہت ہی جلد مسلمانوں کی بے مثال دلیری

وشجاعت کے آگے سپر انداز ہو گئے رواداری اور حسن سلوک کی ایک ایسی پرمسرت فضا محسوس کر رہے تھے جو صدیوں سے ان کیلئے انجانی تھی۔

چنانچہ ایران کو فتح کرنے کے بعد کسانوں پر ٹیکس کا بوجھ ہلکا کیا گیا انہیں ان کی زمینوں پر قابض کیا گیا' ضرورت پڑنے پر کاشتکاروں کو پیشگی رقم دی گئی' زمین کی فروخت حکماً بند کر دی گئی تا کہ مقامی لوگوں کے حقوق محفوظ رہیں۔

سرزمین شام وعراق پر قبضہ کرنے کے بعد یہ مسئلہ سامنے آیا کہ زمین وہاں کے باشندوں کے قبضے میں رہنے دی جائے یا دشمن کا مال قرار دے کر فوج میں تقسیم کر دی جائے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس تقسیم کے خلاف تھے جب کہ بعض حضرات اس کے موافق تھے جب مسئلہ طے نہ ہوا تو مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا گیا۔ جانبین نے دلائل پیش کئے۔ لیکن فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس تقسیم کی مخالفت میں فرمایا کہ فروغ اسلام اور غیر مسلمانوں کی تالیف قلب کیلئے اگر یہ زمین ان کو دے دی جائے تو اس سے کئی دینی فوائد حاصل ہوں گے آپ کے اس فرمان کو سن کر سب نے اسے قبول کر لیا۔

یہ تو ذکر تھا ان غیر مسلمانوں کا جنہوں نے پرامن رعایا کی حیثیت سے خلافت اسلامیہ میں رہنا پسند کیا لیکن فاروق اعظم نے ان غیر مسلموں کے ساتھ بھی رواداری اور فراخ دلی کا ثبوت دیا جو قیدی بنا کر لائے گئے چنانچہ تقریباً ۱۷ھ ۶۳۸ء میں گورنر بصرہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حاکم اہواز ہرمز کی عہد شکنی کی وجہ سے حملہ کیا اور شکست دے کہ ہزاروں آدمی لونڈی غلام بنا کر لائے لیکن جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حکم دیا کہ سب کو آزاد کر دیا جائے۔

بعض مورخوں نے غیر مسلموں پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی چند پابندیوں کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان پابندیوں کی حقیقت واضح کر دی جائے تا کہ خلق فاروقی کے تابناک چہرے پر آئندہ کوئی خاک نہ ڈال سکے۔

جن پابندیوں کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں۔

۱) غیر مسلم رعایا کیلئے لباس مخصوص فرمایا۔

۲) شراب بیچنے اور خنزیر کھانے پر پابندی عائد کی۔

۳) ناقوس بجانے اور صلیب نکالنے کی اجازت نہیں دی۔

۴) بچوں کو بتپسما دینے پر پابندی لگا دی۔

۵) نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی ممانعت کردی۔

۶) جزیہ نافذ کیا۔

۷) یہودیوں اور عیسائیوں کو ان کے گھروں سے نکالا۔

۸) غلامی کو رواج دیا۔

اب ہم ان اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا کہ ان کا حقائق سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔

جب مسلم حکمران اپنی غیر مسلم رعایا سے بہترین سلوک کرتے ہیں۔ انہیں برابر کا درجہ دیتے ہیں تو وہ ان کے رنگ میں رنگے جاتے ہیں۔

فرانس کے مشہور مورخ ڈاکٹر گستاولی بان نے مقامی تہذیب وثقافت کی اس حیرت انگیز تبدیلی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''ملک مصر میں مسلمانوں نے وہ اثر دکھایا کہ کبھی یونانیوں اور رومیوں کو بھی نصیب نہ ہوا تھا' مسلمانوں نے ان کی زبان' مذہب' تمدن وتہذیب جو ایک ہزار سال سے چلا آرہا تھا' سب کچھ اس طرح بدل کر رکھ دیا کہ وہاں کے لوگ اپنی تاریخ کو بھول گئے اور جدید علمی تحقیقات نے صدیوں بعد اس تہذیب کو گرد زمانہ کے اندر سے نکالا ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ غیر مسلموں کیلئے محض لباس کا مقصد ان سے زیادہ مسلمانوں کے امتیازی رنگ کو قائم رکھنا ہے کہیں مسلمان ان کے رنگ میں نہ

رنگے جائیں۔

ترجمہ ذمیوں کو چند پابندیوں کے ساتھ آزادانہ اور بلا روک ٹوک مذہبی مراسم ادا کرنے کی اجازت تھی، اور یہ پابندی اس لئے لگائی تھی کہ کہیں دو حریف مذہبوں کے ماننے والے آپس میں نہ لڑیں یا مذہبی نشانات کی نمود ونمائش سے، جو مسلمانوں کے جذبات واحساسات کو ٹھیس پہنچائیں تعصب وتشدد کی فضا نہ پیدا ہو جائے۔

یہ پابندی صرف ان بچوں کیلئے تھی جن کے والدین مسلمان ہو چکے تھے۔ سن بلوغ تک ان کو اصطباغ دینے کی ممانعت تھی غالباً اس لئے کہ یہ اپنی دین وملت کے بارے میں خود فیصلہ کر سکیں۔

ایک ذمی عیسائی نے سربازار حضور ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کی، مسلمان سے رہا نہ گیا اور اس نے ایک تھپڑ رسید کیا۔ یہ معاملہ گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا۔ ذرا غور تو کرو کس کمال کی رواداری وآزادی تھی کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات بھی کہتا ہے اور تھپڑ کھانے کے بعد عدالت میں فریادی بنتا ہے، کیسی دیدہ دلیری ہے، لیکن نہیں نہیں خلافت فاروقی میں زبان ودل پر قفل نہیں ڈالے گئے تھے۔ مسلمان جس نے تھپڑ مارا تھا پیش ہوا، اس نے اپنی صفائی میں جو کچھ کہا ہر عادل ومنصف اس کی صداقت پر گواہی دے گا اور اس بے مثال جذبہ آزادی پر داد دیے بغیر نہ رہ سکے گا۔ اس نے کہا۔

''یہ عیسائی اپنے گرجاؤں میں جو چاہیں کہیں لیکن شارع عام پر ان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ حضور ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرتے پھریں۔

بات سچی تھی مسلمان بری ہو گیا اور اس گستاخی پر گورنر نے عیسائی سے کوئی باز پرس نہ کی''۔

متعصب عیسائی مؤرخ مسلمانوں پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے جذیہ نافذ

کیا۔

کیا جدید اور قدیم حکومتوں میں کوئی ایسی حکومت ہے جس نے اپنی رعایا سے ٹیکس نہ لیا ہو؟ اور بغیر ٹیکس ایسے اس کے سارے کام بنا دیئے ہوں؟۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں تو پھر جزیہ لینا کون سا گناہ ہو گیا؟۔ کیا جزیہ کے نام سے چڑ ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس کا بھی تدارک کر کے دکھا دیا گیا۔

١) جان کی حفاظت

٢) مال کی حفاظت

٣) ناموس کی حفاظت

٤) مذہب کی حفاظت

٥) جہاد سے استثناء (کوئی غم نہیں' ہمیشہ سکون و چین کی زندگی بسر کیجیے)۔

٦) اپنے دشمنوں کی مدافعت اور مقابلے سے بے فکری' کہ یہ کام خود مسلمانوں کا ہے کہ وہ ذمیوں کے دشمنوں سے لڑیں' ذمیوں کا نہیں)

چوں کہ جزیہ خالصاً غیر مسلموں کی فوجی حفاظت کے سلسلے میں لیا جاتا ہے اس لئے جہاں وہ حفاظت نہ کر سکے جزیہ واپس کر دیا گیا' جنگ یرموک سے قبل عساکر اسلامیہ حمص اور دمشق سے واپس ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ کی تمام رقم واپس دینے کا حکم دیا۔

اگر کسی ذمی نے کسی فوجی مہم میں حصہ لیا تو اس کا سال بھر کا جزیہ معاف کر دیا گیا اور اگر کسی نے کچھ عرصے کیلئے فوج میں خدمات انجام دیں تو اس عرصے کیلئے جزیہ معاف کر دیا گیا۔

عیسائی مورخ ٹی پی ہیوز لکھتا ہے۔

ترجمہ اس قبیلے بنو تغلب نے (خود پسندی کی وجہ سے) جزیہ ادا کرنا کسر شان سمجھا

اور خلیفہ کے پاس ایک وفد بھیجا' اس وفد نے خلیفہ کو جا کر یہ بتایا کہ بنو تغلب ٹیکس دینے پر رضا مند ہیں بشرطیکہ یہ اسی نام سے لگایا جائے جس نام سے مسلمانوں پر لگایا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وسعت نظری کا ثبوت دیتے ہوئے ان کو یہ رعایت دی چنانچہ بنو تغلب نے یہ واحد اور غیر معمولی رعایت حاصل کی اور عیسائی ہوتے ہوئے جزیہ کے بجائے ان سے دوگنا عشر لیا گیا (جو مسلمانوں سے لیا جاتا تھا)۔

عیسائی مورخین کا ایک اور اعتراض ہے کہ مسلمانوں نے غلامی کو رواج دیا۔ ہم س کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں وہ اصلاحات کیں کہ غلامی' غلامی نہ رہی بلکہ فرزندی ہوگی۔ ذرا ان اصلاحات کو ملاحظہ فرمائیں جن کا ذکر طبری' فتوح البلدان' کنز العمال وغیرہ میں کیا گیا ہے۔

ا) غلامی کو ختم کرنے کیلئے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اہل عرب کا غلام بنانا قانوناً ممنوع قرار دے دیا۔

ب) مفتوحہ ممالک میں جو قیدی غلام بنا لئے گئے تھے (قیدیوں کو غلام بنانے کی رسم بہت قدیم ہے) ان میں پیشہ وروں اور کاشت کاروں کو آزاد کر دیا گیا اور آئندہ ایسے لوگوں کو غلام بنانا ممنوع قرار دے دیا۔

ج) جس لونڈی کے ہاں اولاد ہو جائے اس کی فروخت ممنوع قرار دے دی گئی۔ گویا اب اس کی حیثیت ایک رفیقہ حیات کی سی ہوگئی۔

د) غلام کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے آقا سے معاہدہ کر کے مخصوص رقم کے عوض آزادی حاصل کر لے۔

ع) ایک خاندان کے غلام افراد کو مختلف مقامات پر رکھنا ممنوع قرار دیا گیا ایک ہی جگہ رکھنا لازم کر دیا گیا۔ اس سے پہلے باپ کسی کے پاس ہوتا تو بیٹا کسی کے پاس بیٹی کہیں ہوتی تو ماں کہیں۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مفارقت کی اس چبھن کو محسوس کیا اور

وہ رعایت دی جو آج سرکاری ملازموں کو بھی حاصل نہیں۔ چنانچہ عہد فاروقی میں جب سرکاری ملازم باپ بیٹے کو دو مختلف مقامات پر متعین کیا گیا تو باپ (مسمط بن اسود) نے کہا جب جب لونڈی، غلام کو یہ حق حاصل ہے تو ہم کو کیوں نہیں۔

ک) پہلے جنگی قیدیوں میں شہزادوں اور شہزادیوں کی مٹی پلید ہوتی تھی (بلکہ صدیاں گزر جانے کے بعد ۱۸۵۷ء میں انگریز حاکموں نے مسلمان شہزادوں اور شہزادیوں کے ساتھ جو کچھ کیا وہ کتنا اذیت ناک اور دردناک ہے) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قیدی شہزادوں اور شہزادیوں کے ساتھ امتیازی سلوک کیا چنانچہ شاہ مصر مقوقس کی بیٹی ارمانوسہ کو ایک سردار قیس بن ابی العاص کے ساتھ واپس مقوقس کے پاس بھیج دیا۔

ص) مجاہدین کی تنخواہوں کے ساتھ ساتھ ان کے غلاموں کی بھی اتنی ہی تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ کیا آج دنیا کے کسی ملک میں فوجیوں اور فوجی افسروں اور ان کے ملازموں کی ایک ہی تنخواہ ہے؟

ض) حاکموں اور افسروں پر لازم تھا کہ غلاموں کی عیادت کریں، نہ کرتے تو ملازمت سے برطرف کر دیئے جاتے۔ کیا کسی حکومت نے اپنے افسروں کو یہ ہدایت کی ہے کہ اپنے غلاموں کی نہیں، ملازموں ہی کی عیادت کیا کریں اور کیا ایسا نہ کرنے پر کبھی کسی کو ملازمت سے برطرف کیا گیا ہے؟۔ اللہ اللہ دور فاروقی میں غلاموں کی وہ شان تھی جو ہمارے ملازموں کی بھی نہیں۔

ظ) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ غلاموں کو اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے تھے اور دوسروں کو ترغیب دیتے تھے کہ غلاموں سے نفرت نہ کریں بلکہ اپنے ساتھ کھلائیں پلائیں۔ آپ فرماتے تھے۔ ''خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے۔ آج اپنے ملازم کے ساتھ ایک معمولی افسر نہیں کھا سکتا''۔

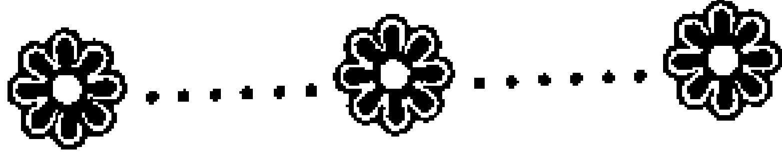
آج اگر عملاً دیکھیں تو غلامی کا فقط نام رہ گیا ہے۔ غلام نہیں رہے۔ اہل یورپ کو

اپنے صدر "لنکن" پر بڑا ناز ہے کہ اس نے غُلامی ختم کی۔ لیکن لنکن کے دور میں اور اب بھی سالانہ ہزاروں کی تعداد میں غُلام بنائے جارہے ہیں۔ جنوبی افریقہ اور امریکہ کے کالے غلاموں نے لمبی جنگ لڑ کر آزادی حاصل کی لیکن اب بھی ان کے حقوق گوروں کے برابر نہیں ہیں۔ جبکہ اسلامی اقتدار کے روزِ اوّل سے آج تک حکمرانوں اور غُلاموں کے درمیان کوئی جنگ نہیں لڑی گئی۔ اس طور غلام آزاد مسلمانوں کے درمیان اس طرح ضم ہوئے کہ غُلامی کا نام ونشان نہ رہا۔ سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عظمت تو دیکھئے کہ غیر مسلم غلام آپ کو شہید کر رہا ہے مگر آپ اس پر کوئی سختی نہیں فرمارہے۔

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر عیسائی دنیا اس لئے اعتراضات کرتی ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غُلاموں کے ساتھ حسن سلوک کو چھپانا چاہتی ہے۔ مگر سورج کی روشنی بھی کہیں چھپی ہے۔ "جارج برنارڈ شا" (نامور عیسائی مفکر) نے کہا تھا کہ اگر دنیائے اسلام کو ایک اور عمر رضی اللہ عنہ عطا ہو جاتا تو ساری دنیا مسلمان ہو جاتی۔ بادل وہیں آتے ہیں جہاں چاند جگمگا رہا ہوتا ہے۔ لیکن بادلوں نے بالآخر چھٹنا ہوتا ہے۔ اسی طور عیسائی دنیا کے جھوٹے پروپیگنڈا کے سحر کو خود غیر مسلم مستشرقین چاک کر رہے ہیں۔ یہ سیرت عمر رضی اللہ عنہ ابن خطاب کا فیضان ہے کہ اسلامی عظمت کا سورج پوری قوت سے جگمگا رہا ہے۔ یہ سلطان دو عالم ﷺ کا فیضان تربیت تھا جس نے ابتداء ہی میں غُلامی کو انتہائی ناپسندیدہ عمل قرار دے دیا تھا۔ ایک بار حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی کو اپنے غلام پر سختی کرتے دیکھا تو فرمایا:

"رک جاؤ۔ تم کو اس غلام پر جتنا اختیار ہے خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے۔ تم جو کھاتے ہو وہ غُلاموں کو بھی کھلاؤ۔ جو پہنتے ہو انہیں بھی پہناؤ۔ خبردار! غُلاموں پر سختی نہ کرنا" یہ فرمان رسول ﷺ کی عظمت ہی تھی کہ دنیائے اسلام سے غلامی کا تصور مٹ گیا۔

سنوارا عدل و حکمت کا چمن فاروقِ اعظمؓ نے
نکھارا راستی کا بانکپن فاروقِ اعظمؓ نے
ممالک ہی نہیں قوموں کے دل تسخیر فرمائے
دکھا کر شوکت دینِ حسن فاروقِ اعظمؓ نے
بکھیرے پھول عرفان و بصیرت، علم و دانش کے
جو خطبے کے لئے کھولا دہن فاروقِ اعظمؓ نے



حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی عظیم المرتبت صاحبزادی

محترمہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

جنہیں اُم المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

اُم المومنین ہونے کی حیثیت سے آپ کا رتبہ بہت بلند ہے۔حق تو یہ ہے کہ جو شخصیت بھی سرور کائنات ﷺ کی زوجیت میں آ گئی وہ مقام و مرتبہ میں کائنات کے لئے نمونہ ہدیت بن گئی۔آپ نبی کریم ﷺ کی چوتھی زوجہ تھیں۔سیّدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔آپ کے مزاج میں ذرا تیزی تھی مگر آپ نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کوئی کمی اٹھا نہیں رکھی۔ان کے پیش نظر ہمیشہ یہی مقصد تھا کہ محبوب کائنات ﷺ کی خوشنودی عطا ہو۔قرآن پاک کی کثرت سے تلاوت کرتیں، اکثر روزے سے رہتیں۔آپ اعلان نبوت سے پانچ سال قبل مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔

جب سیّدہ حفصہ نے ہوش سنبھالا تو ان کے والد گرامی حضرت عمر بن خطاب اور والدہ حضرت زینب اسلام قبول کر چکے تھے۔دیگر اہل خانہ بھی مسلمان تھے، اس لئے سیّدہ حفصہ نے اسلام کی آغوش میں آنکھ کھولی۔

آپ کا پہلا نکاح حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے ہوا جو بنو سہم سے تھے۔وہ دعوت حق کی ابتداء میں شرف اسلام سے بہرہ ور ہو گئے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ ہی سعادت اندوز اسلام ہو گئیں۔حضرت خنیس رضی اللہ عنہ ۶ بعد بعثت میں ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے۔ہجرت نبوی سے کچھ عرصہ پہلے مکہ واپس آ گئے اور پھر حضرت

حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔

حضرت خنیس رضی اللہ عنہ راہ حق کے ایک جانباز سپاہی تھے۔ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا تو وہ اس میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔ پھر ۳ ہجری میں غزوۂ احد میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شدید زخمی ہو گئے۔ اسی حالت میں انہیں اٹھا کر مدینہ لے گئے لیکن علاج کے باوجود جاں بر نہ ہو سکے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہو گئیں۔ جب ان کی عدت کا زمانہ پورا ہو گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جن کی بیوی حضرت رقیہ بنت رسول کریم ﷺ کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ بہت مغموم تھے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں حضرت حفصہ کا رشتہ پیش کیا تو انہوں نے غور کے لئے وقت طلب کیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور رشتہ پیش کیا مگر وہ بھی خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رنجیدہ ہوئے اور بارگاہ رسول ﷺ میں حاضر ہو کر ماجرائے غم عرض کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"حفصہ سے شادی وہ کریں گے جو عثمان سے بہتر ہوں اور عثمان اس سے شادی کریں گے جو حفصہ سے بہتر ہو گی"۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کی شادی حضرت عثمان سے کر دی اور حضرت حفصہ سے خود نکاح کر لیا۔ جب نبی کریم ﷺ نے مزید عقد فرمائے تو سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ میں بہنوں سے بڑھ کر محبت ہو گئی۔

ابواسامہ حماد بروایت حضرت عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو حلوہ اور شہد بہت مرغوب تھا۔ آپ عصر کی نماز کے بعد ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس معمول سے زیادہ دیر ہو گئی۔ بمقتضائے فطرت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رشک ہوا

اورانہوں نے حالات دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ کسی عورت نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہدیۃً شہد بھیجا تھا اور آنحضرت ﷺ نے اسے کھایا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کا ذکر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کیا اور ان کو سکھا دیا کہ جب آنحضرت ﷺ تمہارے پاس آئیں تو کہنا: یارسول اللہ! آپ نے مغافیر کھایا ہے (مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس کو شہد کی مکھی چوستی ہے' اس میں کسی قدر بو ہوتی ہے اور بو آنحضرت ﷺ کو سخت ناپسند تھی) آپ فرمائیں گے کہ مجھے حفصہ نے شہد پلایا ہے' تم کہنا: شاید یہ شہد عرفط کی مکھی کا ہے۔ یہی بات حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بھی سکھادی۔ آپ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے حسب قرارداد وہی کہا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی گفتگو کی۔ اس کے بعد آپ ایک دن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو انہوں نے حسب معمول شہد پیش کرنے کا پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کی حاجت نہیں' اور عہد کرلیا کہ آئندہ شہد نہ کھائیں گے' اس کے بعد قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی۔

''اے نبی! تم اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے جو چیز خُدا نے حلال کی ہے اس کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو'' (پارہ ۲۸' سورہ تحریم' آیت ۱)

واقعہ تحریم کے کچھ دن بعد آنحضرت ﷺ نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہی اور تاکید فرمادی کہ کسی سے نہ کہیں' مگر وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے چھپا نہ سکیں' اس پر یہ آیت اتری:

ترجمہ: اور جب پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش کردی اور خُدا نے پیغمبر کو اس کی خبر کردی تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا۔ پھر جب ان سے کہا تو انہوں نے کہا کس نے آپ کو خبر دی۔ پیغمبر نے کہا مجھ کو خُدائے علیم وخبیر نے خبر دی''۔ (سورہ تحریم' آیت ۳)

چونکہ یہ صورت حال رسول اللہ ﷺ کی برہمی کی تھی اس لئے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا و حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے متفق ہو کر معاملہ کو سلجھانا چاہا تو دونوں کی شان میں اس آیت کا نزول ہوا:

''اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر رسول اللہ ﷺ کے (حق) میں مظہرہ کرو تو خدا' جبریل علیہ السلام اور دنیا تمام سب کے بعد فرشتے رسول اللہ ﷺ کی مددگار ہیں''۔ (سورہ تحریم' آیت ۴)

کچھ وجوہ کی بنا پر نبی کریم ﷺ نے حضرت حفصہ کو ایک طلاق دے دی۔ بس آپ کے پاس جبریل آئے اور عرض کی: یا محمد ﷺ! آپ نے حفصہ کو طلاق دے دی جبکہ وہ صوامہ اور قوامہ ہے اور جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہو گی۔ بس حضور نبی کریم ﷺ نے ان سے رجوع کر لیا۔

حضرت حفصہ کو حصول علم کا بہت شوق تھا' اس لئے سرور کائنات ﷺ نے ان کی تعلیم کا خاص اہتمام فرمایا: ارشاد رسول اکرم ﷺ کے مطابق حضرت شفا بنت عبداللہ نے ان کو لکھنا سکھایا اور چیونٹی کے کاٹنے کا دم بھی سکھایا۔ ام المومنین کو دین میں تفقہ کا بھی ایک خاص ملکہ تھا۔ مختلف آیات پر غور کرتیں اور ان سے مختلف نکات نکالتیں۔ چونکہ مزاج شناس رسول تھیں اس لئے آپ کا مزاج دیکھ کر سوال پوچھنا ہوتا بے دھڑک پوچھ لیتیں۔ اُمِ مبشر انصاریہ فرماتی ہیں کہ میں ایک مرتبہ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھی تھی اور وہاں رسول اللہ ﷺ بھی تشریف فرما تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''میں امید کرتا ہوں کہ اصحاب حدیبیہ جہنم میں نہ جائیں گے'' سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے سن کہا کہ قرآن مجید میں خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''تم میں سے ہر شخص جہنم میں سے گزرنے والا ہے۔ یہ تیرے رب پر لازم ہے جو پورا ہو کر رہے گا''۔ (پارہ ۱۶' سورہ مریم' آیت ۷۱)

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' ہاں' اس کے بعد یہ بھی ارشاد ہے۔
''پھر ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو ڈرتے تھے اور ظالموں کو اس میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے''۔ (سورہ مریم' آیت ۷۲)

ہر شخص کو جہنم عبور کرتے ہوئے پل صراط کے اوپر سے گزرنا ہوگا۔ مسلمان بخیرو عافیت گزر جائیں گے اور کافر گر جائیں گے۔

تدوین حدیث میں ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا بڑا ہاتھ ہے۔ حضرت عمرو بن رافع کہتے ہیں کہ میں ام المومنین کے لئے مصحف لکھا کرتا تھا۔ کتب احادیث میں ان سے ساٹھ احادیث مروی ہیں۔ آپ کی عبادت وریاضت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ کا وصال ہوا تو اس وقت بھی آپ روزے سے تھیں۔ آپ کی ایک جائیداد تھی جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہا نے ان کی نگرانی میں دے دی تھی۔ جب آپ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ نے اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر سے کہا کہ میرے بعد اس جائیداد کو فروخت کر کے صدقہ کر دینا۔

حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں تریسٹھ برس کی زندگی میں وصال فرمایا۔ یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور حکومت تھا۔ مدینہ کے گورنر مروان بن الحکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جنازے کو قبر میں اتارا۔ ام المومنین کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے کروایا کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوچھنے پر رسول اللہ ﷺ ہی نے تو فرمایا تھا کہ عمر اللہ تعالیٰ نے عثمان کا نکاح تیری بیٹی سے اچھی عورت سے کر دیا ہے اور تیری بیٹی کا نکاح عثمان سے زیادہ اچھے آدمی سے کر دیا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے کتابت شدہ قرآن مجید کے اجزاء کو جمع کر کے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھوا دیا جو تا زندگی آپ کے پاس رہے۔ یہ وہ اعزاز ہے جو کسی

ام المومنین کے حصے میں نہیں آیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی جو نقلیں تیار کروائیں وہ سیّدہ حفصہ کے نسخے کو دیکھ کر تیار کی گئی تھیں۔ آپ کے طویل قیام کی گواہی اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے دی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام دیا کہ آپ حضرت حفصہ سے رجوع کر لیں کیونکہ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی بہت زیادہ نماز پڑھنے والی اور پرہیز گار خاتون ہیں۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا دجال کے شر سے بہت ڈرتی تھیں۔ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ مدینہ میں ایک شخص ابن صیاد تھا۔ اس میں دجال کی بعض علامات پائی جاتی تھیں۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو راستے میں مل گیا۔ انہوں نے اس کی بعض حرکتوں پر اظہار نفرت کیا۔ ابن صیاد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے اسے پیٹنا شروع کر دیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو بھائی سے کہنے لگیں۔

''تم اس سے کیوں الجھتے ہو' تمہیں نہیں معلوم حضور ﷺ نے فرمایا کہ دجال کے خروج کا محرک اس کا غصہ ہوگا''۔

آخری وقت میں جوں جوں آپ نے پیارے رسول اللہ ﷺ کی قربت کا فیض اٹھایا' مزاج کی تیزی نرمی اور علم وحیا میں بدل گئی۔ اسی طرح یہ محبت رسول ﷺ کا گداز تھا جس نے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے تند خو اور بلند لہجہ میں گفتگو کرنے والے کو بارگاہ رسول میں سراپا عجز و نیاز بنا دیا تھا۔

ام المومنین کو امت میں اختلاف سے سخت نفرت تھی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کے زمانے میں جنگ صفین کا واقعہ پیش آیا تو اس کا خاتمہ تحکیم پر ہوا تو آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس کو فتنہ سمجھ کر گوشہ نشین ہونا چاہتے تھے کیونکہ قاتلان

حضرت عثمان کے قصاص کے سلسلہ میں حضرت مولا علی اور حضرت امیر معاویہ کی گفتگو منافقین کے ہنگامے کی نذر ہو گئی تھی۔ ایک دن آپ اپنی بہن سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہا: آپ دیکھ رہی ہیں کہ لوگوں کا کیا حال ہے' اس لئے میں اس معاملے میں گوشہ نشین ہونا چاہتا ہوں۔ سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اس میں شرکت سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں' تاہم اس کی اصلاح کی کوشش میں تمہیں شریک رہنا چاہیے کیونکہ لوگوں کو تمہاری رائے کا انتظار ہوگا' اور مجھے ڈر ہے کہ تمہاری گوشہ نشینی سے ان میں اختلاف ہو جائے گا' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ کے سمجھانے پر اس معاملہ کی اصلاح میں شریک رہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا میں بہت قربت تھی' شاید اس لئے بھی کہ دونوں کے والد آپس میں گہرے دوست تھے' لیکن آپس میں اس قدر محبت اور شیر و شکر ہونے کے باوجود بھی دونوں میں محبت رسول ﷺ کے حوالے سے رشک کا جذبہ پیدا ہو جاتا۔ ایک دن یہ دونوں امہات رسول کریم ﷺ کے ساتھ سفر میں تھیں۔ راتوں کو حضور اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر چلے گئے اور ان سے باتیں کرتے جاتے تھے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنی سہیلی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

"آج رات تم میرے اونٹ پر سوار ہو جاؤ میں تمہارے اونٹ پر"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہو گئیں۔ حضور اکرم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہ رضی اللہ عنہا سوار تھیں۔ جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نہیں پایا تو اپنے پاؤں کو گھاس کے درمیان اٹکا کر کہنے لگیں۔

"اللہ کسی سانپ یا بچھو کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے گا"

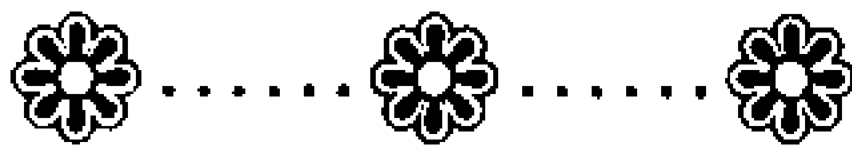
یہ سب کچھ حضور ﷺ کی زیادہ سے زیادہ توجہ حاصل کرنے کے لئے تھا۔

جب نبی کریم ﷺ نے اس دار فانی سے دار بقاء کی جانب کوچ فرمایا تو اس سانحہ ارتحال کے وقت حضرت حفصہ بنت عمر کی عمر ۲۹ سال تھی۔ آپ نے ساڑھے سات سال کا عرصہ اپنے محبوب شوہر کی محبت ورفاقت میں گزارا تھا۔

خُدائے پاک کی رحمتیں ہوں ام المومنین سیّدہ حفصہ رضی اللہ عنہا پر جنہوں نے قرآن حکیم کا ابتدائی دور سنبھالے رکھا۔

سلام ہو آپ پر کہ آپ ازحد عابد وزاہد اور پرہیزگار تھیں۔
سلام ہو آپ پر کہ آپ سخاوت ورحمت کا بہتا دریا تھیں

وہ دلبندِ عمرؓ وہ سرور بطحا کی دیوانی
ہماری مادر عالیؒ یقیں کی شمعِ ایمانی
سلام اس پر کہ کردارِ حسیں جس کا معنبر ہے
سلام اس ذات پر جس پر تھی رحمت کی فراوانی



حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نامور فرزند فقیہہ الامت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

کسی بھی بڑے آدمی کی اولاد کو دیکھ کر اس کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس مرد عظیم کی اولاد کے کردار اور انسانیت نوازی کو دیکھ کر بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اگر بیٹا عظیم ہے تو باپ کتنا جلیل القدر ہوگا۔ اور جب باپ سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسا عظیم ہوگا تو زمانہ اس کی عظمت کے حوالے سے ضرور دیکھے گا کہ اس کی اولاد عادات و اطوار اور خصائل حسنہ کے حوالے سے کیسی ہے؟ اس پس منظر میں جب ہم خلیفۃ الرسول سیّدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی گراں قدر اور بلند و بالا شخصیت کو دیکھتے ہیں تو اس خاندان کی روحانی سرفرازیوں پر زمانہ جھوم جھوم جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی شجاعت و علمی جلالت کا کیا کہنا۔

وقارِ دینِ اسلامی عظیم الشان، عبداللہؓ
جہاں میں عظمت ایمان کی پہچان، عبداللہؓ
شجاعت اور دلیری میں عبادت اور ریاضت میں
فروغِ عظمتِ ایمان پر قربان، عبداللہؓ

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ پیدائش میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق غزوۂ بدر کے وقت ان کی عمر تیرہ سال تھی، اس لحاظ سے وہ نبوت کے دوسرے سال مطابق ۶۱۱ عیسوی میں پیدا ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حلقۂ

اسلام میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ایک مسلمان علمی خاندان میں تربیت پانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ حضرت زینب بنت مظعون کے بطن سے تھے جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نکاح فرمایا تھا۔

مکہ کے مشرکین نے نبی اکرم ﷺ اور ان کے ساتھیوں پر اعلائے کلمۃ الحق کے ''جرم'' میں ظلم وتشدد شروع کر رکھا تھا' آخر اپنے دین وایمان کی مضبوطی کا ثبوت دینے کے لئے اہل ایمان کو دنیا کے تمام مادی رشتے کاٹ دینے پڑے۔ اعزہ واقربا وطن سے دور مدینہ منورہ چلے گئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی کمسنی میں اپنے والد ماجد کے ساتھ سفر ہجرت اختیار کیا۔

ہوش سنبھالنے کے بعد جس قدر غزوات اور سرایا ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان میں بہادرانہ کارنامے انجام دیئے۔ جنگ خندق میں ان کی شمولیت پر بکثرت روایات ملتی ہیں ۶ھ میں بیعتِ رضوان کا اہم واقعہ پیش آیا۔ ابن قتیبہ کی روایت کے مطابق بیعت رضوان میں سب سے پہلے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ میں دیا تھا۔

اگرچہ صلح حدیبیہ دس برس کے لئے تھی مگر قریش نے دو برس کے اندر ہی معاہدہ توڑ دیا اور مسلمانوں پر تشدد شروع کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ پر چڑھائی کی۔ حضرت عبداللہ تیز رو گھوڑے پر سوار اور نیزہ ہاتھ میں تھامے شریک حملہ دکھائی دیتے ہیں۔ راستے میں ایک منزل پر اپنے گھوڑے کے لئے چارہ کاٹ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ آ گئے اور انہیں دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا۔ یہ عبداللہ ہیں عبداللہ''

نبی کریم ﷺ کو ان سے بے پناہ محبت تھی' اس کا اندازہ اس طرح بھی ہوتا ہے کہ فتح مکہ میں نبی اکرم ﷺ انہیں ساتھ لئے ہوئے تھے' اور حرم پاک میں داخل ہونے والے چوتھے شخص حضرت عبداللہ تھے۔ فتح مکہ کے بعد حنین' طائف اور تبوک

کے غزوات میں انہوں نے بھر پور حصہ لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق کے عہد خلافت میں مانعین زکوٰۃ کے خلاف مہمات میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے زیر قیادت حصہ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں مختلف جنگوں میں حصہ لیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں (۲۷ھ) حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ذحات افریقہ میں حصہ لیا اس طرح ۳۰ھ میں خراسان اور بحرستان کے معرکوں میں شریک ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا نصف عرصہ آخر افراتفری اور فتنہ پردازی کا زمانہ تھا۔ حضرت عبداللہ اپنے زہد و تقویٰ اور معاملہ فہمی کی وجہ سے حضرت عثمان کے معتمد اور مخلص رفقاء میں سے تھے۔ انہوں نے حالات کا جائزہ لینے کے لئے جو کمیٹی بنائی تھی اس میں حضرت عبداللہ شریک تھے۔

شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد دارالخلافہ مدینہ اور بیرون مدینہ میں سخت ہیجان برپا تھا۔ جماعت حضرت عبداللہ کو خلیفہ بنانا چاہتی تھی۔ وہ جماعت ان کے پاس گئی اور عرض کیا کہ آپ امیر اور امیر زادے ہیں، ہم سب آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں خلافت کے لئے مسلمانوں کا قتل برداشت نہیں کرسکتا۔ ارکان جماعت نے زور دیا کہ آپ ہماری پیشکش قبول کر لیجئے۔ آپ نے فرمایا: میں ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ ارکان جماعت نے کہا کہ اگر آپ قبول نہ کریں گے تو قتل کر دیئے جائیں گے! فرمایا: مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انتشار میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ مسلمانوں کے متحارب گروہ ایک دوسرے کے خلاف صف بستہ تھے۔ جنگ جمل اور صفین کے سانحے ہوئے، حضرت عبداللہ اس عرصے میں غیر جانبدار تھے۔ ان کی خواہش تھی۔ کہ امت مسلمہ کا انتشار و اختلاف ختم ہو اور امت مسلمہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت کے بعد سات ماہ حضرت حسن خلافت پر متمکن رہے۔ ۴۱ھ میں انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری اختیار کی اور متحارب گروہوں کو باہم مربوط کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت عبداللہ نے معرکہ قسطنطنیہ میں شمولیت کی، جس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ اس معرکہ میں شریک ہوں گے وہ مغفور ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ کی سردارانہ صلاحیتوں اور فہم و تدبر کے معترف تھے۔

ان کی وفات کے بارے میں تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ حجاج بن یوسف کو ان سے کد تھی اور انہیں ختم کرانا چاہتا تھا کیونکہ حضرت عبداللہ اسے غلط اقدامات پر ٹوکتے رہتے تھے۔ علامہ شبلی کہتے ہیں۔

ایک دفعہ حجاج بن یوسف کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا، عین اسی حالت میں حضرت عبداللہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے، چنانچہ اس کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جس نے انہیں مسموم آلہ سے زخمی کیا، اور اس زخم سے بیمار ہو کر ۷۳ھ۔ ۶۹۳ء میں وفات پائی"۔

حضرت عبداللہ نے وصیت کی تھی کہ انہیں حدود حرم سے باہر دفن کیا جائے کیونکہ جس سرزمین سے ہجرت کی تھی اس میں دفن ہونا اچھا معلوم نہیں ہوتا تھا، لیکن وفات کے بعد یہ آرزو بھی حجاج نے پوری نہ ہونے دی اور جنازہ پڑھا کر "فخ" کے مقام پر دفن کر دیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فقہ و حدیث میں بلند پایہ رکھتے ہیں اور مدینہ کے ان سات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے ایک ہیں جن سے علم حدیث کی سب سے زیادہ روایات مروی ہیں۔

بخاری اور مسلم میں ان کی روایات اور مسائل بکثرت ہیں۔ ان سے مروی

روایات کی کثرت کی وجہ یہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں زیادہ وقت گزارتے تھے۔ باتوں کو غور سے سنتے اور ذہن نشین کرتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد تقریباً ساٹھ سال زندہ رہے۔ اس عرصے میں سینکڑوں افراد نے ان سے احادیث سنیں۔ مدینہ منورہ میں ان کا حلقۂ درس خاصا وسیع تھا۔

جملہ محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے سب سے زیادہ مستند ہیں اور محدثین اسے زنجیر نور (سلسلۃ الذہب) کا نام دیتے ہیں۔ یعنی اول وہ حدیث جس کی روایت امام مالک' نافع اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہو۔ دوسری وہ حدیث جس کے سلسلہ میں زہری' سالم اور عبداللہ بن عمر واقع ہوں۔ جس طرح فقہ حنفی حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایات پر مبنی ہے' اسی طرح فقہ مالکی کے موجد حضرت عبداللہ بن عمر ہیں۔ ان کی روایات پر امام مالک کا دارومدار ہے۔ حضرت عبداللہ فقہی مسائل میں نہایت محتاط تھے۔ جب تک کسی مسئلہ کے بارے میں پورا یقین نہ ہو جاتا' فتویٰ نہ دیتے تھے۔ ان کے فتاویٰ کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو سکتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے اوصاف میں خشیتِ الٰہی' زہد و تقویٰ' حق گوئی و بے باکی انفاق فی سبیل اللہ کے جذبات نمایاں تھے۔

قرآن حکیم سے خصوصی شغف تھا اور اکثر قرآن کریم پڑھتے ہوئے ان کی آنکھیں تر ہو جاتی تھی۔ جب کبھی آیت "الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ"

(کیا مومنوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل میں خشیت الٰہی پیدا ہو) پڑھتے تو بے اختیار رونے لگتے۔ ان کے فارغ اوقات کا بیشتر حصہ عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا۔ رات کا بیشتر حصہ نوافل پڑھنے میں گزارتے۔ اسی طرح عموماً

روزہ رکھتے' البتہ حالت سفر میں روزہ رکھنے سے اجتناب کرتے تھے۔ ہر سال حج کا فریضہ ادا کرتے تھے۔ اتباع سنت اور حب رسول کا جذبہ بدرجۂ اتم ان میں موجود تھا۔ ایک بار سفر میں کسی چرواہے کی بانسری کی آواز سنی تو کانوں میں اپنی انگلیاں دے لیں اور سواری کو راستے سے موڑ لیا۔ اپنے غلام نافع سے پوچھتے جاتے تھے کہ ابھی تک آواز آ رہی ہے یا نہیں۔ فرمایا: میں نے نبی اکرم ﷺ کو اس طرح عمل کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ بشیر بن سیار سے مروی ہے کہ کوئی شخص سلام کہنے میں حضرت عبداللہ پر سبقت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ میں بازار صرف اس لئے جاتا ہوں کہ مسلمانوں کو سلام کروں۔ روزمرہ معاملات میں اتباع سنت کا خاص خیال رکھتے تھے۔

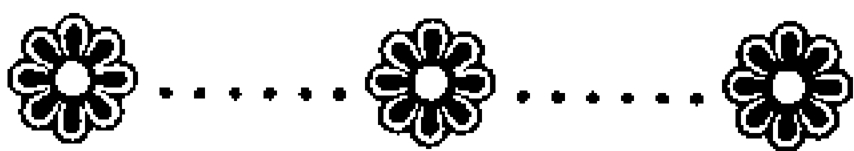
انفاق فی سبیل اللہ میں کبھی پس و پیش نہ کی' ہر حال میں سائل کی مدد کرتے تھے اور اسے واپس نہ جانے دیتے تھے۔ سادہ زندگی پر قناعت تھی۔ میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ کے پاس گیا۔ ان کے گھر کا اثاثہ اور ان کے بدن کے کپڑے سو درہم سے بھی کم قیمت کے تھے۔ دوسری مرتبہ پھر ان کے پاس گیا تو میں نے اتنا بھی نہ پایا کہ میرے لباس کے برابر ہوتا۔

حضرت عبداللہ جس بات کو حق سمجھتے تھے اس کے اظہار میں انہیں کوئی باک نہ تھا۔ اس سلسلے میں بڑے بڑوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ایک مرتبہ حجاج خطبہ دے رہا تھا اور حضرت عبداللہ دوسرے مسلمانوں کے ساتھ نماز کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ اس نے خطبہ اس قدر طویل کر دیا کہ نماز کا وقت ختم ہونے کو آ گیا۔ آپ نے توجہ دلائی لیکن اس نے خیال نہ کیا۔ انہوں نے دوبارہ کہا' پھر بھی حجاج اپنی گفتگو میں مصروف رہا۔ تیسری بار توجہ دلانے پر بھی حجاج نے پروانہ کی تو حاضرین سے دریافت کیا کہ اگر میں کھڑا ہو جاؤں تو آپ لوگ بھی کھڑے ہوں گے؟ حاضرین نے اتفاق کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر حجاج منبر سے نیچے اتر آیا۔ نماز پڑھانے کے بعد حضرت عبداللہ سے وجہ

پوچھی۔ انہوں نے فرمایا۔ "ہم لوگ نماز پڑھنے آتے ہیں، تمہاری خرافات سننے نہیں آتے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روح جب آپ کو اس حق گوئی کا مظاہرہ کرتے دیکھتی ہوگی تو یقیناً وجد میں آ جاتی ہوگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود مرد حق گو تھے۔ جھوٹی بات کہنے یا سننے کے کسی قیمت پر بھی روادار نہیں تھے۔ آپ کا رعب وداب ایک زمانے پر چھایا ہوا تھا۔ آپ حق کے پرستاروں کے لئے نرم خو اور نرم دل تھے مگر مغروروں اور تکبر کرنے والوں پر لرزہ طاری کر دیتے تھے۔ اور پھر آپ کا روحانی و علمی پس منظر بھی اس قدر قابل توقیر تھا کہ آپ اہل مدینہ ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کی آنکھوں کے تارے بن گئے تھے۔ لاکھوں سلام ہو اس محدث کبیر (حضرت عبداللہ بن عمر) جانثار رسول ﷺ پر جس نے ہر حالت میں سرور کونین ﷺ کی محبت اور چاہت کو سینے سے لگائے رکھا۔

آئینِ حق پرستاں سچائی، حق شعاری
ہر آن ان پہ نازل الطافِ ربّ باری
سرکارِ دو جہاں کے عشاقِ خاص میں تھے
اقوالِ مصطفیٰ تھے ان کے لبوں پہ جاری



چار سُو شہرہ ہے اب تک حضرت عثمان کا
نام ہر سُو گونجتا ہے جامعِ قرآن کا
آج تک جُود و سخا ہے ان کی خود اپنی مثال
تذکرہ تاریخ میں ہے ان کے ہر احسان کا

(خلیفۂ سوم)

حضرت سیّدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ

حضرت سیّدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

جانشینِ احمدِ مختار ذوالنورین ہیں
روحِ فطرت، صاحبِ کردار ذوالنورین ہیں

کر دیا محفوظ قرآن کو ہمیشہ کے لئے
سطوتِ ایمان کا اظہار ذوالنورین ہیں

نطقِ احمد سے ملی تھی جن کو جنت کی نوید
ہاں وہ دامادِ شہِ ابرار ذوالنورین ہیں

کشتِ ایماں کو دیا نم اپنے خونِ پاک سے
جانِ عرفان حلم کا شہکار ذوالنورین ہیں

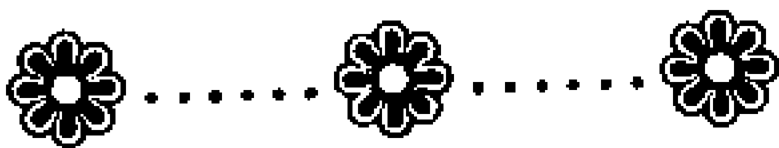
لاج پر جن کی حیا آنے لگی جبریل کو
وہ دعائے احمدِ مختار ذوالنورین ہیں

جان تو دے دی مگر ملت کو ٹکڑے نہ کیا
ملتِ اسلام کے غم خوار ذوالنورین ہیں

سرورِ کونین نے ان کو نوازا بارہا
مردِ کامل، صاحبِ اسرار ذوالنورین ہیں

ان کی عظمت کا امیں ہے ''جیشِ عسرت'' اے رضا
بحرِ حق کے گوہرِ شہوار ذوالنورین ہیں

(محمد اکرم رضا)



حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(خلیفۂ سوم)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا شمار تاریخ اسلام کے عظیم محسنوں میں ہوتا ہے۔ آپ عظمت کے جس بلند مقام پر فائز تھے وہ راتوں رات نصیب نہیں ہو جاتا اور نہ ہی یہ مقام کسی بلند حسب ونسب یا کسی بڑے قبیلے یا بہت بڑے خطے کی سربراہی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس مقام کے حصول کے لئے جان ومال کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ راہِ عزیمت میں صبر واستقلال کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔ بہت بڑی سلطنت کے امیر المومنین ہوتے ہوئے بھی راہِ حق میں اس شان سے جان کی بازی لگانی پڑتی ہے کہ یہ شہرِ مدینہ ہے یہ شہرِ رسول ﷺ ہے اسلامی سلطنت کا مستقر ہے یہاں کسی اور مسلمان کا خون نہیں بہنا چاہیے۔

وہ حضرت سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ابن عفان کہ جنہیں ملّتِ اسلامیہ نے متفقہ طور پر امیر المومنین منتخب کیا۔ آپ وہ خلیفۂ رسول (ﷺ) ہیں جنہیں بارہ برس سے زائد عرصہ تک اس عظیم الشان اسلامی سلطنت پر حکمرانی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کے دور میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ کہیں سے کہیں جا پہنچا۔ آپ نے اسلامی سلطنت کی فارغ البالی سے تمام ملّتِ اسلامیہ کو نوازا۔ آپ نے دو بار جنت خریدی۔ آپ نے دو بار دامادیٔ رسول ﷺ کا شرف حاصل کیا۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو متعدد بار ایمانی بشارتوں اور بلند ترین اخروی مراتب سے نوازا اور بار بار ان کے حق میں خوشنودی

اور پسندیدگی کا اظہار کیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ قدرت حق نے تمہیں جو حکومت کی قمیص پہنائی ہے وہ ہرگز ہرگز نہ اتارنا' اور آپ اسی حکم کی تعمیل کرتے کرتے شہادت کے بلند ترین منصب پر فائز ہو گئے۔

آپ بلاشبہ مظلومِ مدینہ ہیں' شہیدِ مدینہ ہیں۔ زمانہ آج تک آپ کی شہادت پر آنسو بہا رہا ہے کہ کیسے ممکن ہے کہ ایک اتنا بڑا حکمرانِ وقت' جس کی سلطنت کا دائرہ کئی برِّ اعظموں تک پھیلا ہو' جس سلطنت میں درجنوں صوبے ہوں اور ہر صوبے کا گورنر بار بار آپ کو امداد و تعاون کی یقین دہانی کروا رہا ہے کہ آخر اسلامی افواج کس لئے ہیں؟ اتنی بڑی فوج اپنے امیر المومنین کی جان بھی نہ بچا سکے۔ کس قدر عظیم ہے وہ خلیفۃ الرسول (ﷺ) جو اپنے انجامِ شہادت سے آگاہ بھی ہے مگر تمام تر عسکری اور فوجی قوت رکھتے ہوئے بھی اپنا مقدر باغیوں کے حوالے کر چکا ہے کہ کچھ بھی ہو جائے میں مدینہ میں مسلمانوں کا خون نہیں بہنے دوں گا۔ اپنا خون خلافتِ اسلامی کی نذر کر دیا مگر اسلامی افواج کو باغیوں کو کچلنے کی اجازت نہ دی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان عالم عرب کے امیر الامراء تھے مگر آپ کی دولت حضور ﷺ کے ارشادات کی تعمیل اور ملّتِ اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لئے وقف تھی۔ آج کا مؤرخ سوچتا ہے کہ الٰہی یہ طوفانِ الم کیسے برپا ہو گیا کہ دامادِ رسول' اسلامی مملکت کا فرمانروا' نبی کریم ﷺ کا محبوب' دنیا اور آخرت میں سرفرازی کا حق دار کس طرح باغیوں کے طوفان کی بھینٹ چڑھ گیا۔ اگرچہ یہ قضا و قدرت کے فیصلے ہیں مگر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ ابن عفان کا استقلال اور حوصلہ پہاڑوں کی بلندی اور سمندروں کی وسعت کو شرما دینے والا ہے۔

رہبرِ دیں' نورِ ایمان بالیقیں عثمان ہے
خون میں لتھڑا ہے یہ کتنا حسیں عثمان ہے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں عبد مناف پر رسول اللہ ﷺ سے مل جاتا ہے۔ ان کی والدہ اروی بنت کریز ہیں اور نانی ام حکیم البیضاء بنت عبدالمطلب' جو آنحضرت ﷺ کی سگی پھوپھی تھیں اور آنحضرت ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کی توام بہن (انساب الاشراف) ان کی کنیت ابوعمرو اور ابوعبداللہ (اور بقول بعض ابولیلیٰ بھی) تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ولادت عام الفیل کے چھ سال بعد ۵۷۶ عیسوی میں ہوئی۔ گویا وہ رسول اللہ ﷺ سے عمر میں چھ سال چھوٹے تھے۔ ان کا شمار ان معدودے چند افراد میں ہوتا ہے' جنہوں نے زمانۂ جاہلیت ہی میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بھی کتابت وحی پر مامور فرمایا۔ وہ آنحضرت ﷺ کے معتمد (سیکرٹری) کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ بڑے سلیم الفطرت تھے۔ دور جاہلیت کی کسی برائی سے ان کا دامن آلودہ نہیں ہوا۔ شرم وحیا ان کے اخلاقِ عالیہ کا طرۂ امتیاز تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اشد امتی حیاء عثمان بن عفان۔ ابن حجر الہیتمی نے "الصواعق المحرقۃ" میں اس عنوان پر بہت سی احادیث جمع کی ہیں) امتِ مسلمہ میں کامل الحیاء والایمان کے الفاظ انہیں کی شان میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ جوان ہونے پر انہوں نے معززین قریش کی طرح پیشۂ تجارت کو اپنایا اور اپنی صداقت و دیانت اور امانت وراست بازی کی بدولت تجارت میں غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ وہ مکے کے معاشرے میں ایک ممتاز ومعزز اور دولت مند تاجر کی حیثیت سے مشہور ومعروف تھے اور "غنی" کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا شمار السابقون الاولون' عشرۂ مبشرہ اور ان چھ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے' جن سے رسول اللہ ﷺ تمام زندگی خوش رہے۔

آپ کا شمار فوری طور پر ایمان لانے والے مسلمانوں میں ہوتا ہے۔ مردوں

میں آپ چوتھے مسلمان تھے۔آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ترغیب پر ایمان لائے۔ انہوں نے بڑے احسن طریق سے اسلام کی عظمتیں بیان کیں۔حضورِ اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ اور آپ کے رسولِ برحق ہونے کا ذکر کیا۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے ہی بتوں سے متنفر تھے۔سعید قسمت تھے' طبیعت بہت پاکیزہ تھی' اس لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ کا فوری اثر آپ کے دل پر ہوا اور آپ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔آپ کے گھرانے کا شمار امراء میں ہوتا تھا مگر آپ کے مسلمان ہوتے ہی آپ سے تمام سہولتیں چھین لی گئیں اور آپ پر اذیتوں اور مصائب کی بھرمار کر دی گئی۔مگر یہ تمام مظالم اور مصائب آپ کو ایمان کے راستے سے بھٹکا نہ سکے اور بالآخر آپ کے گھر والوں نے آپ کو آپ کے حال پر چھوڑ دیا۔آپ تجارت کے ہنر سے آشنا تھے۔مٹی میں ہاتھ ڈالتے تو سونا ہو جاتی۔مگر مکہ والوں نے آپ کا جینا دوبھر کر دیا۔

قبول اسلام پر شدائد و مصائب

ابن سعد نے محمد بن ابراہیم کی زبانی لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کے چچا حکم بن ابی العاص نے آپ کو پکڑ کر ایک کمرے میں بند کر دیا اور کہا: ''تم نے آبائی مذہب ترک کر کے ایک نیا مذہب اختیار کر لیا ہے' جب تک تم اس نئے مذہب کو نہیں چھوڑ دو گے میں تمہیں آزاد نہیں کروں گا (اسی طرح بند رکھوں گا)'' یہ سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا' چچا! خُدا کی قسم میں مذہب اسلام کبھی نہیں چھوڑوں گا اور اس دولت سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گا۔اس طرح حکم بن ابی العاص نے جب آپ کو اسلام پر مستحکم اور مستقل پایا تو مجبور ہو کر آپ کو قید و بند سے آزاد کر دیا۔

حضور ﷺ کو آپ سے بہت پیار تھا۔اس بناء پر آپ نے اپنی صاحبزادی

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا۔ جب مسلمانوں پر عرصۂ زندگی تنگ ہونے لگا تو آپ نے مسلمانوں کو اجازت عطا فرمائی کہ وہ حبشہ کی جانب ہجرت کر جائیں کیونکہ وہاں کا حکمران نجاشی (جو بالآخر مسلمان ہو گیا تھا) مسلمانوں کے بارے میں ہمدردانہ جذبات رکھتا ہے۔ چنانچہ بہت سے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ کو روانہ ہو گئے۔

ابویعلیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) ہی نے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی' اس پر حضرت سرور عالم ﷺ نے اس طرح دعا فرمائی کہ "اللہ تعالیٰ ان دونوں میاں بیوی کے ساتھ ہو اور حضرت لوط علیہ السلام کے بعد عثمان (رضی اللہ عنہ) ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ اللہ کے لئے ہجرت کی ہے"۔

ابن عدی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح کر کے ان سے فرمایا تھا کہ تمہارے شوہر' تمہارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے والد محمد مصطفیٰ (ﷺ) سے شکل و صورت میں بہت ہی مشابہ ہیں۔

ابن عدی اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اور عثمان رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت مشابہ ہیں۔

ابن عساکر آپ کا سراپا اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ درمیانے قد کے خوبرو شخص تھے' رنگ میں سفیدی کے ساتھ ساتھ سرخی شامل تھی' چہرے پر چیچک کے داغ تھے' داڑھی بہت گھنی تھی' جسم کی ہڈیاں چوڑی تھیں' شانے کافی پھیلے ہوئے تھے۔ پنڈلیاں بھری ہوئی تھیں' ہاتھ لمبے تھے جن پر بال کافی تھے۔ سر کے بال

گھنگھریالے تھے۔ دانت بہت خوبصورت تھے اور سونے کے تار سے بندھے ہوئے تھے۔ کنپٹیوں کے بال کانوں تک آتے تھے' زرد رنگ کا خضاب کرتے تھے۔

ابن عساکر' عبیداللہ بن خزم الحازنی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ خوبرو عورتوں اور مردوں میں کسی اور کو نہیں پایا۔ موسیٰ ابن طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بہت زیادہ حسین تھے۔

ابن عساکر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسولِ اکرم ﷺ نے مجھے ایک بادیہ گوشت کا دے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا' جب میں آپ کے گھر میں گیا تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں' میں کبھی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے چہرے کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھتا تھا۔ جب میں آپ کے گھر سے واپس آ کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا' اسامہ! تم عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کے اندر گئے تھے' میں نے عرض کیا جی ہاں! ارشاد ہوا کہ کیا تم نے ان میاں بیوی سے خوبصورت میاں بیوی دیکھتے ہیں؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کبھی نہیں۔

آپ اپنی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ کچھ عرصہ حبشہ میں رہے' اتنے میں افواہ گرم ہوگئی کہ کفارِ مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے تو کئی دوسرے مسلمانوں کے ساتھ یہ دونوں میاں بیوی بھی مکے آ گئے مگر یہاں آ کر معلوم ہوا کہ یہ محض افواہ تھی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا' مگر پھر بھی یہ مکہ ہی میں ٹھہر گئے۔ حضور ﷺ کو ان سے اتنی محبت تھی کہ پہلی ہجرت حبشہ کے بعد ان کی خیر و عافیت معلوم نہ ہوئی تو حضور ﷺ پریشان ہوگئے اور مکہ سے باہر نکل کر لوگوں سے ان کا حال پوچھتے۔ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حبشہ ہی میں تھیں کہ ان کی پیاری امی جان ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا جس کی انہیں دیر بعد خبر ہوئی۔ اسی دوران انہیں خُدا نے فرزند عطا کیا

جس کا نام انہوں نے عبداللہ رکھا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی تو کچھ عرصہ کے بعد آپ نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو بھی مدینے بلا لیا۔ آپ کو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دو ہجرتوں کا ثواب عطا ہوا۔ ایک حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ منورہ کی طرف۔ مدینہ منورہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت اوس رضی اللہ عنہ بن ثابت انصاری کے مکان میں قیام فرمایا۔ ان کا تعلق بھی بنو نجار سے تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے مستقل قیام کے لئے حضرت ابوایوب انصاری کے مکان کے پاس رہنے کو قیام گاہ کا بندوبست ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صرف مالدار ہی نہیں تھے بلکہ بہت فیاض بھی تھے' اس لئے انہوں نے اپنی اہلیہ کو بڑے آرام و سکون سے رکھا۔ جب غزوۂ بدر پیش آیا تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو سخت بخار نے آلیا۔ حضور نبی کریم ﷺ ان کی خبر گیری کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید کو مدینہ منورہ ہی میں چھوڑ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے آپ نے فرمایا کہ تمہیں اس شخص کے برابر ثواب ملے گا جس نے بدر کے غزوہ میں حصہ لیا' اور مالِ غنیمت میں بھی حصہ لگایا' مگر تقدیر کا فیصلہ دیکھئے کہ جب قاصد غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی عظیم الشان فتح کی خبر لے کر مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی تدفین ہو رہی تھی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر موجود تھے۔

سر چشمۂ انعام و عطا حضرت عثمانؓ
دریائے کرمؑ بابِ سخا حضرت عثمانؓ
شرماتے ہیں قدسی بھی جس انساں کی حیا سے
لاریب ہیں وہ نورِ ہدیٰ حضرت عثمانؓ

جب خلیفہ دوم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح کسی کو خلیفہ نامزد نہ کیا بلکہ چھ معتبر صحابہ رضی اللہ عنہم پر مشتمل مجلسِ شوریٰ بنادی کہ انہی میں سے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کیا جائے گا۔ ان کے اسمائے گرامی تھے۔ حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد، حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم اجمعین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے تین دن بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی گئی۔ کہتے ہیں کہ اس عرصہ میں لوگ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف سے مشورے کرتے رہے اور آپ کے پاس آتے جاتے رہے، جو صائب الرائے شخص تخلیہ میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف سے مشورہ کرتا وہ یہی رائے دیتا کہ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملنی چاہیے (خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کو ہونا چاہیے) آخر کار حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف بیعت لینے کے لئے بیٹھے اور حمد و ثناء کے بعد آپ نے فرمایا کہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کے سوا کسی اور کی بیعت پر راضی نہیں ہیں۔

(ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ)

ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے حمد و صلوٰۃ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ! میں نے تمام لوگوں کی رائے معلوم کرلی ہے، سب کی رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے ہے، اب آپ اپنے لئے کوئی کاروائی نہ کیجئے۔ آپ نے یہ کہہ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دست مبارک پکڑ کر کہا کہ میں آپ سے سنت اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور ہر دو خلفاء راشدین کی سنت پر بیعت کرتا ہوں اس طرح پہلے آپ نے بیعت کی اور پھر تمام مہاجرین وانصار نے آپ سے بیعت کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات سے ایک

ساعت قبل حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ انصاری کو بلا کر فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ ابھی کسی جگہ اصحاب شوریٰ (برائے انتخاب خلیفہ) جمع ہونے والے ہیں' تم پچاس آدمی لے کر اس مکان کے دروازے پر پہنچ جاؤ جہاں یہ لوگ جمع ہوں اور تا وقت یہ کہ وہ لوگ کسی کو خلیفہ منتخب نہ کر لیں تم برابر وہیں موجود رہنا۔ (ابن ماجہ)

مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں حضرت ابی وائل سے اس طرح روایت بیان کی گئی ہے کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف سے دریافت کیا کہ تم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کیوں کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کیوں چھوڑ دیا' ان سے بیعت کیوں نہیں کی؟ تو آپ نے جواب دیا کہ اس میں میرا کچھ قصور نہیں! میں نے تو اولاً حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے کہا کہ میں آپ سے کتاب اللہ' سنت رسول اللہ ﷺ' اور سنت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ پر بیعت کرتا ہوں تو انہوں نے فرمایا کہ مجھ میں اس کی استطاعت نہیں ہے۔ پھر میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہی باتیں کہیں تو انہوں نے جواب دیا: بہت اچھا (یعنی ان کو قبول کر لیا)

ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے تخلیہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں آپ کی بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس سے بیعت کرنے کا مشورہ دیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ علی (رضی اللہ عنہ) سے۔ پھر میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح تخلیہ میں کہا کہ اگر میں آپ سے بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس سے بیعت کرنے کا مشورہ دیں گے تو انہوں نے کہا کہ عثمان رضی اللہ عنہ سے! میں نے اسی طرح حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا کہ اگر میں آپ سے بیعت نہ کروں تو آپ مجھے علی رضی اللہ عنہ یا عثمان رضی اللہ عنہ میں سے کس سے بیعت کرنے کا مشورہ دیں گے۔ انہوں نے کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے' پھر میں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا کہ میرا اور آپ کا ارادہ تو خلافت کرنے کا ہے نہیں لیکن آپ مجھے کس سے بیعت

کرنے کا مشورہ دیتے ہیں' تو انہوں نے فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے! اس کے بعد میں نے تمام اصحاب اور اعیان سے مشورہ کیا تو اکثریت کی رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف پائی۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی گئی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارا موجودہ امیر دیگر تمام لوگوں سے بہتر ہے۔ ہم آپ کی پیروی اور حکم کی بجا آوری میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کی خلافت کے فیصلہ سے بالکل مطمئن تھے اور آپ نے بخوشی ان کی بیعت فرمائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تمام عرصہ حکومت میں ہر اس حکم کو بجالائے جس کی طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا۔ تمام تواریخ کے مطالعہ سے ہمیں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے نظر آئے کہ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان کے کسی حکم کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گہری قرابتداری بھی تھی۔ پرانی رشتہ داریوں سے قطع نظر دونوں ہی دامادِ رسول ﷺ تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر مشکل وقت آیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو صدقِ دل سے امتِ اسلام کے جذبات سے آگاہ کیا اور جب باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کا محاصرہ کرلیا تو انہوں نے مکان کی چھت سے کہا: "علی (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں؟ کیا وہ ہمیں پانی نہیں پلائیں گے" تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً پانی کے مشکیزے اپنے صاحبزادوں کے ساتھ بھیج دیئے اور مزید ہاشمیوں کو بھی ادھر روانہ کیا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ پہرہ دے رہے تھے۔ باغی ڈر گئے کہ اگر ہمارے سے ہاشمیوں کو نقصان پہنچا تو وہ ہمارا محاصرہ کر کے ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں گے۔ اس لئے انہوں نے جلدی کی اور پچھواڑے سے

داخل ہوئے اور آپ کو شہید کر دیا۔ ہاشمی شہزادے پہرہ ہی دیتے رہ گئے۔ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کئی خُدام مکان کی چھت پر موجود تھے مگر باغی اپنا کام کر گئے۔ انہوں نے تلوار کا وار کیا تو حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان پر لیٹ گئیں۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گرا کر شہید کر لیا۔ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کے ایک ہاتھ کی تین انگلیاں کٹ گئیں۔ پہرہ دینے والوں کو تو تب معلوم ہوا جب حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی فریاد کرتی ہوئی آواز گونجی۔

"لوگو! تمہارے امیر المومنین شہید ہو گئے"۔

تفصیلات آگے آئیں گی یہاں فقط یہ بتلانا مقصود تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخاب سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں کوئی شکر رنجی پیدا نہیں ہوئی۔ خلافت کسی کا پیدائشی، خاندانی یا پشتینی حق نہیں ہے بلکہ یہ تو آزمائش گاہ ہے کہ کون یہاں سے سرخرو ہو کر نکلتا ہے۔ اسی لئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب خلافت کی ذمہ داریوں اور جواب دہی کا احساس کر کے لرزا کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے تعلقات کا یہ عالم تھا کہ ان کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کثرت سے ملاقات ہوتی رہتی تھی، کبھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قیام گاہ پر احتجاج وشکایت کرنے آجاتے اور کبھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر عیادت، احتجاج، شکایت یا تالیف قلب کے لئے چلے جاتے۔ محاصرے کے بعد یہ رابطہ ٹوٹ گیا۔ محاصرہ سخت ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ خط لکھا۔

"واضح ہو کہ باڑے کا پانی ٹیلے تک پہنچ گیا ہے اور (اونٹ کے بالان کا) تسمہ تھنوں کے پیچھے جا پڑا ہے۔ لوگ مجھے مارنے کے درپے ہیں۔ جو اپنی حفاظت سے قاصر تھے۔ وانلث لم یعجز علیك كعاجز ضعيف ولم يغلبلث مثل مغلب شریفوں کے لئے گھٹیا اور ادنیٰ لوگوں سے نمٹنا اور عہدہ برآ ہونا بے حد مشکل ہوتا ہے۔

میرے پاس آ جاؤ۔

مجھے بچالو اس سے پہلے کہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔

اس مکتوب سے سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کا سیّدنا علی حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ پر بے پناہ اعتماد ظاہر ہوتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔

جو سنت و کتاب سے لیتا ہے روشنی
وہ صاحبِ نصاب لقب' جس کا ہے "غنی"
ہے جس کے بارے میں یہ تو بالاتفاق طے
ہر حال میں وہ ایک حیا دار شخص ہے
حاضر نہیں ہے بیعتِ رضواں میں گو مگر
رکھتا ہے ہاتھ اُس کا رسول اپنے ہاتھ پر

اوّلیاتِ عثمان رضی اللہ عنہ

آپ ہی نے سب سے اول پولیس اور اس کے عہدے دار مقرر فرمائے۔ آپ ہی نے سب سے اول مسجد میں اپنے لئے ایک مقصورہ تعمیر کرایا تاکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی صعوبت پیش نہ آئے (کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسجد میں محراب امام میں خنجر سے زخمی کیا گیا تھا)

سب سے پہلے آپ ہی کی خلافت پر اختلاف پیدا ہوا اور بعض کو بعض نے برا سمجھا ورنہ آپ سے پہلے صرف فقہی مسائل میں اختلاف ہوتا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ ایک دوسرے کو برا نہ سمجھا جاتا تھا۔ (اس روایت کو صرف عسکری نے بیان کیا ہے)

آپ کے بعض اولیات اور بھی ہیں (جو مؤرخین نے ذکر نہیں کیے) مثلاً آپ ہی نے سب سے پہلے مع اہل و عیال کے راہ خُدا میں ہجرت فرمائی۔ آپ ہی نے تمام

مسلمانوں کو سب سے اول ایک ہی قرأتِ قرآن پر جمع فرمایا۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ، حکیم بن عباد ابن حنیف سے روایت کرتے ہیں کہ اولاً آپ ہی کے زمانے میں غنیمت کے مال و متاع کی اتنی کثرت ہوئی کہ لوگ فکرِ معاش سے بے فکر ہو کر کبوتر اڑانے اور غلیل چلانے میں مصروف رہنے لگے۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو اس کام سے روکنے کے لئے بنی لیث کے ایک شخص کا اپنی خلافت کے آٹھویں سال تقرر فرمایا جس نے کبوتروں کو پر قینچ کر دیا اور غلیلوں کو توڑ ڈالا۔

اس سال ملکِ روم کا ایک وسیع رقبہ فتح کر لیا گیا۔ اسی سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کو بھیج دیا۔

۲۵ء میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بھی کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ ایک صحابی حضرت ولید بن عقبہ بن ابی محیط کو (جو آپ کی ماں کی طرف سے بھائی تھے) مقرر کر دیا۔ یہ آپ پر اقربا نوازی کے الزامات عائد ہونے کی ابتداء تھی۔

۲۶ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ مکانات خرید کر مسجد حرام کو مزید وسیع بنایا، اسی سال شہر سابور فتح ہوا۔

۲۷ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جہاز کے ذریعہ لشکر لے جا کر قبرص پر حملہ کیا، اس لشکر میں (مشہور صحابی) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اپنی بیوی ام حرام بنت ملحان انصاریہ کے ساتھ موجود تھے، آپ کی بیوی بار بردار جانور سے گر گئیں اور اسی صدمہ سے ان کا انتقال ہو گیا اور ان کو وہیں (قبرص میں) دفن کر دیا۔ اس لشکر کے متعلق حضور ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ اس لشکر میں عبادہ رضی اللہ عنہ کی بیوی بھی ہوگی اور اس کی قبر قبرص ہی میں بنے گی۔ (چنانچہ پیشگوئی پوری ہوئی) اسی

سال جرجان اور دارالجبرود فتح ہوئے۔ اسی سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو مصر کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کیا' انہوں نے مصر پہنچ کر افریقہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے تمام مملکت کو ممالک محروسہ میں شامل کر لیا۔ اس جنگ میں اس قدر مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا کہ ہر سپاہی کو ایک ایک ہزار دینار اور بقول بعض تین تین ہزار دینار ملے۔ اس عظیم فتح کے بعد اسی سال ملکِ اندلس (اسپین' ہسپانیہ) بھی فتح ہو گیا۔

عسکری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اوائل'' میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے لوگوں کے لئے جاگیریں مقرر فرمائیں۔ آپ نے جانوروں کے لئے چراگاہیں قائم کیں' آپ ہی نے حکم دیا کہ تکبیر میں آواز نیچی رکھیں۔ (اذان کی طرح آواز بلند نہ ہو) مسجدوں میں نجورات جلانے کو رواج دیا جس میں زعفران کی آمیزش ہوتی تھی۔ جمعہ کے دن اذانِ اوّل دینے کا حکم صادر فرمایا۔ مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر فرمائیں۔ ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ بیعت لینے کے بعد جب آپ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ سے تقریر نہ ہو سکی۔ بس اتنا فرمایا' لوگو! اول مرتبہ گھوڑے پر سوار ہونا بہت مشکل ہوتا ہے' آج کے دن کے بعد بہت سے دن آئیں گے' اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ تمہارے سامنے ضرور خطبہ دوں گا۔ ہمارے خاندان میں لوگ خطیب نہیں ہوئے ہیں۔ میں جیسا کچھ ہوں تمہارے سامنے آ جائے گا۔

آپ ہی نے سب سے اول لوگوں کو خود زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے آپ ہی وہ فرد ہیں جو اپنی والدہ کی حیات میں خلیفہ منتخب ہوئے۔ سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ۔ جو خلافتِ عثمان رضی اللہ عنہ میں سرانجام پایا' وہ عالمِ اسلام کو ایک مصحف اور قرأت پر جمع کرنا تھا۔ قرآن مجید کو لکھوا کر تمام ممالکِ اسلامیہ میں شائع کرنا اور ایک ہی قرأت پر سارے عالم کو سلام کو متفق کر دینا خلافتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مہتمم

بالشان واقعہ ہے۔ابن حجر الہیتمی لکھتے ہیں۔انما تمیز عثمان بجمع القرآن فی المصحف علی ترتیبه الیوم (الصواعق المحرقہ) یہی وہ شاندار کارنامہ ہے جس کی بناء پران کا لقب 'جامع القرآن' امت میں مشہور ہوا۔ابن کثیر لکھتے ہیں۔''ومن مناقبة الکبار وحسناته العظیمة انه اجمع الناس علی قراءة واحدة''

روایات کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ مصحف کی سات نقلیں کروائیں اور مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' شام' یمن' بحرین' بصرے اور کوفے میں ایک ایک نسخہ محفوظ کیا گیا (جمع قرآن مجید کی پوری تفصیل صحیح البخاری اور فتح الباری ابواب جمع قرآن میں موجود ہے) مصحفِ عثمانی کے مندرجہ بالا نسخوں میں سے اس وقت چار نسخے دنیا میں محفوظ ہیں۔(۱) حجرۂ نبوی کا نسخہ (۲) خزانۂ آثار نبویہ' استانبول (۳) کتاب خانۂ مصریہ (۴) کتاب خانۂ ماسکو

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کئی بار درخواست کی تھی کہ قبرص پر سمندری راستے سے لشکر کشی کی اجازت دی جائے' لیکن آپ ہمیشہ انکار کر دیا کرتے تھے۔جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اصرار حد سے بڑھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عاص سے دریافت کیا کہ تم سمندر اور بادبانی جہازوں کا تفصیلی حال معلوم کر کے مجھے روانہ کرو۔انہوں نے تحقیق کے بعد لکھا کہ میں نے اس سواری کو دیکھا۔یہ جہاز ایک بڑی مخلوق ہے' جس پر چھوٹی مخلوق سوار ہوتی ہے' اس سواری کے ٹھہر جانے پر سواروں کے دل پھٹنے لگتے ہیں اور اس کی رفتار پر عقل و فہم تک خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔اس میں خوبیاں کم ہیں اور خرابیاں زیادہ۔اس پر سوار ہونے والوں کی حیثیت کیڑے مکوڑوں سے زیادہ نہیں ہے۔اگر یہ سواری ٹیڑھی ہو جائے (ایک طرف کو جھک جائے) تو سوار ڈوب جاتے ہیں' بصورتِ دیگر خوف سے کانپتے ہوئے ساحل تک پہنچتے ہیں۔حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے اس معروضہ کو پڑھ کر حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: "خدا کی قسم میں مسلمانوں کو ایسی سواری پر سوار کرا کے انہیں مصائب میں مبتلا نہیں کروں گا"۔

ابن جریر (طبری) کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بحری راستے سے قبرص پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا اور جزیہ لینے کی شرط منظور کر لی۔

۲۹ھ میں اصطخر' فسا اور ان کے علاوہ بعض دیگر ممالک بھی فتح ہوئے۔

شورش کے اسباب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بارہ سال خلافت کی' شروع کے چھ سال میں لوگوں کے ساتھ آپ کی روش اس قسم کی تھی کہ کسی کو کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی' بلکہ وہ ان برسوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ قریش میں مقبول اور محبوب تھے' کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں قدرے سختی تھی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں اس سختی کا وجود بھی نہ تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت پر فائز ہوتے ہی ان کے حال پر مہربانیاں فرمانے لگے۔ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا اور ان کو سزا دینے میں جلدی سے کام نہیں لیا' لیکن چھ سال بعد آپ نے اپنے کچھ اہل رشتہ داروں کو گورنری کے عہدے دیئے اور اپنے اقربا کے ساتھ بہت زیادہ فیاضانہ سلوک اور مہربانیاں کرنے لگے اور اس سلسلے میں یہ توجیہہ کی کہ میں خداوند تعالیٰ کے حکم کے بموجب صلۂ رحمی سے کام لیتا ہوں۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے زہری کے حوالے سے لکھا ہے کہ میں نے سعید بن مسیّب سے پوچھا کہ آپ بتائیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کیوں واقع ہوئی۔ لوگوں کے طور طریقے کیا تھے اور آپ کا عوام کے ساتھ رویہ کیسا تھا اور کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا؟ انہوں نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کیے

گئے اور جنہوں نے آپ کو قتل کیا' وہ ظالم تھے اور جنہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا' وہ معذور و مجبور تھے۔ یہ سن کر میں نے ان سے کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناگوار گزرا تھا' کیونکہ آپ اپنے اعزاہ اور رشتہ داروں سے محبت کرتے تھے۔

آپ نے بارہ سال خلافت کی' ان بارہ سال میں پہلے چھ سال میں آپ نے کسی اموی کو حاکم و والی نہیں بنایا' بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہی حاکم رہے اور آپ نے کسی کو معزول نہیں کیا اور ہمیشہ ان کی تالیفِ قلوب کرتے رہے۔ چھ برس کے بعد آپ نے اپنے چچا کی اولاد کو والی بنانا شروع کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر ان کو ترجیح دے کر گورنر بنایا' حالانکہ یہ بھی ہے کہ تقرری کے وقت آپ ان کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی برابر تاکید کیا کرتے تھے۔ آپ نے عبداللہ ابن سرح کو مصر کا والی مقرر کیا۔ ابھی ان کے تقرر کو دو سال ہی گذرے تھے کہ مصریوں کو ان سے شکایات پیدا ہو گئیں اور انہوں نے چاہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان شکایات کا ازالہ کر دیں۔ اس سے قبل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر سے شکایات پیدا ہو گئی تھیں' کیونکہ بنو ہذیل اور بنو زہرہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کے خلاف اور بنو غفار اور ان کے حلیفوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے خلاف اور بنو مخزوم نے حضرت حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کے خلاف آپ سے شکایات کی تھیں اور یہ تمام قبیلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بدظن ہو چکے تھے۔ اب اہلِ مصر نے ابن ابی سرح کی آ کر شکایتیں کیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ اپنے لئے عامل اور والی خود ہی مقرر کر لیں' میں عبداللہ ابن ابی سرح کو معزول کر کے اس کا تقرر کہیں اور کر دوں گا۔ چنانچہ مصری وفد نے کہا کہ آپ محمد ابن ابوبکر کو مقرر فرما دیجئے۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے

محمد بن ابوبکر کی تقرری اور عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کرنے کا فرمان جاری کر دیا۔ کچھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (مہاجرین و انصار) بھی محمد بن ابوبکر کے ساتھ مصر کو روانہ ہوئے تاکہ بچشم خود وہاں کے حالات کا جائزہ لیں' چنانچہ یہ لوگ ایک قافلہ کی صورت میں مدینہ سے مصر روانہ ہوئے۔

محاصرہ

لیکن یہ قافلہ راستے ہی میں تھا کہ ایسی سازشوں نے جنم لیا کہ یہ لوگ واپس آ گئے اور ان کے واپس آنے کی وجہ وہ خط تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایک حبشی غلام سے اس قافلہ والوں کو ملا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ' حضرت سعد رضی اللہ عنہ' حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور چند دوسرے اصحابِ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو سب کے سب بدری تھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اور آپ سے بحث و تکرار کے ذریعہ صورتِ حال کی وضاحت چاہی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور یہ اونٹنی آپ کی ہے؟ آپ نے جواب دیا: ہاں میری ہے۔ پھر خط دکھا کر فرمایا کیا آپ نے یہ خط لکھا ہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں' خدا کی قسم میں نے یہ نامہ تحریر نہیں کیا' نہ میں نے اس کے لکھنے کا حکم دیا اور نہ اس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم ہے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس خط پر جو مہر ہے کیا وہ آپ کی ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں یہ میری ہی مہر ہے' اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بڑے تعجب کی بات ہے کہ غلام آپ کا ہے' اونٹنی آپ کی ہے اور خط پر مہر بھی آپ کی ہے اور اس پر آپ فرماتے ہیں کہ آپ کو کچھ نہیں معلوم' آپ نے پھر قسم کھائی کہ واللہ نہ اس خط کو میں نے لکھا' نہ کسی سے لکھوایا' نہ میں نے یہ خط اس غلام کو دے کر اسے مصر کی طرف روانہ کیا۔ اس کے بعد کچھ لوگوں نے

مروان پر شبہ کا اظہار کیا۔ چونکہ مروان آپ ہی کے پاس مقیم تھا' لوگوں نے مطالبہ کیا کہ آپ مروان کو ہمارے حوالے کر دیں مگر آپ نے ثبوت کے بغیر اسے دینے سے انکار فرما دیا' آپ کے اس انکار پر لوگوں کو سخت غصہ آیا اور اسی غصے کی حالت میں سب وہاں سے اٹھ کر چلے آئے' کچھ لوگ اب بھی یہی کہہ رہے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جھوٹی قسم نہیں کھا سکتے۔ بعض نے کہا' لیکن وہ اس وقت تک شک سے بری بھی نہیں ہو سکتے' جب تک وہ مروان کو ہمارے حوالے نہ کر دیں اور ہم اس سے تحقیق نہ کر لیں' اگر یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ خط انہوں نے لکھا ہے تو ہم ان کو معزول کر دیں گے اور اگر یہ معلوم ہوا کہ یہ خط مروان نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے لکھا تھا تو ہم مروان کو اس کی سزا دیں گے۔ معاملہ اس حد تک پہنچ جانے پر اور یہ رخ اختیار کرنے کے بعد بھی محاصرہ ختم نہیں ہوا' ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خطرہ لاحق تھا کہ اگر مروان کو ان لوگوں کے سپرد کر دیا گیا تو وہ غیظ و غضب میں اسے قتل کر دیں گے۔

پانی کی بندش

عبداللہ بن سبا یہودی تھا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کیلئے بظاہر مسلمان ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے جیسے اور فتنہ پرور لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر مملکت کے مختلف صوبوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عمال کو بدنام کرنا اور صوبوں میں انتشار پھیلانا شروع کر دیا۔ اس طرح کافی لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دوسرے عمال کے خلاف ایک رائے عامہ ہموار کرنا شروع کر دی اور حکومت کے اندر بھی ایسے افراد تلاش کر لئے جو ان کے لئے کام کرتے۔ یہ جعلی خطوط اور مہریں اکثر ان کی کاروائی ہو گی۔ یہ سازشی تحریک قدرے پروان چڑھی تو منصوبہ کے تحت انہوں نے حج کے دنوں میں مدینہ شریف جا کر اس کو گھیرے میں لے لیا۔ پہلے پہل اپنے

الزامات کا پروپیگنڈا کیا اور پھر ان بلوائیوں نے بظاہر مدینہ کا کنٹرول سنبھال لیا۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ اسلامی فوجیں دوسرے صوبوں سے مدینہ پہنچ رہی ہیں تو لوگوں نے محاصرہ اور سخت کر دیا' یہاں تک کہ آپ پر پانی بھی بند کر دیا گیا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کھڑکی سے جھانک کر کہا: لوگو! تم میں علی (رضی اللہ عنہ) موجود ہیں؟ لوگوں نے کہا: نہیں' کوئی شخص علی (رضی اللہ عنہ) سے جا کر کہہ دے کہ وہ ہم کو پانی فراہم کر دیں۔ یہ خبر حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچ گئی اور آپ نے پانی سے بھرے ہوئے تین مشکیزے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیئے' لیکن یہ پانی ان تک سخت جدوجہد کے بعد پہنچا اور اس کے باعث بنی ہاشم اور بنی امیہ کے چند لوگ زخمی بھی ہو گئے۔ اس بات سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اندازہ ہو گیا کہ لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے درپے ہیں۔

فرزندانِ علی اور فرزندانِ طلحہ وزبیر کا پہرہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے' پس آپ نے اپنے صاحبزادوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنی تلواریں لے کر جاؤ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہرے دار کی طرح چوکس اور ہوشیار کھڑے رہو' کسی بلوائی کو اندر نہ جانے دینا۔ اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اصحابِ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ جاؤ اور لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کرنے سے روکو اور مروان کو باہر نہ لانے دو' یہ سب برابر ان کی حفاظت کرتے رہے۔ یہ دیکھ کر کہ دروازے پر ایسا پہرہ ہے کہ اندر پہنچنا مشکل ہے بلوائیوں نے تیر چلانا شروع کر دیئے' لیکن ایک تیر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے جا لگا جو دروازہ کے پہرے پر موجود تھے اور آپ زخمی ہو گئے ایک تیر مروان کے بھی لگا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود تھا۔ محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ

بھی زخمی ہوئے' نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کا غلام بھی ایک تیر سے زخمی ہوا' اس طرح جب یہ لوگ زخمی ہوئے تو بلوائیوں کو خوف لاحق ہوا کہ حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کو زخمی دیکھ کر کہیں بنی ہاشم نہ بگڑ جائیں اور ایک نئی مصیبت نہ پیدا ہو جائے' پس انہوں نے دو آدمیوں کے ہاتھ پکڑے اور ان سے کہا کہ اگر اس وقت بنو ہاشم آ گئے اور انہوں نے امام حسن رضی اللہ عنہ کو زخمی دیکھ لیا تو وہ عثمان رضی اللہ عنہ کو بھول جائیں گے اور الٹے ہم سے الجھ پڑیں گے اور ہمارا منصوبہ برباد ہو جائے گا۔ پس چپکے سے یہاں سے چلے چلو اور ہم دوسرے گھر میں پہنچ کر (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کے گھر میں کود پڑیں اور انہیں قتل کر دیں' اس طرح باہر کے لوگوں کو خبر بھی نہیں ہو گی۔ محمد بن ابوبکر بلوائی انصاری کے مکان سے ہو کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں پہنچ گئے اور کسی کو بھی خبر نہ ہوئی کیونکہ گھر میں جو دوسرے لوگ موجود تھے' وہ سب چھت پر تھے' نیچے صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ معہ اپنی اہلیہ کے موجود تھے۔ محمد بن ابوبکر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ پہلے میں جاتا ہوں اور (حضرت) عثمان (رضی اللہ عنہ) کو قابو میں کرتا ہوں جب میں ان پر قابو کر لوں تو تم ایک دم حملہ کر کے قتل کر دینا۔ یہ منصوبہ بنا کر محمد بن ابوبکر یکبارگی اندر پہنچ گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی داڑھی پکڑ لی۔ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ اگر تیرا باپ تجھے یہ حرکت کرتے دیکھ لیتے تو کیا کہتے! یہ سن کر محمد بن ابوبکر نے ان کی داڑھی چھوڑ دی اور واپس چلے گئے۔ لیکن اس عرصے میں بلوائی اندر پہنچ چکے تھے۔ وہ آپ کی طرف جھپٹے اور آن کی آن میں آپ کو قتل کر ڈالا اور جس راستے سے یہ لوگ آئے تھے اسی راستے سے واپس ہو گئے۔

تاریخ شہادت اور عمر شریف

۳۵ھ ماہ ذی الحجہ کے ایام تشریق میں آپ کی شہادت واقع ہوئی۔ بعض کہتے

ہیں کہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ یوم جمعہ کو آپ نے شہادت پائی اور شنبہ کی شب کو مابین مغرب وعشاء آپ کو حش کوکب کے مقام پر جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ بعض کا قول ہے کہ آپ بروز چہار شنبہ اور بقول بعض دوشنبہ چوبیس ذی الحجہ شہید کئے گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے المناک تاثرات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حملے کے دوران میں آپ کی زوجہ محترمہ نے بہت کچھ شور کیا' لیکن ادھر ادھر اس قدر شور برپا تھا کہ آپ کی چیخ پکار کوئی نہ سن سکا۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد وہ بالا خانے پر پہنچیں اور بلند آواز سے کہا: لوگو! امیر المومنین کو شہید کر دیا گیا۔ لوگوں نے جب اندر آ کر دیکھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دم توڑ چکے تھے۔ آپ کی شہادت کی اطلاع حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت سعد رضی اللہ عنہم اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلِ مدینہ کو ملی تو ان سب کے ہوش اڑ گئے۔ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے گھر میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جاں بحق ہو چکے ہیں۔ آپ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور اپنے فرزندوں سے فرمایا کہ جب تم دروازے پر موجود تھے تو امیر المومنین کس طرح قتل کر دیئے گئے۔ غصہ سے آپ نے ایک طمانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اور ایک گھونسہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا اور محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی برا بھلا کہا۔ آپ نے سخت غصہ اور اشتعال کی حالت میں فرمایا: میں عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بری ہوں''۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا: ''لوگو! واجب ہے کہ اس بداعمالی پر کوہ احد پھٹے اور تم پر گرے''۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب تک زندہ تھے خدا کی تلوار نیام میں تھی' آج اس شہادت کے بعد یہ تلوار نیام سے نکلے گی اور یہ قیامت تک کھلی رہے گی''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

خون کا بھی مطالبہ نہ کیا جاتا' تو لوگوں پر آسمان سے پتھر برستے''۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''قتل عثمان رضی اللہ عنہ کا رخنہ قیامت تک بند نہیں ہوگا اور خلافتِ اسلامی مدینے سے اس طرح نکلے گی کہ وہ قیامت تک کبھی مدینے میں واپس نہیں آئے گی''۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے شہادت کی خبر سنی' ان کی زبان سے بے اختیارا چند دردناک اشعار نکلے' جن کا ترجمہ یہ ہے۔

''آپ نے اپنے دونوں ہاتھ باندھ لئے اور اپنا دروازہ بند کرلیا اور اپنے دل سے کہا۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ دشمنوں کے ساتھ لڑائی مت کرو۔ آج جو شخص میرے لئے جنگ نہ کرے' وہ خدا کی امان میں رہے۔ اے دیکھنے والے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے آپس کا میل محبت کس طرح ختم ہوا' اور خدا نے اس کی جگہ بغض و عداوت مسلط کر دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بھلائی مسلمانوں سے اس طرح دور نکلے گی جس طرح تیز آندھیاں آتی ہیں اور چلی جاتی ہیں''۔

آپ کی شہادت کے دُوررس نتائج

شہادتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر آناً فاناً تمام ملک میں پھیل گئی۔ اس وقت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہا نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا کہ بعد کے تمام واقعات صرف اسی ایک جملے کی تفصیل ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا! عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے اسلام میں ایک ایسا رخنہ پڑ گیا ہے کہ اب وہ قیامت تک بند نہیں ہوگا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود کرتہ اور حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ گورنر شام کو جو بنی امیہ کے ممتاز ترین فرد تھے' بھیج دی گئیں۔ جب یہ کرتہ مجمع میں کھولا گیا تو حشر برپا ہو گیا اور انتقام انتقام کی صداؤں سے فضا گونج اٹھی۔ بنی امیہ کے

تمام اراکین، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو گئے۔ یہاں یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بلکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد امویوں اور عباسیوں کی خلافت کے آخر تک جس قدر بھی واقعات پیش آئے، ان میں ہر جگہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا اثر برابر موجود ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس سے تاریخ اسلام کا رُخ پلٹ گیا۔ جو کچھ جنگ جمل میں ہوا، وہ بھی یہی تھا اور جو کچھ کربلا میں پیش آیا، وہ بھی یہی تھا۔ اور جو کچھ اس کے بعد امویوں اور عباسیوں نے کیا وہ اسی ایک ظلم یا گمراہی کے لازمی اور منطقی نتائج تھے۔ شہادتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بنی امیہ اور بنی ہاشم کی خاندانی رقابتوں کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھی، اور اسلام کے قدموں نے جو بجلی کی رفتار سے کائنات عالم کی اصلاح کے لئے اٹھ رہے تھے، ایک ایسی ٹھوکر لگائی کہ بگڑے ہوئے حالات پھر درست نہ ہو سکے۔

شاعر دربارِ رسالت حضرت حسّان بن ثابت کا مرثیہ

شاعر دربار رسالت حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی توصیف و مدح کرتے ہوئے شہادت پر آنسو بہاتے ہیں اور قاتلین کی ہجو کرتے ہیں۔

ترجمہ تم نے جہادِ عظیم کو پسِ پشت ڈالا اور یہاں آ کر محمد ﷺ کی قبر کے نزدیک ہم سے لڑنے لگے۔

مسلمانوں کا یہ بدترین طریق رہبری کس قدر افسوس ناک ہے اور قصد و ارادہ کے ساتھ قتل کرنے والا کس قدر بدکار ہے۔ تم نے مدینہ کے اردگرد آگے بڑھنے کا ارادہ کیا تو ہم نے نرم چراگاہوں کی زمینوں کو تمہارے تیروں کا مہمان خانہ بنایا اور ہم نے پشت پھیری تو یقیناً تمہارا یہ سفر بدترین سفر ہے اور تمہارے گمراہ امیر کا امتثال امر نہایت بدنما ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب گویا قربانیاں ہیں، جو مسجد نبوی کے

دروازے پر شام کے وقت ذبح کر دیئے جاتے ہیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ عظیم ہیں جو دورِ ابتلا سے خوب گزرے اور شام کو بقیع الغرقد میں جا سوئے۔

نیز دوسرے مرثیہ میں فرماتے ہیں۔

ابن اروی کا گھران سے آج خالی پڑا ہے۔ کوئی دروازہ ٹوٹا ہوا اور کوئی جلا ہوا ویران ہے۔

کبھی صاحبِ حاجت اس دروازے پر خیر وفلاح سے بہرہ ور ہوتے تھے اور شہرت وشرافت اس دروازے پر سر مارتی تھی۔

لوگو! اپنے اندرونی جذبات کا مظاہرہ کرو! یاد رکھو خُدا کے نزدیک سچ اور جھوٹ کبھی برابر نہیں ہوسکتا' تمہیں مالکِ کائنات کا واسطہ! بغاوت کرنے والوں کی فوج در فوج جماعت کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوجاؤ! اس جماعت میں وہ بدباطن بھی ہیں جو کمینے اور غضب آلود چہرے کے ساتھ اس جماعت کی قیادت کر رہے تھے۔

ایک اور مرثیہ میں کہتے ہیں۔

جس کو بغیر کسی کھوٹ کے خالص موت کی آرزو ہو وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں دسترخوان پر پہنچ جائے۔

آہنی تلواروں کے حلقے تمہیں نظر آئیں گے اور ان میں وہ چمکیلی تلواریں بھی نظر آئیں گی' جنہوں نے کئی جسموں کو لالہ زار کر دیا' تم پر میرا مال اور ماں جائے قربان ہوں' صبر کرو' کیونکہ بسا اوقات مصیبت میں صبر ہی کام آتا ہے۔

ہم اہل شام سے راضی ہیں جو اس باغیوں کے گروہ سے نفرت کر رہے ہیں۔ امیر پر اور اپنے برادروں کی برادری پر خوش ہیں۔ میں اسی شامی برادری میں رہوں گا' چاہے وہ مجھ سے غائب ہو یا حاضر۔ جب تک میں زندہ ہوں اور میرا نام حسان ہے میرا یہی فیصلہ ہے۔ مجھے تم ان ہی کے دیار میں پڑا ہوا پاؤ گے۔ اے خونِ عثمان رضی اللہ عنہ!

اللہ بڑا زبردست ہے۔

حضرت کعب بن مالک انصاری کہتے ہیں۔

اے کعب بن مالک! یہ لوگوں کو کیا ہوا اور تیری عقل کیوں گم ہے؟ یہ تیری آنکھوں میں کیوں آنسو امڈ رہے ہیں؟ اس خبر پر افسوس ہے جو ہولناک بن کر مجھ تک پہنچی، جس سے پہاڑوں میں زلزلہ آیا اور وہ پارہ پارہ ہو گئے۔ خلیفہ کا قتل کس قدر اضطراب انگیز ہے، جس کی وجہ سے ایک خوفناک مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی، خلیفۃ المسلمین کی شہادت پر ستارے سرنگوں ہیں اور آفتاب گرہن میں ہے۔ کیسا حیرت ناک منظر تھا، جب کہ میت کو کاندھوں پر اٹھائے لئے جا رہے تھے۔

کچھ ہمدردوں نے مل کر اپنے بھائی کو قبر میں اتار دیا۔ اس مستور قبر نے اپنے اندر کس کو جگہ دی؟ ماضی میں یہ شہید کس قدر بخششیں، مجاہدوں کے ساتھ ہمدردی اور لوگوں میں شہرت وسیادت چھوڑ گیا۔

کتنے ہی یتیم اس کی عظمت کے سایہ میں پناہ لیتے تھے، لیکن اس پر ایک شام ایسی بھی آئی کہ وہ گھر میں بند رہا اور برباد اس کے گھر کا چکر لگاتے رہے۔ وہ برابر دشمنوں سے خندہ پیشانی سے پیش آتا رہا اور ان کے مظالم برداشت کرتا رہا، حتیٰ کہ اس کی افسوس ناک اور دردانگیز آواز سنی گئی۔

جب یہ شہید بقیع میں جا سویا تو دشمنوں نے مطمئن ہو کر واپسی کے لئے اپنے اونٹ جمع کئے اور متفرق ہو گئے، جہنم ان کا ٹھکانا ہو، انہوں نے اپنے اس امام کو قتل کیا جو اپنی پیدائش سے موت تک پاک دامن رہا، اس نے تحمل اور صبر کو ترجیح دی، اس کی نیکی اسی میں مشہور ومعروف تھی۔

اے کعب! تو آج تک مالک ہی کو روتا رہا اور شہر بشہر اسی کے سوگ میں پھرتا رہا۔

اس عثمان رضی اللہ عنہ پر آنسو بہا' جو شریف تھا اور بڑا میل ملاقات والا تھا' اور اس کے مددگاروں کی بھی کچھ کمی نہ تھی۔ وہ محافظوں اور صف در صف گھوڑوں کی فوج میں قتل ہو گیا۔

اے عثمان رضی اللہ عنہ! ان لوگوں نے تجھے بے داغ قتل کیا۔ خاندان سقیف کے لوگ تیری پارسا زندگی سے خوب واقف تھے۔

کعب ایک دوسرے مرثیہ میں کہتے ہیں۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے انتقام لینے والے ہاتھوں کو روکا اور گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھا رہا' اسے یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ غافل نہیں۔ اس نے گھر والوں کو کہا: ''ان لوگوں کو کچھ نہ کہو جنہوں نے خونریزی نہ کی ہو' اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کرتا ہے'' لیکن شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد تم نے دیکھ لیا کہ خُدا نے ان میں کیسی نفرت وعداوت ڈال دی۔

عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ان سے خیر وفلاح اس طرح چلی گئی جس طرح جاتی ہوئی ہوائیں پشت پھیرتی ہیں۔

فرزوق کا چچا حباب بن یزید مجاشعی کہتا ہے۔

تجھے اپنے والد کی قسم! پریشان نہ ہو' خیر وفلاح کا دور یقیناً گزر گیا ہے۔ لوگ دین کے معاملے میں بالکل احمق ہو چکے ہیں۔

ابن عفان نے اپنے پیچھے ایک طویل شرانگیز دور چھوڑا ہے۔

اے ملامت گر! ہر انسان آج ہلاکت و بربادی کی راہ چل رہا ہے' لیکن میری رفتار کا بہترین رخ خُدا کی ذات ہو گا۔

قاسم بن امیہ بن ابی اصلت نے کہا:

خُدا کی قسم! تم نے جس قربانی کو ذبح کیا' وہ تمہارا بدترین کارنامہ ہے۔ تم نے رسول اللہ ﷺ کے صحابی رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے خیانت کی ہے۔

زینب بنت العوام کے شعر ہیں۔

تم نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کے اپنے گھر میں پیاسا رکھا۔ تم سخت پیاس کی حالت میں جہنم کے کھولتے ہوئے پانی پینے کے قابل ہو گئے۔ اب کس طرح زندگی گزرے اور کس طرح چین آئے؟

لیلیٰ اخیلیہ کے چند شعر:

پیشوائے قوم ابن عفان رضی اللہ عنہ مارا گیا اور مسلمانوں کے تمام معاملات درہم برہم ہو گئے۔ واردین وصادرین کے لئے نیکی کا راستہ پراگندہ ہو چکا ہے۔

ازواج واولاد

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ۹ شادیاں کیں۔ ان کے ۹ بیٹے تھے اور ۷ بیٹیاں۔ سب سے پہلی شادی آپ نے دختر رسول ﷺ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے کی۔ ان کے انتقال کے بعد حضور ﷺ نے اپنی دوسری بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ان کے عقد میں دی۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فاختہ بنت غزوان بن جابر سے شادی کی۔

ازواج واولاد کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) عبداللہ بن رقیہ (۲) عبداللہ اصغر' جن کی والدہ کا نام فاختہ بنت غزوان بن جابر تھا (۳) عمرو (۴) خالد (۵) ابان (۶) عمر (۷) مریم' ان سب کی والدہ ام عمرو بنت جندب تھیں (۸) ولید (۹) سعید (۱۰) ام سعید ان تینوں کی والدہ فاطمہ بنت الولید بن عبد شمس تھیں (۱۱) عبدالملک ان کی والدہ کا نام ام البنین بنت عیینہ بن حصن بن حذیفہ تھا (۱۲) عائشہ (۱۳) ام ابان (۱۴) ام عمرو ان کی والدہ رملہ بن شیبہ بن ربیعہ تھیں (۱۵) مریم ان کی والدہ کا نام نائلہ بنت فرافصہ احوص تھا (۱۶) ام البنین ان کی

والدہ ام ولد (باندی) تھیں' جو پہلے عبداللہ بن یزید بن ابی سفیان کی ملک میں تھیں۔
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کی بیویوں میں سے رَملہ' نائلہ اُم البنین اور فاختہ حیات تھیں۔ ام البنین کو محصور ہونے کے زمانے میں طلاق دے دی تھی۔

آپ کے خطوط

خطوط سے کسی بھی حاکم وقت کے مزاج کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ سخت ہے یا نرم مزاج' سرحدی امور کو سمجھتا ہے یا بالکل انجان بن کر عیش وعشرت میں مشغول ہے۔ خُدا ترس ہے یا عیش وعشرت میں مصروف رہتا ہے۔ کاروبار سلطنت میں بھرپور دلچسپی رکھتا ہے یا اپنے گورنروں کو من مانی کرنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ کیا وہ حکومت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک عقابی نظر سے دیکھتا ہے یا اس نے اپنی آنکھوں پر غفلت کی پٹی چڑھا رکھی ہے۔ وہ پکا دنیادار ہے یا خُدائے کونین کی بارگاہ میں جھکنے والا۔

بحمداللہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت کا جائزہ لیتے ہیں تو آپ ایک مستعد' فرض شناس اور چاک و چوبند حکمران نظر آتے ہیں۔ جب کوئی نیا علاقہ فتح ہونے لگتا ہے تو اس کے زمینی حقائق اور سیاسی مضمرات پہلے ہی سے نظر میں رکھ لیتے ہیں۔ جب حکومت کے امراء اور گورنروں کو خط لکھتے ہیں تو ان میں سخت گیری کے ساتھ ساتھ نرم مزاجی کا پہلو بھی ہوتا ہے کیونکہ آپ نے اتنی بڑی سلطنت کو ایک مرکز پر جمع کر رکھا ہے۔ آپ پر الزامات لگائے جاتے ہیں کہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو نوازا' جبکہ آپ کا فرمانا تھا کہ ان میں سے بیشتر کو میں نے اپنے ذاتی زر و مال سے نوازا ہے' مگر جب افواہیں کثرت سے جنم لینے لگیں تو ایک طوفان کی صورت اختیار کر لیتی ہیں' ایسا طوفان جس کے آگے مشکل ہی سے بند باندھا جا سکتا ہے۔ آپ کی سیاسی بصیرت کا جائزہ لینے کے لئے ہم آپ کے چند خطوط سے اقتباسات پیش

کر رہے ہیں۔

سرحدی کمانڈروں کے نام

''واضح ہو کہ آپ مسلمانوں کے نگہبان و محافظ ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے لئے جو ضابطۂ سیرت مقرر کیا تھا' اس سے ہم واقف ہیں' بلکہ ہمارے مشورے ہی سے اس کو مقرر کیا گیا تھا' خیال رکھئے کہ آپ کی کسی بدعنوانی کی شکایت میرے پاس نہ آئے۔ اگر ایسا ہوا تو آپ کا منصب چھن جائے گا اور آپ سے بہتر لوگوں کو آپ کی جگہ مقرر کیا جائے گا۔ اپنی سیرت پر نظرِ احتساب رکھئے۔ مجھ پر بحیثیت خلیفہ جو ذمے داریاں ہیں' میں ان کو ضرور انجام دوں گا''۔

خراج افسروں کے نام

''واضح ہو کہ خُدا نے مخلوق کو حق و انصاف کے ساتھ پیدا کیا ہے' اس لئے وہ بس حق و انصاف ہی قبول کر سکتا ہے۔ لہٰذا جب آپ خراج وصول کریں تو حق و انصاف سے کام لیں'' اور جب دوسروں کے حقوق ادا کریں تو حق و انصاف سے ادا کریں' میری طرف سے دیانتداری کی سخت تاکید ہے۔ اس پر ثابت قدمی سے قائم رہیے' ایسا نہ ہو کہ دیانت کا دامن سب سے پہلے آپ ہی کے ہاتھ سے چھوٹے اور اگلی نسلوں کے بددیانتوں میں آپ کو بھی شریک کیا جائے۔ امانت و دیانت کے ساتھ ضروری ہے کہ آپ اپنے عہد و پیمان پر بھی قائم رہیں۔ کسی قسم کا حق نہ ماریے اور نہ کسی معاہد کے ساتھ زیادتی کیجئے' کیونکہ ان کے ساتھ زیادتی کرنے والے سے خُدا مواخذہ کرے گا''۔

عام مسلمانوں کے نام

''واضح ہو کہ آپ نے جو کامیابی اور سربلندی حاصل کی ہے' وہ اقتداء اور اتباع کے ذریعے حاصل کی ہے۔ خیال رکھئے کہ دنیا کی محبت میں پڑ کر آپ صحیح راستے

سے بھٹک نہ جائیں۔ مجھے اس بات کے پورے آثار نظر آ رہے ہیں کہ آپ جب نعمتوں سے خوب بہرہ ور ہو چکیں گے' جب کنیزوں سے آپ کی اولاد بالغ ہو جائے گی اور بدو عربوں اور غیر عربوں میں قرآن خوانی عام ہو جائے گی' تو آپ اقتداء واتباع کو چھوڑ کر اپنی رائے سے کام لینے لگیں گے۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے تیسرے چوتھے سال گورنر شام حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بحر متوسط کے کئی جزیرے فتح کر لئے تھے اور حال میں ان کی فوجیں بازنطینی پایۂ تخت قسطنطنیہ تک بڑھ گئی تھیں۔ ان فتوحات اور عسکری کارروائیوں میں بہت سامال غنیمت ان کے ہاتھ لگا تھا۔ دوسری طرف گورنر کوفہ ولید بن عقبہ نے آذربائیجان اور آرمینیہ میں ترکتازی کر کے عربی قلمرو کا دائرہ بڑھا دیا تھا اور بڑی مقدار میں مال غنیمت سے بہرہ ور ہوئے تھے' اپنے خاندانی حریفوں کی ان کارروائیوں کو دیکھ کر عبداللہ بن سعد کیسے خاموش بیٹھتے۔ انہوں نے افریقہ (تونس' الجریا اور تونس) کو مسخر کرنے اور وہاں سے مال غنیمت حاصل کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ یہ علاقہ بہت دولت مند ہے اور چونکہ یہاں کی حکومت کمزور ہے' اس پر آسانی سے قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہچکچائے اور عبداللہ کو لکھا:

"افریقہ پر حملہ کرنا مناسب نہیں۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کو میں نے کہتے سنا ہے کہ اپنے جیتے جی میں کسی مسلمان کو افریقہ پر حملہ نہ کرنے دوں گا۔ ان کو افریقہ پر فوج کشی ناپسند تھی' اس لئے میں بھی ناپسند کرتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ مسلمان اس ساحلی علاقے میں جا کر سرگرداں اور پریشان ہوں"۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان کے نام

"گورنر کوفہ ولید بن عقبہ کی آرمینیہ میں ترکتازی کا بدلہ لینے کے لئے قیصر روم

نے شام پر حملہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فکر ہوئی کہ کہیں قیصر روم قبرص کے بحری اڈے سے فائدہ اٹھا کر سمندر کی طرف سے شام پر حملہ نہ کر دے۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک قبرص پر مسلمانوں کا قبضہ نہ ہو جائے' شام پر سمندری حملے کا خطرہ ہر وقت منڈلاتا رہے گا۔ چنانچہ ۲۷ھ میں بازنطینی حملے کی ناکامی کے بعد انہوں نے قبرص پر فوج کشی کے بارے میں مرکز سے پھر خط و کتابت کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اب بھی اجازت دینے کو تیار نہ ہوئے۔ وہ اب بھی اسی خیال میں تھے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح کے شوق میں قبرص پر فوج کشی کرنا چاہتے ہیں۔ رہا قبرص سے شام پر حملے کا خطرہ' تو اس باب میں خلیفہ کی رائے یہ تھی کہ سمندر میں دشمن سے جنگ کی نسبت ساحل پر لڑنے میں نقصان کا کم امکان ہے۔ لیکن جب ان کو بار بار یقین دلایا گیا کہ سمندری سفر میں کوئی خطرہ نہیں' تو انہوں نے ایک دلچسپ شرط کے ساتھ اجازت دے دی! اگر سمندر کے سفر میں تم اپنی بیوی کو ساتھ لے جاؤ' تو میں اجازت دیتا ہوں' ورنہ نہیں''۔

عبداللہ بن عامر کے نام (گورنر کوفہ)

مؤرخین کا کہنا ہے کوفہ شہر کی ایک خوبصورت روایت تھی کہ جب وہاں کوئی قافلہ آتا تو وہاں کے انسان دوست اصحاب منادی کراتے کہ جن لوگوں کے عزیز و اقارب نہ ہوں' وہ ہمارے ہاں آ کر ٹھہریں۔ ان لوگوں نے شہر میں کئی جگہ مکان لے لئے تھے' جہاں پردیسیوں کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ یہ ۳۰ھ کے لگ بھگ کا واقعہ ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ کوفے میں مہمان خانے کھولے گئے ہیں' تو ان کو یہ اقدام پسند آیا اور انہوں نے مدینے کے مسافروں اور سرکاری عملے کے لئے اکثر صدر مقاموں میں ڈاک بنگلے بنوا دیئے۔ ذیل کا خط اسی موضوع پر ہے۔

''بصرے میں ایک مہمان خانہ بنوادو' جس میں مدینے کے مسافر اور ہمارے موالی (جو تجارت وغیرہ کے لئے جاتے ہیں) قیام کرسکیں''۔

یہ حکم پاکر ابن عامر نے' جن کو رفاہی کاموں سے خاص دلچسپی تھی' ایک ہی جگہ آمنے سامنے دو مہمان خانے بنوائے' جن میں سے ایک نام قصرِ عثمان تھا اور دوسرے کا قصرِ رملہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت

جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مکان پر واپس تشریف لائے تو لوگ آنا شروع ہوگئے اور کہنے لگے: ''ہاتھ بڑھائیے' ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں' کیونکہ اس وقت کسی خلیفہ کا ہونا بہت ضروری ہے''۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: ''خلیفہ کا انتخاب صرف اہلِ بدر کرسکتے ہیں' جس سے اہلِ بدر راضی ہیں' وہ خلیفہ ہوسکتا ہے''۔ تھوڑی ہی دیر میں تمام اہل بدر جمع ہوگئے اور کہا کہ ہم آپ سے زیادہ کسی کو بھی مستحق خلافت نہیں سمجھتے۔ آپ ہاتھ بڑھائیے تاکہ ہم بیعت کریں۔ چنانچہ اسی وقت سب نے آپ سے بیعت کی۔

قیس بن عباد کہتے ہیں کہ جنگِ جمل کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ سے میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ الٰہی تو خوب واقف ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون سے بالکل بری ہوں بلکہ آپ جس روز شہید ہوئے تو (اس صدمہ سے) میرے حواس مختل ہوگئے تھے' جب لوگ میرے پاس بیعت کے لئے آئے تو میں نے اس وقت بیعت لینا برا سمجھا اور میں نے ان سے کہا کہ واللہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس قوم سے بیعت لوں جس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کردیا اور پھر اس صورت میں تو اور بھی شرم کا مقام ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ ابھی دفن بھی نہیں ہوئے ہیں اور میں بیعت لوں' یہ سن

کر لوگ واپس چلے گئے لیکن وہ پھر آئے اور مجھ سے پھر بیعت کا سوال کیا تو میں نے پھر کہا' الٰہی! میں اس افتاد سے ڈرتا ہوں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر پڑی ہے۔ آخر کار جب میرا دل قابو میں آیا تو میں نے لوگوں سے بیعت لے لی مگر جب انہوں نے مجھے امیر المومنین کہہ کر پکارا تو ان کے اس خطاب سے میرے دل پر چوٹ لگی اور میں نے دعا کی الٰہی! مجھے عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کا حوصلہ عطا فرما تا کہ عثمان رضی اللہ عنہ مجھ سے راضی ہو جائیں۔

حادثہ قتل کی تحقیق

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کے فوراً بعد مروان اور اس کے بیٹے فرار ہو گئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فوراً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کس نے قتل کیا ہے' انہوں نے کہا: "میں ان لوگوں کو تو نہیں جانتی' جو اندر داخل ہوئے تھے' ہاں ان کے ساتھ محمد بن ابوبکر تھے اور محمد بن ابوبکر نے امیر المومنین کی داڑھی بھی پکڑی تھی"۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فوراً محمد بن ابوبکر کو بلایا اور قتل کے بارے میں دریافت کیا۔ محمد بن ابوبکر نے کہا: "وہ سچ کہتی ہیں' میں ضرور اندر داخل ہوا تھا اور میں نے ان کے قتل کا ارادہ بھی کیا تھا۔ لیکن جب انہوں نے میرے والد کا ذکر چھیڑ دیا تو میں ان کو چھوڑ کر ہٹ گیا' میں اس فعل پر نادم ہوں اور اللہ سے توبہ کرتا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے نہ ان کو قتل کیا اور نہ ان کو پکڑا۔ محمد بن ابوبکر کے اس قول کی تائید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ نے بھی کی' لیکن یہ کہا کہ ان بلوائیوں کو گھر میں لانے والے یہی تھے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ (زوجۂ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ) حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے غلام کنانہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کسی مصری نے شہید کیا تھا'

جس کی نیلی آنکھیں تھیں اور جس کا نام حماد تھا۔

سلام مظلوم مدینہ

☆ لاکھوں سلام ہو امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان پر۔

☆ جو دامادِ رسول ﷺ تھے، جنہیں یکے بعد دیگرے حضورِ اکرم ﷺ کی دو صاحبزادیاں عقد میں عطا ہوئیں۔

☆ جنہوں نے قرآن پاک کو جمع کر کے تمام عالم اسلام کو قیامت تک کے لئے ایک قرأت کا اُسلوب عطا فرمایا۔

☆ جو اس قدر باحیاء تھے کہ انہیں دیکھ کر فرشتوں کو بھی حیا آتی تھی۔ جن کا وجود قبولِ اسلام سے پہلے اور بعد میں کبھی کسی معصیت اور گناہ سے آلودہ نہیں ہوا۔

☆ جن کا لقب خاص ''غنی'' تھا۔ اس قدر صاحبِ غنا تھے کہ بار بار راہِ حق میں مال و دولت لٹاتے رہے اور آپ کے لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عثمان نے دو بار جنت خریدی ہے۔

☆ وہ عثمان جو نجانے کتنے یتیموں، بیواؤں، بے کسوں اور غم کے ماروں کے لئے ڈھارس تھے اور جن کی دردناک شہادت نے نجانے کتنے گھروں کے چولہے ٹھنڈے کر دیئے ہوں گے۔

☆ جنہوں نے گورنروں کے اصرار کے باوجود مدینہ منورہ نہ چھوڑا۔ فوج نہ بلوائی۔ خود راہِ حق میں شہید ہو گئے مگر شہر رسول ﷺ میں کسی اور کا خون بہنے نہ دیا۔

☆ جو صحیح معنوں میں اسلامی ریاست کے امین تھے اور تادمِ شہادت اس امانت کو سنبھالے رکھا۔

☆ وہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کہ جو وقتِ شہادت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے

تھے اور جب جام شہادت نوش فرمایا تو ان کے مقدس لہو کے قطرے ان کی ابدی سرخروئی کی ضمانت بن کر قرآنِ حکیم پر جم گئے۔

☆ وہ عثمان رضی اللہ عنہ جو غیر معمولی امیر ہو کر بھی ان چھنے ہوئے جَو کی روٹی کھاتے ہیں۔

☆ وہ دامادِ رسول ﷺ کہ جنہوں نے پیاسے مسلمانوں کو کنویں عطا فرمائے مگر ان کے لئے پانی بند کر دیا گیا۔

☆ وہ عظیم حکمران جس نے اسلامی حکومت کو غیر معمولی وسعت بخشی مگر کبھی امانت میں خیانت کا تصور بھی دل میں نہ لائے۔

☆ وہ کاتبِ وحی کہ جن سے رسول اللہ ﷺ رات گئے بھی کتابت کروالیا کرتے تھے۔

☆ وہ امیر المومنین جنہوں نے اپنی مدد کے لئے کوئی فوج طلب نہ فرمائی بلکہ امرائے حکومت کو منع فرماتے رہے۔ آخری دنوں میں ان پر شدید بے بسی طاری تھی اور آپ بار بار یہی فرما رہے تھے۔

”اے لوگو! میری بات غور سے سنو۔ اگر تم نے مجھے ہلاک کر دیا تو اُمتِ اسلام کبھی ایک مرکز پر جمع نہ ہو سکے گی“۔ نجانے یہ ان کا قول مبارک تھا یا قدرت کی آواز تھی جو حرف بحرف سچ ہوا اور آج چودہ صدیاں گزر چکی ہیں مگر امت اسلام کا اختلاف و انتشار بڑھتا ہی جا رہا ہے۔

☆ ہم ایک مرکز سے جدا ہو چکے ہیں۔

☆ ہم جغرافیائی، لسانی اور رنگ و نسل کے بتوں کی پرستش کرنے لگ گئے ہیں۔

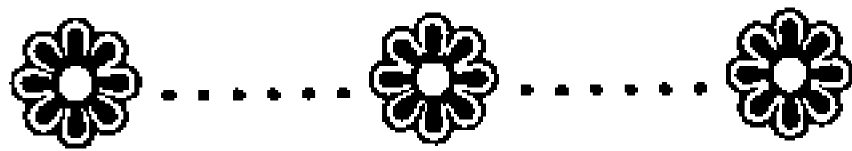
☆ ہم ایرانی، افغانی، عربی اور عجمی تو ہیں مگر مسلمان کہلانے کا شعور ختم ہو چکا ہے۔

☆ سلام ہو آپؓ پر یا امیر المومنین! آپ سچ فرما گئے، مگر صدیوں بعد بھی مسلمان اس سچ کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔

چشم باطن سے دیکھیے۔

ضوفگن ہے اسمِ عالی حضرتِ عثمان کا
اُن کی رخشندہ بصیرت' شوکتِ ایمان کا
ان کے مرقد پر ہوں نازل رحمتِ خالق کے پھول
آج تک ان کا لقب ہے ''جامع القرآن'' کا
محترم تھے' سرورِ کونین کے پیارے تھے وہ
قلزم ایمان وحکومت کے رضا دھارے تھے وہ

(محمد اکرم رضا)



سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ فضائل ومحاسن کے تناظر میں

جس طرح کرنیں چاند کی تابانی اور شعاعیں سورج کی تب وتاب کی امین ہوتی ہیں، اسی طرح اصحابِ کرام حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے ناموس کے پاسدار اور آپ کی عظمت وسربلندی کے آئینہ دار ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہِ فیض ترجمان نے جس طور ان جانثاروں کی روحانی وفکری تربیت فرمائی اور جس شانِ کرم کے ساتھ انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محاسن واوصاف کا قابلِ تقلید نمونہ بنا دیا وہ اس حقیقت کا شاہد ہے کہ

جس طرف چشمِ محمد کے اشارے ہوگئے
جتنے ذرے سامنے آئے ستارے ہوگئے

خلیفۂ سوم دامادِ رسول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ میں ہوتا ہے کہ جو نگاہِ مصطفیٰ سے خصوصی طور پر نوازے گئے۔ آپ کی زندگی قبولیتِ اسلام سے پہلے بھی پاکیزہ تر تھی اور قبولیتِ اسلام کے بعد آپ عظمتِ اسلام کے مظہر بن گئے۔ بے شمار اعزازات آپ کا مقدر بنے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے انہیں خصوصی طور پر اپنے لطف وکرم کا حق دار قرار دیا۔ آپ نے قریباً بارہ سال حکومت فرمائی۔ اسلام کی فاتحانہ یلغار کا سلسلہ آپ کے دورِ حکومت میں بہت زیادہ پھیلا اور اسلامی حکومت کا پرچم دُور دُور تک لہرانے لگا۔ آپ کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کو سمندروں پر حکمرانی کا شرف حاصل ہوا اور آپ کی ہدایات کے تحت ایک بڑا بحری بیڑا تیار کیا گیا۔

سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ پیکر حلم و حیا تھے۔ مظہر صبر و رضا تھے۔ آپ کو "کامل الحیاء والایمان" کہا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صاحبزادیاں سیّدہ رقیہ اور سیّدہ ام کلثوم یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں۔ اس لئے آپ نے "ذوالنورین" کا لقب پایا۔

نور کی سرکار ہے پایا دو شالہ نور کا
ہو مبارک تجھ کو ذوالنورین جوڑا نور کا

آپ نے اسلام اور اہلِ اسلام پر بے دریغ خرچ کیا۔ آپ کا نام عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہے مگر تاریخ عالم ہمیشہ آپ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نامِ نامی سے پکارتی رہے گی۔ آپ صاحبِ دولت و ثروت تھے۔ آپ نے اپنی دولت عظمتِ اسلام' فروغِ دین اور رضائے مصطفوی ﷺ کے لئے اس طور لٹائی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غنی کہلائے۔ آپ نے حضور ﷺ سے کئی مرتبہ جنت کی بشارت پائی۔ آپ کا شمار سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے چند خوش بخت ترین صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے دو مرتبہ ہجرت کی سعادت حاصل کی۔ آپ "عشرہ مبشرہ" میں شامل تھے۔ آپ کے اوصاف بے شمار اور محاسن بعید از شمار ہیں۔ آپ کے محاسنِ قدسی کی ایک جھلک اصحابِ ایمان کی نذر ہے۔

خوفِ خدا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکثر خوفِ خداوندی سے آبدیدہ رہتے۔ موت' قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہتا۔ سامنے سے جنازہ گزرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔ مقبروں سے گزرتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی' لوگ کہتے کہ دوزخ و جنت کے تذکروں سے تو آپ پر اس قدر رقت طاری

نہیں ہوتی' آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہوتی ہے کہ انہیں دیکھ کر آپ بے قرار ہو جاتے ہیں؟ فرماتے! آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے' اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں اور اگر اس میں دشواری پیش آئی تو پھر تمام مرحلے دشوار ہوں گے۔

محبتِ رسُول

آپ کو حضور نبی پاک ﷺ سے جو والہانہ الفت و محبت اور بے تابانہ دلبستگی و شفتگی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ تشریف لے گئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کو رشک ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تو مزے سے کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے' حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے اُمید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابوسفیان وغیرہ مکہ کے سرداروں سے ملتے رہے اور حضور ﷺ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ جب واپس ہونے لگے تو قریش نے خود درخواست کی کہ تم مکہ میں آئے ہوئے ہو' تم طواف کرتے جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا: یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ حضور ﷺ تو روکے گئے ہوں اور میں طواف کر لوں۔ قریش کو اس جواب پر غصہ آیا' جس کی وجہ سے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو روک لیا۔

حضور اکرم ﷺ سے حضرت ذوالنورین کی قلبی محبت و وابستگی اور دلی ربط و تعلق کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ جب بئر اریس میں حضور نبی کریم ﷺ کی انگشتری مبارک ان کے ہاتھ سے گر پڑی تو انہوں نے اصحابِ رسول کے ساتھ تین دن تک اسے تلاش کیا' کنویں کا سارا پانی نکال ڈالا' مگر انگوٹھی نہ ملی۔

خدمت رسول

آپ اکثر و بیشتر حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں تحائف و ہدایا اور اموال و رقوم پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ چار دن تک آلِ رسول نے فقر و فاقہ سے بسر کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اسی وقت بہت سا سامانِ خورد و نوش اور تین سو درہم لا کر بطور نذر پیش کیا۔

احترام رسول

وفا و محبت اور صدق و صفا کا ایک مظہر و ثبوت محبوب کا احترام اور اس کے متعلقین کا احترام ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کا ادب و احترام اس قدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی' پھر اس کو نجاست یا محلِ نجاست سے مس نہ ہونے دیا۔ اہلِ بیتِ نبوی ازواجِ مطہرات کا خاص طور سے پاس و خیال تھا۔ چنانچہ اپنے عہد خلافت میں جب اصحابِ وظائف کے رمضان کے روزینے مقرر کیے تو ازواجِ مطہرات کا روزینہ سب سے دوگنا مقرر کیا۔

اطاعت

اپنے محبوب آقا ﷺ کی سنت کے اتباع کے بعد حضور ﷺ کے خلفاء حضرات شیخین کے بھی آپ دل و جان سے مطیع اور فرمانبردار تھے اور نہایت اخلاص کے ساتھ ان کی اطاعت فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ اپنی اس صفت کریمہ پر فخر و ناز کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''میں حضور ﷺ کے شرف صحبت سے مشرف ہوا اور آپ سے بیعت کی اور خُدا کی قسم! نہ تو میں نے آپ کی نافرمانی کی اور نہ ہی خیانت کی' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا۔ خُدا کی قسم نہ تو میں نے

کبھی ان کی حکم عدولی کی اور نہ کبھی ان کی خیانت کی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے۔ خدا کی قسم! نہ میں نے کبھی ان کے کسی حکم کی تعمیل سے جی چرایا اور نہ ہی ان سے فریب کیا۔

شرم و حیا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں اور اللہ کے دین (کے معاملے میں) میں سب سے زیادہ سخت عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں اور ان سب سے زیادہ باحیاء عثمان (رضی اللہ عنہ) ہیں اور میراث کے مسائل سب سے زیادہ جاننے والے زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) ہیں اور سب سے زیادہ قرآن کی قرأت (تجوید سے) کرنے والے ابی بن کعب ہیں۔ حلال و حرام کے مسائل کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل ہیں اور ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور (میری) اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح (رضی اللہ عنہم) ہیں۔

انکسار و تواضع

حضور نبی کریم ﷺ کی محبت و صحبت کا فیض اور اتباع سنت کا اثر و نتیجہ تھا کہ آپ بے حد منکسر المزاج و متواضع تھے' آپ کی فروتنی اور تواضع کے چند شاہکار ملاحظہ ہوں۔

کابل سے لے کر مراکش تک وسیع اسلامی مملکت کے تاجدار ہیں' مگر ایک غلام نے جب آپ کی دعوت کی تو بے تکلف قبول فرمالی۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

متعدد روایات ہیں کہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) جب رات کو (تہجد کے لئے) اٹھتے

تو اپنے اہل خانہ میں سے کسی کو نہ جگاتے کہ وضو میں آپ کی مدد کرے' اِلّا یہ کہ کسی کو بیدار پاتے۔ جب آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ کسی خادم کو جگا دیتے' تو فرمایا: ہرگز نہیں! رات ان کے آرام کے لئے ہے۔

ذریعۂ معاش

آپ عرب کے رئیس التجار تھے' آپ سے بڑا تاجر نہ تو قریش میں کوئی تھا اور نہ ہی پورے عرب میں۔

آپ خود فرماتے ہیں۔

خُدا کی قسم! میں نے یہ خزینہ مسلمانوں کے مال میں سے نہیں کمایا۔ یہ میں نے اپنے ہی مال سے کمایا۔ میں قریش میں سب سے کثیر المال تھا اور ان سب سے زیادہ تجارت میں خوش بخت اور کامیاب تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم تھا۔ اس حساب سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دوازدہ سالہ مدت خلافت میں ساٹھ ہزار درہم کی گراں قدر رقم مسلمانوں کے لئے چھوڑ دی' جو درحقیقت ایثار نفس کا نمونہ ہے۔

مال و جائیداد

دولت و ثروت اور مال و جائیداد کے اعتبار سے آپ کا نمبر اصحاب رسول میں سب سے اوّل ہے۔ تجارت کے ذریعے آپ نے اتنی دولت کمائی کہ پورے عرب میں آپ کے مقابلے کا کوئی دولت منداور متمول شخص نہ ملتا تھا مگر جب خلافت کا بار گراں سر پر آیا تو تجارتی سرگرمیاں جاری نہ رکھ سکے۔ آمدن کے ذرائع مسدود یا محدود ہو گئے' ادھر فیاضی و دریا دلی سے فی سبیل اللہ خرچ کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آخر میں آپ کے پاس مال کی فراوانی نہیں رہی تھی۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں۔

جس وقت میں نے منصب خلافت قبول کیا تھا تو میں پورے عرب میں اونٹوں اور بکریوں کا سب سے زیادہ مالک تھا اور آج میرے پاس ایک بکری اور ایک اونٹ بھی نہیں سوائے ان دو اونٹوں کے جو حج کے لئے ہیں۔

عبادت

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ شب بیدار اور تہجد گزار تھے۔ بعض دفعہ آپ ساری ساری رات جاگتے اور ایک رکعت میں پورا قرآن ختم فرما دیتے۔ حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رات کو جاگتے رہتے تھے اور ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجہ مطہرہ نے فرمایا جب کہ باغی ان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور ان کے قتل کا ارادہ کرتے تھے۔

''خواہ تم انہیں قتل کرو' خواہ چھوڑ دو' یہ وہ ذات پاک ہیں کہ رات بھر بیدار رہ کر عبادت کرتے تھے اور ایک رکعت میں سارا قرآن تلاوت فرماتے تھے''۔

دامادیٔ رسول اللہ (ﷺ)

ایک اہم ترین برتری جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حاصل ہے' وہ رسول اللہ ﷺ کی دامادی ہے۔ کسی صحابی کو یہ شرف حاصل نہیں کہ ان سے رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے بیاہی گئی ہوں' سوائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے' جن سے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بیاہی گئیں۔

سیوطی نے علماء کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی اور آدمی

ایسا نہیں جس نے کسی نبی کی دو صاحبزادیوں سے شادی کی ہو' اسی بناء پر آپ کو ذوالنورین کہتے ہیں۔

بیہقی نے سنن میں عبداللہ بن عمر بن ابان الجعفی سے روایت کی ہے کہ مجھ سے میرے ماموں حسین الجعفی نے کہا: تم جانتے ہو کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کیوں کہا جاتا ہے۔ میں نے کہا: نہیں! انہوں نے جواب دیا: جب سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا' اس وقت سے قیامت تک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں جمع نہیں ہوئیں' اسی لئے ان کو ذوالنورین کہتے ہیں۔

خیثمہ کے فضائل الصحابہ میں' دار قطنی نے الافراد میں اور ابن عساکر نے ''تاریخ ابن عساکر'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ وہ نوجوان ہے' جو ملائے اعلیٰ میں ذی النورین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ رسول اکرم ﷺ کا داماد تھا اور اس کے نکاح میں رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیاں آئیں۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میری کوئی اور بیٹی کنواری ہوتی تو میں اسے بھی عثمان (رضی اللہ عنہ) سے بیاہ دیتا۔

طبرانی نے حضرت عصمہ بن مالک سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی دوسری صاحبزادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو حضور ﷺ نے فرمایا: لوگو! تم عثمان (رضی اللہ عنہ) کو رشتہ دے دو' اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو میں وہ بھی عثمان (رضی اللہ عنہ) سے بیاہ دیتا اور میں (از خود) نہ بیاہ دیتا بلکہ وحیٔ ربانی کی تعمیل کرتے ہوئے بیاہ دیتا۔

ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر میری چالیس بیٹیاں ہوتیں تو میں ایک کے (فوت) ہونے کے بعد دوسری کی شادی تجھ سے

کر دیتا' حدیہ کہ ان میں سے ایک بھی باقی نہ رہتی۔

نائب کی حیثیت سے

آنحضرت ﷺ کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر زبردست اعتماد تھا۔ بہت سی اہم خدمات آپ کے سپرد کی گئیں۔ بیعت رضوان کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے آپ کو سفارت کی خدمت پر مامور کیا۔

غزوہ ذات رقاع میں آنحضرت ﷺ نے آپ کو اپنا قائم مقام مقرر کیا۔ پھر غزوۂ غطفان میں اپنا قائم مقام مقرر کیا' چونکہ سرور کائنات کو آپ کی دانائی اور فہم و فراست پر بے حد اعتماد تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کبھی اس اعتماد کو ٹھیس نہ لگنے دی۔ جس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن کے والی تھے' آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہاں کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔

سفیر کی حیثیت سے

ذیقعدہ ۶ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کے سفیر ہونے کا اعزاز بخشا گیا۔ آنحضرت ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا اور اپنے ہمراہیوں کو' جن کی تعداد چودہ سو تھی' حکم دیا کہ سب احرام باندھیں' قربانی کے جانور ساتھ لے کر چلیں اور ہتھیار نہ باندھیں۔ قریش کو جب آنحضرت ﷺ کی روانگی کی خبر ملی تو انہوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں اور صورت حال معلوم کرنے کے لئے بدیل بن ورقاء خزامی اور چند لوگوں کو سفیر کی حیثیت سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہم عمرہ کی غرض سے آئے ہیں' لیکن قریش کی تسلی نہ ہوئی۔ دونوں طرف سے یکے بعد دیگرے سفیر بھیجے گئے لیکن کسی فیصلہ پر متفق نہ ہو سکے۔ آخرکار رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب کو بلایا کہ انہیں سفیر

کی حیثیت سے مکہ روانہ کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! میں نے ان کے ساتھ ہمیشہ سختی کی ہے اور وہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے' جو میری مدد کرے۔ میں آپ ﷺ کو ایسے آدمی کا نام بتاتا ہوں جو مجھ سے بہتر ہے اور وہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ہیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر مکہ روانہ کیا تاکہ وہ قریش کو بتائیں کہ مسلمانوں کا مقصد صرف بیت اللہ کی زیارت ہے۔

قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم محمد اور ان کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔ البتہ تم چاہو تو عمرہ کرلو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرے آقا تو عمرہ نہ کریں اور میں کرلوں۔ ادھر مسلمانوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا: عثمان رضی اللہ عنہ کی خوش قسمتی ہے کہ وہ عمرہ کرکے آئیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عثمان ہمارے بغیر عمرہ نہیں کریں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش نے روک لیا۔ مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو اس خبر سے سخت رنج ہوا۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے بیعت لی کہ وہ عثمان کا بدلہ لیں گے۔ چونکہ عثمان رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے' اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا: میرا دایاں ہاتھ عثمان (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ ہے اور اسے اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا اور بیعت کرلی اور فرمایا کہ یہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کی بیعت ہے۔ اسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔

مصنفین متفق ہیں کہ بیعت رضوان کا سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی جھوٹی خبر تھی۔ بیعت رضوان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب کا ایک روشن ترین پہلو ہے۔ جس سے نہ صرف یہ کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شدید محبت ظاہر ہوتی ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ بھی مسلمانوں کے اس فعل سے خوشنودی کا اظہار کرکے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بلند مقام کا تعین کررہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

"خدا مسلمانوں سے راضی تھا' جب وہ درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پر بیعت کررہے تھے۔ خدا نے جان لیا جو ان کے دلوں میں تھا۔ خدا نے ان کو تسلی اور عاجلانہ فتح دی"۔

ابن حجر کا قول ہے کہ اگر وادئ مکہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ مناسب کوئی اور ہوتا تو آپ اسی کو بھیجتے۔

کاتب کی حیثیت سے

عرب میں لکھنے پڑھنے کا کوئی خاص رواج نہ تھا۔ بہت کم لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت قریش میں جو لوگ لکھنا پڑھنا جانتے تھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک تھے۔ اسلام کے آنے کے بعد وحی قرآن اور احادیث نبوی کی وجہ سے لوگوں میں پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ آپ انتہائی خوش خط تھے۔ آپ کی طرز تحریر اور خوش خطی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے آپ کو کتابت وحی پر مامور کیا' اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کو بلوایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات کے وقت وحی نازل ہوئی' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ موجود تھے' رسول اللہ ﷺ نے لکھنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اسی وقت تعمیل ارشاد کی۔

فاطمہ بنت عبدالرحمٰن کہتی ہیں۔ میرے چچا نے مجھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سوال پوچھنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے کہا: میری طرف سے ام المومنین کو سلام عرض کرنا اور پوچھنا کہ عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ بعض لوگ ان کو برا بھلا کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: وہ شخص ملعون ہے جو عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کرے۔ خدا کی قسم' ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر تھے' حضور نبی کریم ﷺ میری پشت کا سہارا لئے ہوئے تھے' جبرائیل امین آئے اور قرآن مجید کی وحی نازل ہونے لگی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: عثمان رضی اللہ عنہ! لکھو' یہ کتابت وحی کا وہ مقام ہے' جو صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک معزز شخص کو بخشا جاتا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ لکھو' خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی امت میں یہ منصب باعزت لوگوں کو ہی عطا کرتا ہے۔

جعفر بن محمد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو اہل مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نشست آپ ﷺ کے دائیں جانب ہوتی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آپ کے سامنے رخ کر کے بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے کاتب اسرار تھے۔

قیادت عساکر نبوی

غزوۂ خیبر کے لشکر کی سرداری کا شرف بھی حاصل ہوا۔ ''رحمۃ للعالمین'' میں مرقوم ہے۔

''لشکر اسلام نے میدان میں ڈیرے ڈال دیئے۔ یہ میدان اہل خیبر اور بنو غطفان کے درمیان پڑتا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ لشکر کا بڑا کیمپ اسی جگہ رہے گا اور حملہ آور فوج کے دستے کیمپ سے جایا کریں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کیمپ کے ذمہ دار افسر تھے''۔

یہ لشکر کی عام امارت نہیں ہے جو دوسرے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی

نصیب ہوئی۔ حضرت سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی اس امارت میں اور دوسری امارتوں میں فرق عظیم ہے۔ دوسرے حضرات کو حضور سرور عالم ﷺ کی عدم موجودگی میں تھوڑے سے لشکر (ایک فوجی دستہ) کی قیادت ملی اور حضرت امام شہید کو سارے نبوی عساکر کی امارت وسیادت اور افسری کی سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی۔ جمیع نبوی افواج کے کیمپ کے افسر انچارج حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے' اس کیمپ سے کچھ فوج حضرت ابوبکر یا حضرت عمر یا حضرت علی (رضی اللہ عنہم) کی قیادت میں یہودیوں کے قلعوں پر جا جا کر حملے کرتی تھی۔ لیکن ساری فوج اور پورے کیمپ کے افسر انچارج حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔

خدمت امہات المومنین

عہد فاروقی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ایک اور شرف یہ حاصل ہوا کہ آپ کی حفاظت وخدمت میں ازواج مطہرات نے فریضہ حج ادا کیا۔

۱) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری حج میں ازواج مطہرات کو حج کرنے کی اجازت دی وران کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ابن عوف کو بھیجا۔

۲) امام طبری رحمۃ اللہ علیہ حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے بسند روایت کرتے ہیں۔

"جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے' آخری حج کے سوا ہر سال حج کیا کرتے تھے' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح ازواج مطہرات کے ساتھ حج فرمایا کرتے تھے"۔

۳) علاوہ ازیں ذاتی طور پر حضرات امہات المومنین کی مالی خدمات کا شرف و اعزاز بھی آپ نے بارہا پایا۔

شکل وصورت

سیّد الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور جد الانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا حسن و جمال ضرب المثل ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حسن و جمال کا اندازہ اس

سے کر لیجئے کہ خود حضور نبی کریم ﷺ نے آپ کو اپنے اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے مشابہ قرار دیا ہے۔

۱) ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے' فرمایا۔ جب نبی کریم ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کی تو صاحبزادی سے فرمایا:

تیرا خاوند تیرے دادا (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) اور تیرے باپ محمد (ﷺ) سے سب لوگوں سے زیادہ مشابہ ہے۔

۲) ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ہم عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے باپ (حضرت) ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ دیتے ہیں۔

احسن الناس' اجمل الناس

۳) اور ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ ہی نے حضرت موسیٰ بن طلحہ سے روایت کی ہے' انہوں نے کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سب لوگوں سے زیادہ حسین و جمیل تھے۔

۴) ابن سعید بن یربوع مخزومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں: میں مسجد میں گیا' وہاں ایک شیخ جمیل حسن الوجہ سوئے ہوئے تھے' ان کے سر کے نیچے اینٹ تھی یا اینٹ کا ٹکڑا تھا' میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا' ان کی طرف دیکھتا تھا اور ان کے حسن و جمال سے متعجب و حیران تھا۔ انہوں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور فرمایا: اے لڑکے تم کون ہو؟ میں نے انہیں (اپنے متعلق) بتلایا۔ ان کے قریب ایک لڑکا سویا ہوا تھا۔ آپ نے اسے بلایا' مگر اس نے جواب نہ دیا۔ آپ نے مجھے فرمایا: اسے بلا۔ پس میں نے اسے بلایا تو آپ نے اسے کوئی حکم دیا اور مجھے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ وہ لڑکا چلا گیا اور ایک حلّہ اور

ایک ہزار درہم لے کر واپس آ گیا۔ مجھے وہ حلہ پہنا دیا اور ہزار درہم اس (کی جیب) میں ڈال دیئے۔

میں اپنے باپ کے پاس واپس آیا اور انہیں (اس واقعہ کی) خبر دی۔ انہوں نے کہا' تیرے ساتھ یہ (حسن سلوک اور جود و کرم) کس نے کیا؟ میں نے کہا: میں نہیں جانتا' میں تو اتنا جانتا ہوں کہ وہ مسجد میں سو رہا تھا لم ارقط احسن منه میں نے اس سے زیادہ صاحب حسن و جمال کبھی نہیں دیکھا۔ میرے والد نے کہا: وہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ہیں۔

اس روایت سے یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حسن و جمال بے نظیر و بے مثال تھا اور آپ کا جود و سخا اور حسن سلوک بھی ضرب المثل تھا' جبھی تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے بن دیکھے فرما دیا کہ وہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔

طبری رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ایک اور روایت ہے۔

"وہ نہ توپست قد تھے نہ طویل القامت (بلکہ میانہ قد کے تھے)' چہرہ (مبارک) نہایت حسین تھا' جلد (مبارک) نرم تھی' داڑھی (مبارک) گھنی اور طویل تھی' رنگ گندم گوں تھا' جوڑ بڑے بڑے (اور مضبوط) تھے' سینہ (مبارک) فراخ تھا' سر کے بال گھنے تھے' داڑھی مبارک میں زرد خضاب فرماتے تھے"۔

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا یہ حلیہ دیکھ کر حضور ﷺ کے حلیہ مبارک پر نگاہ کرو تو دونوں میں کوئی خاص فرق نہ پاؤ گے جیسا کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مجھ سے بہت زیادہ مشابہ ہیں۔ بلاشبہ آپ محبوب خدا کی شبیہ و نظیر تھے۔

صبر و شکر

شہادت سے قبل طویل مدت تک آپ کے گھر کا شدید محاصرہ رہا' مگر آپ

نے ایک لفظ بھی تو خلاف صبر زبان پاک سے نہ نکالا۔

حضرت حماد بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چالیس دن سے زائد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ قائم رہا، مگر اتنی طویل مدت میں کوئی لفظ ان کی زبان سے ایسا نہ نکلا، جس میں کسی بدعتی کو کوئی سہارا ملتا۔

محاصرے کی شدت کا یہ عالم ہے کہ کھانا ملتا ہے، نہ پانی، مگر صبر وشکیب کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔ گھر میں سینکڑوں جاں نثار موجود ہیں، جن میں اکثریت اکابر صحابہ مہاجرین وانصار کی ہے، مگر آپ نے امت میں افتراق وخون ریزی کے خوف سے سب کو سختی کے ساتھ غندوں کا مقابلہ کرنے سے روک دیا اور خود جام شہادت نوش فرمایا۔

اس صبر وشکیب اور ضبط وتحمل کی مثال تاریخ انسانیت ہی میں نہیں، تاریخ شہادت میں کہاں مل سکتی ہے؟

ابن عساکر علیہ الرحمہ نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن مہدی سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دو صفات ایسی ہیں جو نہ ابوبکر رضی اللہ عنہ میں ہیں نہ عمر رضی اللہ عنہ میں! اصبرو علیٰ نفسہ حتی قُتِلَ ایک ان کا صبر! یہاں تک کہ جام شہادت نوش فرمالیا اور دوسرا لوگوں کو قرآن کریم پر جمع کرنا۔

فہم وفراست

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے استخلاف کا وصیت نامہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھ سے لکھا گیا تھا۔ اس سلسلے میں یہ بات ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ وصیت نامہ کے دوران کتابت میں کسی خلیفہ کا نام لکھانے سے قبل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر غشی طاری ہوگئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی عقل وفراست سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام لکھ دیا۔ حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا تو پوچھا کہ پڑھو کیا لکھا؟ انہوں نے سنانا شروع کیا اور جب عمر رضی اللہ عنہ کا نام لیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بے اختیار اللہ اکبر پکار اٹھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس فہم و فراست کی بہت تعریف و توصیف کی۔

مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی آپ نے اپنے عمال و حکام کو ایک گشتی فرمان ارسال کیا' اس میں تھا:

قریب ہے کہ حکام محافظ و نگہبان بننے کی بجائے صرف محصل بن کر رہ جائیں گے۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو حیا' امانت اور وفا کا خاتمہ ہو جائے گا۔

امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے اپنی شہادت سے کچھ وقت پیشتر خون آشام غنڈوں سے فرمایا تھا:

''اگر تم نے مجھے (بے گناہ) قتل کیا تو خدا کی قسم! تم میرے بعد کبھی باہم محبت نہیں کر سکو گے' نہ میرے بعد کبھی مل کر نماز پڑھ سکو گے' نہ ہی میرے بعد تم کبھی مل کر دشمن سے لڑ سکو گے۔

اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو یقین جانو! تم نے اپنی گردنوں پر تلوار رکھ دی' جسے رب العزت قیامت تک تم سے نہیں اٹھائیں گے۔ تم مجھے قتل نہ کرو۔ اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو بالیقین تم میرے بعد مل کر کبھی نماز نہ پڑھ سکو گے اور نہ ہی میرے بعد تم مل کر مال غنیمت تقسیم کر سکو گے اور اللہ تعالیٰ تم سے اختلاف کو کبھی ختم نہیں فرمائیں گے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔

حفظ قرآن

عہد رسالت میں ان اصحاب رسول ﷺ کی تعداد زیادہ نہیں تھی' جنہیں سارا قرآن حفظ تھا۔ امام شہید کو یہ سعادت حاصل تھی کہ آپ نے حضور ﷺ کی

موجودگی ہی میں سارا قرآن یاد کرلیا تھا۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ثور تمیمی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ محصور تھے۔ آپ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا: میری دس خصال میرا رب ہی جانتا ہے۔

۱) میں اسلام قبول کرنے میں چوتھا ہوں۔

۲) رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی میرے نکاح میں دے دی۔

۳) وہ وفات پاگئیں تو آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی میرے نکاح میں دے دی۔

۴) نہ میں نے کبھی گانا سنا۔

۵) اور نہ ہی لہو ولعب کی کبھی تمنا کی۔

۶) جب سے حضور ﷺ کی بیعت دائیں ہاتھ سے کی' پھر اس ہاتھ سے اپنی شرم گاہ کو کبھی مس نہیں کیا۔

۷) جب سے اسلام لایا' کوئی جمعہ ایسا نہیں گزرا کہ میں نے غلام آزاد نہ کیا ہو' اگر کسی جمعہ ایسا نہ کر سکا تو اس کے بعد آزاد کردیا۔

۸) نہ عہد جاہلیت میں اور نہ ہی عہد اسلام میں کبھی زنا کیا۔

۹) نہ ہی کبھی چوری کی۔

۱۰) اور میں نے عہد رسالت میں پورا قرآن حفظ کرلیا تھا۔

۲) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

میں مدینہ کے ایک باغ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے باریاب ہونے کی اجازت طلب کی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دروازہ کھول دو اور اس کو جنت کی بشارت دے دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ

تھے۔ میں نے ان کو حضور ﷺ کے حسب فرمان بشارت دی۔ انہوں نے خُدا کا شکر ادا کیا (پھر انہی الفاظ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے)

پھر ایک شخص نے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی تو حضور نبی کریم ﷺ نے مجھے فرمایا: دروازہ کھول دو اور اس کو بھی جنت کی خوشخبری سنا دو ایک مصیبت پر جو ان کو پہنچے گی۔ وہ عثمان رضی اللہ عنہ تھے۔ پس میں حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق انہیں خوشخبری سنا دی۔ انہوں نے خُدا کا شکر ادا کیا اور کہا: اس مصیبت پر اللہ مددگار ہے۔

۳) حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے نبی کریم ﷺ سے دو بار جنت خریدی۔ (ایک دفعہ) جب چاہ رومہ کو خریدا اور (دوسری دفعہ) جب جیش العسرۃ کا سامان مہیا کیا۔

۴) ثمامۃ بن حزن القشیری سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں (محاصرہ کے دوران) میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود تھا' جب کہ (مکان کی چھت پر چڑھ کر) وہ لوگوں کے سامنے آئے اور فرمایا:

میں تمہیں اللہ اور دین اسلام کی قسم دے کر پوچھتا ہوں' کیا تم جانتے ہو کہ جب رسول اللہ ﷺ (ہجرت فرما کر) مدینہ تشریف لائے اس وقت مدینہ میں چاہ رومہ کے سوا میٹھا پانی کہیں نہیں تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کون ہے' جو چاہ رومہ کو خرید کر اس میں اپنا ڈول مسلمانوں کے ڈول کے برابر (یعنی اسے تمام مسلمانوں کے لئے وقف) کر دے تا کہ اسے جنت میں اس کنوئیں سے بہتر بدلہ ملے گا؟ پس میں نے خالص اپنے مال سے خریدا (اور وقف کر دیا) اور آج تم مجھے اسی کنوئیں کا پانی پینے سے منع کرتے ہو اور میں (مجبوراً) کھارا پانی پیتا ہوں۔ سب نے جواب دیا' بخُدا ہاں! (ہم جانتے ہیں) پھر فرمایا: میں تمہیں اللہ اور دین اسلام کا واسطہ دے کر پوچھتا

ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ مسجد (نبوی) نمازیوں پر تنگ ہوگئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون ہے' جو فلاں گھرانے کی زمین کا ٹکڑا خرید کر مسجد کو بڑھا دے' اس لئے کہ اسے جنت میں اس سے بہتر بدلہ ملے گا؟ پس میں نے اس زمین کو خالص اپنے مال سے خریدا (اور مسجد نبوی وسیع ہوگئی) اور آج تم لوگ مجھے اسی مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرنے سے منع کرتے ہو۔ لوگوں نے کہا' بخدا ہاں! (ہم خوب جانتے ہیں)

۵) ابوداؤد الطیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ایک شخص پر ہجوم کرو گے' جس نے چادر سے سر اوڑھ رکھا ہوگا' لوگوں سے بیعت لے رہا ہوگا' وہ اہل جنت سے ہوگا۔ راوی کہتا ہے۔ ہم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ہجوم کیا' جب کہ انہوں نے چادر سے سر اوڑھ رکھا تھا اور لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔

نمونہ اخلاق رسول ﷺ

حضور ﷺ کی صحبت و تربیت نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سیرت کی تشکیل اور کردار کی تعمیر اس حد تک کی کہ آپ حضور نبی کریم ﷺ کے رنگ میں رنگے گئے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''عثمان میرے سب صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے خلق میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہیں''۔

جود و سخا

''خلفائے راشدین'' کا فاضل مصنف لکھتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عرب میں سب سے زیادہ دولت مند تھے۔ اس کے ساتھ خدا نے فیاض طبع بھی بنایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی فیاضی' اپنے مال و دولت سے اس

وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا' جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا۔

ایک دفعہ ایک جہاد میں ناداری اور مفلسی کے باعث مسلمانوں کے چہرے اداس تھے اور اہل نفاق ہشاش بشاش ہر طرف اکڑتے پھرتے تھے۔ اسی وقت چودہ اونٹوں پر سامان خورد ونوش بار کر کے حضور نبی کریم ﷺ کے پاس بھیجا کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم فرما دیں۔

ایک موقع پر شہد اور چھنے ہوئے آٹے سے ایک کھانا تیار کر کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا' جب وہ آپ کے سامنے رکھا گیا تو ارشاد فرمایا کہ یہ کس نے بھیجا ہے؟ عرض کیا گیا: عثمان رضی اللہ عنہ نے' پس حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا کی' الٰہی! عثمان (رضی اللہ عنہ) تیری رضا چاہتا ہے تو اس سے راضی ہو جا''۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہر نبی کا ایک رفیق ہوتا ہے اور میرا رفیق یعنی جنت میں عثمان (رضی اللہ عنہ) ہے''۔

(ترمذی وابن ماجہ)

ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا: ''نبی کریم ﷺ ایک شخص کے جنازہ پر تشریف لائے تاکہ نماز جنازہ پڑھائیں' لیکن آپ نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔ عرض کیا گیا: اس سے قبل ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی کی نماز جنازہ نہ پڑھائی ہو۔ فرمایا: ''یہ عثمان (رضی اللہ عنہ) سے بغض رکھتا تھا' لہٰذا اللہ عزوجل اس کو مبغوض رکھتے ہیں''۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی اتنا ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے نہیں دیکھا کہ آپ کی بغل مبارک ظاہر ہو جائے مگر عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کے لئے جب دعا فرماتے تھے یونہی دعا فرماتے تھے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اوّل شب سے طلوع فجر تک ہاتھ اٹھا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے دعا ارشاد فرماتے رہے۔ فرماتے تھے۔ ”پروردگار! میں عثمان (رضی اللہ عنہ) سے راضی ہوں' آپ بھی راضی ہو جائیں“۔

اور ایک روایت میں ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے تیرے پچھلے' خفیہ' ظاہر سب گناہ معاف فرما دیئے' جو تجھ سے ہو چکے یا ہوں گے“۔

فقہ و اجتہاد

عہد رسالت اور خلافت صدیقی و فاروقی میں جمعہ کی دوسری اذان نہیں ہوتی تھی' خلافت عثمانی میں جب آبادی بہت پھیل گئی' لوگوں اور نمازیوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دوسری اذان کا حکم دیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ اجتہاد صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت میں اتنا مقبول ہوا کہ امت میں مستقل معمول بن گیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض اجتہادات سے امت کو ضیق و زحمت' تنگی اور تکلیف سے بچایا۔ مثلاً دیت میں اونٹ دینے کا رواج تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی قیمت بھی دینی جائز قرار دی۔

اندازہ کرو۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے امت کے لئے کتنی سہولت اور کتنی وسعت پیدا کر دی تھی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فقہ و اجتہاد کی بنیاد سنت رسول ﷺ پر ہے۔ آپ

اپنے آقا ﷺ کی سنت کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر صحیح اجتہاد فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں۔

''خدا کی قسم! ہم لوگ سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے' ہم بیمار ہوتے تو آپ ﷺ ہماری عیادت فرماتے' ہمارے جنازوں کے پیچھے چلتے' ہم کو ساتھ لے کر جہاد کرتے تھے' کم وبیش جو کچھ ہوتا' اس سے ہماری غم خواری فرماتے۔ اب ایسے لوگ ہم کو آپ کی سنت بتانا چاہتے ہیں' جنہوں نے شاید آپ کی صورت بھی نہ دیکھی ہو''۔

فقہ و اجتہاد میں آپ کے مقام کی عظمت اور بلندی کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم اجمعین آپ سے استفادہ کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان سے مسئلہ پوچھا' آپ نے بتایا' پھر اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب' زبیر' طلحہ' اور ابی بن کعب (رضی اللہ عنہم) سے یہی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے موافق بتلایا۔

روایت حدیث

سیّدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضور نبی کریم ﷺ سے جو خاص قرب و تعلق اور آپ کی طویل صحبت کا جو مجد و شرف حاصل تھا' اس کے پیش نظر آپ سے حدیث کی روایات بہت کم ہیں۔

آپ کی کل روایتوں کی تعداد ۱۴۶ ہے' جن میں تین متفق علیہ ہیں' یعنی بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں' اور صرف آٹھ بخاری میں اور پانچ صرف مسلم میں۔ اس طرح صحیحین میں آپ کی کل تعداد ۱۶ حدیثیں ہیں۔

قلت روایت کی وجہ آپ خود بیان فرماتے ہیں۔

''آنحضرت ﷺ سے بیان کرنے میں یہ چیز مانع ہوتی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف وہ منسوب کرے گا' جو میں نے نہیں کہا ہے' وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

اتباع سنت

سیدنا حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم ﷺ کے محب صادق تھے' لہٰذا آپ کے مطیع و منقاد اور آپ کی سنت کے تابع و متبع تھے۔ ذیل میں آپ کی اتباع سنت کے چند جلوے ملاحظہ ہوں۔

۱) اپنے ہر قول و فعل یہاں تک کہ حرکات و سکنات اور اتفاقی باتوں میں بھی محبوب آقا ﷺ کی اتباع کو پیش نظر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کر کے متبسم ہوئے' لوگوں نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی تو فرمایا: میں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ (روحی فداہ) کو اسی طرح وضو کر کے ہنستے ہوئے دیکھا تھا''۔

۲) ایک دفعہ سامنے سے جنازہ گزرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا: حضور ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

۳) ایک دفعہ عصر کے وقت سب کے سامنے وضو کر کے دکھایا کہ آنحضرت ﷺ اسی طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔

۴) ایک دفعہ مسجد کے دوسرے دروازہ پر بیٹھ کر بکری کا پٹھا منگوایا اور کھایا اور بغیر تازہ وضو کئے ہوئے نماز کے لئے کھڑے ہو گئے' پھر فرمایا: ''آنحضرت ﷺ نے بھی اسی جگہ بیٹھ کر کھایا تھا اور اسی طرح کیا تھا''۔

۵) حضرت عبدالرحمٰن بن ابان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس وضو کا پانی لایا۔ وہ بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے نہایت اچھا وضو کیا۔ پھر فرمایا: میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو دیکھا' آپ نے اسی جگہ بیٹھ کر نہایت اچھا وضو کیا۔ پھر فرمایا: جو شخص اسی طرح وضو کر کے مسجد میں آئے اور دو رکعت نماز پڑھے' پھر فرض نماز کے انتظار میں بیٹھ جائے تو اس کے تمام گذشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

ایک دفعہ حج کے موقعہ پر مزدلفہ میں نماز فجر کے بعد جب خوب روشنی پھیل گئی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر امیر المومنین اس وقت یہاں سے چل کھڑے ہوں تو سنت کے عین مطابق ہو'۔ راوی کہتا ہے میں نہیں کہہ سکتا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات پہلے کہی یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پہلے روانہ ہوئے''۔

عشق و محبت کی انتہا یہ ہے کہ محبّ صادق بادۂ محبت سے اس درجہ مست و بے خود ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے۔ اسے اپنی جان کی پروا نہیں ہوتی' وہ جان پر کھیل کر بھی محبوب کی محبت کا حق ادا کرتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی عشاق و محبین صادق کے سرخیل ہیں۔ آپ نے اپنے محبوب' محبوب خدا ﷺ کی ذات تو ذات' آپ کے جوار پر اپنی جان قربان کر دی۔ جام شہادت نوش فرما لیا' لیکن مدینۃ الرسول کو چھوڑنا یا اہل مدینہ کو تنگ کرنا گوارا نہ کیا۔

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ گورنروں کی کانفرنس ختم ہو جانے پر جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کو واپس جانے لگے تو آپ نے رخصت ہوتے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: حضرت امیر المومنین! آپ پر حملہ کا خطرہ ہے' آپ میرے ساتھ شام کو چلیں' اہل شام وفادار ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

میں رسول اللہ ﷺ کا قرب اور ہمسائگی کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑ سکتا' اگرچہ اس میں میری رگ گردن کاٹ دی جائے۔ اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض

کیا: پھر میں اہل شام سے ایک لشکر بھیج دوں' جو مدینہ میں رہ کر آپ کی حفاظت کرے۔

ارشاد فرمایا: میں مدینہ میں لشکر رکھ کر حضور نبی کریم ﷺ کے ہمسایوں (اہل مدینہ) کے رزق میں کمی کروں اور دار الہجرت والنصرت (مدینہ طیبہ) کے رہنے والوں کو تنگ کروں؟ (یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا! امیر المومنین! (پھر) آپ کے ساتھ ضرور دھوکا کیا جائے گا اور آپ سے ضرور لڑائی کی جائے گی۔

فرمایا: حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل۔

تقریر وخطابت

اپنی خلافت کی بیعت لینے کے فوراً بعد آپ نے جو خطبہ دیا' وہ آپ کی مہارت تقریر و خطابت پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیعت لینے کے بعد خطبہ دیا' فرمایا:

''میرے نازک کندھوں پر یہ بارِ گراں ڈال دیا گیا ہے' جسے میں نے قبول کر لیا ہے۔ سن لیجئے میں کتاب و سنت کی اتباع کرنے والا ہوں' میں اپنی طرف سے بدعت وایجاد کرنے والا نہیں''۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

''پھر سن لیجئے! کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بعد تمہارے مجھ پر تین حق ہیں۔ حضرات شیخین کی اتباع یعنی جن امور پر امت کا اجماع ہو جائے اور اہل خیر کی سنت پر عمل پیرا ہونا اور اپنے آپ کو تم سے روکے رکھنا' سوائے ان امور کے جن کو تم خود واجب کر لو۔ سن لو! بلاشبہ دنیا ایک ''سبز باغ'' ہے' جو لوگوں کے دلوں کو لبھاتی ہے اور اس کی طرف بہت سے لوگ جھک جاتے ہیں' پس تم دنیا سے دل نہ لگاؤ اور نہ ہی اسے مضبوط پکڑو۔ یہ مضبوط و محکم چیز نہیں اور جان لو کہ دنیا کسی کو نہیں چھوڑتی' سوائے اس کے' جو اسے چھوڑ دے''۔

امام طبری اور امام ابن کثیر رحمۃ اللہ نے آپ کا آخری خطبہ بھی روایت کیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جماعت مسلمین سے خطاب فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا محض اس لئے دی ہے تا کہ تم اس کے ذریعے آخرت طلب کرو۔ اس لئے نہیں دی کہ تم اس کو دل دے بیٹھو' کوئی شک وشبہ نہیں کہ دنیا فنا پذیر ہے اور آخرت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ یہ فانی دنیا تمہیں بہکا نہ دے اور آخرت سے تمہیں غافل نہ کر دے کہ تم باقی کو فانی پر ترجیح دو۔ یقین مانو' دنیا آخر اختتام پذیر ہے اور آخر اللہ کی طرف لوٹ جانا ہے۔ اللہ عزوجل سے ڈرنا' بلاشبہ اللہ سے ڈرنا اس کے عذاب سے ڈھال ہے اور اس کی رحمت اور قرب کا وسیلہ ہے۔ اللہ غیور ڈ،رو اور اپنی جماعت کو لازم پکڑو۔ فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو' جب کہ تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے' پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی' تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔

پیکر حیاء

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رب دو عالم نے شرم وحیاء کی دولت سے غیر معمولی طور پر نوازا تھا۔ حضور سلطان دو عالم ﷺ بھی آپ کی حیاداری کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ حمام میں بھی کپڑوں کے ساتھ نہاتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے' آپ کی پنڈلیوں پر سے تہد کسی قدر اوپر تھا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اسی طرح تشریف فرما رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اسی طرح بیٹھے رہے۔ صحابہ آتے گئے مگر آپ کی نشست کا انداز وہی رہا۔ کچھ دیر بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے تہد فوراً نیچے کھسکا لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے تعجب کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس سے حیا کیوں نہ کروں جس

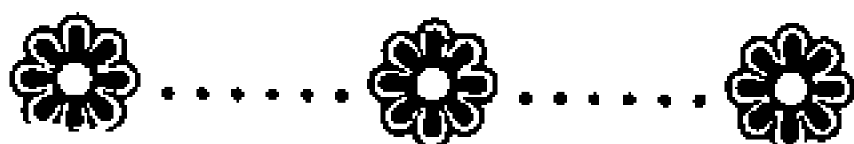
سے فرشتے بھی حیا کرتے۔

ایک روایت میں ہے۔ فرمایا: عثمان (رضی اللہ عنہ) بہت زیادہ صاحب حیاء ہیں' مجھے خوف تھا کہ اگر انہیں اسی حالت میں حاضر ہونے کی اجازت دے دیتا تو وہ مجھے نہ مل سکتے اور جو بات انہیں کہنی تھی' نہ کہہ سکتے (یعنی میری پنڈلیوں کو کھلا دیکھ کر غلبۂ ادب اور غائت حیاء سے واپس چلے جاتے)

حبیبِ خُدا کے حبیب

ابو یعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے معانقہ کیا اور فرمایا: تو دنیا میں بھی میرا دوست ہے اور آخرت میں بھی میرا دوست ہے۔

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ بن عبداللہ سے روایت کی ہے' وہ کہتے تھے ہم مہاجرین کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے' ایک مکان میں بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر شخص اپنے کفو کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ نبی کریم ﷺ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف تشریف لے گئے اور ان سے بغل گیر ہوئے اور فرمایا: تم دنیا اور آخرت میں میرے دوست ہو۔



سیرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

سیّدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ بلاشبہ اپنے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے خلیفۂ سوم کے منصب پر فائز ہونے کے حقدار تھے۔ جملہ صحابہ کرام اور اہل مدینہ آپ کے روحانی مقام و مرتبہ اور اسلام کی راہ میں غیر معمولی اور بار بار ایثار سے واقف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ اتفاق رائے سے مسلمان امت کے خلیفۂ ثالث منتخب ہوئے تو ایک آواز بھی آپ کی مخالفت میں نہ اٹھی۔ ہم نے شرح کے ساتھ آپ کے حالات زندگی، خصائل و فضائل اور تعلیمات اسلامی کی رو سے آپ کے مقام و مرتبہ کو اجاگر کیا ہے کہ اہل ایمان کو احساس ہو جائے کہ اس امام عظیم کو شہید کر کے بلوائیوں نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔ خود تو وہ جہنم کے بدترین گڑھوں میں اپنا انجام بھگت رہے ہوں گے لیکن یہ بدبخت ٹولہ انتقام کی اندھی آگ کا اسیر ہو کر ملت اسلامیہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انتشار و افتراق کے حوالے کر گیا۔ اب یہ بات کرتے ہوئے قلم لرز لرز اٹھتا ہے۔ پھر بھی آپ کی سیرت پاک کی ایک جھلک قارئین تک پہنچا رہے ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بہت ذہین، نرم خو، معاملہ فہم اور سمجھدار انسان تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ ان چند لوگوں میں سے تھے جو شروع ہی سے پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں ہی مشرف باسلام ہو گئے تھے اور ہر مشکل سے مشکل وقت میں بھی استقامت دکھائی۔ آپ ان صحابہ میں سے تھے جنہیں دنیا میں جنت کی بشارت مل گئی

تھی۔ قانون وراثت کے ماہرین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔

آپ میں صبر و تحمل اور عفو و درگزر کا وصف اس حد تک تھا کہ آپ کے عہد کے آخری حصے میں لوگوں نے شورش برپا کر دی۔ اس دوران آپ نے تمام مصائب صبر اور تحمل کے ساتھ برداشت کئے۔ طاقت اور قوت کے استعمال کی بجائے ان سے نرمی کا سلوک کیا اور بدکلامی سے نہ روکا۔ آپ ان کے الزامات سنتے رہے اور جوابات دیتے رہے۔ حالانکہ بلوائی علی الاعلان جھوٹے اور مفسد تھے مگر آپ نے اتمام حجت کا کوئی پہلو نہ چھوڑا۔ تمام صوبوں کے گورنر اور عمال حکومت انہیں اپنے علاقوں میں جانے کی پیشکش کر رہے تھے۔ اور ساتھ ہی ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ اگر آپ ہمارے ہاں نہیں چلتے تو پھر ہمیں فوجیں مدینہ طیبہ میں بھیجنے کی اجازت دیجئے۔ مگر آپ فرماتے ہیں کہ مدینہ کو دارالامن سمجھتا ہوں' یہاں دکھ درد کے ماروں کو اماں ملتی ہے' یہاں روضہ رسول ﷺ ہے جہاں اونچی آواز سے بات کرنا منع ہے' مجھے مدینے میں موت گوارا ہے' بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جسے مرنے کی توفیق ہو وہ مدینہ میں مرے' تو میں شہر محمد ﷺ کو چھوڑ کر کیوں جاؤں۔ بلواؤں نے جب قصر امارت کا محاصرہ لیا اور آپ سمجھ گئے تھے کہ وقت آخر آ پہنچا ہے' مگر آپ نے پھر بھی مدینہ منورہ چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ جب خلافت سے دستبرداری کے لئے بلوائیوں نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ جو قمیص (خلافت) مجھے سرکار دو عالم ﷺ نے پہنائی ہے میں اسے کس طرح اتار سکتا ہوں۔ بالآخر یہی جسم پاک اس قمیض مبارک سمیت خاک و خون میں نہلا گیا مگر آپ خلافت سے دستبردار نہ ہوئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر خدا کا خوف بہت غالب رہتا تھا۔ کسی قبر کے پاس سے گزرتے تو آخرت کے خوف سے اس قدر روتے کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ کسی آدمی کے خلاف سخت رویہ اختیار کرنے سے بیشتر بہت دفعہ سوچتے کہ مبادا کہیں

اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ بہت نرم مزاج ہو گئے تھے۔ آپ کے پاس لونڈی غلاموں کی کمی نہ تھی لیکن رات کے وقت کبھی کسی کو تکلیف نہ دیتے اور اپنے کام خود ہی کرتے۔

حُبِّ رسول ﷺ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مجسمہ خلق و محبت تھے' بالخصوص نبی کریم ﷺ کی ذات سے تو آپ کو بے حد محبت تھی۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ جب تک رہے آپ ﷺ کی ہر تکلیف پر بے چین ہوئے۔ آپ کی خدمت میں حاضری باعث سعادت سمجھتے۔ خود نبی کریم ﷺ کو آپ سے بہت محبت تھی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سابقون الاولون میں سے تھے۔ ان کی زندگی کا مقصد دین کی سربلندی تھا۔ انہوں نے اس اشاعت دین کے سلسلے کو مزید آگے بڑھایا جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے شروع کیا تھا۔ آپ نے مفتوحہ علاقوں میں آئمہ مساجد کے علاوہ مؤذن مقرر کئے تاکہ بروقت نماز کا اہتمام ہو سکے۔ مؤذنوں کو معقول تنخواہیں دی جاتی تھیں تاکہ وہ مساجد کی خدمت میں بھرپور دلچسپی لیں۔

مدینہ طیبہ میں آنیوالے مسلمانوں کی تعداد روزافزوں تھی۔ آپ نے ضرورت کے پیش نظر مسجد نبوی کی توسیع و تعمیر نو کا بندوبست کیا۔ مسجد کے طول وعرض میں ۳۰ گز کا اضافہ کیا گیا۔ نئی عمارت پروقار تھی اور اسے پتھر' چونے اور سیسے سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس طرح مسجد خوبصورت بھی ہو گئی اور پائیدار بھی۔

غنی

آپ کی سب سے نمایاں خصوصیت غناء تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار دولت سے نوازا تھا۔ لاکھوں روپے کا تجارتی کاروبار تھا۔ نقد دولت اور تجارت کے

علاوہ کافی زمین آپ کی ملکیت تھی۔ آنحضرت ﷺ نے بھی خیبر میں ایک قطعۂ زمین آپ کو عنایت فرمایا تھا۔ آپ نے عمر بھر دولت کو خدا کی راہ میں بے دریغ خرچ کیا۔ آپ سینکڑوں بیواؤں، یتیموں، اور مسکینوں کی کفالت کرتے تھے۔ اپنے عزیز و اقارب کی بھی اکثر امداد کرتے رہتے۔ ہر جمعہ کو ایک غلام خرید کر آزاد کرتے۔

زکوٰۃ لینے والا نہیں ملتا تھا اس لئے "غنی" کی دریا دلی ہر جگہ اپنا رنگ دکھاتی رہی۔ آپ نے پبلک عمارات کی تعمیر پر کافی رقم خرچ کی۔ بے شمار سڑکیں، پل، مسافر خانے اور سرائیں تعمیر کروائی گئی۔ کئی راستوں پر میٹھے پانی کے کنوئیں کھدوائے گئے۔ مدینہ کو سیلاب سے بچانے کے لئے ایک بند بنوایا گیا اور ایک برساتی نہر کھود کر اس کا رخ تبدیل کر دیا گیا۔ مدینہ منورہ میں پانی کا انتظام ناکافی تھا۔ ایک اور کنواں خرید کر وقف کر دیا گیا۔ الغرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں آپ کی فیاضیٔ طبع سے عوام بھرپور طریقے سے فیضیاب ہوئے۔

آپ کو خالق کونین نے بہت کچھ عطا کر رکھا تھا۔ مال و زر کے ڈھیر لگے تھے۔ آپ کے تجارتی قافلے ہمیشہ محو سفر رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جو کام بھی شروع کیا اس میں منافع ہی منافع عطا ہوتا رہا۔ اس نفع عام کا سبب آپ کا غنی ہونا تھا۔ "عثمان غنی" کے نام کی رعایت سے "غنی" کا لفظ آپ کے نام کا مستقل حصہ بن گیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں امیر المومنین نہیں تھا تو بھی رب کریم نے مجھے مال کثیر سے نواز رکھا تھا، اور میں دل کھول کر مسلمانوں کی امداد کے لئے خرچ کرتا تھا، اور اب جبکہ میں امیر المومنین ہوں، بیت المال سے کچھ نہیں لیا۔ میرا دست غنا اور عطا کا ہاتھ پہلے سے بھی کشادہ ہو گیا ہے مگر میرے مال میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ حکومت سنبھالنے سے پہلے اور بعد میں میں نے اپنے مال کو ہمیشہ اپنا نہیں بلکہ اپنے خدا کی عطا سمجھا ہے اس لئے جہاں سو درہم کی ضرورت ہے وہاں ہزار

درہم خرچ کرتا ہوں۔ کہتے ہیں آپ کے دروازے پر سائلوں کی بھیڑ لگی ہوتی اور آپ اکثر اوقات انہیں اپنے ذاتی مال سے عطا کیا کرتے۔

ایک بار ایک انصاری نے اپنے پڑوسی کی شکایت بارگاہ نبوی میں پیش کی کہ وہ میرا ایسا پڑوسی ہے جس کے صحن میں اگے ہوئے درخت کی ایک ٹہنی میرے گھر میں ہے۔ اگر اس شاخ کا پھل میرے گھر میں گر جاتا ہے تو وہ بہت سختی سے اٹھا لیتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس (منافق) کو بلا کر فرمایا کہ تو یہ درخت میرے ہاتھ فروخت کر دے، اس کے بدلے میں تجھے جنت میں درخت دیا جائے گا۔ اس منافق نے انکار کر دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک پورے باغ کے عوض وہ درخت خرید کر اس انصاری کو دے دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ سمجھ جائے گا جس کے دل میں خدا کا خوف ہوگا اور دور رہے گا بد بخت جو میری آگ میں داخل ہوگا (پ ۳۰ سورہ الاعلیٰ)

صاحب نور العرفان رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر روح البیان کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ آیت مقدسہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدح اور ایک منافق کی مذمت میں نازل ہوئی۔

جب مسلمان مکہ سے مدینہ منورہ آئے تو ان کے پاس پانی کا کنواں کوئی نہیں تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم دے کر کنواں مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

•

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شدید قحط پڑا۔ لوگوں کو موت چھائی ہوئی محسوس ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگے۔ اے خلیفۂ رسول ﷺ بارش نہیں ہو رہی اور قحط سالی سے عوام اور مویشی ہلاک ہو رہے ہیں، اب کیا کریں۔ انہوں نے کہا، صبر کرو۔ میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ شام سے پہلے پہلے اللہ تمہاری یہ مصیبت دور فرما دے گا۔ شام ہوئی تو خبر آئی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا

قافلہ غلہ لے کر صبح تک مدینہ منورہ پہنچنے والا ہے۔ جب قافلہ مدینے پہنچا تو لوگ اسے دیکھنے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک ہزار اونٹ گندم' پھل اور خشک انگور سے لدے ہوئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر بیٹھے ہیں۔ جب تجارت کا سارا مال گوداموں میں رکھ دیا گیا تو تاجر بھی آ گئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا: ہم ایک پر دو درہم نفع دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس سے زیادہ نفع ملتا ہے۔ انہوں نے کہا: آپ ایک درہم کے مال پر چار درہم منافع لے لیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے اس سے بھی زیادہ ملتا ہے۔ انہوں نے کہا: پانچ درہم لے لیں۔ فرمایا: مجھے اس سے بھی زیادہ ملتا ہے۔ انہوں نے کہا: اے عثمان رضی اللہ عنہ! مدینہ میں ہمارے سوا کوئی تاجر نہیں جو آپ کو اس سے زیادہ نفع دے دے اور نہ ہی کوئی تاجر ہم سے پہلے آپ کے پاس آیا ہے۔ آپ نے فرمایا

ترجمہ "بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک درہم کے عوض دس درہم منافع دیا ہے۔ کیا آپ اس سے زیادہ منافع دے سکتے ہیں؟۔

تاجروں نے کہا: ہم اتنا زیادہ منافع دینے کی ہمت نہیں رکھتے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ

ترجمہ میں نے ایک ہزار اونٹ پر لدا ہوا سارا تجارتی مال اللہ کے لئے مسلمان فقراء و مساکین میں صدقہ کر دیا ہے"۔ (نور الابصار ص ۷۳)

ترمذی نے عبدالرحمٰن کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جیش عسرۃ کی تیاریاں تھیں۔ فصلیں ابھی پکی نہیں تھیں۔ یہی حال باغ کا تھا۔ حضور ﷺ صحابہ کرام کو ترغیب دے رہے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سو اونٹ مع پالان اور سامان اپنے ذمے لئے۔ حضور ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے بغیر دوسرے صحابہ کو تلقین کرتے رہے' پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دو سو اونٹ فرما دیئے' پھر تین سو اونٹ مع پالان اور

سامان کا اعلان کیا حضور ﷺ مسکراتے منبر سے نیچے اترے اور فرمایا: عثمان (رضی اللہ عنہ) کے جرم و گناہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ جب لشکر تیار ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار دینار بارگاہ سرور عالم ﷺ میں پیش کر دیئے۔ حضور ﷺ انہیں الٹتے پلٹتے جاتے اور فرمار ہے تھے۔ آج کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کا کوئی عمل ان کو ضرر نہیں پہنچائے گا۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ، حاکم اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے مرہ بن کعب سے روایت کی ہے کہ ایک بار رسول اکرم ﷺ مستقبل کے فتنوں کا ذکر کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک صاحب سر پر کپڑا اوڑھے ہوئے تشریف لائے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا: اس روز یہ ہدایت پر ہوگا۔ میں نے کھڑے ہو کر دیکھا کہ یہ کون صاحب ہیں، تو دیکھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ان کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: کیا یہ ہدایت پر ہوں گے؟ تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں یہی۔

ابن سعد نے حضرت موسیٰ ابن طلحہ رضی اللہ عنہ کی زبانی لکھا ہے، میں نے خود دیکھا کہ ایک جمعہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ زرد رنگ کا لباس پہنے ہوئے مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر تشریف لے جا کر لوگوں سے بازار کے بھاؤ، ان کے کوائف اور مریضوں کے حالات دریافت فرمارہے تھے اور مؤذن جمعہ کی اذان دینے کی تیاری کر رہا تھا۔

حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رات کو خود اٹھ کر خود ہی وضو کا سامان فراہم کر لیتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کسی غلام کو بیدار کر لیا کریں تو آپ نے فرمایا: میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کیونکہ رات کو تو وہ بھی آرام کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی زیرک اور فرض شناس حکمران تھے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کا کہنا ہے کہ اقتدار کے اولین چھ سالوں میں آپ ہم کو حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ سے زیادہ معاملہ فہم اور حکمرانی کے تقاضوں سے زیادہ بہرہ ور نظر آتے تھے۔ آپ کے مزاج میں عاجزی تھی۔ شہادت کے آخری دنوں میں آپ کے خطبات سن کر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ صدیاں بیت چکی ہیں مگر اس دور پر آشوب کا تصور کرتے ہی دل و جان لرزنے لگتے ہیں۔ آپ کا صبر و تحمل بلاشبہ تاریخ کا المناک اور روشن باب ہے۔ جان جاتی ہے تو جائے مگر میں حکم رسول اللہ ﷺ سے انحراف نہیں کروں گا اور مدینہ کی سرزمین کو اپنے علاوہ غیروں کے خون سے ناپاک نہیں کروں گا۔ اللہ اللہ افواج عالم اسلام حکم کی منتظر ہیں مگر آپ اپنے خاندان والوں کے ساتھ صورت حال کا سامنا کرنے کو ہر لحظہ تیار ہیں۔

حالات اور نازک ہو گئے۔ مقتدر صحابہ امداد کی خاطر یکے بعد دیگرے حاضر ہوتے رہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا "اس وقت سات سو جانبازوں کی جمعیت محل سرا کے اندر موجود ہے۔ ایک بار اجازت دیجئے ہم باغیوں کی طاقت آزمائیں گے" آپ نے فرمایا "میں خدا کا واسطہ دیتا ہوں ایک بھی مسلمان میرے لئے خون نہ بہائے"۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہوتے رہے مگر آپ کا ایک ہی اصرار تھا کہ کوئی مسلمان میرے لئے خون نہ بہائے۔ آپ نے تو گھر کے غلاموں کو بھی فرما دیا کہ جاؤ تم خدا کے لئے آزاد ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دبے لفظوں میں حکم جہاد کی طرف اشارہ کیا تو آپ نے فرمایا:

"اے ابو ہریرہ! کیا تمہیں پسند آئے گا کہ تم تمام دنیا کو اور مجھے بھی قتل کر دو"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "اے امیر المومنین! کیا کوئی مسلمان ایسی چیز کو بھی پسند کر سکتا ہے"۔

ارشاد فرمایا: اگر تم نے ایک شخص کو بھی ناحق قتل کیا تو گویا تم نے سب مخلوق قتل کر دی۔ یہ سورۂ مائدہ کی طرف اشارہ تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو چپ ہو گئے

اور خاموشی سے واپس تشریف لے گئے۔

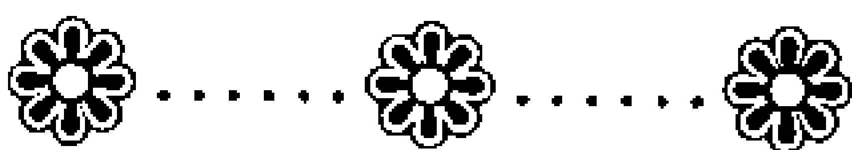
حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کلام اللہ پر عبور حاصل تھا۔ اس صحیفۂ قرآنی سے خاص شغف تھا۔ اس کی تعلیم انہوں نے زبان نبوت سے حاصل کی تھی۔ ایک ایک رکعت میں پورا پورا قرآن ختم کر دیتے۔ اس ذوق وشوق کے کمال کی وجہ سے کلام اللہ کی تفہیم پر آپ کی گہری نظر تھی۔ کلام اللہ میں تغیر وتبدل کے خوف سے روایات بہت کم کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ احادیث بیان کرنے میں یہ امر مانع آتا ہے کہ ممکن ہے اور صحابہ کے معاملہ میں حدیث کو زیادہ محفوظ رکھتا ہوں اور میں نے حضرت محمد ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف ایسا قول منسوب کرے گا جو میں نے نہیں کہا تو اس کو چاہیے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنانے کے لئے تیار رہے۔ اس خطرہ سے آپ بہت کم روایتیں کرتے تھے۔

علم فرائض میں آپ جماعت صحابہ میں ممتاز تھے۔ عہد صحابہ میں اس فن کے دو بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ۔ انہی دونوں بزرگوں نے اس فن کو باقاعدہ مرتب کیا۔ اس عہد کے بزرگ سوچا کرتے تھے کہ اگر یہ دونوں اٹھ گئے تو علم فرائض کا خاتمہ ہو جائے گا۔ خصوصاً وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ یہی دونوں بزرگ کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی رقیق القلب تھے۔ آپ شروع زندگی سے غیر معمولی مال دار تھے لیکن مال ودولت کی کسی برائی سے آپ کا دامن آلودہ نہیں ہوا۔ کسی قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے خوف الٰہی طاری ہو جاتا تھا اور اتنی رقت طاری ہو جاتی تھی کہ روتے روتے داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ آپ پر آخرت کے مؤاخذہ کا خوف اس قدر طاری رہتا تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر مجھے یہ علم ہو کہ میں جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں تو میں اس کا فیصلہ ہونے کے مقابلہ میں خاک ہو جانا پسند کروں گا۔ آپ کو حضور ﷺ سے خصوصی تعلق تھا۔ آپ کے دل میں ہمیشہ

خوشنودیٔ رسول ﷺ کے لئے احکاماتِ مصطفوی اور عوام الناس کی خدمت کا جذبہ فروزاں رہا۔ آپ حلم وعفو کا پیکر تھے۔ آپ میں یہ وصف اس قدر غالب تھا کہ لوگ اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ اموی عمال کی بدعنوانیاں آپ کے اسی وصف کا نتیجہ تھی۔ آپ شروع سے لے کر آخر تک دولت وثروت کے گھوارے میں رہے۔ خوش خوراک خوش لباس تھے' دستر خوان وسیع تھا لیکن اچھے لباس کے ساتھ معمولی کپڑے بھی پہنتے تھے۔

زمانہ صدیوں کا سفر کرتا رہے گا مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ثانی تو کجا' کسی میں آپ کے اوصاف کا سایہ بھی نہ ملے گا۔ سبائیوں' بلوائیوں' شیطان صفت دشمنوں نے آپ کو شہید کر کے امت اسلام کے اتحاد واتفاق کے خواب کو پارینہ کر دیا۔ وہ تمام عصبیتیں' منافرتیں اور قبائلی' لسانی اختلاف جاگ اٹھے جنہیں خلفائے راشدین نے دبا رکھا تھا۔

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خوں نابہ بار
خود ہی ہاتھوں سے لٹایا عظمتِ حق کا وقار
سیّدِ عثماں گئے تو وحدتِ مُسلم گئی
اپنے ہاتھوں ہوگئی پھر شانِ مسلم تار تار
حضرت عثمان' دامادِ شہ ہر دوسرا
ان کی نعشِ پاک ہے نوحہ کناں اب بار بار
میرے آقا کے غلامو! کیا یہی ایمان ہے
کیا یہی عشقِ نبی ہے' شوکتِ قرآن ہے



علی شیرِ مولا ہے جانِ نظر ہے
علی ظلمتوں میں یقیں کی سحر ہے
علی حسنِ قرآن شیرِ خدا ہے
علی کا ہے جو قول وہ پُراثر ہے

(خلیفۂ چہارم)

حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

مُسلمِ اوّل شہِ مرداں علی
عشق را سرمایۂ ایماں علی
شیر حق ایں خاک را تسخیر کرد
ایں گلِ تاریک را اکسیر کرد

(علامہ محمد اقبال)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

فاتح خیبر علی المرتضیٰ حیدر خطاب
مسلم اول، شہ مردانِ حق عالی جناب

حاسدینِ سرورِ ہر دوسرا کے واسطے
آپ کی شمشیر براں تھی مقدر کا عتاب

سرورِ کونین ہیں شہرِ علوم کائنات
ہیں علی المرتضیٰ اس شہر کے پرنور باب

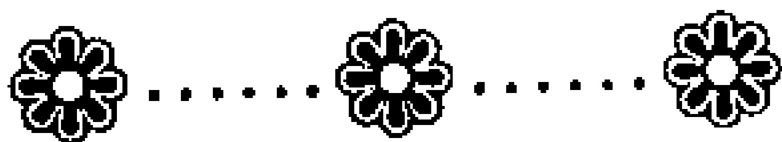
ختم تھیں مولا علی پر فکر کی باریکیاں
زہد وتقویٰ اور عبادت میں تھے آپ اپنا جواب

آپ کا ہر قول ہے شرحِ بیانِ زندگی
آپ کے قلبِ حسیں پر نقش تھی ام الکتاب

آپ اپنوں کے لئے تھے رحمتِ حق کی دلیل
دشمنانِ دین کے حق میں تھے قدرت کا عذاب

آپ کے ذہنِ رسا کی عظمتوں کو دیکھ کر
ہونے لگتے ہیں سبھی اہل تدبر لاجواب

ہے رضاؔ حب علی المرتضیٰ یوں ضوفگن
تا ابد مٹ پائے گی جس کی نہ ہرگز آب وتاب



سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

جس طرح آفتاب نصف النہار پر ہو تو ذراتِ ریگزار کو اپنی روشنی کا پرتو بخش دیتا ہے اور ذرات بے مایہ بھی جگمگا اٹھتے ہیں' اسی طرح جب حضور محمد مصطفیٰ ﷺ مہر عالم تاب نبوت بن کر کوہِ فاران پر جلوہ گر ہوئے تو آپ کے کردار کی لازوال کرنوں نے ذرات ریگزار کی صورت بے مایہ صحرانشینوں کے قلب و جان کو منور کر کے انہیں اقوام عالم میں ممتاز کر دیا۔ جو بھی آپ کے دامان فیوض سے وابستہ ہوا' بزم ہستی کی نگاہوں کا ستارا بن گیا۔ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آئے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا لقب پایا' عمر ابن الخطاب کو فاروق اعظم کا خطاب ملا' حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو کامل الحیاء والایمان کی سند ملی ور جب سیّدنا علی ابن ابی طالب آپ کے دربار گوہر بار سے فیضیاب ہوئے تو اسد اللہ الغالب کا اعزازان کا مقدر بن چکا تھا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو تاریخ اسلام میں غیر معمولی عزت و توقیر حاصل ہے۔ آپ کو شہنشاہ ولایت' سرتاپا شجاعت' دریائے سخاوت' مخزن صداقت کہا جاتا ہے۔ آپ کے درجنوں القاب ہیں جیسے امام المتقین' مولائے کائنات' امیر المومنین' تاج فرق بتول' داماد رسول' پرتو دست قدرت' محرم اسرار معرفت' مخزن انوار طریقت' مصدر برکات شریعت' سیّد الاولیاء' تاجدار اہل اتیٰ' سیّدنا و مولانا ابوالحسن علی کرم اللہ وجہہ' آپ صحیح معنوں میں قاطع اشرار اور دنیائے سخاوت کے تاجدار تھے۔ آپ حاجت

روائے فاقہ کشاں اور چارہ ساز بے چارگاں تھے۔ اہل علم نے آپ کو سر حقیقت کا رازداں کہا' صابروں نے صبر و رضا کا پاسباں کہا' اہل شوق نے پیشوائے مبتلاں کہا۔ غریبوں اور ناداروں نے آپ کو اپنا پاسباں کہا' شہ زوروں اور دلیروں نے آپ کو کائنات کا بہادر ترین انسان تسلیم کیا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی آپ کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

مرتضیٰ شیرِ حق' اشجع الاشجعین
ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام

اصلِ نسلِ صفا' وجہِ وصلِ خُدا
بابِ فصلِ ولایت پہ لاکھوں سلام

شیرِ شمشیر زن' شاہ خیبر شکن
پرتوِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

آپ کے بے شمار اعزازات اور کمالات ہیں۔ آپ کا یہی اعزاز تاریخ اسلام کی زینت بنا رہے گا کہ آپ کا شمار ان خوش بخت نفوس میں ہوتا ہے جنہیں سب سے پہلے دولت اسلام نصیب ہوئی اور نبی کریم ﷺ کے وصال تک آپ مسلسل اپنے آقا و مولا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ رہے۔

آپ کی ولادت باسعادت ۱۳ رجب المرجب بروز جمعۃ المبارک' عام الفیل کے تیس سال بعد مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قبیلہ بنی عبدالعزیٰ کے چند لوگوں کے ساتھ مسجد بیت الحرام میں تشریف فرما تھے کہ مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی والدہ فاطمہ بنت اسد وہاں تشریف لائیں۔ جب وہ مصروف طواف ہوئیں تو چوتھے چکر میں چلنے کی قوت نہ رہی' دردزہ نے شدت اختیار کر لی تو آپ بے اختیار ہو کر پکاریں۔

"اے رب کعبہ بحرمت کعبہ اس ولادت کو مجھ پر آسان کر"

یکلخت دیوار کعبہ شق ہوئی اور حضرت فاطمہ بنت اسد کعبے کے اندر تشریف لے گئیں اور وہاں موجود افراد کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کو اندرون کعبہ تلاش کیا مگر آپ نہ ملیں۔ چوتھے روز آپ اسی کعبہ سے باہر تشریف لائیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گود میں لئے ہوئے تھیں۔

جب حضور ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت کی خبر ملی تو آپ نے اپنے چچا اور چچی سے فرمایا کہ اس کا نام کیا رکھا ہے؟ حضرت ابو طالب نے کہا کہ میں نے اس کا نام زید اور اس کی والدہ نے اسد رکھا ہے۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کا نام علی رکھو جو عالی ہمتی کی خبر دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ نے عرض کیا: "خدا کی قسم مجھے غیب سے یہ آواز آئی تھی کہ فاطمہ اس کا نام علی رکھ مگر میں نے اس کو چھپایا تھا"۔

میسر نہ شد ہر کسے ایں سعادت
بہ کعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

قبول اسلام

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اولیت حاصل ہے کہ آپ نے نو عمر لڑکوں میں سے سب سے پہلے دولت اسلام کو قبول کیا اور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ پر بلا تاخیر ایمان لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر ابھی دس سال کی تھی کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ کو رب کی طرف سے اعلان نبوت کا حکم عطا ہوا اور اس کے ساتھ ہی نماز بھی فرض ہو گئی۔ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حیرت سے اس نئے منظر کو دیکھا اور اپنے بزرگ بھائی سرور کائنات محمد ﷺ سے پوچھا کہ یہ سب کیا تھا؟ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی توحید، اپنے منصب نبوت

اور نماز وغیرہ کے بارے میں بتایا اور انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ایک دن کے غور وفکر کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ دامان نبوت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وابستہ ہو چکے تھے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ تیسرے فرد تھے۔ بعض روایات کے مطابق آپ اولین مسلمان تھے۔ اصحاب علم نے اس صداقت کو یوں واضح کیا ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، مردوں میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ ایمان لائے۔

رسول محترم ﷺ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کفالت فرمانا

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہوئی، جو اللہ تبارک وتعالیٰ (جل جلالہ) نے ان کے حصے رکھی تھی اور اس ذریعہ سے ان کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا تھا۔ جب انہیں نبی کریم ﷺ کی کفالت نصیب ہوئی تو قریش پر ایک دفعہ شدید خشک سالی کا وقت آیا۔ حضرت ابو طالب کی بہت اولاد تھی تو رسول کریم ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ چچا جان! آپ کے بھائی حضرت ابو طالب کثیر العیال ہیں اور لوگوں پر جو یہ بلا، خشک سالی کی آپڑی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں، تو آؤ ہم ان کے پاس چلیں اور ان کے اوپر سے ان کے کنبہ کا کچھ بوجھ ہلکا کریں۔ ان کے گھر سے ایک آدمی کو میں لے لوں اور ایک کو آپ لے لیں، تو اس طرح ہم ان کی طرف سے ان دو کا خرچ خود برداشت کریں''۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: بہت اچھا، تو دونوں حضرت ابو طالب سے ملے اور ان سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ پر سے آپ کے کنبے کے خرچ کا بوجھ ہلکا کریں، یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس تنگی کو دور کرے جس میں آپ مبتلا ہیں۔ ان دونوں سے حضرت ابو طالب

نے کہا کہ اس صورت میں تم میرے پاس عقیل کو چھوڑ دو (اور ابن ہشام نے کہا' عقیل اور طالب کو چھوڑ دو) اس کے بعد جو تم چاہو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لے لیا اور ان کو اپنے سینہ سے لگا لیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو لے لیا اور اپنے سینے سے لگا لیا۔

اشاعت اسلام میں نبی کریم ﷺ کی معاونت

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان نبوت فرمایا تو دیکھتے ہی دیکھتے زمانہ آپ کا دشمن ہو گیا۔ آپ تین سال تک خفیہ طریق سے اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ عام اجتماعات سے خطاب کرنے کے بجائے آپ مخصوص افراد سے ملاقاتیں کرتے اور انہیں قبول اسلام کی دعوت دیتے۔ اعلان نبوت کے چوتھے سال حضور ﷺ کو خدا کی طرف سے حکم ہوا کہ اب آپ خفیہ طور پر نہیں بلکہ اعلانیہ طور پر تبلیغ کیجئے اور اس کی ابتداء اپنے قریبی رشتہ داروں سے کیجئے۔

حکم ربانی کی تعمیل میں حضور نے کوہ صفاء پر چڑھ کر اپنے خاندان کے لوگوں کو جمع کیا۔ انہیں توحید اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کو ارشاد فرمایا' لیکن ابولہب نے حضور کی شان میں بدتمیزی کی جس سے مجمع منتشر ہو گیا۔ آپ نے ایک مرتبہ پھر اپنے عزیزوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ اے بنو عبدالمطلب! میں تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمتیں پیش کرتا ہوں' بتاؤ اس معاملہ میں کون میرا ساتھ دے گا۔ آپ کی یہ بات سن کر جملہ عزیز خاموش رہے۔ فقط حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آواز ابھری۔ انہوں نے پرعزم لہجے میں کہا۔

اگرچہ میری عمر سب سے چھوٹی ہے' میری آنکھیں دکھتی ہیں اور میری ٹانگیں پتلی ہیں' لیکن میں اسلام کی راہ میں آپ کا ساتھ دوں گا"۔

چھوٹی سی عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قبولیت اسلام کا اظہار اور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے لئے معاونت کا اعلان آنے والے ادوار میں آپ کی انتہائی سعید بختی کا سبب ثابت ہوا۔

ہجرت رسول اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت

جب کفار نے حضور ﷺ کی شہادت کا منصوبہ بنالیا تو حضور ﷺ کو ہجرت کا حکم ملا۔ رات کا وقت تھا۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت میں مکہ سے مدینہ کی جانب روانہ ہونا چاہتے تھے مگر آپ کے پاس اہل مکہ کی امانتیں تھیں جنہیں لوٹانا ضروری تھا۔ کفار نے چاروں طرف سے آپ کے گھر کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس موقع پر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے پاس اہل مکہ کی بہت سی امانتیں ہیں جنہیں واپس لوٹانا ضروری ہے۔ تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ۔ صبح جب تم یہ امانتیں حق داروں کے سپرد کر چکو تو مدینہ چلے آنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم مصطفوی کی اطاعت میں ذرا بھر بھی تامل نہیں کیا اور بے خوف و خطر حضور ﷺ کے بستر پر لیٹ گئے۔ صبح جب کفار تلواریں سونت کر حضور ﷺ کے مکان میں آئے تو دیکھا کہ حضور ﷺ کی بجائے حضور ﷺ کا جانثار آپ کے بستر پر سو رہا ہے۔ دل و جان مطمئن، لبوں پر کفار کے لئے خندۂ استہزاء، کفار کی دھمکیاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پائے استقلال میں ذرا بھر بھی لغزش پیدا نہ کر سکیں اور آپ جملہ امانتیں حق داروں میں تقسیم کر کے تین چار یوم بعد حضور ﷺ کے حکم کے مطابق مدینہ کو ہجرت کر گئے۔ حضرت علامہ فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

''جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر مبارک پر سلا کر چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام اور میکائیل علیہ السلام سے فرمایا: جاؤ اس میرے پیارے رسول

ﷺ کے پیارے علی رضی اللہ عنہ کے پاس جو میرے محبوب پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لئے بے قرار ہیں' ان کی حفاظت کرو کہ انہیں کفار کی طرف سے کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر کی طرف اور حضرت میکائیل علیہ السلام پاؤں کی طرف تمام رات کھڑے رہے اور پکارتے تھے۔ "اے علی بن ابی طالب! آپ جیسے بہادر کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ فرشتوں پر فخر کر رہا ہے"۔ (تفسیر کبیر ج ۲)

سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے نکاح

حضرت علی رضی اللہ عنہ جناب رسول کریم ﷺ کو اس قدر عزیز تھے کہ آپ نے انہیں دامادی کا شرف بھی عطا کر دیا۔ غزوۂ بدر کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ حضور ﷺ کی محبوب صاحبزادی سے نکاح کے لئے درخواست کریں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ مدعا کہہ چکے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لئے کچھ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ایک گھوڑا اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: گھوڑے کو جہاد کے لئے رکھو اور زرہ کو فروخت کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت کی اور قیمت لا کر حضور ﷺ کو پیش کر دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں۔ اس کے بعد خود نکاح پڑھایا اور خیر و برکت کی دعا دی۔ نکاح کے قریباً دس' گیارہ ماہ بعد رخصتی ہوئی۔ رخصتی کے وقت خاتون جنت کو جو جہیز ملا وہ یہ تھا۔ ایک پلنگ' ایک بستر' دو چادریں' دو چکیاں' ایک مشکیزہ' ایک چمڑے کا تکیہ جس میں اون بھری ہوئی تھی' دو مٹی کے برتن یا گھڑے' ایک پیالہ' دو بازو بند نقری' ایک جائے نماز' خاتون جنت کو دیا جانے والا جہیز

رہتی دنیا تک کے لئے نمونہ عمل بنا رہے گا۔

شادی کے بعد حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ دعوت ولیمہ بھی ہونی چاہیے۔ مہر ادا کرنے کے بعد جو رقم بچ گئی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے ولیمہ کا اہتمام کیا۔ دستر خوان پر پنیر، کھجور، نان جو اور گوشت تھا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہ اس زمانے کا بہترین ولیمہ تھا۔ رخصتی کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر پر تشریف لائے اور کھڑے ہو کر اجازت مانگی، پھر اندر داخل ہوئے اور ایک برتن میں پانی منگوایا۔ اپنے دست مبارک اس میں ڈالے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سینہ اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے پاس بلایا۔ وہ شرم و حیاء سے جھجکتی ہوئیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے آئیں۔ آپ نے ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا۔

"اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! میں نے تمہاری شادی اپنے خاندان میں بہترین شخص سے کی ہے"۔

ابوتراب

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی کنیت "ابوتراب" ہے۔ تمام تذکروں میں آپ اسی کنیت سے یاد کئے جاتے ہیں۔ آپ کو یہ کنیت بہت عزیز تھی کیونکہ یہ آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان فیض ترجمان سے عطا ہوئی تھی۔ مسلم شریف کے مطابق اس کنیت کی تفصیل یوں ہے۔ حضور ﷺ اپنی صاحبزادی سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تو گھر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہ پایا۔ حضورِ اکرم ﷺ نے ان کے بارے میں دریافت فرمایا تو سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ باتیں ہوئیں جس پر وہ ناراض ہو کر چلے گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے ایک

شخص سے فرمایا کہ دیکھو علی (رضی اللہ عنہ) کہاں ہیں۔ اس شخص نے عرض کیا کہ علی (رضی اللہ عنہ) مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ حضور ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ لیٹے ہوئے تھے اور چادر ان کے پہلو سے لپٹی ہوئی تھی اور ان کے بدن پر مٹی لگ گئی تھی۔ حضور ﷺ وہ مٹی صاف کر رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے۔

قُمْ اَبَا التُّرَابِ. قُمْ اَبَا التُّرَابِ

اے ابوتراب اٹھو۔ اے ابوتراب اٹھو۔

اسی طرح آپ کو کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَه، بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ محمد بن علی الصبان علیہ الرحمہ ابن سعد کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ حضرت حسن بن زید بن حسن رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کبھی بھی بتوں کی پوجا نہیں کی اور اسی وجہ سے آپ کو کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَه، کہا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے چہرے کو عزت دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی کے ساتھ ''کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَه'' کا مخصوص ہونا عظیم اعزاز ہے۔ ایسا اعزاز جو آپ کی پاکیزگی کردار، بلند صفات کا اعلان بھی کر رہا ہے اور یہ بھی واضح کر رہا ہے کہ یہ وہ فرزند اسلام ہے جس نے آغاز حیات ہی سے باطل سے نفرت کی۔

مقام علی رضی اللہ عنہ قرآن میں

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

نَـزَلَ فِيْ عَلِيٍّ ثَلاثُمِائَةِ اٰيَةٍ کہ حضرت علی کی شان میں تین سو آیات نازل ہوئیں۔

علامہ الصبان علیہ الرحمہ بحوالہ طبرانی یوں رقم طراز ہیں۔

كَـانَـتْ لِـعَلِـيٍّ ثَـمَانَ عَشَرَةَ مَنْقَبًا مَا كَانَتِ لِاَحَدٍ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں) کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اٹھارہ مناقب ہیں جو اس امت میں کسی اور کے لئے نہیں۔ (رسالۃ الصبان ص ۱۶۱)

۱) ارشاد خداوندی ہے۔

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَیَخَافُوْنَ یَوْمًا کَانَ شَرُّہٗ مُسْتَطِیْرًا۔

(پارہ ۲۹ سورہ دھر آیت ۷)

تو پوری کرتے ہیں اپنی منتیں اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر سو پھیلا ہوگا۔

۲) وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا۔

(پ ۲۹ سورہ الدھر آیت نمبر ۸)

اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر مسکین، یتیم اور قیدی کو

۳) اِنَّمَا نُطْعِمُکُمْ لِوَجْہِ اللّٰہِ لَانُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَآءً وَّلَاشُکُوْرًا۔

(سورہ الدھر آیت نمبر ۹)

ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں، نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے

خدائے بزرگ و برتر نے اہلبیت رسول کے اس صبر و ایثار کے جذبہ کو سراہتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۴) وَجَزٰھُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّۃً وَّحَرِیْرًا۔ (سورۂ دہر پارہ ۲۹ آیت نمبر ۱۲)

اور مرحمت فرمائے گا انہیں صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس۔

شان نزول

مذکورہ آیات کا شان نزول جو حضرات مفسرین عظام نے بیان کیا ہے، اس کا

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت رسالت مآب ﷺ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گھر تشریف لے گئے۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو بیمار دیکھا تو حضرت علی اور حضرت فاطمہ بتول سے فرمایا کہ کچھ نذر مانو تاکہ تمہارے فرزند صحت پائیں۔ انہوں نے نذر مانی کہ تین روزے رکھیں گے۔ خدا تعالیٰ نے حسنین کریمین علیہما السلام کو شفاء بخشی۔

حضرت علی اور سیّدہ فاطمہ زہرا' بی بی فضہ (آپ کی خادمہ) نے روزے رکھے۔ مغرب کی نماز کے وقت چاہا کہ افطار کریں لیکن ایک فقیر دروازے پر آیا اور صدا بلند کی کہ میں ایک مسلمان فقیر ہوں مجھے روٹی عطا ہو' اس فقیر کی صدا پر جو کچھ پکا تھا سب فقیر کو دے دیا اور خود پانی سے روزہ افطار کیا۔ دوسرے دن روزہ رکھا' افطار کے وقت ایک یتیم آیا اور روٹی کا سوال کیا۔ سب کھانا اسے دیا اور تیسری شام کو ایک قیدی بروقت آیا۔ سارا کھانا اس کو عطا کر دیا تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں۔

ان آیات بینات سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی' امام حسن' امام حسین رضی اللہ عنہم اور سیّدہ فاطمہ بتول سلام اللہ علیہا' بی بی فضہ رضی اللہ عنہا یقیناً جنتی ہیں کہ خدائے پاک نے انہیں قرآن مجید میں جنتی فرمایا۔

۵) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً۔ (پارہ ۲۸ سورۃ مجادلہ آیت ۱۲)

اے ایمان والو جب تم کوئی بات کرنا چاہو رسول (مکرم) سے (تنہائی میں) تو اپنی عرض سے پہلے صدقہ دیا کرو۔

خیال رہے کہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں بعض اغنیاء اپنی عرض و معروض کا سلسلہ اتنا دراز کر دیتے ہیں کہ فقراء صحابہ کرام کو کچھ عرض کرنے کا موقع نہ ملتا۔ تب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اور حضرت مولا علی کَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ نے ایک دینار صدقہ دے کر

حضور علیہ السلام سے دس سوال کیے۔ اس آیت پر صرف مولا علی رضی اللہ عنہ نے عمل کیا' کسی اور کو موقع نہ ملا کہ آیت منسوخ ہو گئی۔ (تفسیر نور العرفان ف ۴۲)

۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ھُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ۔

(پارہ ۳۰ سورۃ بینہ آیت ۷)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہی ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے علی! تو اور تیرے ساتھی قیامت کے دن خوشی خوشی میدان محشر میں آئیں گے۔

وَیَاْتِیۡ اَعۡدَاءُ کَ غِضَابًا مُّقۡمَحِیۡنَ۔

جب کہ تیرے دشمن غضب ناک اور ذلیل و رسوا ہو کر پیش ہوں گے۔

(نور الابصار ص ۷۸)

۱۰) اللہ تعالیٰ جل جلالہ' کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوا الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمۡ رَاکِعُوۡنَ۔ (پارہ ۶ سورۃ مائدہ آیت ۵۵)

تمہارا مددگار صرف اللہ اور اس کا رسول (پاک) اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں جھکنے والے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے ضمن میں یوں رقم طراز ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ مسجد کی طرف تشریف لائے اس حال میں کہ لوگ رکوع و سجود میں تھے۔ آپ نے ایک سائل کو دیکھا تو فرمایا: کیا کسی نے تجھے کوئی چیز دی ہے؟ اس نے

عرض کیا۔ جی ہاں! یہ چاندی کی انگوٹھی۔ آپ نے فرمایا: کس نے دی ہے؟ اس نے عرض کیا: وہ کھڑا ہونے والا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کس حالت میں اس نے تجھے انگوٹھی دی' اس نے عرض کیا۔ هُوَ رَاكِعٌ. وہ رکوع میں تھا۔ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ نبی پاک ﷺ نے نعرۂ تکبیر بلند کیا ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ اور پھر یہ آیت تلاوت کی۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے "تفسیر مظہری" میں طبرانی کے حوالے سے بروایت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب کے پاس ایک سائل آیا' حالانکہ آپ نفلی نماز میں رکوع کی حالت میں تھے۔

وَنَزَعَ خَاتِمَهٗ وَاَعْطَاهُ السَّائِلَ۔ (تفسیر مظہری)

اور آپ نے اپنی انگوٹھی اتار دی اور سائل کو دے دی۔

پس یہ آیت نازل ہوئی۔

۱۱) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (پارہ ۳ سورۃ بقرہ آیت ۲۷۴)

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات میں اور دن میں چھپ کر اور علانیہ تو ان کے لئے ان کا اجر ہے اپنے رب کے پاس' نہ انہیں کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "درمنثور" میں عبدالرزاق' عبد بن حمید' ابن جریر' ابن منذر' ابن ابی حاتم' طبرانی اور ابن عساکر نے عبدالوہاب بن مجاہد سے' انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت مبارکہ حضرت علی بن ابی طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے (فرماتے ہیں)

كَانَتْ لَهٗ اَرْبَعَةُ دَرَاهِمَ فَاَنْفَقَ بِاللَّيْلِ دِرْهَمًا وَّبِالنَّهَارِ دِرْهَمًا

وَّسِرًّا دِرْهَمًا وَّعَلَانِيَةً دِرْهَمًا۔

یعنی آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے پاس صرف چار درہم تھے' آپ نے ایک درہم رات کو' ایک دن کو' ایک خفیہ اور ایک اعلانیہ طور پر خرچ کیا۔

جس کے مصطفیٰ ﷺ مولا اس کے علی رضی اللہ عنہ مولا

۱) حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَهُوَ عَلِيٌّ مَوْلَاهُ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۲' ابن ماجہ شریف ص ۱۲' مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۶' نور الابصار ص ۷۸' الشرف المؤبد ص ۱۱۱)

کہ جس کا میں مولا ہوں اس کا علی بھی مولا ہے۔

۲) غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنا کر چھوڑا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے سرکار کی بارگاہ میں عرض کیا' "تُخَلِّفُنِيْ مَعَ النِّسَآءِ وَالصِّبْيَانِ" آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ مِنْ مُّوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نُبُوَّةَ بَعْدِيْ۔ (ترمذی شریف' مسلم شریف' بخاری شریف)

کیا آپ اس بات سے راضی نہیں کہ میرے نزدیک تمہارا وہ مقام و مرتبہ ہو جو حضرت ہارون کا موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک تھا مگر میرے بعد نبوت نہیں۔

قائم مقام عمر رضی اللہ عنہ

علامہ شیخ محمد خضری اپنی مشہور ترین کتاب اِتْمَامُ الْوَفَاءِ فِيْ سِيْرَتِ الْخُلَفَاءِ میں رقم طراز ہیں۔

وَكَثِيْرًا مَّا كَانَ عُمَرُ يَسْتَخْلِفُهٗ عَلَى الْمَدِيْنَةِ اِذَا غَابَ عَنْهَا۔

(اتمام ابوفاءص ۲۱۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جاتے تو اکثر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام بنا کر جایا کرتے تھے۔

خیال رہے کہ مولا علی رضی اللہ عنہ کا نیابت عمر رضی اللہ عنہ قبول کر لینا اور پھر ان کی واپسی تک امور خلافت انجام دینا اس بات کی بین ذلیل ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ برحق تسلیم کرتے تھے۔

۳) علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''صواعق محرقہ'' میں حاکم کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ میں روایت کی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَعَلِیٌّ سَیِّدُ الْعَرَبِ۔ (صواعق محرقہ ۴۲)

میں اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور علی رضی اللہ عنہ عربوں کا سردار ہے۔

بابِ مدینۃ العلم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طویل صحبت میسر آئی تھی۔ آپ نے محبت رسول کے سہارے شب و روز احکام مصطفوی کو بجالانا اپنا شعار زندگی بنالیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضور رسول خدا ﷺ بھی آپ پر غیر معمولی شفقت و عنایت فرمایا کرتے تھے۔ اسی عنایت خاص کا کرشمہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جہاں دلیری و شجاعت میں بے مثال تھے وہاں حکمت و دانائی میں بھی آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

اَنَـا مَـدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا میں علم کا شہر ہوں اور علی (رضی اللہ عنہ) اس کا دروازہ ہے۔

اب ظاہر ہے کہ شہر جس قدر وسیع، عظیم اور بے مثال ہوگا اس کے دروازے کی قدر و منزلت بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔ علامہ محمد اقبال کہتے ہیں۔

ذاتِ اُو دروازۂ شہرِ علوم زیرِ فرمانش حجاز و چین و رُوم

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دانائی وحکمت کا کمال یہ تھا کہ آپ بڑے بڑے مسائل چشم زدن میں حل کر دیتے تھے۔ حضور ﷺ آپ سے محبت فرماتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا: علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم روایت کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع سے واپسی پر جب حضور غدیر خم کے مقام پر پہنچے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اٹھا کر صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ تمام مسلمان مجھے اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں، آپ نے پھر فرمایا: کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ہر مومن مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا: جس کا میں محبوب ہوں اس کے علی رضی اللہ عنہ محبوب ہیں۔ اے اللہ! اس سے محبت کر جو علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے، اے اللہ! اس سے عداوت رکھ جو علی رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھے۔

ابویعلی اور بزار نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ اٰذٰی عَلِیًّا فَقَدْ اٰذَانِیْ جس نے علی کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی۔

طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بسند حسن بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مَنْ اَحَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰہَ وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِیًّا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَنِیْ فَقَدْ اَبْغَضَ اللّٰہَ۔

(مشکوٰۃ شریف، صواعق محرقہ ص ۱۲۳)

ترجمہ جس نے علی (رضی اللہ عنہ) سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی۔ جس نے علی (رضی اللہ عنہ) سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے مجھ سے بغض رکھا اس نے اللہ تعالیٰ سے بغض رکھا۔

دلیری وشجاعت

سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نہایت شجاع، بہادر، جواں مرد اور دلیر تھے۔ آپ کی شجاعت و دلیری ضرب المثل میں ڈھل چکی ہے۔ جس دشمن کے مقابلے میں میدان میں اترے اس سے کبھی شکست نہ کھائی، ہر معرکے میں آپ کو اپنے حریف پر فتح کامل عطا ہوئی۔ آپ تلوار کے دھنی، جنگ آزما اور حرب وضرب کے ماہر تھے۔ علامہ اقبال نے آپ کی شجاعت کو عالم اسلام کا افتخار قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ

تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

آپ کی تیغ بے نیام جب کفار کے خلاف نیام سے باہر آتی تھی تو غلبۂ اسلام کا احساس دلائے بغیر نہیں رکتی تھی۔ آپ میدان جہاد میں دشمنوں پر ہمیشہ بڑھ چڑھ کر وار کرتے تھے۔ غزوۂ بدر میں آپ نے بہادری و دلیری کے وہ جوہر دکھائے کہ دشمن دنگ رہ گئے۔ اس دور میں دستور تھا کہ پہلے متحارب فوجوں کے بہادر افراد باری باری مقابلہ کے لئے نکلتے تھے اور پھر عام جنگ شروع ہوتی تھی۔ کفار کی طرف سے عتبہ، ولید اور شیبہ مقابلے کو نکلے۔ جبکہ مسلمانوں کی طرف سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ مقابلہ میں آئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو مار گرایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو تہ تیغ کر دیا، ان کے برعکس شیبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا تو حضرت علی تلوار لے کر آگے بڑھے اور ایک ہی ضرب کاری سے شیبہ کو فنا فی النار کر دیا۔ اس معرکہ کے علاوہ آپ نے غزوۂ احد، غزوۂ خندق، بنو نضیر اور بنو قریضہ سے جنگ، بنو سعد کی سرکوبی اور معرکۂ خیبر میں بھی ایمانی شجاعت کا مظاہرہ کیا۔

خیبر کا معرکہ بالخصوص سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خداداد شجاعت کا مظہر ہے۔

جب کئی روز تک لڑائی کے باوجود قلعہء خیبر فتح نہ ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا اس کے ہاتھ میں دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح کرے گا۔ اگلے روز جملہ اصحاب رسول منتظر تھے کہ یہ جھنڈا کس خوش بخت کو عطا ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے جملہ صحابہ کی طرف دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ صحابہ نے کہا کہ ان کی آنکھیں دکھتی ہیں' وہ بیمار ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں پر لگا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لعاب دہن لگنے کی دیر تھی کہ درد جاتا رہا اور پھر کبھی آنکھوں کو تکلیف لاحق نہ ہوئی' پھر حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم خاص عطا کرتے ہوئے فرمایا کہ پہلے کفار کو اسلام کی دعوت دینا پھر ان سے جنگ کرنا۔ اس جنگ میں خیبر کا سردار مرحب آپ کے مقابلے میں اترا' اسے اپنی طاقت اور شہ زوری پر بہت گھمنڈ تھا۔ اس نے اپنی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے اور اس کے معنی شیر کے ہیں۔ یہ کہا اور ایک ہی وار میں مرحب کا خاتمہ کر دیا۔ جنگ کے دوران میں قلعہ خیبر کے دروازہ کو جسے چالیس آدمی بھی مل کر نہ اٹھا سکتے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہی ضرب سے اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔ امام رازی کے مطابق اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ قوت یزدانی کے مظہر بنے ہوئے تھے۔ اسی قوت یزدانی کے سامنے قلعہء خیبر کا دروازہ ایک تنکے کی حیثیت رکھتا تھا۔ ابو رافع فرماتے ہیں کہ وہ دروازہ ہم چالیس آدمیوں نے ہلانا چاہا تو ہل نہ سکا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے باب خیبر کو جسمانی قوت سے نہیں بلکہ قوت ربانی سے اٹھایا تھا۔

شیرِ مرداں' شاہ یزداں' قوتِ پروردگار
لافتیٰ اِلّا علی لاسَیف اِلّا ذُوالفقار

غزوۂ بدر میں ستر مشرکین قتل ہوئے' ان میں سے اکیس مشرکوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ جنگ احد میں آپ نے کفار ومشرکین کے نامور جنگجوؤں کو قتل کیا۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا ارشاد ہے کہ احد میں مجھے تلوار کے سترہ زخم لگے۔ میں چوتھے زخم میں گر گیا تو ایک خوبصورت خوشبودار شخص میرے پاس آیا اور مجھے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا اور کہا کافروں سے مقابلہ کرو۔ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہو اور وہ دونوں تم سے راضی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ واقعہ حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

اے علی رضی اللہ عنہ! اللہ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے' وہ شخص جبریل (علیہ السلام) تھے۔

(نور الابصار)

☆ ''غزوۂ خندق میں جب چاروں طرف مشرکین کا سیلاب امڈ آیا تھا تو دنیا کے مانے ہوئے طاقتور' تجربہ کار اور جنگ آزمودہ عمرو بن عبدود اور اس کا بیٹا خندق کو پھلانگ آئے اور مسلمانوں کو للکارا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے مقابلہ میں بڑھے۔ آپ نے حضور ﷺ کا اشارہ پایا تو دیکھتے ہی دیکھتے عمرو بن عبدود اور اس کے دیو قامت بیٹے حنبل کو قتل کر کے کفار ومشرکین کا غرور خاک میں ملا دیا۔

☆ جنگ صفین میں آپ نے چن چن کر اپنے بہادر مخالفین کو للکارا اور ان کو تہ تیغ کر ڈالا۔

☆ لیلۃ الہریر میں پانچ سو تیئس شہ زوروں کو موت کے حوالے کر دیا۔

اہل بیت

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے' فرماتے ہیں' کہ جب یہ آیت نازل ہوئی...... فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَاءَ كُمْ (پ۳ سورہ آل عمران

آیت نمبر۶۱) تو رسول کریم ﷺ نے (حضرت) علی رضی اللہ عنہ (سیّدۃ النساء حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور (سیّدنا حضرت امام) حسن اور (سیّدنا حضرت امام) حسین (رضی اللہ عنہما) کو بلایا اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا اللھم ھولاء اھل بیتی (اے اللہ جل جلالہ! یہ میرے اہل بیت ہیں)

ام المومنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' فرماتی ہیں' ایک صبح رسول کریم ﷺ باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کالی اون کی مخلوط چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اتنے میں (سیّدنا امام) حسن بن علی رضی اللہ عنہما آئے تو آپ ﷺ نے انہیں اپنی چادر مبارک میں داخل کر لیا' پھر (سیّدنا امام عالی مقام حضرت) حسین رضی اللہ عنہ آئے انہیں بھی داخل فرما لیا' پھر (سیّدۃ النساء حضرت بی بی) فاطمۃ الزہرا (رضی اللہ عنہا) آئیں انہیں بھی (چادر مبارک میں) داخل فرما لیا' پھر (امیر المومنین سیّدنا حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) آئے تو انہیں بھی (چادر مبارک میں) داخل فرما لیا' پھر فرمایا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا (پ۲۲ الاحزاب ۳۳) ''اے نبی ﷺ کے گھر والو! اللہ تبارک وتعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمائے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا فرما دے''۔

تعلق مؤاخات

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' فرماتے ہیں' (ہجرت کے بعد مدینہ شریف میں) رسول کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایک دوسرے کا بھائی چارہ کروا دیا۔ اتنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حاضر ہوئے' ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ انہوں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ) آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھائی چارہ کروا دیا لیکن میرے

اور کسی اور کے درمیان بھائی چارہ نہیں کروایا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "انت اخی فی الدنیا والاخرۃ" (تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو)

علی رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ ایک حسین روایت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ انہیں نے خواب میں دیکھا کہ جیسے انہوں نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے صبح کی نماز پڑھی ہے اور نماز کے بعد رسول کریم ﷺ محراب سے (نورانی) کمر (مبارک) لگا کر بیٹھ گئے' پھر ایک لڑکی کھجوروں کا ایک طباق لے کر آئی اور وہ طباق رسول کریم ﷺ کے سامنے رکھا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں سے ایک کھجور اٹھائی اور فرمایا: اے علی (رضی اللہ عنہ) یہ کھجور کھاؤ گے' تو میں نے عرض کیا: جی ہاں رسول اللہ (ﷺ) تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کو میرے منہ میں رکھ دیا' پھر دوسری کھجور لی اور اسی طرح پوچھا تو میں نے ہاں کہا تو آپ ﷺ نے اس کو بھی میرے منہ میں رکھ دیا' اس کے بعد میں جاگ پڑا اور میرے دل میں رسول کریم ﷺ کا اشتیاق تھا اور میرے منہ میں کھجور کی مٹھاس تھی تو میں نے وضو کیا اور مسجد کی طرف گیا (فصلیت خلف عمر) تو میں نے حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی اور (نماز کے بعد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ محراب سے کمر لگا کر بیٹھ گئے' میں نے ارادہ کیا کہ ان سے اپنا وہ خواب بیان کروں جو رات میں نے دیکھا تھا تو پہلے اس سے کہ میں کچھ کلام کروں ایک عورت آئی اور مسجد کے دروازے پر ٹھہر گئی' اس کے پاس کھجوروں کا ایک طباق تھا جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے ایک کھجور اٹھا لی اور کہا: اے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) یہ کھاؤ گے؟ میں نے کہا ہاں! تو انہوں نے کھجور میرے منہ میں ڈال دی۔ پھر دوسری کھجور ہاتھ میں پکڑی اور پہلے کی طرح مجھ سے پوچھا تو میں نے

ہاں میں جواب دیا اور وہ بھی پہلے کی طرح میرے منہ میں ڈال دی۔ پھر باقی کو جو دائیں بائیں موجود تھے ان میں تقسیم کر دیں۔ لیکن میں ان سے یہ خواہش رکھتا تھا کہ وہ اور دیں تو فرمایا کہ میرے بھائی اگر رات خواب میں رسول اللہ ﷺ نے آپ کو زیادہ دی ہوتیں تو ہم بھی زیادہ دے دیتے۔ جناب علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں' میں نے تعجب کیا اور خیال کیا کہ جو کچھ میں نے گزشتہ رات دیکھا تھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو مطلع کر دیا تو میری طرف دیکھا اور کہا (یاعلی المومن ینظر بنور الدین فقلت صدقت یا امیر المومنین ھکذا رایته و کذا وجدت طعمه ولذته من یدلك كما وجدت طعمه ولذته من ید رسول اللہ ﷺ)'' اے علی رضی اللہ عنہ' مومن دین کے نور سے دیکھتا ہے' میں نے کہا: اے امیر المومنین! آپ نے سچ کہا' میں نے ایسے ہی دیکھا تھا اور ایسا ہی طعام اور اس کی لذت میں نے آپ کے ہاتھ سے پائی جیسی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے پائی تھی۔

(ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء از شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ' مترجم ج ۴ ص ۹۵)

مومن اور منافق کی پہچان

۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' مجھے نبی اُمی ﷺ نے فرمایا'' جو تجھ سے محبت کرے گا وہ مومن ہو گا اور جو تجھ سے بغض رکھے گا وہ منافق ہو گا''۔

۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں'' ہم لوگ انصار سے تعلق رکھتے ہیں اور ہم منافقین کو پہچانتے ہیں کہ وہ (حضرت) علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) سے بغض یعنی عداوت رکھتے ہیں۔

۳) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے' فرماتی ہیں' رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے'' کوئی منافق حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو دوست نہیں رکھتا اور کوئی مومن (حضرت) علی

(رضی اللہ عنہ) سے دشمنی نہیں رکھتا''۔

۴) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جس نے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) کو برا کہا اس نے مجھے برا کہا'' (نعوذ باللہ)

۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: ''تم میں (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کی مثال ہے جن سے یہود نے بغض رکھا یہاں تک کہ ان کی والدہ (ماجدہ سیّدہ صدیقہ حضرت بی بی مریم سلام اللہ علیہا) پر تہمت لگائی اور عیسائیوں نے محبت کی اور محبت میں غلو کیا یہاں تک کہ اس درجہ کو پہنچا دیا جو ان کا نہ تھا۔ (یعنی بعض نے آپ کو الٰہ کہہ دیا اور بعض نے اللہ جل جلالہ کا بیٹا کہا اور بعض نے تیسرا الٰہ بنا دیا) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے معاملہ میں بھی دو قسم کے لوگ ہلاک ہوں گے۔ محبت سے افراط کرنے والے مجھے ان صفات سے بڑھائیں گے جو مجھ میں نہیں ہیں اور بعض بغض کرنے والے جن کا بغض اس پر ابھارے گا کہ مجھے بہتان لگائیں گے۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان میں محبت کو افراط سے مقید کیا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اصل ایمان ہے ہاں محبت میں ناجائز افراط برا ہے۔ مگر عداوت علی رضی اللہ عنہ اصل ہی سے حرام ہے بلکہ کفر بھی ہے)

۶) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ''ہم منافقین کو نہیں پہچانتے تھے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب سے اور نماز میں پیچھے رہ جانے سے اور حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض سے''۔

دورِ خلافت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دور خلافت ہنگاموں اور شورشوں کی زد میں رہا۔ ان ہنگاموں کا سلسلہ سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ دارالخلافت

اور پھر اسلامی سلطنت کے مختلف صوبوں میں شورشوں اور بغاوتوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے سب سے زیادہ تکلیف دہ یہ امر تھا کہ انہیں مجبوراً اپنوں کے خلاف صف آراء ہونا پڑا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت نے مفسدوں کو قوت بخش دی تھی اور اب وہ اسلامی سلطنت کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کے درپے تھے۔ لیکن سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ٹھان رکھی تھی کہ جب تک سینے میں سانسوں کی روانی ہے وہ اپنے مؤقف اور اسلامی سلطنت کی مرکزیت کو قائم رکھنے کے تصور سے دستبردار نہیں ہوں گے۔

یہ تاریخ اسلام کا کس قدر کٹھن دور تھا کہ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جنگِ جَمَل میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف میدان جنگ میں اترنا پڑا اور حضرت طلحہ اور حضرت زبیر جیسے بزرگ صحابہ شامی سپاہ کی تلواروں کا نشانہ بن گئے۔ جنگِ صِفِّین میں حضرت امیر معاویہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ جیسے جلیل القدر صحابہ آپ کے خلاف صف آراء ہوئے۔ یہ جنگیں تھیں کہ مشیت ایزدی، دونوں طرف اصحاب رسول اور تابعین کا خون بہہ رہا تھا۔ آج ہم میں سے کوئی بھی فیصلہ نہیں کرسکتا کہ ان جنگوں میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر۔ کس کی جرأت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کے حق میں حق و باطل کا فیصلہ سناسکے۔ یہ تو تاریخ اسلام کا وہ المناک باب ہے کہ جس پر ایک نظر ڈالتے ہی قاری کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مناقشت جنگ جمل کے بعد ختم ہوگئی۔ عمر ابوالنصر لکھتے ہیں کہ بصرہ میں جس مکان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مقیم تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں گئے اور آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مدینہ روانہ ہونے کا سامان کیا جائے۔ چنانچہ حکم کے

موجب تمام تیاری کی گئی۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روانہ ہونے لگیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ان کی مشایعت میں بصرہ سے کچھ دور تک تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روانہ ہوتے ہوئے فرمایا "خدا کی قسم! میرے اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان خاندانی شکر رنجیوں کے سوا کوئی دشمنی نہ تھی، میں انہیں بہترین انسان سمجھتی ہوں"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے جواب میں فرمایا: "لوگو! ام المومنین نے سچ فرمایا۔ میرے اور ان کے درمیان معمولی خاندانی شکر رنجیوں سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ تھیں"۔

جنگ جمل کے بعد ۳۶ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا دارالخلافہ مدینہ کے بجائے کوفہ کو بنایا۔ چونکہ اہل کوفہ نے ان کی مدد کی تھی اس لئے آپ کوفہ چلے آئے تاکہ اس کو مستقر بنا کر اپنے مخالف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جنگی عزائم کا مقابلہ کر کے خلافت اسلامی کو مضبوط تر بنا سکیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی پوری مادی قوتوں کے ساتھ میدان میں اتر آئے۔ قصاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نعرہ کے بعد وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امیر المومنین کے منصب پر برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ یہ تاریخ اسلام کا المیہ تھا کہ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو اہل مدینہ اور قریش کی جانب سے منتخب کردہ امیر تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو متعدد خطوط لکھے جن میں انہیں ان کی غلط روش کا احساس دلایا مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلسل قصاصِ حضرت عثمان کے مدعی رہے اور اپنی جنگی اور سیاسی چالوں سے کام لیتے رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کروڑوں دینار پر مشتمل بیت المال کے مالک تھے مگر آپ نے بیت المال کو قوم کی امانت سمجھا اور پیوند لگے کپڑے زیب تن کر کے فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے رہے، جبکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شاہی خزانوں کے منہ کھول دیئے اور لوگوں کو ہر قیمت پر اپنے ساتھ ملانا شروع کر دیا۔ بالآخر صفین کے مقام پر فیصلہ کن جنگ ہوئی۔ امیر المومنین سیّدنا

علی رضی اللہ عنہ غالب رہتے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے نیزوں پر قرآن اٹھا لئے۔ جنگ رک گئی اور صلح کی کوششیں شروع ہو گئیں۔ ان کوششوں میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ثالث کی سیاسی حکمت عملی کامیاب رہی اور تصفیہ ممکن نہ ہو سکا۔ فریقین اپنے مقامات پر چلے گئے اور جنگ کے لئے نئی کوششوں کی رفتار تیز تر کر دی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ المیہ یہ تھا کہ وہ شیر خدا تھے۔ میدان جنگ میں دشمن پر تو غالب آ جاتے تھے مگر ان کی اپنی صفوں میں گھسے ہوئے منافقین اور خوارج امیر المومنین کے خلاف نئی محاذ آرائی کرنے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک طرف تو اپنے حریف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناکام بنانے کا عزم کئے ہوئے تھے اور دوسری طرف خوارج کے فتنہ کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا چاہتے تھے۔ خوارج کے عقائد عجیب تھے۔ امت اسلام سے کٹے ہوئے تھے مگر خود کو اعلیٰ ترین مسلمان سمجھتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلے انہیں تعلیمات اسلامی کی طرف بلایا مگر جب وہ باز نہ آئے اور صالحین امت اسلام اور اُن کے اہل و عیال کو پکڑ پکڑ کر شہید کرنے لگے تو آپ نے فیصلہ کیا کہ پہلے خوارج کے فتنہ کو کچل دیا جائے تا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذہنی یکسوئی کے ساتھ مقابلہ کیا جا سکے۔ اسی دوران میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کئی جھڑپیں ہوتی رہیں مگر نتیجہ لاحاصل۔ جنگ نہروان حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خوارج کے درمیان لڑی گئی اور خوارج کے بیشتر حامی قتل ہو گئے' بہت تھوڑے افراد زندہ بچے۔ ابن اثیر اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

خوارج اتنے تھوڑے وقت میں قتل کئے گئے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے ان سے کہا مر جاؤ اور وہ مر گئے'' خوارج کا فتنہ ٹھکانے لگ گیا۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے حریف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سالار مختلف مقامات پر محاذ آراء ہوتے رہے۔ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لئے کوششیں ہوتی رہیں۔ اس کے ساتھ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک بڑی جنگ کی تیاریاں بھی کرتے رہے مگر اس کی نوبت ہی نہ

آسکی اور اسی دوران میں آپ شہادت کے منصب پر فائز ہو گئے۔

آپ کی المناک شہادت تاریخ اسلام کا بہت بڑا المیہ تھی۔ آپ خلیفۃ المسلمین تھے' امیر المومنین تھے' آپ کو اہل مدینہ وقریش نے مشترکہ طور پر خلیفہ' راشد کی حیثیت سے منتخب کیا تھا۔ آپ روحانی فضائل اور دینی مراتب کے لحاظ سے بہت اونچے مرتبے پر فائز تھے۔ آپ نے ہر محاذ آرائی میں امن اور صلح کی کوشش کی۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں تو وہ کامیاب ہو گئے اور تعلقات خوشگوار تر ہو گئے مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ محاذ آرائی نے انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ آپ رسول اللہ ﷺ کے داماد تھے۔ درجنوں احادیث آپ کی عظمت کی شاہد تھیں مگر آپ کو سکون کے لمحات میسر نہ ہوئے۔ آپ باب علم تھے۔ علم و حکمت اور فضائل و کمالات کا جامع نمونہ تھے۔ غیر معمولی فقہی اور دینی بصیرت کے مالک تھے۔ اگر آپ کو سکون کے ساتھ حکومت کرنے کے لئے دو سال بھی میسر آ جاتے تو دنیا ایک مرتبہ پھر شوکت اسلام کی یلغار کا منظر دیکھ لیتی اور آپ کی بدولت تاریخ اسلام کو ایک بہترین نظام سیاست وحکومت میسر آ جاتا۔ مگر انسانی تدبیروں کے مقابلے میں تقدیر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں اور تقدیر کے سامنے ہر صدی اور ہر دور بے بس ہے۔

شہادت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۴۰ھ کا ذکر ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم المراوی' برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر التمیمی' تین مشہور خارجی' ایک دوسرے سے ملے اور عالم اسلام کی ناگفتہ بہ حالت کا تذکرہ کرنے لگے۔ بات چیت کے دوران میں جنگ نہروان کا بھی ذکر چھڑ گیا۔ یہ تینوں دردانگیز الفاظ میں اپنے مقتولین کا ذکر کرنے اور کہنے لگے کہ اپنے بھائیوں کے قتل کے بعد زندگی کا کوئی مزا نہیں رہا۔ اب ہمارے لئے یہی ایک راستہ ہے کہ ہم ان

لوگوں کو جنہوں نے تمام عالم اسلام میں ایک فساد برپا کر رکھا ہے' قتل کر دیں' اس طرح جہاں ہم مسلمانوں کو ایک عظیم فتنہ سے نجات دلا دیں گے وہاں اپنے بھائیوں کا انتقام بھی لے لیں گے۔

ابن ملجم نے جو اہل مصر میں سے تھا کہا کہ میں علی (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے کا ذمہ لیتا ہوں' برک بن عبداللہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کی ذمہ داری لی اور عمرو بن بکر نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کو قتل کرنے کی حامی بھری۔

ان تینوں نے باہم عہد و پیمان کئے اور قسمیں کھائیں کہ اپنے اپنے مفوضہ کام سے کسی طرح پیچھے نہیں ہٹیں گے' اور یا تو ان تینوں کو قتل کر دیں گے یا خود مارے جائیں گے۔ اس کام کے لئے رمضان کی سترہ تاریخ مقرر ہوئی۔ قول و قرار کے بعد انہوں نے اپنی تلواریں زہر میں بجھائیں اور تینوں اپنا اپنا کام سرانجام دینے کے لئے کوفہ' دمشق اور مصر روانہ ہو گئے۔

ابن ملجم کوفہ آیا اور بنو کندہ میں ٹھہرا جو در پردہ خوارج کے حامی تھے۔ لیکن اس نے اس ڈر سے اپنے ارادہ کا کسی شخص پر اظہار نہ کیا کہ کہیں بات نکل نہ جائے۔ ایک دن اس نے قبیلہ تیم رباب کے چند لوگوں کو دیکھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تیم رباب کے دس آدمیوں کو جنگ نہروان میں قتل کیا تھا۔ یہ ان سے ملا اور ان کے مقتولوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ اسی خاندان کی ایک انتہائی حسین و جمیل عورت ''قطام'' تھی۔ اس کے باپ اور بھائی کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ نہروان میں قتل کیا تھا' جس کی وجہ سے اس کے دل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شدید عداوت بھری ہوئی تھی۔ قطام کو دیکھ کر ابن ملجم اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا اور اس نے اسے نکاح کا پیغام دے دیا۔

قطام نے کہا'' مجھے تم سے نکاح کرنے میں کوئی عذر نہیں لیکن مہر وہ ہو گا جو میں مقرر کروں گی''۔

ابن ملجم نے کہا:

''وہ کیا ہوگا؟''

قطام نے کہا:

''تین ہزار درہم' ایک غلام' ایک لونڈی اور علیؓ ابن ابی طالب کا قتل''۔

ابن ملجم نے کہا:

''تمہارا مہر مجھے منظور ہے میں تو خود ہی علی (رضی اللہ عنہ) کو قتل کرنے کوفہ آیا ہوں''۔

قطام نے ابن ملجم کو نصیحت کی کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اچانک حملہ کرے' اگر وہ بچ گیا تو دونوں آرام کی زندگی بسر کریں گے ورنہ آخرت کا عیش و آرام اس سے بدر جہا بہتر ہوگا۔ اپنے قبیلہ کے ایک شخص وردان کو بھی اس نے ابن ملجم کے ساتھ کر دیا۔

ابن ملجم قطام کے پاس سے اٹھ کر قبیلہ اشجع کے ایک شخص شبیب بن بجرو کے پاس آیا اور اس سے پوچھا:

''کیا تم دنیا اور آخرت کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہو؟''

اس نے پوچھا۔ ''وہ کس طرح؟''

ابن ملجم نے کہا:

''علی (رضی اللہ عنہ) ابن طالب کو قتل کر کے۔''

شبیب نے یہ سن کر کانوں پر ہاتھ دھرا اور کہنے لگا:

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

ابن ملجم نے کہا:

''میں مسجد میں چھپ کر بیٹھ رہوں گا۔ جب علی (رضی اللہ عنہ) فجر کی نماز پڑھانے مسجد میں آئیں گے تو ہم دونوں اچانک ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں گے۔ اگر ہم بچ نکلے تو اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو جائیں گے اور اپنے مقتولین کا انتقام

لے لیں گے، لیکن اگر بچ نکلنا ہمیں نصیب نہ ہوا تو آخرت کا اجر تو بے حساب ہمیں ملے گا ہی''۔

شبیب نے کہا:

''علی (رضی اللہ عنہ) نے اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں۔ اسلام لانے میں ان کو سابقیت کا شرف حاصل ہے۔ میں تو اس کام میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا''۔

ابن ملجم نے کہا۔

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے جنگ نہروان میں خدا تعالیٰ کے سینکڑوں نیک اور پاکباز بندوں کو قتل کیا تھا؟''

شبیب نے اثبات میں جواب دیا۔

ابن ملجم نے کہا:

''تب ہم علی (رضی اللہ عنہ) کو اپنے بھائیوں کے بدلہ میں کیوں نہ قتل کریں؟''

اس طرح اس نے بہلا پھسلا کر شبیب کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ تینوں حسب قرارداد ۱۷ رمضان المبارک کو فجر کی نماز کے وقت مسجد میں جا کر اس دروازہ کے سامنے بیٹھ گئے جہاں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کے لئے مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز کے لئے تشریف لائے تو سب سے پہلے شبیب نے اپنی تلوار سے آپ پر حملہ کیا لیکن اس کی تلوار دروازہ پر جا کر لگی۔ اس کے بعد ابن ملجم نے وار کیا۔ اس کی تلوار آپ کے سر پر لگی۔ وردان وار نہ کر سکا اور بھاگ گیا۔

وردان نے اپنے گھر آ کر یہ واقعہ ایک شخص کو سنایا جس پر اس نے اسے قتل کر ڈالا۔ شبیب موقعہ پر ہجوم میں گھس گیا اور بچ گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کے قاتل کو پکڑا جائے۔ لوگوں نے ابن ملجم کو پکڑ لیا اور اس کی مشکیں کس کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے حاضر کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا:

''اے اللہ کے دشمن! کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کیا تھا؟''

اس نے جواب دیا:

''بے شک!''

''آپ نے فرمایا:

''پھر کس بات نے تجھے مجھ پر حملہ کرنے کے لئے مجبور کیا؟''

ابن ملجم نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا' البتہ یہ کہا:

''میں نے اپنی اس تلوار کو چالیس روز تک تیز کیا ہے' کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اس کے ذریعہ بدترین مخلوق کو قتل کروں گا''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس تلوار سے تجھی کو قتل کیا جائے گا اور دنیا میں تو ہی بدترین مخلوق ہے''۔

اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا:

''اگر میں فوت ہو گیا تو اس شخص کو قتل کر دینا اور اگر میں زندہ رہا تو اس سے خود ہی سمجھ لوں گا''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی اُم کلثوم نے' جو اپنے والد کی حالت دیکھ کر رو رہی تھیں' ابن ملجم سے کہا:

اے اللہ کے دشمن! میرے باپ کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا اور تو اپنے مقصد میں ناکام ہوگا''۔

ابن ملجم نے کہا:

''اگر تمہارے باپ کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا تو پھر تم رو کیوں رہی ہو؟ میں نے اپنی تلوار ایک ہزار درہم میں خریدی تھی اور ایک درہم خرچ کر کے میں نے اسے زہر میں

بجھایا تھا۔ اگر اس کی ضرب تمام اہل شہر پر بھی پڑے تو بھی کوئی زندہ نہ بچے“

آخری وقت جندب بن عبداللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ سے دریافت کیا:

”کیا ہم آپ کے بعد آپ کے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنالیں؟“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”نہ میں تمہیں ایسا کرنے کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں‘ جو تم مناسب سمجھو کرو“۔

اس کے بعد آپ نے اپنے دونوں بیٹوں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”میں تمہیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا‘ دنیا سے کبھی دل نہ لگانا‘ کسی ایسی چیز کی خواہش نہ کرنا جو تمہاری دسترس سے باہر ہو‘ ہمیشہ سچ بولنا‘ یتیم پر رحم کرنا‘ بیکس کی مدد کرنا‘ اپنی آخرت سنوارنے کی کوشش کرنا‘ ظالم کو اس کے ظلم سے روکنا‘ مظلوم کی مدد کرنا‘ قرآن مجید کے احکام پر عمل کرنا‘ اللہ تعالیٰ کے احکام کے سلسلہ میں کسی کی لومۃ لائم کی پروانہ کرنا“۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت کرنے کے بعد آپ اپنے تیسرے بیٹے محمد بن الحنفیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

”میں نے تمہارے بھائیوں کو جو نصیحتیں کی ہیں تم نے اچھی طرح انہیں گوش گزار کرلیا ہے؟“

انہوں نے کہا:

”جی ہاں!“

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم بھی انہی نصیحتوں پر عمل کرنا۔ ساتھ ہی میں تمہیں یہ نصیحت بھی کرتا ہوں کہ تم اپنے بڑے بھائیوں کی توقیر اور تعظیم کرنا' کیونکہ ان کا تم پر بہت بڑا حق ہے۔ جو کچھ وہ کہیں اس پر عمل کرنا اور ان کے کسی حکم کی بجا آوری میں دیر نہ کرنا"۔

آپ نے اپنے پسماندگان سے فرمایا:

"اے بنی عبدالمطلب! خبردار تم میرے بعد مسلمانوں کا خون بہانے کے درپے نہ ہو جانا اور میرے قاتل کے سوا اور کسی کو قتل نہ کرنا"۔

خاص طور پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

حسن رضی اللہ عنہ! اگر میں مر جاؤں تو میرے قاتل کا تلوار سے ایک دفعہ ہی خاتمہ کر دینا۔ اس کا مثلہ نہ کرنا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے۔

"مثلہ سے بچو خواہ باؤلا کتا ہی کیوں نہ ہو"۔

زخم لگنے کے دو روز بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سامنے ابن ملجم کو حاضر کیا گیا۔

ابن ملجم نے ان سے عرض کیا:

"میں نے خدا تعالیٰ سے خانہ کعبہ میں عہد کیا تھا کہ میں یا تو علی (رضی اللہ عنہ) اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دوں گا یا خود مر جاؤں گا۔ عہد کا ایک حصہ تو پورا ہو گیا ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں' میں معاویہ (رضی اللہ عنہ) کو جا کر قتل کر آؤں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر بچ کر نکل آیا تو ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا"۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ابن ملجم کی یہ درخواست رد کر دی اور اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ قتل کے بعد اسے آگ میں جلا دیا گیا۔

برک بن عبداللہ بھی حسب قرارداد' اسی رات کو جس رات حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی گھات میں بیٹھ گیا۔ جب وہ صبح کی نماز کے لئے

نکلے تو تلوار سے آپ پر حملہ کیا۔ تلوار ان کی ران میں لگی اور وہ انہیں قتل نہ کر سکا۔ برک کو فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا:

''میں آپ کو ایک خوشخبری سنانا چاہتا ہوں''۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''وہ کیا؟''

اس نے کہا:

''میرے ایک بھائی نے اسی رات علی (رضی اللہ عنہ) کو قتل کر دیا ہے''۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''شاید وہ بھی تمہاری طرح اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا ہوگا''۔

اس نے کہا:

''نہیں وہ ضرور کامیاب ہو گیا ہوگا کیونکہ علی (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ پہرہ دار نہیں ہوتے''۔

برک کو تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قتل کرا دیا اور ساعدی نامی ایک طبیب کو بلایا۔ طبیب نے زخموں کا اچھی طرح معائنہ کیا اور کہا:

''آپ پر زہر کی بجھی ہوئی تلوار سے حملہ کیا گیا ہے۔ میں اس کے دو ہی علاج کر سکتا ہوں' ایک تو لوہا گرم کر کے زخم کی جگہ لگاؤں یا ایک دوائی آپ کو پلاؤں۔ لیکن اس دوائی کا اثر یہ ہوگا کہ آپ کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا''۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

''گرم لوہے کے لگوانے کی تو مجھ میں تاب نہیں۔ باقی رہا اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جانے کا سوال تو میرے لئے یزید اور عبداللہ ہی کافی ہیں''۔

چنانچہ طبیب نے انہیں دوائی پلائی اور وہ اچھے ہو گئے۔ بعد ازاں ان کے کوئی

اولاد نہیں ہوئی۔اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں مقصورہ بنانے کا حکم دیا اور پہرہ دار مقرر کیے جو نماز پڑھاتے وقت مقتدیوں کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔

عمرو بن بکر بھی اسی رات حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کی گھات میں بیٹھ گیا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص بیمار تھے اس لئے نماز کے لئے نہ آسکے اور اپنی جگہ خارجہ بن حذافہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ چونکہ اس وقت تک روشنی نمودار نہ ہوئی تھی اس لئے عمرو بن بکر کو پتہ نہ چل سکا کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کی جگہ خارجہ بن حذافہ نماز پڑھانے کے لئے آئے ہیں۔اس نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے دھوکے میں خارجہ بن حذافہ پر حملہ کر کے انہیں قتل کر ڈالا۔لوگوں نے جھٹ اسے پکڑ لیا اور اسے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کی خدمت میں لے گئے۔عمرو بن بکر نے لوگوں سے پوچھا:

''یہ کون ہیں؟''

لوگوں نے جواب دیا:

''عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص!''

اس نے کہا:''میں نے کسے قتل کر ڈالا؟''

لوگوں نے کہا:

''خارجہ بن حذافہ کو''۔

اس پر وہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص سے کہنے لگا:

''میں نے تو اپنے خیال میں تم پر حملہ کیا تھا''۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کہنے لگے:

''تو نے میرے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ میری جگہ خارجہ مارے جائیں۔اچھا اب اپنے کیے کی سزا بھگت!''

انہوں نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے فوراً قتل کر دیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ اسلام کی تاریخ کے ایک درخشندہ باب کا خاتمہ ہو گیا۔ دینی خدمات' اعلائے کلمۃ الحق' زہد و قناعت اور دنیوی عیش و آرام سے نفرت کے لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر تھے۔ تفقہ فی الدین اور شریعت کی اصل روح کے علم میں آپ شیخین سے بڑھے ہوئے تھے۔ البتہ جہاں تک تدبیر مملکت' سیاست کی باریکیوں کو سمجھنے' قوم کے تمام حالات کا علم رکھنے' فتنہ و فساد کی تمام راہوں کو بند کرنے اور فرماں روائی کا تعلق ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مسلسل پریشانیوں نے فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھانے سے روکے رکھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سیاست اور حکومت کے بارہ میں ایسے اقوال مروی ہیں جن پر عمل کرنے سے مملکت میں کوئی ابتری پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن اصل چیز یہ ہوتی ہے کہ اقوال کو عملی جامہ پہنایا جائے اور یہ چیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو میسر نہ ہو سکی اور تاریخ شاہد ہے کہ اس کی بہت سی وجوہ تھیں۔

تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر زمانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیتا اور امت میں تفرقہ پیدا نہ ہو جاتا تو آپ اپنے عہد میں عالم اسلام میں عدل و انصاف کا وہ نمونہ قائم کرتے اور فتوحات اسلامی کو اتنی وسعت دیتے کہ عہد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ و حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا سماں لوگوں کی نظروں میں چھا جاتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تقویٰ اور پرہیزگاری' سادہ زندگی اور دنیوی مال و منال سے نفرت کرنے کا یہ عالم تھا کہ آپ کے انتقال کے وقت آپ کے پاس سوائے سات درہم کے اور کچھ نہ تھا۔ حالانکہ آپ کے زمانہ میں آپ کی رعایا میں ہزاروں لوگ ایسے تھے جن کے پاس ہزاروں لاکھوں درہم موجود تھے۔ خود آپ کے مدمقابل حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شاہانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کر رہے تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ آپ کا لباس اور کھانا پینا نہایت معمولی ہوتا تھا۔ دنیاوی شان و شوکت سے غرض نہ تھی۔ کپڑوں میں کئی کئی پیوند

ہوتے۔ کئی کئی وقت فاقہ کرتے۔ کئی بار جو کی سخت روٹی پانی کے ساتھ حلق سے نیچے اتارتے۔ کبھی اعلیٰ کھانے کی جانب رغبت نہیں ہوئی۔

اقوالِ حکمت

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہرِ حکمت کے دروازہ تھے۔ آپ کے اقوال وارشادات سے حکمت اور نصیحت کی روشنی پھوٹتی ہے۔ آپ کا ہر قول آپ کے عمل کا آئینہ دار تھا۔ آپ رضائے الٰہی میں اس قدر ڈھل گئے تھے کہ آپ کو ایک نظر دیکھتے ہی اسوۂ حضور اکرم ﷺ کی خوشبو سے دل و جان مہکنے لگتے ہیں۔ آپ کے چند اقوال زریں مندرجہ ذیل ہیں۔

جب دنیا کسی پہ مہربان ہوتی ہے تو دوسرے شخص کے محاسن بھی اسی کو دے دیتی ہے اور جب اس سے منہ موڑتی ہے تو اس کی اپنی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے۔

لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھو تا کہ جب تم مر جاؤ تو وہ تم پر روئیں اور جب تک تم زندہ رہو وہ تم سے محبت کا برتاؤ کرتے رہیں۔

اگر تم اپنے دشمن پر قابو پالو تو قابو پانے کے شکریہ میں اسے معاف کردو۔

وہ شخص ناکام ہے جو اپنے بھائیوں کی دوستی حاصل نہ کر سکے، لیکن سب سے زیادہ ناکام وہ شخص ہے جو اپنے بھائیوں کی دوستی حاصل کرنے کے بعد پھر اسے کھو دے۔

اگر تم منعم کا شروع ہی میں شکریہ ادا نہ کرو گے تو آئندہ حاصل ہونے والی نعمت کو ہاتھ سے کھو دو گے۔

تم صاحب مروت لوگوں کی لغزشوں کو نظر انداز کر دیا کرو، کیونکہ ان میں جو شخص لغزش کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے ہاتھ سے اٹھاتا ہے۔

بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ یہ ہے کہ مظلوموں کی داد رسی کی جائے اور مصیبت زدوں کی تکالیف دور کی جائیں۔

کوئی شخص کسی بات کو خواہ کتنا ہی کیوں نہ چھپائے لیکن کبھی نہ کبھی وہ بلا ارادہ بلا سوچے سمجھے اس کی زبان یا اس کے چہرے سے ظاہر ہو ہی جائے گی۔

جب تک بیماری کی حالت میں کام ہو سکتا ہے کام کیے جاؤ۔

بہترین زہد یہ ہے کہ اپنے زہد کو چھپایا جائے۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ سے کوئی مشکل مسئلہ دریافت کیا آپ نے فرمایا:

''جو کچھ پوچھنا ہے وہ تفقہ اور مزید علم حاصل کرنے کے لئے پوچھو محض تنگ کرنے اور اعتراض کے لئے نہ پوچھو''۔

آپ سے دریافت کیا گیا کہ عاقل کی صفت بیان فرمایئے' آپ نے فرمایا:

''عاقل وہ ہے جو چیز کو اس کے موقعہ اور محل پر رکھتا ہے''۔

پھر کہا گیا کہ جاہل کی صفت بھی بیان فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا:

''اس کی صفت میں نے بیان کر دی ہے''۔

اوباش لوگوں کی تعریف آپ نے ان لفاظ میں بیان فرمائی۔

''اوباش وہ لوگ ہیں کہ جمع ہوں تو نقصان پہنچائیں اور منتشر ہو جائیں تو فائدہ'' لوگوں نے کہا کہ ہمیں ان کے اجتماع کی مضرت کا تو پتہ چل گیا لیکن ان کے منتشر ہونے کی وجہ سے فائدہ حاصل ہونے کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

آپ نے فرمایا:

''جب وہ لوگ منتشر ہو جائیں گے تو مزدور اپنے اپنے کاموں میں لگ جائیں گے۔ معمار عمارتیں بنانے میں' جولاہے کپڑا بننے میں اور نانبائی روٹیاں پکانے میں مشغول ہو جائیں گے' اس طرح لوگوں کو اوباشوں کے منتشر ہونے سے فائدہ حاصل

ہو جائے گا''۔

آپ نے ایک دفعہ پرانی اور پھٹی ہوئی قمیص پہن رکھی تھی' جب لوگوں نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

''اس طرح دل خشوع و خضوع کی طرف مائل ہوتا ہے' نفس تذلل اختیار کرتا ہے اور مومن اس کی پیروی کرتے ہیں''۔

عظیم شخصیت

سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بلاشبہ تاریخ اسلام کے عظیم محسن ہیں۔ آپ کی پوری زندگی عشق محمد مصطفیٰ ﷺ کا نمونہ ہے۔ آپ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب حضور اکرم ﷺ چاروں طرف سے خطرات کی زد میں تھے' آپ نے ہر موقع پر حضور ﷺ پر جان نثار کرنے کی کوشش کی اور حضور ﷺ کے پیغام کو عام کرنے کے لئے کبھی بھی کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ ہجرت کی رات حضور ﷺ کے بستر پر سونے سے لے کر غزوات میں شمولیت تک آپ نے ہر موقع پر بے جگری اور غیر معمولی شجاعت اور فداکاری کا مظاہرہ کیا' اس بناء پر تاریخ کے صفحات میں شیر خُدا کے نام سے جگہ پائی۔

ایک طرف آپ کی شجاعت ضرب المثل تھی تو دوسری طرف آپ کا فقر انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ آپ کو سیّدہ فاطمۃ زہرا رضی اللہ عنہا سے شادی پر جو جہیز ملا تھا عمر بھر اس میں اضافہ نہ کر سکے۔ امیر المومنین ہو کر بھی سادگی' فقر و غنا اور توکل کو اس حد تک اپنا شعار حیات بنائے رکھا کہ کوئی بھی انہیں دیکھ کر ان کے لباس سے تمیز میں کر سکتا تھا کہ یہ خلیفۃ المسلمین ہیں۔

مسلم اوّل شہِ مرداں علی رضی اللہ عنہ
عشق را سرمایۂ ایماں علی رضی اللہ عنہ

اس قدر دلیری وشجاعت کے باوجود خدا نے آپ کو اپنے جذبات اور غصے پر قابو کی قوت بھی عطا کی تھی کیونکہ صحیح معنوں میں طاقتور وہی ہوتا ہے جو اپنے نفس کو بچھاڑ کر رکھے۔ ایک مرتبہ آپ کی ایک کافر سے جنگ ہوئی۔ دیر تک مقابلہ آرائی کے بعد آپ نے اس کافر کو زیر کر لیا اور تلوار کھینچ کر چاہا کہ اس کی گردن اڑا دوں' اسی لمحے کافر نے آپ کے چہرہ پر تھوک دیا۔ ایک لحظ کے لئے آپ کا چہرہ شدت غیظ سے متغیر ہوا مگر پھر فوراً کافر کے سینے سے اتر آئے اور مقابلے سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس بے موقع معافی پر وہ کافر سخت حیران ہوا اور پوچھنے لگا کہ آپ نے مجھ پر قابو پالیا اور پھر معاف بھی کر دیا' اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ پہلے میں خدا کے لئے جنگ کر رہا تھا اور تمہیں قتل کرنا چاہتا تھا مگر تمہارے تھوکنے کے بعد اگر میں تمہیں قتل کر دیتا تو میری یہ جنگ خدا کے لئے نہیں بلکہ ذاتی انا اور انتقام کی لڑائی سمجھی جاتی۔ میں اللہ کا بندہ ہوں اس کے لئے تلوار چلاتا ہوں' میں اپنے نفس کا غلام نہیں ہوں۔

گفت من تیغ از پئے حق مے زنم
بندۂ حقم نہ مامورِ تنم

بلاشبہ آپ شیر خدا تھے اور شیر خدا وہی ہوتا ہے۔ جس کی زندگی اور موت خدا کے لئے ہو' بلاشبہ سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے قبولیت اسلام سے شہادت تک ناموس مصطفیٰ ﷺ کے عظیم فدائی کی حیثیت سے زندگی گزار کر ثابت کر دیا کہ آپ خدا اور محبوب خدا ﷺ کی طرف سے عطا کئے گئے تمام اعزازات کے مستحق تھے۔

ازواج واولاد

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی کل نو ازواج تھیں۔ جنابہ سیّدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا (سلام اللہ علیہا)، جنابہ ام البنین بنت خرام بن خالد، جنابہ لیلیٰ بنت مسعود، جنابہ اسماء بنت عمیس، جنابہ امامہ بنت ابوالعاص، جنابہ خولہ بنت جعفر، جنابہ ام سعید بنت عروہ، جنابہ ام حبیبہ بنت ربیعہ، جنابہ مسماۃ بنت امراء القیس

آپ کے اٹھارہ صاحبزادے اور اٹھارہ صاحبزادیاں تھیں۔ صاحبزادگان کے نام یہ ہیں۔

سیّدنا امیر المومنین امام حسن رضی اللہ عنہ، سیّدنا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ، سیّدنا عمر، سیّدنا عباس، سیّدنا جعفر، سیّدنا عبیداللہ، سیّدنا عثمان، سیّدنا عبداللہ، سیّدنا ابوبکر، سیّدنا عون، سیّدنا یحییٰ، سیّدنا محمد، سیّدنا اوسط، سیّدنا محمد حنفیہ، سیّدنا محمد اکبر، سیّدنا عمر اعرف، سیّدنا محسن، سیّدنا عمران (رضی اللہ عنہم)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور محبت رسول

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کی ہے کہ حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، گرمیوں میں کپڑے گرم اور سردیوں میں، کپڑے سرد پہنا کرتے تھے، آپ سے جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ جب حضور اقدس ﷺ نے لعاب دہن میری آنکھ پر لگایا تھا تو ساتھ ہی یہ دعا بھی فرمائی تھی کہ اے اللہ! علی (رضی اللہ عنہ) سے سردی اور گرمی دور کردے'' بس اس روز سے نہ مجھے سردی ہوئی ہے اور نہ گرمی۔ حضور ﷺ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کس قدر عزیز تھے اس کا اندازہ ردشمس کے واقع سے ہوجاتا ہے۔ ایک بار حضور عصر کی نماز ادا فرمانے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر استراحت فرمانے لگے کہ معاً نزول وحی کا

سلسلہ شروع ہوگیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سورج کو غروب ہوتے دیکھتے رہے لیکن احترام نبوت کے پیش نظر ذرا بھی جنبش نہ کی۔ جب وحی کا سلسلہ منقطع ہوا تو آقائے دو جہاں ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خاطر رب کریم سے عرض گزار ہوئے کہ

''اے اللہ! بیشک یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا۔ پس تو سورج کو اس کے لئے لوٹا دے' چنانچہ ڈوبا ہوا سورج دوبارہ طلوع ہوگیا۔

تیری مرضی پا گیا سورج پھرا الٹے قدم
تیری انگلی اٹھ گئی' مہ کا کلیجہ چر گیا

عبادات

حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو عبادات خُدا' ریاضت نفس' خضوع و خشوع میں خاص مقام حاصل تھا۔ کمسنی سے ہی اپنا دل خُدا کی یاد میں' اپنی جان راہ خُدا میں اور اپنی زبان ذکر خُدا میں لگادی۔ ساری ساری رات اللہ کے حضور رکوع وسجود میں صرف فرما دیتے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبادت خُداوندی کرنے میں خاص قرب حاصل تھا۔ آپ کے دل میں خوف خُدا کا بہت گہرا اثر تھا اور پیشانی اقدس پر سجدوں کی کثرت سے نشان پڑ چکا تھا' شیر خُدا اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ نماز پنجگانہ کی نہایت پابندی کرتے تھے' ماسوا غزوات میں شریک ہوئے آپ نے کبھی بغیر جماعت کے نماز ادا نہ فرمائی۔ باوجودیکہ آپ تمام دن دینی خدمات میں صرف فرما دیتے لیکن ظہر' عصر' مغرب' عشاء' فجر کی نمازوں کو باجماعت پڑھا کرتے تھے' آپ کی پابندی نماز اور خضوع وخشوع کا عالم یہ تھا کہ غزوۂ احد میں آپ کے پاؤں مبارک میں تیر لگا اور ایسا سخت چبھ گیا کہ نکل نہ سکا' اور اگر نکالنے کی

کوشش کی جاتی تو آپ اس کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتے تھے' آپ نے فرمایا: اس وقت رہنے دو' جب میں نماز کے لئے اللہ کے حضور کھڑا ہوں گا تو اس وقت یہ تیر نکال لینا۔ پھر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نماز میں مشغول ہو گئے تو پاؤں سے وہ تیر کھینچا گیا اور تمام نماز کی جگہ خون سے بھر گئی' لیکن سبحان اللہ! حضرت امام المشارق والمغارب رضی اللہ عنہ کچھ ایسے نماز میں غرق تھے کہ آپ کو قطعاً خبر نہ ہوئی۔ اکثر غزوات میں جب نماز کا وقت ہو جاتا تو میدان جنگ میں ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے حالانکہ ہر طرف تلواروں اور تیروں کی بارش ہو رہی ہوتی تھی لیکن آپ نہایت خشوع کے کے ساتھ نماز میں محو ہو جاتے تھے اور نماز کو اپنی جان سے پیارا سمجھتے تھے۔

حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ اپنی عمر میں اکثر فرض روزوں کے علاوہ نفل روزے بھی پے در پے رکھتے تھے۔ آپ کی صرف زبان ہی روزہ نہیں رکھتی تھی بلکہ آپ کے تمام اعضاء بھی روزہ سے ہوتے تھے۔ آپ صلوٰۃ وصوم (نماز وروزہ) کو ایسے ادا فرماتے تھے کہ قائم اللیل صائم النہار (یعنی رات کو قیام کرنے والے اور دن کو روزہ رکھنے والے) آپ کا لقب ہو گیا' اور آپ نے اکثر بحالت روزہ ہی جہاد فرمایا۔ آپ خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ شدید گرمی میں روزہ رکھ کر میدان جنگ میں تلوار چلانا مجھے بہت ہی پسند ہے۔ چنانچہ آپ کو سحری وافطاری میں کھانے کی کوئی چیز نہ ملتی تو پانی سے ہی روزہ رکھ لیا اور افطار بھی کر لیا کرتے تھے۔

آپ نے کبھی مال جمع نہیں فرمایا بلکہ جو بھی ملتا بلا تاخیر کل کا کل مال فقراء و مساکین پر تقسیم فرما دیتے۔ آپ اکثر اپنے خطبات میں فرمایا کرتے تھے۔

لوگو! تم دنیا میں صرف آزمائش کے لئے پیدا کئے گئے ہو' تو جب آدمی مرتا ہے تو اس کے قرابت دار تلاش کرتے ہیں کہ کتنا مال چھوڑ گیا ہے مگر فرشتے یہ دیکھتے ہیں کتنا مال خیرات کر کے خُدا کی بارگاہ میں بھیج چکا ہے۔

اے لوگو! اپنا مال خیرات کر کے اللہ کی بارگاہ میں پیش کرو ورنہ تمام اور سب کچھ اس دنیا میں ہی رہ جائے گا اور وہ تمہارے لئے دنیا و آخرت میں عذاب و وبال کا سبب بنے گا۔

آپ اکثر اوقات اسی چیز کے متلاشی رہا کرتے تھے کہ کوئی مستحق ملے جس کو ہر وقت مال دیتا رہوں یہاں تک کہ مقروض لوگوں کے قرضے بھی آپ نے اتارے ہیں' اور اگر کوئی فوت ہو جاتا تو اس کے بیوی بچوں کی پرورش کے لئے تمام چیزوں کا انتظام کرتے' اور اگر میت پر قرضہ رہ جاتا تو وہ بھی خود ادا فرماتے تھے۔

آپ نے ہر سال بلا ناغہ حج ادا فرمائے۔ حضور رسالت مآب ﷺ کے ہمراہ حج کرنے کا شرف حاصل ہو چکا تھا' پھر خلفاء ثلاثہ کے دور میں اور اپنی خلافت کے عہد میں بھی آپ نے کبھی کسی سال حج سے ناغہ نہ کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کمال خطابت

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو رب العالمین نے حضور ﷺ کی دعاؤں کے طفیل بے پناہ دانائی اور علم و حکمت سے نواز رکھا تھا۔ آپ رُشد و ہدایت کے پیکر تھے۔ آپ نے حضور ﷺ کے دامان رحمت میں جگہ پائی تھے۔ آپ بات کرتے تو پھول جھڑتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ پڑھے لکھے صحابہ آپ کی تقاریر اور اقوال زریں کو لکھ لیا کرتے تھے۔ آپ جب خطاب فرماتے تو سننے والوں کی مردہ لوگوں میں زندگی کا خون دوڑنے لگتا۔ ہر بات میں حکمت و موعظت کے خزانے پوشیدہ ہوتے تھے۔ آپ کی باتیں بے اختیار دلوں پر اثر کرتی تھی آپ کے اقوال روشن آج بھی مطلعِ ہستی پر ستاروں کی صورت جگمگا رہے ہیں۔ آپ کی ہر بات بجا طور پر حاصل کلام نظر آتی ہے۔ آپ کے ارشادات کا جتنا زیادہ مطالعہ کیا جائے سچائی اتنی ہی زیادہ واضح ہو کر نظر آئی ہے۔

اتنا کچھ لکھ جانے کے باوجود غیر جانبدار مؤرخین کا کہنا ہے کہ آپ کی شخصیت پر حالات وواقعات نے بڑے گہرے پردے ڈال رکھے کہ آپ کے اقوال' آپ کے خطبات اور آپ کے احکام پر نظر ڈالنے سے آپ کی حقیقی شخصیت معلوم کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے' اور پتہ چلتا ہے کہ آپ کو خُدا تعالیٰ کی طرف سے ایک حیرت انگیز دماغ دویعت ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہونے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کا پر معارف کلام سنتے رہنے کی وجہ سے فصاحت و بلاغت آپ کے رگ وریشہ میں سرایت کر گئی تھی۔ اسی کا اثر تھا کہ آپ کی زبان مبارک سے ہر وقت فصاحت و بلاغت کے چشمے پھوٹتے رہتے تھے۔ حکمت آپ کے گھر کی لونڈی تھی اور خطابت میں کوئی شخص آپ کا ہم پلہ نہ تھا۔ کوئی بھی موضوع کیوں نہ ہو آپ کے بے تکان اس پر گھنٹوں لیکچر دے سکتے تھے۔ لوگوں کو جہاد پر ابھارنے کے لئے آپ کے خطبے' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام آپ کے خطوط' امراء اور عمال کے متعلق آپ کے احکام عربی ادب کے معجزات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہم نے اس فصل میں جو کچھ بیان کیا ہے اس سے قارئین کو اس وقت تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ادبی شخصیت کا پورا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک آپ کے خطبوں' خطوط ورسائل اور حکیمانہ اقوال کے کچھ نمونے ان کے سامنے پیش نہ کئے جائیں۔ اس غرض سے صفحات آئندہ میں آپ کے کلام کا کچھ نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اسے پڑھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ادبی' مذہبی اور سیاسی شخصیت کا کافی حد تک اندازہ ہو سکے گا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے سفیان بن عوف الغامدی نے انبار پر چڑھائی کی تھی۔ اس موقعہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے مندرجہ ذیل خطبہ پڑھا تھا اور انہیں دشمن کا مقابلہ کرنے کی غیرت دلائی تھی۔ آپ نے فرمایا:

''یاد رکھو جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جس شخص نے

جان بوجھ کر اس سے روگردانی کی' اللہ تعالیٰ اسے ذلت کا لباس پہنائے گا' مصائب کا پہاڑ اس کے سر پر ٹوٹ پڑے گا' خواری کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا اور اسے اپنے حق سے محروم کر دیا جائے گا۔ میں تمہیں شامیوں سے لڑنے کے لئے شب و روز بلاتا رہا' میں تم سے بار بار کہتا رہا کہ قبل اس کے کہ یہ لوگ تم پر حملہ کریں تم ان پر چڑھائی کر دو۔ کیونکہ جس قوم پر حملہ کیا جاتا ہے اور جس کے علاقہ میں اس کے دشمنوں کے پاؤں پہنچ جاتے ہیں' وہ ذلیل اور رسوا ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ لیکن تم نے میری بات پر مطلق کان نہ دھرا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہے۔ میری نصیحتیں تمہیں گراں گزرتی تھیں اور میری باتوں کو تم ہنسی میں اڑا دیتے تھے۔ اس لاپروائی کا جو کچھ نتیجہ ہوا وہ اب تمہارے سامنے ہے۔ تمہارے علاقہ پر دشمن نے چڑھائی کر دی۔ سفیان بن عوف غامدی کے گھوڑے انبار تک پہنچ گئے اور تمہیں اپنے گھوڑوں کو پیچھے ہٹاتے ہی بن پڑی۔ تمہارے کئی بہادر جان سے مارے گئے۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ان لوگوں نے مسلمان اور ذمی عورتوں کے کنگن' پازیب اور بالیاں تک اتار لیں۔ انہوں نے قتل و غارت گری کا بازار خوب گرم کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واپس گئے لیکن ان کے کسی آدمی کو خراش تک نہ آئی۔ اس کے بعد اگر کوئی مسلمان افسوس اور رنج کے مارے اپنی جان گنوا دیتا ہے تو میرے نزدیک وہ ملامت کے قابل نہیں ہے بلکہ ایسی موت کا قرار واقعی مستحق ہے۔ کیا ہی تعجب ہے کہ ایک قوم باطل پر ہونے کے باوجود' اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے پوری جدوجہد کرتی ہے اور تم حق پر ہونے کے باوجود بزدلی دکھاتے ہو۔ افسوس تم دشمنوں کا نشانہ بن گئے' جس پر وہ جی بھر کر تیر چلاتا ہے۔ تم مال غنیمت بن گئے جس کو وہ جی بھر کر لوٹتا ہے لیکن تمہاری غیرت کی حس بالکل مردہ ہو چکی ہے۔ تمہارے علاقہ میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا جاتا ہے لیکن تم خاموش بیٹھے رہتے ہو۔ تم پر چڑھائی کی جاتی ہے لیکن تم میں دشمن کا مقابلہ کرنے کا ولولہ بالکل

پیدا نہیں ہوتا۔علی الاعلان اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے لیکن تمہارے دلوں میں قطعاً درد پیدا نہیں ہوتا۔ جب میں تمہیں گرمی میں شام کی طرف کوچ کرنے کو کہتا ہوں تو تم یہ عذر کر دیتے ہو کہ اب سخت گرمی ہے' ہمیں کچھ مہلت دیجئے۔ جب گرمی گذر جائے گی تب ہم چلیں گے' لیکن جب سردی آتی ہے تو تم سخت سردی کا عذر کر کے کہہ دیتے ہو کہ ہمیں مہلت دیجئے جب سردی گزر جائے گی تب ہم چلیں گے۔ نہ تم گرمی کی تاب لا سکتے ہو نہ سردی کی۔ جب تمہاری یہ حالت ہے کہ تم گرمی اور سردی تک سے بھاگتے ہو تو خُدا کی قسم تلوار سے تو ضرور ہی بھاگو گے۔اے وہ لوگو! جو مردوں کے مشابہ ہو لیکن مرد نہیں ہو' میری خواہش ہے کہ خُدا تعالیٰ مجھے تمہارے درمیان سے اٹھا لے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری صورتیں بھی مجھے نہ دکھائی دیں اور مجھے تم سے کسی قسم کا تعلق نہ ہو۔ خُدا کی قسم میں ندامت سے حیران ہوں۔تم نے میرے دل کو غیظ و غضب سے بھر دیا۔ تم نے مجھے موت کے گھونٹ پلانے چاہے ہیں۔تم نے مجھ سے سرکشی کر کے' میرے احکام کی سرتابی کر کے اور مجھے چھوڑ کر تمام تدابیر کو خاک میں ملا دیا ہے۔اسی وجہ سے قریش یہ کہنے لگے کہ ابن ابی طالب شجاع تو ہے لیکن اسے جنگ کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔خُدا ان کا بھلا کرے' ان میں سے کوئی شخص بھی مجھ سے زیادہ جنگ کا ماہر اور تجربہ کار نہیں ہے۔ جتنا لمبا تجربہ جنگ کا مجھے حاصل ہے اور کسی شخص کو حاصل نہیں۔ میں ابھی بیس برس کی عمر کو بھی نہیں پہنچا تھا کہ مجھے جنگ کی پوری مہارت حاصل ہو گئی تھی۔اب میں ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ چکا ہوں' لیکن جب تک کسی رائے اور تجربہ پر عمل نہ کیا جائے محض رائے اور تجربہ کا کوئی فائدہ نہیں''۔

ایک خطبہ میں اپنے خارجی دشمنوں کا بایں الفاظ ذکر فرماتے ہیں۔

''انہوں نے اپنے کاموں میں شیطان کو شریک بنا لیا ہے۔شیطان نے ان کے سینوں میں انڈے' بچے دیئے ہیں اور وہ ان کی عقلوں پر پوری طرح قابض ہو گیا

ہے۔ اب ان کی آنکھوں سے شیطان دیکھتا ہے اور ان کی زبانوں سے شیطان بولتا ہے۔ وہی ان سے گناہوں کا ارتکاب کرا رہا ہے اور بری باتوں کو خوبصورت بنا کر ان کے سامنے پیش کر رہا ہے''۔

ایک خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ہر قسم کی تعریف ہے اس اللہ کے لئے جو اول بھی ہے اور آخر بھی' جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اس کے علاوہ ہر عزیز ذلیل ہے' ہر قوی ضعیف ہے' ہر مالک مملوک ہے' ہر عالم متعلم ہے' ہر قادر عاجز ہے' ہر سمیع بہرہ ہے' کیونکہ وہ لطیف آوازوں کو نہیں سن سکتا۔ ہر بصیر اعمیٰ ہے کیونکہ وہ مخفی رنگوں اور لطیف اجسام کو نہیں دیکھ سکتا۔ ہر ظاہر باطن ہے اور ہر باطن ظاہر۔ جو چیز اس نے پیدا کی ہے اسے پیدا کرنے کی اور کسی میں قدرت نہیں' اسے زمانہ کے عواقب خوف زدہ نہیں کر سکتے۔ اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ تمام مخلوق اسی کی پروردہ ہے' تمام بندے اسی کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ وہ کسی چیز میں محلول نہیں ہے تاکہ یہ نہ کہا جا سکے کہ وہ فلاں چیز سے علیحدہ ہے۔ اسے کسی چیز کے پیدا کرنے میں مشقت' تکلیف اور عجز کا سامنا کرنا نہیں پڑا۔ جو کچھ گزر گیا اور جو کچھ آئندہ پیش آنے والا ہے اس میں اس کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ اس کی قضا یقینی' اس کا علم محکم اور اس کا حکم مبرم ہے جو کسی صورت میں ٹلنے والا نہیں''۔

استسقاء کی دعا

''اے اللہ! ہمارے پہاڑ خشک ہو گئے ہیں' ہماری زمین پر خاک اڑنے لگی ہے' ہمارے جانوروں کے حلق پیاس کی وجہ سے خشک ہو چکے ہیں' وہ بڑی بے تابی سے اپنے احاطوں میں کھڑے' نہایت دردناک آوازوں سے چیخ رہے ہیں۔ وہ بار بار چارے اور پانی کی تلاش میں چراگاہوں میں پھرتے ہیں اور گھاٹ پر جاتے ہیں لیکن ناکام

واپس آتے ہیں۔

اے اللہ! گڑگڑانے والوں کی گڑگڑاہٹ پر رحم فرما۔ اے اللہ! ان جانوروں پر رحم فرما جو چراگاہوں میں حیران و سرگرداں پھر رہے ہیں اور اپنے باڑوں میں درد ناک آوازوں سے چیخ رہے ہیں۔

اے اللہ! ہم تیرے حضور اس وقت حاضر ہوئے ہیں جب کہ قحط سالی کی انتہاء ہو چکی ہے۔ آسمان پر بارش برسانے والے بادلوں کا کہیں نام و نشان بھی نہیں' اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے اور باران رحمت کا نزول فرما۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے نام وصیت

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہادت کے رتبے پر فائز ہو رہے تھے تو چاروں طرف رنج والم کی طغیانی تھی' آنسوؤں کا طوفان بپا تھا۔ ایسے عالم میں بھی حضرت شیرِ خُدا رضی اللہ عنہ نے اپنی انفرادی شان برقرار رکھی اور اپنے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی وصیت کا امین بنایا۔ یہ وصیت کیا ہے' علوم و معارف کا گنجینہ ہے' اسرار حکمت کا خزینہ ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس جان کنی کے عالم میں بھی دنیا والوں تک کیا پیغام پہنچانا چاہتے تھے۔

آپ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو لکھوایا۔ اے بیٹے! زمانے کی گردش' دنیا کی بیوفائی اور آخرت کے قرب نے مجھے ہر طرف سے غافل کر کے آنے والی زندگی کے اندیشوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ اب مجھے صرف اپنی فکر ہے۔ تمام نشیب و فراز پیش نظر ہیں اور حقیقت بے نقاب ہو چکی ہے۔ ایسی حالت میں میں تمہارے لئے یہ وصیت لکھ رہا ہوں۔

☆ بیٹے! خُدا سے خوف کھاتے رہو' اس کے احکام پر کاربند رہو' اس کے ذکر سے

دل کی بستی آباد رکھو' اس کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو' کیونکہ تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اس سے بڑھ کر مستحکم رشتہ اور کوئی نہیں ہے۔

☆ بیٹے! اپنے دل کو موعظت سے زندہ رکھو' زہد سے مارو' یقین سے قوت بخشو' حکمت سے منور کرو۔ موت کی یاد سے اس پر قابو پاؤ۔ نیرنگیٔ روزگار سے ڈراؤ اور بچھڑ جانے والی حکائتیں سناؤ۔ گذرے ہوئے لوگوں کی تباہی سے عبرت دلاؤ۔ ان کی اجڑی ہوئی بستیوں میں گشت کرو۔ ان کی عمارتوں کے کھنڈر دیکھو اور دل سے پوچھو! کہ ان کے رہنے والے کیا ہوئے۔ یاد رکھو! صرف اور صرف ذکر خُدا ہے جو عزت بھی دیتا ہے اور نجات بھی دیتا ہے۔ یقین کرو دنیا اللہ تعالیٰ کے اس قانون پر قائم ہے کہ انسان کو نعمتیں بھی ملتی ہیں اور آزمائش بھی پیش آتی ہیں اور پھر آخرت میں آخری صلہ بھی دیا جاتا ہے' جس کی ہمیں خبر نہیں۔ بیٹے! اگر کوئی بات تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو اس سے انکار نہ کرو بلکہ اپنی کم فہمی پر محمول کر کے اس پر غور و فکر کرو کیونکہ پہلے پہل تم جاہل پیدا ہوئے تھے پھر بتدریج عمل سے نوازے گئے۔ کتنی ہی باتیں ہیں جن سے آج تم لاعلم ہو جن کے بارے تمہاری عقل حیران رہ جاتی ہے اور بصیرت کام نہیں کرتی' لیکن ہو سکتا ہے کہ چند روز بعد تمہیں ان کا علم ہو جائے۔ تمہیں اس ذات ستودہ صفات سے وابستہ رہنا چاہیے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ عبادت کرو تو اسی کی' سر جھکاؤ تو اسی کے آگے' اور ڈرو تو اسی سے۔

☆ بیٹے! جن لوگوں نے دنیا کو پرکھ لیا ہے وہ اس کی جدائی سے نہیں گھبراتے۔ ان کی مثال ایسے مسافروں کی ہے جو ناموافق اور قحط زدہ علاقے چھوڑ کر سرسبز اور زرخیز علاقے کی طرف چل کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ مسافر احباب کی جدائی گوارا کرتے ہیں۔ سفر کی مشقتیں جھیلتے ہیں' خوراک کی خرابی سہتے ہیں۔ اس لئے کہ کشادہ اور راحت افزا مقام تک پہنچ جائیں۔ وہ کسی تکلیف کو تکلیف نہیں سمجھتے' کسی مصرف سے جی نہیں

چراتے۔ ان کی نظر میں سب سے زیادہ پسندیدہ قدم وہ ہے جو منزل مقصود کی طرف بڑھتا ہے' لیکن جو لوگ دنیا سے چمٹے ہوئے ہیں اور اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکتے ان کی مثال اس مسافر کی سی ہے جو سرسبز اور شاداب زمین چھوڑ کر خشک اور بنجر زمین کی طرف چل رہا ہو۔ یہ سفر اس کیلئے بدترین اور بھیانک سفر ثابت ہوگا۔

☆ بیٹے! دوسروں کیلئے اپنی ذات کو معیار بناؤ۔ جو بات تمہیں اپنے لئے پسند ہو وہی ان کیلئے پسند کرو۔ تم تندرستی اور رزق کی فراخی چاہتے ہو اور اس کی رحمت کے ایسے خزانے طلب کرتے ہو جو اس کے سوا اور کوئی دے نہیں سکتا۔ غور کرو' اس نے طلب کی اجازت دے کر اپنی رحمت کے خزانوں کی کنجیاں تمہارے حوالے کر دی ہیں' تم جب چاہو دعا کرو اس کی نعمتوں کا دروازہ کھل جائے گا اور رحمتوں کا مینہ برسنے لگے گا' لیکن اگر اجابت دعا میں دیر ہو جائے تو مایوس نہیں ہونا چاہیے' کیونکہ قبول دعا کا مدار نیتوں کی درستی پر ہے۔ کبھی اجابت دعا میں اس لئے دیر ہوتی ہے کہ سائل کو ثواب زیادہ ملے' امیدوار کو زیادہ بخشش دی جائے اور اگر سائل محروم رہتا ہے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ نہیں معلوم کتنی مرادیں ایسی ہیں کہ پوری ہو جائیں تو انسان کی عاقبت برباد ہو جائے۔ پس تمہاری دعا ان ہی باتوں کیلئے ہونی چاہئے جو تمہارے لئے سودمند ہوں' نقصان دہ باتوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

☆ بیٹے! دنیا میں دنیاداروں کی محویت اور اس کی طلب میں مسابقت سے فریب مت کھاؤ' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی حقیقت واضح کر دی ہے۔ تمہاری ساری امیدیں بر نہیں آ سکتیں' زندگی بہرحال محدود ہے اور تم اس راستے پر گامزن ہو جس پر تم سے پہلے لوگ جا چکے ہیں۔ اپنی طلب میں اعتدال کو مدنظر رکھو۔ رزق کے حصول میں سلامت روی سے تجاوز نہ کرو۔ وہ بھلائی بھلائی نہیں جو برائی کی راہ سے آئے۔ نہ دولت' وہ دولت ہے جو ذلت کے ذریعے حاصل ہو۔ خبردار' حرص و ہوس تمہیں ہلاکت

کی گھاٹ پر نہ لے جائے۔ اپنے اور اپنے خدا کے درمیان کسی کے احسان کو حائل نہ ہونے دو۔ تمہارا حصہ بہر حال تمہیں مل کر رہے گا۔ اللہ کا کم عطا کیا ہوا مخلوق کے زیادہ دیئے ہوئے سے بہت زیادہ بھی ہے اور باعث شرف بھی۔ خاموشی سے پیدا ہونے والی خرابی کا تدارک آسان ہے مگر گفتگو سے جو خرابی پیدا ہوئی ہے' اس کا ازالہ سخت مشکل ہے۔

☆ بیٹے! نکوکار لوگوں کی صحبت اختیار کرو گے تو نیک ہو جاؤ گے۔ بروں کی صحبت سے احتراز کرو گے تو برائی سے محفوظ رہو گے۔ حرام رزق بدترین کھانا ہے' کمزوروں پر ظلم سب سے بڑا ظلم ہے۔ موہوم امیدوں پر تکیہ نہ کرو۔ بہترین تجربہ وہ ہے جو نصیحت آموز ہو۔

☆ بیٹے! خیال رکھو' حرص تمہیں اندھا نہ کرنے پائے اور عداوت عقل سے محروم نہ کر دے۔ دوست کے دشمن کو دوست نہ بناؤ ورنہ دوست بھی دشمن ہو جائے گا۔ دوست کو بے لاگ نصیحت کرو خواہ اسے اچھی لگے یا بری۔ غصہ پی جایا کرو۔ غصے کے جام سے بڑھ کر شیریں جام میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ رزق دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس کی تم جستجو کرتے ہو' اور دوسرا وہ جو تمہاری تلاش میں رہتا ہے۔ پس اگر تم جستجو چھوڑ دو تو رزق خود ہی تمہارے پاس آئے گا۔ دانا معمولی تادیب سے مان جاتا ہے مگر چوپایہ مار ہی سے باز آتا ہے۔ کتنے اپنے ہیں' جو غیروں سے زیادہ غیر ہیں اور کتنے غیر ہیں جو اپنوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ پردیسی وہ ہے جس کا کوئی دوست نہیں۔ جو دنیا پر بھروسہ کرتا ہے' دنیا اس سے بے وفائی کرتی ہے۔ جب حکمران بدلتے ہیں تو زمانہ بھی بدل جاتا ہے۔ سفر سے پہلے سفر کے ساتھیوں اور قیام سے پہلے اپنے پڑوسیوں کو پہچان لو کہ وہ کیسے لوگ ہیں' کہیں دھوکا تو نہیں دے جائیں گے۔ خاص طور پر اپنی اگلی زندگی کو یاد رکھ۔ بچھڑنے والوں کو یاد رکھو کہ ان لوگوں نے کیا کیا اور کہاں جا کر آباد

ہو گئے۔ اس طرح تمہیں اپنی فانی زندگی کا احساس ہو گا۔

☆ بیٹے! اپنے ٹھکانے کو درست کرو۔ آخرت کو دنیا کے بدلے میں نہ بیچو۔ بے علمی میں سکوت اختیار کرو' بلا ضرورت گفتگو سے پرہیز کرو۔ جس راہ میں بھٹک جانے کا اندیشہ ہو' اس سے باز رہو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور اس کا حق ادا کرو۔ اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوف نہ کھاؤ۔ حق کی خاطر مصائب کے طوفان سے ٹکرا جاؤ۔ دین میں تفقہ حاصل کرو اور مکروہات زمانہ کو برداشت کرنے کے عادی بنو۔

☆ بیٹے! میرے لئے پر مسرت بات یہ ہے کہ تم اللہ سے ڈرتے رہو۔ اس کے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی نہ کرو۔ خوب سمجھ لو کہ جس کے ہاتھ میں موت ہے' اسی کے قبضہ قدرت میں زندگی بھی ہے۔ جو پیدا کرنے والا ہے' وہی مارنے والا بھی ہے۔ جو فنا کے گھاٹ اتارتا ہے' وہی حیات نو بھی بخشتا ہے اور مصیبت میں مبتلا کرتا ہے' وہی جو اپنے لئے ناپسند ہو اسے ان کے لئے بھی ناپسند کرو۔

جس طرح تم یہ نہیں چاہتے کہ لوگ تم پر ظلم کریں' اسی طرح تم بھی کسی پر ظلم نہ کرو۔ جس حسن سلوک کی توقع دوسروں سے کرتے ہو' اسی حسن سلوک کے ساتھ ان سے پیش آؤ۔ خود پسندی حماقت ہے اور نفس کے لئے ہلاکت' لہٰذا سلامت روی سے اپنا راستہ طے کرو۔

☆ بیٹے! تمہیں ایک لمبا اور کٹھن سفر درپیش ہے۔ اس سفر میں حسن طلب کی بڑی ضرورت ہے۔ اپنی طاقت سے زیادہ وزن مت اٹھاؤ' ورنہ تمہارے لئے وبال جان بن جائے گا۔ دولت مندی کے زمانے میں اگر کوئی تم سے قرض مانگے تو دے دو تاکہ ناداری کے زمانے میں وہ تمہیں واپس مل جائے۔

☆ بیٹے! تمہارے سامنے ایک دشوار گھاٹی ہے۔ اس گھاٹی میں ایک ہلکا پھلکا

آدمی بوجھل آدمی سے بہتر اور سست رفتار تیز رو سے بدتر ہے۔ تمہیں اس گھاٹی سے لازماً گزرنا ہے۔ اس کے بعد جنت یا دوزخ۔ آخری منزل پر پہنچنے سے پہلے اپنا پیش خیمہ آگے بھیج دو اور اپنی جگہ ٹھیک کرلو۔ مرنے کے بعد نہ معذرت ممکن ہوگی نہ دنیا کی طرف واپسی۔

☆ بیٹے! جس ذات کے دست تصرف میں زمین و آسمان کے خزانے ہیں' اس نے اس کے مانگنے کی اجازت بھی دی ہے اور قبول کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ "مانگ تجھے مل جائے گا۔ رحم کی التجا کر تجھ پر رحم کیا جائے گا۔ اس نے اپنے اور تمہارے درمیان دربان کھڑے نہیں کیے جو تمہیں اس کے حضور میں پہنچنے سے روکیں۔ نہ تمہیں سفارشوں کا محتاج بنایا ہے۔ وہ تمہاری پکار کو سنتا ہے' تمہاری عاجزی کو دیکھتا ہے۔ اس لئے اس کے حضور نہایت عاجزی سے طلب کرو' جو مانگو گے مل جائے گا۔ ایک بات بخوبی سمجھ لو کہ جو راہ حق چھوڑ دیتا ہے اس کا راستہ تنگ ہو جاتا ہے۔ جو اپنی حیثیت برقرار رکھتا ہے' اس کی عزت برقرار رہتی ہے۔ سب سے زیادہ مضبوط تعلق وہ ہے جو بندے اور خدا کے درمیان ہے۔

☆ بیٹے! میں تمہاری دنیا اور آخرت اللہ کے حوالے کرتا ہوں اور دونوں جہان میں اسی بدتر سے تمہارے لئے فلاح و بہبود کی دعا کرتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور انعامات ربانی

جب امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کوفے میں تشریف لائے تو آپ کے ساتھ لوگ وہاں مقیم ہو گئے۔ ان میں ایک نوجوان بھی شامل ہو گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد اس نوجوان نے ایک عربی عورت سے شادی کرلی۔ اس کے دوسرے روز نماز فجر کے بعد آپ نے ایک شخص سے فرمایا کہ کوفے کے فلاں محلے میں جاؤ اور فلاں مکان سے

ایک مرد اور ایک عورت جو آپس میں لڑ رہے ہوں گے اور وہ ایک دوسرے کو طعن و تشنیع کر رہے ہوں گے، تم ان دونوں کو میرا نام لے کر بلا لاؤ۔ پھر جب وہ آدمی حکم کے مطابق اس محلہ میں گیا تو واقعی وہی طرز عمل سامنے آیا اور اسی نشان دہی پر وہ ان کے مکان تک پہنچ گیا۔ ان سے جا کر کہا کہ تمہیں سیّدنا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ بلا رہے ہیں۔ چنانچہ وہ اسی وقت اٹھے اور دونوں مرد و عورت حاضر خدمت ہو گئے۔ آپ نے فرمایا کہ تمام رات تم دونوں آپس میں کیوں لڑتے رہے ہو؟ اس شخص نے عرض کیا۔ حضور، یہ میری بیوی ہے اور کل اس کے ساتھ میرا نکاح ہوا ہے۔ پھر جب آپس میں ملنے کا وقت آیا تو اس نے مجھ سے نفرت کی اور پھر مجھ کو بھی اس بات پر نفرت ہوئی، پھر اسی طرح ایک دوسرے کو طعنے دیتے ساری رات گزر گئی، اور پھر صبح بھی یہی چکر رہا۔ آپ نے فرمایا: اچھا یہ بات ہے جو تم لڑتے جھگڑتے رہے ہو۔ اب میں علیحدہ بات کرتا ہوں، پھر آپ نے اس عورت سے فرمایا: میں تجھ پر ایک بات ظاہر کرتا ہوں، اگر وہ سچی ہو تو انکار نہ کرنا، اس میں تمہاری بھلائی ہے اور اس کو برا بھی محسوس نہ کرنا۔ اس عورت نے اقرار کیا کہ حضور جھوٹ نہیں کہوں گی، سیّدنا باب مدینۃ العلم نے فرمایا: کیا تو فلاں آدمی کی بیٹی ہے؟ کہنے لگی۔ ہاں۔ فرمایا: تمہاری ماں کا یہ نام تھا؟ عرض کیا۔ جی ہاں۔ فرمایا: کیا تمہارا ایک چچازاد بھائی نہ تھا جو کہ تمہارے پڑوس ہی میں رہتا تھا اور تم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ محبت تھی۔ عورت نے کہا۔ درست ہے۔ آپ نے فرمایا: تیرا باپ اس سے تیرا نکاح نہیں کرنا چاہتا تھا۔ عورت نے کہا، جی ہاں۔ فرمایا: پھر تیرے باپ نے اس کو اپنے پڑوس سے بھی نکال دیا تھا۔ عورت نے کہا، جی ٹھیک ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر تو ایک رات قضائے حاجت کے لئے گھر سے باہر نکلی اور وہ تیرے انتظار میں تھا اور تم اس سے جا کر ملی تھی اور پھر اس نے تم سے وہ حرکت یعنی وطی (صحبت) کی اور تو حاملہ ہو گئی، پھر تم نے اپنے حمل میں جو تھا اسے چھپائے رکھا اور تیری ماں کو یہ بات معلوم

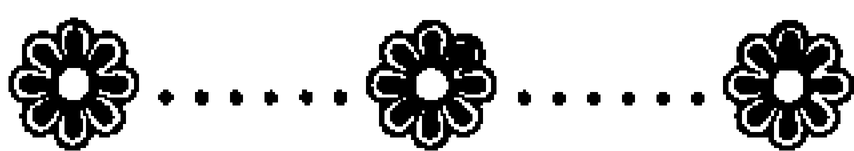
ہوگئی تھی' اور پھر وضع حمل (پیداواری) کے وقت وہ تجھ کو اپنے ساتھ لے کر رات کے وقت باہر نکلی اور تم دونوں دور جنگل میں چلی گئیں' اور پھر وہاں پر تجھ سے لڑکا پیدا ہوا اور تم نے ایک کپڑے میں لپیٹ کر وہیں رکھ دیا اور خود وہاں سے چل پڑیں' کہ ایک کتا آیا اور اس کو سونگھنے لگا۔ تجھے خیال آیا کہ کہیں اس کو کھا نہ جائے تو نے ایک پتھر اٹھایا اور کتے کو مارا' لیکن وہ اس بچہ کو لگ گیا اور اس سے اس کا سر زخمی ہوگیا۔ تو نے اور تیری ماں نے اسی وقت وہاں پہنچ کر اس کے سر پر پٹی باندھی اور پھر وہیں چھوڑ کر تم دونوں گھر چلی گئیں' پھر تم کو کیا معلوم کہ وہ کہاں اور کیا ہوا اور کیا نہ ہوا۔ امام الائمہ باب مدینۃ العلم سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے یہ سارا کئی سالوں کا واقعہ سن کر عورت سخت حیران ہوئی۔ ایک طرف آپ کا بیان اور دوسری طرف اپنے اس وقت کا دھیان۔ عورت نے عرض کیا: حضور! جیسا آپ نے فرمایا ہے۔ بالکل درست ہے' بالکل بعینہٖ ایسا ہی ہوا تھا' اس میں ایک بات بھی بلکہ ایک لفظ بھی غلط نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: اچھا سن لو۔ پھر جب صبح ہوئی تو فلاں فلاں قوم کے لوگ اس جگہ سے گزرے تو انہوں نے کپڑے میں رکھا ہوا بچہ دیکھا تو وہ اس کو اٹھا کر لے گئے اور پھر وہ وہاں پرورش پا کر جوان ہوا اور ان کے ساتھ کوفے آیا اور پھر تیرے ساتھ اس کا نکاح کر دیا گیا' یہ تیرا وہی لڑکا ہے۔ پھر آپ نے اس جوان سے فرمایا: اپنا سر کھول' اس نے سر سے کپڑا اٹھایا تو زخم کا نشان موجود تھا۔ آپ نے فرمایا خدا کا شکر کرو کہ تم ایک دوسرے سے کسی بہانہ قریب نہ ہوئے' تم ماں اور بیٹا ہو۔

یہ تمہارا بیٹا ہے اور اللہ نے اس کام سے جو کہ حرام تھا اس سے بچالیا ہے اب اپنے بیٹے کو لے جاؤ اور تمہارا آپس میں کوئی نکاح نہیں ہے"۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک شخص نے چوری کی اور آپ کے روبرو پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے فرمایا: کیا تو نے چوری کی ہے؟ اس نے اپنی

چوری کا اقرار کیا' سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا' جب ہاتھ کٹوا کر واپس چلا گیا تو راستہ میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور ابن الکراء یہ دو حضرات ملے تو انہوں نے اس طرح کٹا ہوا ہاتھ دیکھ کر کہا: تمہارا یہ ہاتھ کس طرح کٹا ہے؟ تو اس شخص نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں نے چوری کی تھی اور امیر المومنین' امام الائمہ' ہادی انام' امام المتقین اور دوسرے کئی اسی طرح کے القابات نہایت تعظیم وتکریم سے لے کر کہا کہ اس عظیم ہستی نے میرا ہاتھ کاٹا ہے۔ تو وہ حضرات ازراہ تعجب اس شخص سے کہنے لگے کہ تو نے اس قدر تعریف کے ساتھ اس بات کا اظہار کیوں کیا ہے؟ کہنے لگا' بات یہ ہے کہ میں ان کی اعلیٰ درجہ کی عزت کرتا ہوں اور جب میں نے غلطی کی تو انہوں نے مجھے شرعی سزا دینے میں میرا لحاظ نہیں فرمایا: اس پر میں خوش ہوا ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ سزا دے کر خدا کے عذاب وغضب سے بچالیا ہے۔ اس سے بڑھ کر ان کی میرے ساتھ اور کیا ہمدردی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ان کی تعریف کروں گا کہ وہ تعریف کے لائق ہیں۔ پھر ان دونوں حضرات نے اس شخص کی بات سیّدنا امام الائمہ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے جا کر بیان کردی۔ آپ نے فوراً اس شخص کے خلوص دینیہ کو دیکھ کر بلوا بھیجا۔ جب وہ بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اپنے کٹے ہوئے ہاتھ کو بازو کے ساتھ ملا کر رکھو' اس نے اس کو ساتھ ملا کر رکھ دیا۔ ووضع یدہ علٰی ساعدہٖ وغطاہ بمندیل ودعا بدعوات الخ

یعنی اس کا ہاتھ اس کی کلائی پر رکھ کر رومال سے ڈھانپ دیا اور دعا فرمائی تو ہم لوگوں نے آسمان سے یہ آواز سنی کہ رومال کو ہاتھ سے اٹھاؤ تو ہم نے جب رومال ہاتھ سے اٹھایا تو اس کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے درست ہوگیا تھا۔



علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دورِ اقتدار اور آزمائشیں

جیسا کہ ہم نے سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ کے حالات کے ضمن میں جنگ جمل اور جنگ صفین کا اجمالاً کیا تھا مگر یہ اجمالی تذکرہ حقائق تک پہنچنے میں مدد نہیں دیتا اس لئے ہم اسی حوالے سے مزید کچھ عرض کرنا چاہیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت نے پوری اسلامی سلطنت کو جو کئی براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی' ہلا کر رکھ دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وحدت امت اسلامیہ پارا پارا ہو چکی ہے۔ ہر طرف طوائف الملوکی نظر آتی تھی۔ حقیقت کی نظروں سے دیکھیں تو ان تمام طوفانوں اور رزم آرائیوں کے پس پردہ وہ بلوائی' اور مفسدین کارفرما تھے جن کو امت اسلام کے پھر سے ایک ہو جانے کا خدشہ تھا کہ اگر جملہ مسلمان امت ایک مرکز پر جمع ہو گئی تو ہمارا کیا بنے گا۔

قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے نعرے کا بلند ہونا ایک فطری امر تھا' پوری دنیائے اسلام کانپ اٹھی تھی کہ اتنی بڑی سلطنت اسلامی کا فرمانروا اس بے چارگی کے عالم میں شہید ہو اور دنیا خاموش تماشائی بنی رہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خون عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ لے کر میدان میں آئیں تو خلیفۃ المسلمین سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے قصاص کا بھرپور وعدہ فرمایا۔ حتیٰ کہ دونوں فریق مطمئن ہو گئے مگر سبائیوں' مفسدوں کے دلوں پر قیامت ٹوٹ رہی تھی۔ انہوں نے سازش کی کہ یہ مفسدین اور سبائی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور

تیر چلا کر جنگ کا آغاز کر دیا۔ دونوں فریق یہی سمجھے کہ فلاں نے پہل کی ہے اور دفن ہونے والا فتنہ پوری قوت سے بھڑک اٹھا اور شدید جنگ ہوئی۔

جنگ جمل بلاشبہ تاریخ اسلام کا ایک المناک باب ہے۔ آنحضور ﷺ کے وصال کے بعد یہ پہلی خانہ جنگی تھی جس میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک دوسرے پر تلوار اٹھائی۔ اس جنگ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مع اپنے صاحبزادے محمد رضی اللہ عنہ کے کام آئے۔ اگرچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ لڑائی سے قبل کنارہ کش ہو گئے مگر مدینہ واپس آتے ہوئے راستے میں شہید کر دیئے گئے۔ بہر کیف دونوں لشکروں کے دس ہزار سپاہی اس جنگ کی بھینٹ چڑھ گئے۔ یہ ایک ایسی لڑائی تھی جسے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور نہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پسند فرماتے تھے مگر اسے روکنے پر کوئی بھی قادر نہ ہو سکا اور ہزاروں مسلمان خاک وخون میں مل گئے۔ اس سے خون مسلم کا احترام جو اس سے پہلے مسلمانوں کے دلوں میں تھا جاتا رہا۔

جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک محاذ ختم ہو گیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بحفاظت تمام مدینہ منورہ پہنچا دی گئیں' اور اس کے بعد وہ عملی سیاست سے کنارہ کش ہو گئیں۔ بصرہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بار دیگر تسلط ہو گیا۔ گو بظاہر اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فتح ہوئی مگر بقول سر ولیم میور فی الحقیقت یہ فتح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلوں اور کوفیوں کی تھی۔ اس جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سوائے ان لوگوں پر بھروسہ کرنے کے کوئی چارہ نہ تھا۔

ہم تفاصیل سے پھر گریز کریں گے کہ دونوں طرف تقدس مانع ہے۔ جو کچھ ہوا اس پر سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خون کے آنسو بہاتے رہے۔ اب اصل معرکہ آرائی تو امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور شام کے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان شروع ہوئی جس نے ملت اسلامیہ کی بنیادوں کو مدتوں تک کے لئے کھوکھلا کر

دیا۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ امیر المومنین تھے، منتخب شدہ خلیفۃ المسلمین تھے، جب کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ محض ایک صوبے کے گورنر تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے موقوف کرنے اور سمجھانے کے باوجود آپ کے خلاف سخت سے سخت قدم اٹھاتے رہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بیس بائیس سال سے شام کے والی چلے آ رہے تھے۔ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اعزہ میں سب سے زیادہ مقتدر تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بیشتر بنی امیہ نے دمشق میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پناہ لی اور وہاں خون حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص لینے کی آواز بلند کرنے لگے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کی دعوت دی تو انہوں نے بیعت کرنے کی بجائے قصاص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر زور دیا۔ بدقسمتی سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں موجود تھے جس سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ڈالنے اور اہل شام کو ان کے خلاف بھڑکانے کا ایک اچھا موقع مل گیا۔ اس طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے سانحہ کو اپنے سیاسی عزائم کی تکمیل کا ذریعہ بنایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

آغاز خلافت میں ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایسے حالات پیش آئے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ لینے میں دیر ہوتی گئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور اپنی پوزیشن مستحکم کرنے میں لگ گئے اور دورہ کر کے لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بھڑکا دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شام کا پورا ملک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل شام کے جوش کو قائم رکھنے کے لئے حضرت

علی رضی اللہ عنہ اور بنی ہاشم کے خلاف وسیع پیمانے پر پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ چنانچہ دمشق کی جامع مسجد میں نماز ظہر کے بعد بنو امیہ کا جھنڈا بلند کیا جاتا جس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا خون آلودہ پیراہن اور ان کی بیوی نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں آویزاں ہوتی تھیں، جن کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھوں میں خون اتر آتا تھا۔ چنانچہ فوج سے لے کر امراء و عوام تک سب اہل شام کے جذبات بھڑک اٹھے۔ اور اہل شام نے قسم کھالی کہ جب تک خلیفہ مظلوم کا انتقام نہ لے لیں گے اس وقت تک نہ بستر پر سوئیں گے اور نہ ہی بیویوں کے پاس جائیں گے۔

جنگ جمل سے فراغت کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بجلی کو خط دے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا، اس کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے۔

"جن لوگوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی انہوں نے میری بیعت کر لی ہے۔ خلیفہ کے انتخاب کا حق اہل مدینہ (مہاجرین وانصار) کو ہے۔ ان کے فیصلے کے بعد جو بیعت نہ کرے گا، اس سے بزور بیعت لی جائے گی۔ بہتر ہے کہ تم قاتلین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو آڑ نہ بناؤ اور بیعت کر لو۔ بیعت کے بعد خون حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا باقاعدہ مقدمہ پیش کرو۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا۔

دمشق میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاصد جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بجلی کو اس وقت تک روکے رکھا جب تک اسے اہل شام کے مشتعل جذبات سے اچھی طرح آگاہی نہ ہوگئی۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے واپس آکر بیان کیا کہ سارا شام امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ اہل شام حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پیراہن پر روتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کروایا ہے اور اس کے قاتلوں کو پناہ

دے رکھی ہے۔ اورنہوں نے یہ عہد کیا ہے کہ یا اپنی جانیں دے دیں گے یا جان لے کر رہیں گے۔

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی زبانی شام کے حالات سے آگاہ ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شام پر لشکر کشی کی تیاریاں شروع کر دیں' لیکن گفت وشنید کا دروازہ بھی آخری وقت تک کھلا رکھا تا کہ مسلمانوں میں خون ریزی روکنے کی شاید کوئی سبیل نکل آئے۔ بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں اپنا قائم مقام مقرر کر کے فیصلہ کن جنگ لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس دوران حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ میں سیاسی گٹھ جوڑ ہو گیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ غضب کے ذہین اور سیاسی بصیرت رکھنے والی شخصیت تھے' چنانچہ ان کی فکری راہنمائی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے راستے ہموار کرنے شروع کر دیئے بلکہ ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کا ساتھ دینے کے لئے ان کے درمیان معاہدہ بھی ہو گیا۔

عہد و پیمان کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ بغیر کسی معقول جواز کے حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے شخص کی مخالفت میں بڑے خطرات ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے اہل شام کو اس کا یقین دلاؤ کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قتل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ ہے۔ لہٰذا شام کی بااثر شخصیات کے دماغ میں یہ بات بٹھاؤ۔ ان کے ذریعہ سے اہل شام کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے وہاں کے عمائدین کو دمشق طلب کیا جہاں اس کا پر جوش استقبال کیا گیا۔ دمشق میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حامی سایہ کی طرح مہمانوں کے ساتھ لگے رہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف اس کے کان بھرتے رہے۔ حتیٰ کہ انہیں پوری طرح یقین ہو گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے مسند خلافت پر قبضہ کرنے کی خاطر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرا دیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے معاملے کو جس قدر سلجھانے کی کوشش کی اتنا ہی الجھتا چلا گیا۔ بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ فیصلہ کن جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ ذوالحجہ ۳۶ ہجری میں اسی ہزار سپاہ کی معیت میں شام کا رخ کیا۔ اس فوج میں عام مسلمانوں کے علاوہ ستر بدری صحابہ' سات سو بیعت رضوان کے جاں نثار اور چار سو مہاجرین اور انصار صحابہ تھے۔ دریائے فرات کو عبور کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زیاد بن نصر اور شریح بن ہانی کے زیر قیادت ہراول دستے روانہ کئے اور انہیں تاکید فرمائی کہ

''خبردار جنگ نہ کرنا' سوائے اس کے کہ وہ پہل کریں۔ ذاتی رنجش کے پیچھے نہ جانا' انہیں بار بار صلح کی دعوت دینا۔ ان کے اس قدر قریب بھی نہ جانا کی وہ سمجھیں کہ تمہارا ارادہ جنگ کا ہے' اور نہ اس قدر دور رہنا کہ وہ تمہیں بزدل سمجھیں''۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے ہی جنگ کے لئے نکل چکے تھے اور انہوں نے آگے بڑھ کر صفین کے میدان میں دریائے فرات کے ساحل پر فوجیں اتار دیں تھیں اور تمام مناسب واہم مقامات پر قبضہ کر کے مورچہ بندی کر لی تھی۔

اس اثناء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی پہنچ کر شامی لشکر کے بالمقابل ڈیرے ڈال دیئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کو پانی کے لئے بڑی دشواری پیش آئی کیونکہ نواحی پانی کے چشمے پر لشکر شام نے قبضہ کیا ہوا تھا۔ آپ نے پہلے زبانی پیغام کہلا بھیجا کہ پانی کی بندشیں مناسب نہیں۔ یہ سب پر یکساں کھلا رہنا چاہیے لیکن شامی پانی دینے کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ اس پر مجبور ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بزور پانی لانے کا حکم دینا پڑا۔ چنانچہ عراقی فوج نے شامی فوج کو شکست دے کر چشمے پر قبضہ کر لیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شامیوں کا پانی بند نہ کیا۔ بقول طبری دوست اور دشمن سب اس چشمے سے سیراب ہوتے رہے۔ بلکہ اس واقعہ کے بعد دونوں فوجوں کے سپاہیوں میں

اتنا میل ملاپ بڑھ گیا کہ وہ بے خوف وخطر ایک دوسرے کے لشکر گاہ میں آنے جانے لگے اور معلوم ہوتا تھا کہ صلح ہو جائے گی۔

دونوں افواج میں شرپسندوں کے علاوہ بہت سے مخلص اور خیر خواہ امت بھی تھے۔ ان کی کوششوں سے تین ماہ تک جنگ رکی رہی۔ التوائے جنگ کے ساتھ صلح کے لئے گفت وشنید بھی ہوتی رہی لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلی کوششوں کا ہو چکا تھا۔ ذوالحجہ ۳۶ ہجری مطابق مئی ۶۵۷ء میں جنگ کا باقاعدہ آغاز ہوا لیکن کوئی خون ریز معرکہ پیش نہ آیا' ہر روز ایک دو معمولی جھڑپیں ہو جاتی تھیں۔ فریقین کھل کر لڑنے سے احتراز کرتے رہے۔ یہ سلسلہ کئی ہفتوں تک جاری رہا۔ بعدازاں ماہ محرم کے احترام میں لڑائی روک دی گئی' اس دوران کئی جنگیں ہوتی رہیں' آخری معرکہ لیلۃ الہریر کا خونی معرکہ تھا جس میں رات دن مسلسل جنگ ہوتی رہی اور ہر طرف خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ اس میں شامی کمزور پڑ گئے تھے اور عراقی مسلسل جنگ سے گھبرا گئے۔ دوسرے دن صبح کو مردوں کی تجہیز وتکفین کے لئے جنگ ملتوی ہو گئی۔ اس سے فراغت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر تیاریاں شروع کر دیں۔ بہر حال جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پلڑا بھاری رہا اور شامی فوج کے حوصلے پست ہو رہے تھے۔ اسی اثناء میں ایک روز مالک بن اشتر مخالفین کو دباتے دباتے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قریب جا پہنچے۔ شامیوں کی شکست یقینی تھی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھاگنے کی فکر میں تھے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب اپنی فوج کی کمزوری کا اندازہ ہوا تو انہوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا' گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ایسے وقت کے لئے میں نے پہلے ہی تدبیر سوچ رکھی تھی کہ ہم لوگ قرآن کو حکم بنانے کی دعوت دیں گے۔ جس کے قبول وانکار' دونوں صورتوں میں علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ چنانچہ دوسرے دن جب شامی میدان میں آئے تو دمشق کے مصحف اعظم کو

پانچ شامیوں نے نیزوں پر اٹھا رکھا تھا اور ان کے پیچھے ہزاروں شامی اپنے قرآن کریم نیزوں پر اٹھائے آگے بڑھے اور پکار پکار کہنے لگے یا معشر العرب خُدا را اپنی عورتوں اور بچوں کو عراقیوں سے بچاؤ اور اگر عراقی فنا ہو گئے تو ہم سے عراق کو کون بچائے گا۔ آؤ ہم مل کر قرآن کو حکم مان لیں اور اس کا فیصلہ ہم دونوں کے لئے واجب التسلیم ہو۔

لشکر شام کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور اہل عراق نے قرآن مجید دیکھ کر ہاتھ روک لئے اور کہا کہ ہمیں خُدا کی کتاب کا فیصلہ منظور ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: خُدا کے بندو ہاتھ نہ روکو' تم حق پر ہو اور ان کی شکست یقینی ہے۔ قرآن اس نیت سے بلند نہیں کئے گئے کہ وہ اس پر عمل کرنے کو تیار ہیں' بلکہ یہ ایک چال ہے۔ اس پر اہل عراق نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہمیں قرآن کی طرف بلایا جائے اور ہم اس کی طرف توجہ نہ دیں۔ اگر آپ قرآن حکیم کو ماننے سے انکار کرتے ہوئے لڑیں گے تو ہم آپ کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیں گے۔ آخر مجبور ہو کر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے لڑائی بند کرنے کا حکم دیا۔

ہر حال میں استقامت

آخر فریقین کے درمیان فیصلہ ہوا کہ دونوں طرف سے ایک ایک حکم (ثالث) مقرر کیا جائے۔ وہ کتاب الٰہی کے مطابق فیصلہ کریں۔ شامی فوج نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس کو نامزد کرنا چاہتے تھے لیکن فوج نے یہاں بھی حکم سے سرتابی کی اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کی تقرری پر زور دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ بن جائے گا تو چارو ناچار حضرت ابوموسیٰ اشعری پر راضی ہو گئے۔

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ میدان جنگ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہی تھے۔
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خانہ جنگی سے بچنے کے لئے نواح شام میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ انہیں وہاں سے طلب کیا گیا۔ ان کے آنے پر (تحکیم) ثالثی کا معاہدہ لکھا گیا کہ حکمین (ثالث) جو فیصلہ کریں گے' فریقین کو منظور ہو گا۔ ان کی جان و مال محفوظ ہو گی۔ غرض دومۃ الجندل کے مقام پر اعلان فیصلہ کیلئے مقرر ہوا' اور حکمین کو چھ ماہ تک کی مدت دی گئی کہ وہ اس دوران جب چاہیں فریقین کو اطلاع دے کر فیصلہ سنا دیں۔ معاہدہ میں حکمین یعنی حضرت ابوموسیٰ شعری اور حضرت عمرو بن العاص سے اقرار لیا گیا کہ وہ خدائے تعالیٰ کا حاضر و ناظر سمجھ کر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کریں گے' نیز امت کو مبتلائے تفرقہ نہ کریں گے۔ علاوہ ازیں فیصلہ ہوا کہ فوجیں اپنے اپنے علاقوں کو کوچ کر جائیں۔
معاہدہ کے مضمون سے دونوں فریق کی افواج کو آگاہ کر دیا گیا۔ اسے سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا ایک حصہ خلاف ہو گیا' اور بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور خوارج کہلائے۔

معینہ تاریخ پر دونوں ثالثوں نے جامع مسجد میں فیصلہ سنایا جہاں ہزاروں مسلمان اس کے اشتیاق میں جمع تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ پہلے تم فیصلہ سناؤ۔ انہوں نے کہا۔ آپ مجھ سے افضل اور بزرگ ہیں' آپ کے ہوتے ہوئے میں اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ پر یہ جادو چل گیا۔ چنانچہ انہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر فیصلے کا اعلان کیا۔
''امابعد لوگو! ہم نے اس مسئلہ پر غور کیا۔ امت کی بہتری کے لئے ہمیں یہی مناسب معلوم ہوا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کر کے خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دیا جائے اور عام مسلمانوں جسے اہل سمجھیں' اسے منتخب کر لیں۔ چنانچہ

میں علی رضی اللہ عنہ معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو معزول کرتا ہوں اور امت کو اختیار دیتا ہوں کہ جسے چاہے وہ نئے سرے سے اپنا امیر منتخب کرلے"۔

ان کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنا فیصلہ سنایا۔

"اما بعد لوگو! ابوموسیٰ کا فیصلہ آپ لوگوں نے سن لیا' انہوں نے اپنے آدمی کو معزول کر دیا۔ میں بھی اسے معزول کرتا ہوں لیکن اپنے آدمی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برقرار رکھتا ہوں کیونکہ وہ خلیفہ' مقتول کے وارث اور ان کے قصاص کے طالب ہیں' اس لئے ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں"۔

یہ فیصلہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ چلائے کہ یہ کیا غداری ہے۔ لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اس فیصلہ سے قدرتاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں سخت برہمی پیدا ہوگئی۔ شریح بن ہانی نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ پر کوڑے برسانے شروع کر دیئے لیکن لوگوں نے درمیان میں پڑ کر چھڑا دیا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے اس فیصلے کو اپنے حق میں قرار دیا اور آپ کے ہاتھ پر باقاعدہ خلافت کی بیعت کرلی۔ قبل ازیں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ محض قصاص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے داعی تھے۔ اب شامیوں نے انہیں خلیفہ تسلیم کرلیا۔ دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس فیصلے کو غداری پر محمول کیا اور اسے ماننے سے انکار کر دیا اور شام پر حملے کی ازسرنو تیاری شروع کر دی مگر ان کے اپنے حامیوں میں خوارج کی جماعت ان کی مخالف ہو چکی تھی' کوفیوں کی نااتفاقی اس کے علاوہ تھی۔

اس جگہ یہ امر قابل بیان ہے کہ اہل شام دومۃ الجندل سے واپس لوٹے تو وہ متحد و متفق اور خوش و خرم تھے' مگر اہل عراق راستے میں ایک دوسرے سے الجھتے اور اس ناکامی و جعلسازی کا ایک دوسرے کو ذمہ دار گردانتے ہوئے واپس لوٹے کیونکہ وہ صورت حال سے غیر مطمئن تھے اور ان کی جمعیت میں افتراق پیدا ہو گیا تھا۔

جنگ صفین کی اہمیت

جنگ صفین تاریخ اسلام کا ایک ایسا المناک باب ہے جس میں مسلمانوں کی وہ تلواریں جو کفار کے خلاف نبرد آزما ہوتی تھیں' صفین کے میدان میں آپس میں ٹکرائیں۔ جس کے نتیجے میں پینتالیس ہزار سپاہی شامی لشکر اور پچیس ہزار سپاہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے مارے گئے۔ لیکن اس قدر خونریزی کے باوجود کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہ ہوا اور امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پوزیشن پہلے سے زیادہ خراب ہوگئی۔ آپ نہ صرف فتح و کامرانی سے جو تلوار کے بل بوتے پر حاصل ہونے والی تھی' محروم ہو گئے' بلکہ آپ کی مشکلات میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے وہ ساتھی جو جنگ صفین کے بعد ان کے مخالف ہو گئے تھے اور ان کی جماعت سے نکل گئے خوارج کہلائے۔

جنگ صفین کے دوران جب شامیوں نے قرآن کریم کو حکم ماننے کی اپیل کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے شامیوں کی جنگی چال گردانتے ہوئے اس کی پرزور مخالفت کی اور جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا مگر آپ کے لشکریوں نے آپ کی نافرمانی کی اور بساط جنگ لپیٹ دی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تحکیم کے حق میں نہ تھے لیکن اپنی ہی فوج کے آدمیوں کی ضد سے اسے قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ مگر جب تحکیم کا معاہدہ طے پاچکا تو آپ ہی کے حامیوں میں سے ایک جماعت اس کے خلاف ہو گئی اور تحکیم کو کفر قرار دے کر شامیوں کے خلاف اعلان جنگ کرنے پر زور دینے لگے۔

اسی جماعت میں سے دو آدمیوں زرعہ بن برج الطائی اور حرقوص بن زہیر سعدی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ثالثی قبول کرنے میں آپ نے غلطی کی ہے۔ خدا کے علاوہ کسی کو حکم نہیں بنایا جاسکتا۔ آپ اس غلطی سے توبہ کیجئے اور ہمارے ساتھ مل کر دشمنوں

کا مقابلہ کیجئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب دیا کہ میں نے ثالثی تمہاری ہی مرضی سے مانی تھی ورنہ میں اس کا مخالف تھا۔ اب عہد نامہ لکھا جا چکا ہے' اسے توڑنا نہیں چاہتا' کیونکہ فرمان خُداوندی ہے کہ جو عہد کرو اسے پورا کرو۔ اس پر یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئے۔ ان کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ یہ لوگ سفر واپسی میں آپ کے لشکر کے پیچھے پیچھے علیحدہ چلتے آتے تھے۔ ان میں سے بعض متاسف تھے کہ انہوں نے تحکیم کی حمایت کیوں کی۔ اور کچھ ملول تھے کہ جنگ بندی کیوں کی۔ ان میں زیادہ تر قبیلہ بنی تمیم' بنی بکر اور بنی ہمدان کے لوگ تھے۔ آخر میں ان لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دھمکی دی کہ اگر آپ تحکیم تسلیم کرتے ہیں تو ہم خُدا کے لئے آپ سے لڑیں گے۔ آپ نے فرمایا: تو تمہاری لاشیں خون میں تڑپیں گی۔ یہ لوگ حرورہ میں مقیم ہو گئے اور انہوں نے عبداللہ بن وہب راسبی کی بیعت کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عملی مخالفت شروع کر دی اور اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے لگے۔ یہی لوگ بعد میں خوارج کہلائے۔

دین کے نام پر دین کے باغی

خوارج کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں انسان کو حکم (ثالث) ماننا کفر ہے اور حکم (ثالث) اور اس کا فیصلہ ماننے والے سب کافر ہیں' ان کے خلاف جہاد فرض ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۂ برحق تھے اور ان کی بیعت لازم تھی۔ اس سے انکار کرنے والے یعنی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ اللہ و رسول ﷺ کے باغی اور کافر تھے۔ لہٰذا بحکم قرآن وہ واجب القتل تھے۔ ایسے لوگوں سے صلح کرنا اور معاملات ثالثوں کے سپرد کرنا نامناسب تھا۔ اس کے ساتھ انہوں نے فیصلے کی خلاف ورزی کی ہے لہٰذا اب ان کی

خلافت بھی ناجائز ہے اور وہ اوران کے جملہ ساتھی بھی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی طرح کافر اور واجب القتل ہیں۔ تحکیم (ثالثی) کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنی امامت پر شک تھا۔

خوارج نے بعد ازاں اپنے عقائد میں سیاسی نظریات کا اضافہ کرلیا۔ ان کا نظریہ تھا کہ مسلمان برابر ہیں' اس لئے ان پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا۔ حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے' لہٰذا کسی خلیفہ یا خلافت کی ضرورت نہیں۔ حکومت کا کاروبار ایک شخص کی بجائے چند سلجھے ہوئے نیک و پارسا اشخاص کی کونسل کے ہاتھ میں ہونا چاہئے جو لوگوں کی منتخب شدہ ہو۔ اس دنیا میں حکومت صرف اللہ کی ہے' اپنی معالات میں کسی کو ثالث بنانا کفر کا ارتکاب کرنا ہے جس کی سزا قتل سے کسی طور پر بھی کم نہیں۔ چونکہ سبھی حکومت کے اختیارات سنبھال سکتے ہیں۔ جو بھی فرقہ ملوکیت کے خلاف جہاد نہیں کرتا' وہ خارج از اسلام ہے۔ بدیں وجہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ استبدادی حکومت اور اس کے حامیوں کے خلاف جنگ کرے۔ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے' اللہ کسی کی برائی نہیں چاہتا۔

ثالثوں کے فیصلے کے اعلان کے بعد خوارج نے کوفہ' بصرہ' مدائن اور عراق کے دوسرے شہروں میں اپنے عقائد کی اشاعت کرکے ایک مضبوط جماعت اپنی ہم خیال بنالی۔ چنانچہ یہ لوگ خفیہ طور پر نہروان میں پہنچنے لگے۔ راستے میں انہیں جو مسلمان ملتا تھا' اس سے سوال کرتے کہ حکمین کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ اگر وہ برأت کا اظہار کرتا تو چھوڑ دیتے ورنہ قتل کردیتے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ دوبارہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے کی تیاریاں کر رہے تھے اور آپ نے اسی ہزار کے قریب ایک فوج بھی منظم کرلی تھی۔

آپ نے خوارج کو بھی ایک خط کے ذریعے شمولیت کی دعوت دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے لکھا۔

''ہم نے جن آدمیوں کو ثالث بنایا تھا۔ انہوں نے اپنے نفس کی پیروی کر کے قرآن مجید کے خلاف فیصلہ کیا۔ اس لئے ہم نے اس فیصلے سے برأت ظاہر کی اور اب پھر پہلی حالت پر آ گئے ہیں' یعنی جنگ۔ ہم اپنے اور تمہارے دشمنوں کے مقابلے کے لئے جا رہے ہیں۔ خدا تم پر رحم کرے' تم بھی ہمارا ساتھ دو۔ ہم اس وقت تک مقابلہ کریں گے جب تک خدا کوئی فیصلہ نہ کر دے' اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے''۔

خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خط کے جواب میں لکھا۔

''امابعد! تم کو اس فیصلے پر خدا کے لئے نہیں بلکہ اپنے نفس کے لئے برہمی ہے۔ اگر تم تحکیم کے ماننے کی غلطی پر اپنے کفر کا اقرار کر کے توبہ کر و تو ہم تمہارے سوال پر غور کرنے کے لئے تیار ہیں اور اگر ایسا نہیں کرتے تو ہم تم سے جنگ کریں گے''۔

خوارج کے جواب کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تیاریوں کو جاری رکھا' اور صوبوں کو اپنی اپنی فوجیں لے آنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ کے فرمان پر اسی ہزار فوج اکٹھی ہو گئی لیکن دریں اثناء خارجیوں کی فتنہ انگیزی اس حد تک بڑھ گئی کہ مسلمان کی جان' ان کے ہاتھوں سے محفوظ نہ رہی۔ انہوں نے نہ صرف ایک صحابی حضرت عبداللہ بن خباب اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بے دردی سے قتل کر دیا۔ بلکہ قبیلہ طے کی کئی عورتوں کو ہلاک کر دیا' اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے آپ سے عرض کیا۔ امیر المومنین! آپ شام کی مہم سے پہلے خارجیوں کی فتنہ انگیزی کا قلع قمع کریں تاکہ آپ کی عدم موجودگی میں یہ اور دلیر نہ ہو جائیں۔ مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت کے لئے ان کی سرکوبی نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی درخواست پر شام کی مہم کو ملتوی کر کے خارجیوں کی گوشمالی کے لے نہروان کا

رُخ کیا۔ نہروان میں پہنچ کر امیر المومنین حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خارجیوں کے خلاف تادیبی کاروائی سے قبل اتمام حجت کے طور پر پیغام بھیجا کہ تمہارے جن آدمیوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے' ان کو قصاص کے لئے ہمارے حوالے کر دو تو ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔ شاید خُدا تم کو راہ راست پر لے آئے۔ اس پر خارجیوں نے جواب دیا کہ ہم سب نے ان کو قتل کیا ہے اور ہم تمہارا اور ان کو خون حلال سمجھتے ہیں۔

بعد ازاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور حضرت قیس بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کو خارجیوں کو سمجھانے کے لئے بھیجا لیکن خوارج برابر اپنی ضد پر قائم رہے۔ ازاں بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خود اتمام حجت کے لئے خوارج کے کیمپ میں تشریف لے گئے اور ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

''اے وہ گروہ جسے محض ضد نے پیدا کیا ہے اور خواہش نفس نے اسے قبول حق سے روکا ہے' تم لوگ غلطی میں مبتلا ہو۔ میں تم کو اس سے متنبہ کرتا ہوں تاکہ تم گمراہی پر قائم نہ رہو اور ایسی حالت میں نہ مارے جاؤ کہ خُدا کے سامنے تمہارے لئے کوئی دلیل باقی نہ رہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے حکمین سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کریں گے نیز اس چیز کو زندہ کریں گے جسے قرآن نے زندہ کیا ہے' اور اس کو ختم کریں گے جسے قرآن نے ختم کیا ہے۔ لیکن حکمین نے خواہش نفس پر عمل پیرا ہو کر کتاب و سنت کی مخالفت کی' اسی لئے ہم نے اس فیصلے کو رد کر دیا ہے' اور اب ہم پچھلی حالت پر لوٹ آئے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تقریر کے جواب میں خوارج نے کہا:

''جب ہم نے تحکیم کی تجویز قبول کی تھی اس وقت کافر ہو گئے تھے۔ اب ہم نے توبہ کر لی ہے۔ اگر تم بھی ہماری طرح توبہ کر لو تو ہم تمہارے ساتھ ہیں ورنہ پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ''۔

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں کفر کا اقرار کرلوں تو گمراہی میں مبتلا ہوں گا۔ مناسب صورت یہ ہے کہ تم اپنے کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس گفتگو کے لئے بھیجو اگر وہ مجھے قائل کر دے تو میں اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کرلوں گا' اگر وہ قائل ہو جائے تو تم کو خدا سے ڈرنا چاہئے۔

اس تجویز کے تحت خارجیوں نے عبداللہ بن الکوار کو بھیجا لیکن گفتگو نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبوراً خوارج کے مقابلے میں آنا پڑا۔ تاہم جنگ سے قبل آپ نے ایک مرتبہ پھر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو امان کا علم دے کر اعلان کرادیا کہ جو شخص اس جھنڈے کے نیچے آجائے گا' یا لوٹ جائے گا یا خارجیوں کا ساتھ چھوڑ دے گا' اسے امان ہے۔ اس اعلان پر خارجیوں میں سے ایک ہزار جھنڈے کے نیچے آگئے اور کچھ کوفہ کی جانب چل دیئے۔ عبداللہ بن وہب الراسبی کے ساتھ صرف دو ہزار آٹھ سو آدمی رہ گئے۔ چنانچہ خوارج کے ساتھ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ خارجی اس شجاعت اور پامردی سے لڑے کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر الگ ہو جاتے تھے لیکن وہ اس حالت میں بھی لڑتے رہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج نے بھی بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ بالآخر ایک خونریز جنگ کے بعد خوارج کو شکست فاش ہوئی اور وہ ایک ایک کر کے مارے گئے۔

یوں کہنے کو تو خوارج کی قوت کا خاتمہ ہو گیا لیکن آپ کی افواج جنگ سے جی چھڑانے کے بہانے ڈھونڈنے لگیں اور فوجی کہنے لگے۔ ''یا امیرالمومنین'' ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں' تلواریں کند ہو گئی ہیں' ہمیں آرام کا موقعہ دیا جائے۔ آپ کو ان کا جنگ سے جی چرانا پسند نہ آیا۔ آپ نے شام جانے کا حکم دیا تو وہ گھروں کو چل پڑے۔ چنانچہ آپ نے بھی شام کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قیس بن سعد بن عبادی انصاری کو مصر کا امیر مقرر کیا تھا جو

نہایت بہادر، صائب الرائے، دلیر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتہائی وفادار تھے۔ پہلے تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لالچ اور اقتدار کے وعدوں سے خریدنا چاہا مگر انہوں نے کسی بھی قیمت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مشہور کر دیا کہ قیس ہمارے حامی ہو گئے۔ یہ پروپیگنڈہ اتنے زور و شور سے کیا گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی جگہ محمد بن ابوبکر کو امیر مقرر کر دیا جو کمسن اور ناتجربہ کار تھے۔ انہوں نے اپنے غلط اقدامات سے مصریوں کو مخالف بنا لیا۔ امیر معاویہ نے مصر پر لشکر کشی کی تو آپ نے اشتر نخعی کو امداد کے لئے بھیجا جسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی افواج نے راستے میں قتل کر دیا۔

اب حضرت عمرو بن العاص نے محمد بن ابوبکر کو مصر سے جانے کو کہا مگر وہ نہ مانے۔ جب حضرت عمرو بن العاص کی فوج پہنچی تو شکست کھا کر بے دردی سے قتل کئے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصر کے لئے فوج بھیجنا چاہی مگر عراقیوں نے کی ہمت کی کمزوری دکھائی۔ آپ نے شام کی طرف فوج بھیجی مگر ادھر بھی کامیابی نہ ہو سکی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بسر بن ابی ارطاط کو تین ہزار سپاہ کے ساتھ حجاز اور یمن روانہ کیا۔ اس نے اہل مکہ و مدینہ سے بزور بیعت لی اور پھر یمن جا کر وہاں کے علوی حاکم عبیداللہ بن عباس کو نکال دیا اور ان کے دو کمسن بچوں کو قتل کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان واقعات کی خبر ہوئی تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ روانہ کیا۔ بسر بن ابی ارطاط اس وقت نجلان میں تھا۔ علوی فوج کی آمد کا سن کر بھاگ کھڑا ہوا۔ چنانچہ حجاز و یمن پر دوبارہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قبضہ ہو گیا۔ حجاز کے علاوہ باقی علاقوں میں بھی اسی قسم کی افراتفری برپا تھی۔ بدامنی سے فائدہ اٹھا کر کرمان اور فارس کے صوبے باغی ہو گئے۔ مگر جلد ہی ان بغاوتوں کو کچل دیا گیا۔

اس مسلسل خانہ جنگی، خونریزی اور بدامنی سے گھبرا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۰ ہجری میں مصالحت کر لی' اس کی رو سے حجاز' عراق اور مشرقی مقبوضات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس رہے اور شام' مصر اور مغربی مقبوضات امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئے۔ اس طرح خلافت دو حصوں میں بٹ گئی اور اسلامی یکجہتی کا محض سیاسی طور پر ہی خاتمہ نہ ہوا بلکہ اسلامی اخوت کے رشتے بھی مٹ گئے۔ اور وہ اسلام جو ہر قسم کے لسانی اور جغرافیائی تعصبات کا خاتمہ کر کے ملت اسلامیہ کو ایک مرکز تلے جمع کرنے کے لئے آیا تھا' اس کی تعلیمات کو بہت پیچھے ڈال دیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مزید بہت کچھ کرنا چاہتے تھے مگر سبائیوں اور مفسدوں اور خوارج نے آپ کی پیش چلنے نہ دی۔ خوارج دین کے علمبردار تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی چل رہے تھے مگر قرآن اور حکم الٰہی کی من مانی تاویل کر کے امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی ناکام بنا رہے تھے۔ اوپر سے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص مکمل طور پر دنیاوی سیاسی جنگ لڑ رہے تھے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بہت کچھ سوچ رکھا ہوگا مگر تقدیر نے آپ کو شہادت کا سرخ خلعت پہنا دیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اوصاف حسنہ

انسان کتنی بھی بلندیوں کو چھو جائے' اقتدار اور جاہ وحشمت کی کتنی ہی منزلیں سر کر لے' اس کی حقیقی پہچان تخت و تاج' محلات اور حکومتی وقار سے نہیں ہوتی کیونکہ یہ تو آنی جانی چیزیں ہیں۔ فقط اس کا اسوۂ عالی اس کی پہچان کرواتا ہے۔ یہی کردار حسنہ زندگی کی شب تاریک میں روشنی کے ستاروں کی صورت جگمگاتا ہے۔ ایک شاعر نے خوب کہا ہے۔

ظفر آدمی نہ اس کو جانیے گا' ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکاء
جسے عیش میں یادِ خُدا نہ رہی' جسے طیش میں خوفِ خُدا نہ رہا

حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں عیش نام کی کوئی چیز نظر نہیں آتی مگر ان کا جلال اور روحانی وقار دلوں کو حیرت زدہ کر دیتا۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ ان کا جلال فقط ضبط نفس اور رضائے الٰہی کے لئے تھا۔ وہ خُدا کے شیر تھے اور شیران خُدا باطل قوتوں کے سامنے کبھی سرنگوں نہیں ہوتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سراپائے فقر تھے' جو مال و دولت بھی میسر آتا اسے اللہ کی راہ میں لٹا دیتے تھے۔ خود زہد اور فاقہ کی پونجی پر قناعت کر کے بیٹھ رہتے تھے۔ اگرچہ ابتدائی چند برسوں کے بعد ہی آپ کو عیش و راحت کے سامان میسر آ گئے اور آنحضور ﷺ کی حیات میں ہی آپ کی آمدنی اتنی ہو گئی تھی کہ چالیس ہزار سالانہ اس پر زکوٰۃ ہوتی تھی لیکن اس زمانے میں بھی فاقوں کی نوبت آ جاتی تھی۔ معمولی سے گھر کے علاوہ ساری عمر آپ نے کوئی عمارت نہیں بنوائی۔ آپ کو عالیشان محلات سے سخت نفرت تھی۔ کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا' مجھے بھی اس کی حاجت نہیں' میدان میرے لئے بس ہے۔

آپ کے زہد و قناعت کے یہاں دنیاوی عیش کا کوئی گذر نہ تھا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جو ساز و سامان بطور جہیز اپنے ساتھ لائی تھیں' اس میں ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہو سکا۔ بکرے کی ایک کھال جو بستر کا کام دیتی تھی۔ ایک چکی جسے پیستے پیستے خاتون جنت کے دست مبارک پر آبلے پڑ جاتے تھے۔ ایک مشکیزہ جس میں حضرت امیر پانی بھر کر لاتے تھے۔ اوڑھنے کے لئے ایک مختصر سی چادر تھی۔ اگر سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھانکتے تو سر برہنہ ہو جاتا تھا۔

آپ کے گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی۔ گھر کا سارا کام حضرت سیدۃ النساء اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ گھر میں کئی کئی دن چولہا نہ جلتا تھا۔ ایک مرتبہ فاقوں کی نوبت

آ گئی۔ بھوک کی حالت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مزدوری کی تلاش میں نکلے اور اطراف مدینہ میں ایک بوڑھیا کا کھیت سینچ کر مٹھی بھر کھجوریں حاصل کیں۔ خورد ونوش میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سادگی پسند تھے۔ روکھی سوکھی کھا کر بسر کرتے تھے۔ آپ کی نان شعیر ضرب المثل ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل واخلاق میں سب سے نمایاں زہد وتقویٰ ہے۔ آپ کی ذات گرامی زہد وورع میں اس طرح ڈوبی ہوئی تھی کہ کسی واقعہ کو اس سے الگ کر کے دکھانا مشکل ہے۔ آپ کی ذات کا ہر پہلو زہد ہی کا مظہر تھا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات پر زہد کا خاتمہ ہو گیا۔ زہد کے بارے میں آپ کا یہ حکیمانہ مقولہ مشہور ہے۔

''دنیا مردار ہے اور جو اسے حاصل کرنا چاہتا ہے' اسے کتوں کی صحبت کے لئے تیار رہنا چاہئے''۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایام طفلی ہی سے حضور سرور کائنات ﷺ کے دامن عاطفت میں تربیت پائی تھی' اس لئے وہ قدرتاً محاسن اخلاق وحسن تربیت کے اعلیٰ پیکر تھے۔ آپ کی زبان نہ کبھی کلمۂ شرک وکفر سے آلودہ ہوئی اور نہ آپ کی پیشانی غیر خُدا کے آگے جھکی۔ دور جاہلیت کے ہر قسم کے گناہوں اور آلوگیوں سے آپ کا دامن پاک رہا۔ آپ کی سیرت علمی اور عملی ہر دو پہلو سے جمال محمدی کی آئینہ دار تھی۔

حدیث میں آیا ہے کہ بہادر وہ نہیں کہ جو دشمن کو پچھاڑ دے بلکہ وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میدان میں بھی ارفع واعلیٰ ہمیشہ مقام رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ معرکۂ آرائی میں گذرا لیکن بایں ہمہ انہوں نے دشمنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ ایک دفعہ لڑائی میں جب ان کا ایک حریف گر کر برہنہ ہو گیا تو آپ اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے تا کہ اس کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

جنگ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی حریف تھیں لیکن جنگ کے

اختتام کے بعد آپ نے آگے بڑھ کر ان کی خیریت دریافت کی اور ان کو ان کے ہی طرفدار بصری رئیس عبداللہ بن خلف خزعلی کے محل میں ٹھہرایا۔ جنگ جمل میں جو لوگ جنگ میں شریک تھے' ان کی نسبت اعلان کروا دیا کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمیوں کے اوپر کوڑے نہ برسائے جائیں۔ مال غنیمت نہ لوٹا جائے۔ جو ہتھیار ڈال دے اس کو امان دی جائے۔

آپ کا سب سے بڑا دشمن آپ کا قاتل ابن ملجم ہوسکتا تھا لیکن آپ نے جو اس کے متعلق وصیت کی وہ دشمن کے ساتھ حسن سلوک کی تابناک مثال ہے کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا اس کے ہاتھ پاؤں اور کان' ناک نہ کاٹنا۔ پھر آپ نے اسے اپنے پاس سے اٹھوا دیا۔

عبادت و ریاضت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھا۔ زبیر بن سعید قریشی کا بیان ہے کہ بنی ہاشم میں آپ سے زیادہ کوئی عبادت گذار نہ تھا۔ آپ کا دن امور خلافت میں گذرتا اور رات عبادت میں بسر ہوتی تھی۔ رات کو تنہائی میں دنیا کو بارہا یوں خطاب کرتے سنے گئے۔

''کیا میرے سامنے بن سنور کر آئی ہے اور مجھ پر کمند ڈالتی ہے۔ دور ہو جا' دور ہو جا' کسی اور کو فریب دے۔ میں تجھے ہمیشہ کے لئے الگ کر چکا ہوں۔ تیری عمر تھوڑی ہے' تیری مجلس حقیر ہے' تیری ہلاکت آسان ہے' آہ زاد راہ کم ہے' سفر طویل اور رستہ اجاڑ ہے''۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے علی رضی اللہ عنہ بڑے روزہ دار اور عبادت گذار تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ مرد میدان ہونے کے علاوہ علم و فضل کے میدان میں بھی بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ آپ علم کے بے پایاں سمندر تھے۔ آپ کی علمیت اور فضیلت کے

ثبوت میں رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد کافی ہے۔

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے''

فقہ میں آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ فصاحت و بلاغت میں بھی بے مثل تھے۔ ان کے خطبات اور مکاتیب کا مجموعہ ''نہج البلاغت'' اس حقیقت کا مظہر ہے کہ آپ حکیم العرب اور انتہائی خوش بیان تھے۔ لکھتے تھے تو حسن تحریر سے کاغذ کے صفحہ پر چمن کھلا دیتے تھے۔ تقریر فرماتے تو علم و حکمت کے فردوس جگمگا اٹھتے تھے۔ آپ اقلیم ادب کے شہنشاہ' کائنات فصاحت کے تاجدار اور جہانِ فقہ کے شہریار تھے۔ آپ کی شاعری دم مسیحا کا جواب تھی' جس سے مردہ دلوں میں بہاریں جاگ اٹھتی تھیں۔ آپ عربی قواعد کے موجد تھے۔ آپ نے عربی گرائمر پر ایک مختصر سا رسالہ اپنے شاگرد ابوالاسود دؤلی کو لکھ کر دیا تھا۔

شجاعت آپ کا امتیازی وصف تھا۔ اس میدان میں کوئی معاصر آپ کا حریف نہ تھا۔ آپ تمام اہم غزوات میں شریک ہوئے' اور سب میں آپ کی شجاعت و بسالت کے ایسے ایسے جوہر دکھائے کہ ہمیشہ آنحضور ﷺ تحسین آفرین کے کلمات ارشاد فرماتے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر آپ عین عنفوانِ شباب میں تھے لیکن آپ نے جنگ آزما بہادروں کے دوش بدوش ایسی داد شجاعت دی کہ آپ اس کے ہیرو قرار پائے۔ آغاز جنگ میں آپ کا مقابلہ ولید سے ہوا جسے آپ نے ایک ہی وار میں ڈھیر کر دیا۔ غزوۂ احد میں کفار مکہ کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے مبازرت طلب کی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی اس کے مقابلے میں آئے۔ آپ نے اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو فرطِ مسرت سے تکبیر کا نعرہ بلند کیا' اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے۔ غزوۂ احزاب (خندق) میں بھی آپ پیش پیش رہے۔ چنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو

بن عبدود نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کی اجازت سے اس کے مقابلے پر آئے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔غزوۂ خیبر کا معرکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی کی شجاعت اور جرأت و ہمت کا عظیم شہپارہ ہے۔

یاد کریں گے اہل ایماں تیری اک اک بات
شیرِ مرداں شاہِ یزداں تھی تیری ہی ذات
تیرا نامِ نامی آج بھی ہر اک آنکھ کا نُور
تیری سیرت تیرا اُسوہ رحمت کی بُہتات
تیرا علم اور جُہد پیہم ہے اسلام کی شان
تیری یادیں' تیری باتیں' رحمت کی برسات



(خلیفۃ المسلمین، امیر المومنین)

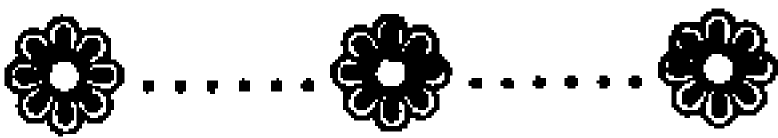
حضرت سیّدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ

دین و دُنیا کی بلندی، جلوۂ حسنِ رسول
لاڈلے حضرت علی کے اور ہیں جانِ بتول
وحدتِ اُمت کی خاطر تھی خلافت چھوڑ دی
عمر بھر پیشِ نظر تھے اپنے نانا کے اُصول

سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

نورِ چشمِ مصطفٰی ہاں سیّدِ والا حسنؓ
وہ امیرالمومنین وہ زینتِ ہر انجمن
سرورِ عالم کی رحمت نے نوازا تھا انہیں
اور علیؓ نے بخش دی تھی تابش فکر و سخن
سیّدہ عالمیں ہاں فاطمہؓ بنتِ رسولؐ
ان کی شفقت سے حسن تھے نازِ دیں فخرِ زمن
ان کی عظمت اور روحانی جلالت دیکھ کر
ان پہ ہوتے ہیں فدا اہلِ نظر کے جان وتن
حُسن میں بے مثل، لاثانی، شبیہہِ مصطفٰیؐ
ان کی باتوں سے تھے مہکے وقت کے سَرو سَمَن
اپنے نانا جان کے فرمان کو پورا کیا
جنگ روکی عام کرکے صُلح و رحمت کا چَلَن
جانِ ایمان، روحِ جان و دل امیرالمومنیں
ان کی یادوں سے مرے ایمان کا مہکے چمن

(محمد اکرم رضا)



سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

سیّدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا مقام بے پناہ بلند و بالا ہے۔ رُوحانیت' فکر و عمل اور علم و حکمت میں آپ خاص مقام رکھتے تھے۔ آپ شفقت و رحمت کا پیکر تھے۔ عفو و درگزر کی تصویر تھے۔ اُمتِ اسلام پر اللہ کا احسان تھے۔ آپ کے بارے میں درجنوں احادیث مروی ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کو اپنی آنکھوں کا نور کہا کرتے تھے۔ آپ اور آپ کے چھوٹے بھائی سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان کے نانا جان کے ارشاداتِ مبارکہ جہاں تاریخِ اہلبیت کا روشن باب تھے وہاں ان سے آپ کے مقاماتِ قُدسیہ کی سربلندی کا بجا طور پر احساس ہوتا ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نصف رمضان ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی دایہ کا نام سودہ بنت مسراح اکندیہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ساتویں دن دو مینڈھے عقیقہ کے ذبح کئے اور سر کے بالوں کے برابر چاندی کا صدقہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ امام حسن کا نصف بالائی پیکر اور امام حسین کا نصف زیریں پیکر حضور نبی کریم ﷺ سے مشابہ تر تھا۔ حضور نے خود امام حسن کی ناف کاٹی تھی اور لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا تھا اور حسن رضی اللہ عنہ نام بھی خود تجویز فرمایا تھا اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر خوشبو لگائی تھی۔

آپ کا نام نامی حسن اور کنیت ابو محمد ہے۔ آپ کس قدر خوش بخت ہستی تھے کہ

ماں ملی تو سیدۃ النساء العلمین سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ جیسی کہ جو شرم وحیا کی پیکر اور غیرت ایمانی کی مظہر تھیں، اور باپ وہ جسے علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں، جو شہر علوم کا دروازہ اور ہر اس مسلمان کا مولا ہیں جس کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مولا ہیں۔ بھائی عطا ہوا تو امام حسین شہید کربلا جیسا جس نے میدان کربلا میں اپنی اور تمام اصحاب اہل بیت کی راہ حق میں قربانی پیش کر کے اسلام کی حقانیت اور سربلندی کی لاج رکھ لی۔

یوں تو آپ کے بہت سے القاب ہیں مگر مشہور لقب تقی ہے اور روحانی مقام و مرتبہ کے لحاظ سے آپ کا احسن ترین لقب سید ہے، جو بوسیلہ سرکار کائنات آپ کا مقدر بنا۔ حضرت ابوبکرہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو منبر پر دیکھا کہ حضرت حسن بن علی آپ ﷺ کے پہلو میں بیٹھے تھے۔ حضور ﷺ کبھی لوگوں کی طرف توجہ فرماتے اور کبھی حسن کی طرف دیکھتے اور فرماتے تھے۔

اِنَّ ابْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَّلَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یُّصْلِحَ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ (بخاری شریف ج ا ص ۵۳۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۸ مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی کراچی، مشکوٰۃ شریف مناقب اہل بیت، صواعق محرقہ ص ۱۳۷)

ترجمہ کہ میرا یہ بیٹا سید ہے (سردار) ہے، شائد اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرا دے"، یعنی حضور ﷺ دوران وعظ کبھی لوگوں کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور کبھی امام عالی مقام حسن علیہ السلام کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں نبی غیب دان، مخبر صادق ﷺ نے مستقبل میں پیش آنے والے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، جب آپ نے چند شرائط پر حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی تھی۔ آپ کی شان میں متعدد احادیث مروی ہیں۔ چند احادیث درج تحریر ہیں۔

☆ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مخبر صادق ﷺ کو دیکھا۔ آپ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو اپنے شانے پر بٹھا رکھا ہے اور فرما رہے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ۔

(صحیح مسلم شریف ج ۲ ص ۲۸۲ مطبوعہ سعید کمپنی، بخاری شریف ج ۱ ص ۵۳۰، مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ پہلی فصل)

"اے اللہ! میں اس (حسن رضی اللہ عنہ) سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ"

☆ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور عالم نور مجسم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ اَحَبَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ۔ (سنن ابن ماجہ شریف ص ۱۴)

"جس نے حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان دونوں سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لئے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّہٗ فَاَحِبَّہٗ وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہٗ۔

(مسلم شریف ج ۲ ص ۲۸۲، مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ پہلی فصل)

"اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ اور اس سے بھی محبت رکھ جو اس سے محبت کرے"۔

راکب دوش رسول ﷺ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسن بن

علی کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کہا: نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ يَا غُلَامُ۔ "اے لڑکے تو کیسی اچھی سواری پر ہے"۔ (اس کے جواب میں) نبی الانبیاء ﷺ نے فرمایا نِعْمَ الرَّاكِبُ "سوار بھی تو بہت اچھا ہے"۔

(جامع ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۱۸، مشکوٰۃ باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ دوسری فصل)

شبیہ رسول ﷺ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَشْبَهَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ. (ترمذی شریف جلد ثانی ص ۲۱۸)

کوئی بھی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے ہم شکل نہ تھا۔

حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا فَكَانَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ يُشْبِهُهُ، (ترمذی شریف جلد ثانی ص ۲۱۸)

کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ آپ کے زیادہ مشابہ تھے۔

خوشبوئے رسول ﷺ

حضرت حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حدیث میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خاتم الانبیاء ﷺ ہمیں نماز پڑھا رہے ہوتے۔ آپ جب سجدہ میں ہوتے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ تشریف لاتے جبکہ آپ کمسن تھے تو کبھی آپ کی کمر پر بیٹھ جاتے، کبھی گردن پر سوار ہو جاتے اور حضور ﷺ ان کو آہستہ سے اٹھاتے (کہ کہیں گر نہ جائیں) جب نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام نے عرض کیا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا رَ اَيْنَاكَ تَصْنَعُ بِهٰذَا الصَّبِيِّ شَيْئًا مَّا رَأَيْنَاكَ تَصْنَعُهُ، بِاَحَدٍ. یارسول اللہ ﷺ آپ نے اس بچے کا سا سلوک کسی سے

نہیں کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اِنَّ هٰذَا رَيْحَانَتِيْ وَاِنَّ هٰذَا اِبْنِيْ سَيِّدٌ وَّعَسَى اللّٰهُ اَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ یہ میری خوشبو ہے یہ میرا بیٹا سیّد ہے اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

(نورالابصار ص ۱۲۰)

☆ ابن سعد نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن زبیر سے جو روایت بیان کی ہے اس کا آخری حصہ یوں ہے کہ میں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو آتے دیکھا اور حضور ﷺ سجدہ کی حالت میں تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی گردن یا پشت پر سوار ہو گئے اور اپنی مرضی سے ہی اترے۔

ایک دفعہ امام حسن رضی اللہ عنہ غسل فرما کر اس حالت میں باہر تشریف لائے کہ آپ پر ایک خوبصورت اور قیمتی چادر تھی' کانوں کی لو تک بال مبارک اور چہرہ خوشنما تھا۔ راستے میں ایک محتاج یہودی سامنے سے آتا ہوا نظر آیا' شکستہ چمڑے کا لباس اور وہ غربت و ذلت پر سوار تھا اور دوپہر کے سورج نے اس کے ہونٹ خشک کر دیئے تھے' وہ پانی کا مٹکا کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو روک کر عرض کرنے لگا۔ اے ابن رسول اللہ! میرا سوال ہے' اس کا جواب چاہیے۔ آپ نے فرمایا: کہو کیا سوال ہے؟ اس نے کہا: آپ کے نانا کا فرمان ہے۔ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔

آپ مومن ہیں اور میں کافر ہوں' میں دنیا کو آپ کیلئے جنت دیکھ رہا ہوں کہ آپ اس میں عیش و آرام سے زندگی بسر فرما رہے ہیں اور میں اسے اپنے لئے قید خانہ دیکھ رہا ہوں کہ اس کی تکالیف و عسرت نے مجھے ہلاک کر دیا ہے اور اس کی غربت و مسکنت نے مجھ کو مصائب و آلام میں مبتلا کر رکھا ہے۔ امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سن کر فرمایا: اے یہودی! اگر تو وہ نعمتیں دیکھ لے جو اللہ نے میرے لئے جنت میں

تیار کی ہوئی ہیں تو یقین کرے گا کہ میں ان نعمتوں کی نسبت اب قید خانے میں ہوں' اور اگر تو وہ عذاب الیم دیکھ لے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے آخرت میں تیار کر رکھا ہے تو اس وقت تو اپنے آپ کو وسیع جنت میں دیکھے گا۔(نورالابصار ص ۱۲۰)

اخلاق عالیہ

آپ کی شان روایات مقدسہ اور احادیث عالیہ کی رو سے بہت اعلیٰ و بالا ہیں۔آپ کا نام نامی حسن (رضی اللہ عنہ) تھا اور آپ کا ہر انداز بے پناہ احسن اور خوبصورت تھا۔کسی بدطینت کی بکواس برداشت کر لیتے۔کسی پر کبھی سختی نہ کی۔سخی ایسے کہ فخر الاسخیا تھے۔ہاتھ ہمیشہ کھلا رکھا اور سوالی کے سوال کو کبھی رد نہ کیا۔لہجہ مبارک انتہائی نرم اور دشمنوں کے ساتھ آپ کا رویہ اور بھی شفقت آمیز تھا۔بعض اوقات آپ سخت جواب دینے یا سزا دینے کی صلاحیت رکھتے تھے مگر ہمیشہ معاف کرنا ہی مقدم جانا۔اسی بناء پر آپ کے مخالفین اکثر نادم ہوتے اور آپ سے معافی طلب کرتے۔

سیّدنا امام حسن علیہ السلام کی سخاوت کے تذکرے شاہوں کے محلات اور گداؤں کی جھونپڑیوں میں قیامت تک ہوتے رہیں گے۔آپ اس سخی گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں' کائنات ارضی میں جس کی نظیر نہیں ملتی۔ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا۔ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کسی بھی سائل کو خالی ہاتھ واپس جانے نہیں دیتے' اگرچہ آپ کے پاس کچھ ہو یا نہ ہو۔آپ نے فرمایا۔میں اللہ کی بارگاہ میں سوال کرتا ہوں' مجھے شرم آتی ہے کہ میں خود سائل ہوں اور اگر کوئی سائل دامن پھیلائے تو اسے خالی ہاتھ واپس کروں۔اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ عہد کیا: اَنْ يُّفِيْضَ نِعَمَهٗ عَلَيَّ کہ وہ مجھ پر اپنی رحمتوں کے دریا بہائے گا۔اور میں نے اس سے عہد کیا ہے۔اَنْ اُفِيْضَ نِعَمَهٗ عَلَى النَّاسِ کہ میں لوگوں پر نعمتوں کے دریا بہاؤں گا۔مجھے ڈر ہے کہ اگر میں یہ عادت ختم

کردوں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے اپنی عادت روک لے گا۔ (نور الابصار ص ۱۲۴)

حافظ ابن قیم کی کتاب "الطریق الحکمیہ" مطبوع مصر ۵۶ میں رقم ہے کہ ایک شخص کو گرفتار کر کے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ گرفتاری ایک غیر آباد مقام سے ہوئی تھی۔ گرفتاری کے وقت اس کے ہاتھ میں ایک خون آلود چھری تھی۔ یہ کھڑا تھا اور ایک لاش خون میں لت پت تڑپ رہی تھی۔ اس شخص نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے سامنے اقبال جرم کرلیا۔ "آپ کے حضور اقبال جرم کرنے والا ایک اور شخص بھی کھڑا تھا"۔ سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ملزم اول سے دریافت فرمایا کہ تو نے کیوں اقبال جرم کیا۔ اس نے عرض کیا کہ جن حالات میں میری گرفتاری عمل میں آئی' میں نے سمجھا کہ ان حالات کی موجودگی میں میرا انکار فائدہ مند نہ ہوگا۔ اس سے پوچھا گیا کہ اس واقعہ کی تفصیل بیان کر۔ اس نے عرض کیا کہ میں قصاب ہوں' میں نے جائے وقوعہ کے قریب بکرے کو ذبح کیا' اسی عمل میں مصروف تھا کہ معاً مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ ابھی پیشاب سے فارغ ہی ہوا تھا کہ میری نظر اس لاش پر پڑ گئی۔ میں اس لاش کے قریب کھڑا تھا کہ لوگوں نے مجھے قاتل سمجھ کر پکڑ لیا' مجھے اس امر کا یقین ہوگیا کہ ان تمام لوگوں کے بیانات کے سامنے میرے انکاری بیان کا کچھ اعتبار نہ کیا جائے گا' اس لئے میں نے اقبال جرم کرلیا۔ پھر دوسرے اقبالی مجرم سے دریافت فرمایا۔ اس نے عرض کیا: میں ایک اعرابی ہوں' مفلس و نادار ہوں' مقتول کو میں نے مال کے لالچ کی بناء پر قتل کیا تھا کہ اتنے میں مجھے کسی کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی اور میں ایک گوشے میں جا چھپا' اتنے میں لوگوں نے اس قصاب کو گرفتار کرلیا۔ میرے دل نے مجھے اقبال جرم کرنے پر آمادہ کیا کہ میری وجہ سے یہ بے گناہ مارا جائے۔ مولا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند ارجمند سے پوچھا کہ تمہاری اس مقدمہ میں کیا رائے ہے؟ حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین! اگر اس شخص نے ایک

آدمی کو ہلاک کیا ہے تو ایک کی جان بھی بچائی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا۔ (پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت ۳۲)

ترجمہ جس نے ایک شخص کی جان کو بچالیا گویا اس نے سب لوگوں کی جان کو بچا لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جناب حسن رضی اللہ عنہ کا مشورہ پسند فرمایا اور آپ نے دوسرے اصل مجرم کو بھی چھوڑ دیا اور مقتول کا خون بہا بیت المال سے ادا کرنے کا حکم فرمایا:

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ اخلاق کے بلند ترین معیار پر فائز تھے۔ عفو و درگزر آپ کا انداز خاص تھا۔ اپنی جان پر بن جاتی مگر پھر بھی اپنے دشمن کو معاف فرما دیتے۔ اللہ اللہ یہ انتہائی حوصلے اور عنایت کی انتہا ہے۔ کہنا آسان ہے اور کرنا مشکل ہے۔ حضور ﷺ کے گھرانے والوں نے یہ کر کے دکھلا دیا۔

علامہ ابن حجر نے بزار کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب آپ خلیفہ مقرر ہوئے تو ایک آدمی نے نماز کی حالت میں آپ پر حملہ کر دیا اور سجدے میں آپ پر خنجر کا وار کیا تو آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا: اے اہل عراق اِتَّقُوا اللّٰهَ فِيْنَا فَاِنَّا اُمَرَاءُ كُمْ وَضِيْفَانُكُمْ "ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ ہم آپ کے امیر اور مہمان بھی ہیں"۔ وَنَحْنُ اَهْلُ الْبَيْتِ الَّذِيْنَ قَالَ اللّٰهُ فِيْهِمْ اور ہم وہ اہل بیت ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ (پارہ ۲۲ سورۂ احزاب آیت ۳۳)

"اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے"۔

آپ اس آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ تمام اہل مسجد رو پڑے۔

(صواعق محرقہ ص ۱۳۹)

نصاریٰ سے مباہلہ اور آپ کی شرکت

مباہلہ نجران کے عیسائیوں سے ہوا تھا۔ نجران کے عیسائیوں کا ساٹھ پڑھے لکھے افراد پر مشتمل وفد مدینہ آیا تا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مذاکرات کر سکے۔ یہ ۹ ھ کا واقعہ ہے۔ ان میں سے ۲۴ آدمی اشراف میں سے تھے جن میں سے تین آدمیوں کو اہل نجران کی سربراہی اور سرکردگی حاصل تھا۔ ایک عاقب جس کے ذمہ امارت وحکومت کا کام تھا اور اس کا نام عبدالمسیح تھا۔ دوسرا امید جو ثقافتی امور کا نگران تھا اور اس کا نام شرجیل تھا۔ تیسرا اسقف (لاٹ پادری) جو دینی اور روحانی سربراہ تھا۔ اس کا نام ابوحارثہ بن علقمہ تھا۔

وفد نے مدینہ پہنچ کر نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی۔ پھر آپ نے ان سے کچھ سوالات کئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے کچھ سوالات کئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن حکیم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں لیکن انہوں نے اسلام قبول نہ کیا اور دریافت کیا کہ آپ ﷺ مسیح علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے اس روز دن بھر توقف کیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○ (۳:۵۹/۶۰/۶۱)

"بیشک عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال اللہ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) ہے اسے مٹی سے

پیدا کیا' پھر اس سے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ پھر تمہارے پاس علم آ جانے کے بعد جو کوئی تم سے اس (عیسیٰ) کے بارے میں حُجت کرے تو اس سے کہہ دو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو پھر مباہلہ کریں (اللہ سے گڑگڑا کر دعا کریں) پس اللہ کی لعنت ٹھہرائیں جھوٹوں پر"۔

صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان ہی آیات کریمہ کی روشنی میں انہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اپنے قول سے آگاہ کیا اور اس کے بعد دن بھر انہیں غور و فکر کے لئے آزاد چھوڑ دیا۔ لیکن انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ ﷺ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ پھر جب اگلی صبح ہوئی درآنحالیکہ وفد کے ارکان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ ﷺ کی بات تسلیم کرنے اور اسلام لانے سے انکار کر چکے تھے' تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں مباہلے کی دعوت دی اور آپ ﷺ حسن و حسین رضی اللہ عنہما سمیت ایک چادر میں لپٹے ہوئے تشریف لائے' پیچھے پیچھے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چل رہی تھیں۔ جب وفد نے دیکھا کہ آپ واقعی بالکل تیار ہیں تو تنہائی میں جا کر مشورہ کیا۔ عاقب اور سیّد دونوں نے ایک دوسرے سے کہا: "دیکھو' مباہلہ نہ کرنا' خُدا کی قسم اگر یہ نبی ہے' اور ہم نے اس سے ملاعنت کر لی تو ہم اور ہمارے پیچھے ہماری اولاد ہرگز کامیاب نہ ہو گی۔ روئے زمین پر ہمارا ایک بال اور ناخن بھی تباہی سے نہ بچ سکے گا"۔ آخر ان کی رائے یہ ٹھہری کہ رسول اللہ ﷺ ہی کو اپنے بارے میں حکم بنایا جائے۔ چنانچہ انہوں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ ﷺ کا جو مطالبہ ہو ہم اسے ماننے کو تیار ہیں۔ اس پیشکش پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے جزیہ لینا منظور کیا' اور دو ہزار جوڑے کپڑوں پر مصالحت فرمائی' ایک ہزار ماہ رجب میں اور ایک ہزار ماہ صفر میں۔ اور طے کیا کہ ہر جوڑے کے

ساتھ ایک اوقیہ (ایک سو باون گرام چاندی) بھی ادا کرنی ہوگی۔اس کے عوض آپ ﷺ نے انہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ذمہ عطا فرمایا اور دین کے بارے میں مکمل آزادی مرحمت فرمائی۔اس سلسلے میں آپ ﷺ نے انہیں ایک باقاعدہ نوشتہ لکھ دیا۔ان لوگوں نے آپ سے گزارش کی آپ ﷺ ان کے ہاں ایک امین (امانت دار) آدمی روانہ فرمائیں۔اس پر آپ ﷺ نے صلح کا مال وصول کرنے کے لئے اس امت کے امین حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔

اس کے بعد ان کے اندر اسلام پھیلنا شروع ہوا۔اہل سیر کا بیان ہے کہ سیّد اور عاقب نجران پلٹنے کے بعد مسلمان ہو گئے۔پھر نبی کریم ﷺ نے ان سے صدقات اور جزیے لانے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا اور ظاہر ہے کہ صدقہ مسلمانوں ہی سے لیا جاتا ہے۔

اس واقعہ سے ہمارا یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا ظاہری اور باطنی مقام بہت سر بلند ہے۔آپ کے حاسدین اور دشمن کل بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر آپ کے مقام و مرتبہ کو کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور آج بھی بہت سے نام نہاد مسلمان غلط تاریخ کے بل بوتے پر اپنی طرف سے روایات وضع کر کے آپ کی عظمت کے تاثر کو زائل کرنا چاہتے ہیں۔ایسے بھی ستم شعار ہیں جو دشمنی میں اس حد تک آگے چلے گئے ہیں کہ آپ کو خلیفۂ راشد ہی تسلیم نہیں کرتے۔بعض ان روایات سے بہانے بہانے سے انکار کر دیتے ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کی اور سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں ارشاد فرمائیں۔دراصل ان کو آپ سے خصوصی دشمنی یہ ہے کہ آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مفاہمت کی۔حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدتوں پہلے اسی جانب اشارہ کر چکے تھے۔مخبر صادق ﷺ کے الفاظ تو عین تقدیر الٰہی ہوتے ہیں۔

شب کو کہا دن تو سورج نکل آیا
دن کو کہا شب تو رات ہو کے رہی
ترے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

پیدل حج

علامہ ابن حجر نے امام ابونعیم کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اپنے رب سے اس حال میں ملتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں اس کے گھر کی طرف پیدل نہ چلا ہوں فَمَشٰی عِشْرِیْنَ حَجَّةً ''چنانچہ آپ نے بیس حج پیدل کئے''۔

امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے پچیس حج پیدل کئے ہیں۔وَاِنَّ النَّجَائِبَ لَتُقَادُ بَیْنَ یَدَیْہِ ''اور اونٹنیاں آپ کے سامنے کھینچ کرلائی جاتیں''۔(صواعق محرقہ ص ۱۳۹)

شواہد النبوت ص ۳۰۲ میں آپ کی ایک کرامت درج ہے۔اس میں اور صحابہ بھی آپ کے ساتھ شریک سفر ہیں۔بتایا گیا ہے کہ کس طرح آپ کی دعا سے خشک کھجوریں تروتازہ ہوگئیں۔ملاحظہ ہو۔

ایک دن آپ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے کسی صاحبزادے کے ساتھ کہیں سفر کررہے تھے کہ ایک خشک باغ میں ڈیرہ ڈال دیا۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لئے باغ کے ایک دامن میں اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے باغ کے دوسرے دامن میں فرش بچھایا گیا۔حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ بولے' کاش کہ اس نخلستان میں تازہ کھجوریں ہوتیں جنہیں ہم کھاتے۔حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تازہ کھجوریں چاہتے ہو؟ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ بولے'ہاں! آپ نے دست دعا اٹھایا اور زیرلب کچھ پڑھا

جو کسی کو معلوم نہ ہوا' فوراً کھجور کا ایک درخت تر و تازہ اور بار آور ہو گیا' اس میں تازہ کھجوریں لگ گئیں۔ ان کا ساتھی شتربان بولا۔ بخدا یہ تو جادو ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ جادو نہیں' یہ اس دعائے مستجاب کا اثر ہے جو پیغمبر علیہ السلام کے بیٹے نے مانگی تھی۔ اس کے بعد لوگوں نے اس درخت خرما پر چڑھ کر تمام کھجوریں توڑ لیں جن سے تمام سیر ہو گئے۔

شواہد النبوت (حضرت عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ) ہی سے آپ کی ایک اور کرامت کا مطالعہ کیجئے۔

حضرت سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ پیدل چلتے ہوئے بغرض حج مکہ معظّمہ تشریف لے جا رہے تھے تو آپ سے کسی غلام نے عرض کی' کاش کہ آپ کسی سواری پر سوار ہو جائیں تا کہ ورم کم ہو جائے۔ آپ نے اس کی درخواست قبول نہ کی اور فرمایا: جب تم گھر پہنچو گے تو تمہیں ایک حبشی ملے گا جس کے پاس کچھ تیل ہو گا' تم اس سے خرید لینا اور جھگڑا مت کرنا۔ آپ کے غلام نے کہا: میرے ماں باپ آپ رضی اللہ عنہ پر قربان' ہم نے کسی جگہ بھی کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جس کے پاس ایسی دوا ہو' اس جگہ کہاں دستیاب ہو گی۔ جب وہ اپنی منزل پر پہنچے تو وہ حبشی دکھائی دیا۔ انہوں نے کہا یہ ہے وہ حبشی جس کے متعلق میں نے بتایا تھا۔ جاؤ اور اس سے تیل خرید لاؤ اور قیمت ادا کر آؤ۔ جوں ہی وہ غلام اس حبشی کے پاس گیا اور تیل طلب کیا تو اس نے کہا۔ اے غلام! یہ تیل کس کے لئے خرید رہے ہو؟ غلام بولا: حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے لئے۔ اس نے کہا: مجھے ان کے پاس لے چلو' میں ان کا غلام ہوں۔ جب وہ حبشی آپ کے پاس پہنچا تو کہنے لگا: میں آپ کا غلام ہوں' تیل کی قیمت نہیں لوں گا۔ آپ بس میری بیوی کے لئے جو دردزہ میں مبتلا ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ایک صحیح الاعضاء بچہ عطا کرے۔ آپ نے فرمایا: اپنے گھر لوٹ جاؤ' اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا ہی بیٹا عطا کرے

گا جیسا تم چاہتے ہو' وہ ہمارا پیروکار ہوگا۔ حبشی گھر گیا تو گھر کی حالت ویسے ہی پائی جیسی سنی تھی۔

امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت اور دست برداری

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت نہایت پریشانیوں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ وجدل میں گزرا۔ اس کے ساتھ ساتھ خارجی آپ کی پریشانیوں میں اضافہ کرتے رہے۔ بالآخر آپ نے خارجیوں کو کچل کر رکھ دیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کن جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ مگر آپ کو مہلت ہی نہ مل سکی اور آپ مسجد ہی میں شہید کر دیئے گئے۔

سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت ایک بہت بڑا سانحہ تھی۔ اب ضرورت اس امر کی تھی کہ خلافت اسلامیہ کے خلاء کو پر کیا جاتا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ خلافت قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کو باغیوں نے نرغہ میں لے لیا تو جہاں چند مقتدر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے بیٹے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لئے بھیج دیئے وہاں سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بھی اپنے صاحبزادوں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو سختی سے تاکید کی کہ وہ کسی باغی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل نہ ہونے دیں۔ باغیوں کو خدشہ دامن گیر ہو گیا کہ اگر ہم نے سیدھے راستے سے حملہ کیا تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کے بیٹوں سے لڑائی چھڑ جائے گی' اور اگر ان بنو ہاشم کے شہزادہ کو کچھ ہو گیا تو بنو ہاشم اور دوسرے قبائل ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔ اس لئے وہ عقبی دروازے سے داخل ہوئے اور امیر المومنین سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے بہت سخت باز پرس کی کہ

تمہاری موجودگی میں ایسا کیوں ہو گیا۔ جب صورتحال واضح ہو گئی تو پھر خاموش ہو گئے۔

اب حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی شہید ہو چکے تھے اور مسند خلافت خالی تھی۔ خاندان رسول ﷺ کے شہزادے سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ بڑی قدر و منزلت سے دیکھے جاتے تھے۔ آپ کا زہد و تقویٰ عالی نسب اور رفعت کردار و عمل کو عقیدت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اور چالیس ہزار سے زائد مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ سلسلۂ بیعت بڑھتا جا رہا تھا اور ایک مؤرخ کے مطابق آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کا جوش و جذبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سپاہ سے بھی زیادہ تھا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اب بالاتفاق رائے خلیفۃ المسلمین منتخب ہو چکے تھے۔ آپ فقط عابد و زاہد ہی نہیں تھے بلکہ نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تمام لڑائیوں میں مجاہدانہ جوش و خروش کا مظاہرہ کر چکے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اس علاقے کے سوا جس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قبضہ تھا باقی سارے ملک کی نظریں امام حسن رضی اللہ عنہ پر لگی ہوئی تھیں۔ مسند خلافت پر متمکن ہو کر آپ نے سب سے پہلا خطبہ جو ارشاد فرمایا تھا۔

''لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص جدا ہوا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے نہ پچھلے اس کو پا سکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ غزوات میں اسے اپنا علم عطا فرما کر بھیجا کرتے تھے۔ وہ کسی جنگ میں کبھی ناکام نہ لوٹا۔ میکائیل و جبرائیل علیہم السلام دائیں بائیں اس کے جلو میں ہوتے تھے۔ اس نے سات درہم کے علاوہ جو اس کی تنخواہ سے بچ رہے تھے سونے چاندی کا ایک ذرہ نہیں چھوڑا۔ یہ درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لئے جمع کئے تھے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں قدیم اختلاف چلا آ رہا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوراً فوجی پیش

قدمی شروع کر دی اور عبداللہ بن عامر کو مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بھیجا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس وقت کوفہ میں تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو عبداللہ بن عامر کی پیش قدمی کی اطلاع ملی تو آپ رضی اللہ عنہ بھی مقابلہ کے لئے کوفہ سے مدائن کی طرف بڑھے۔ ساباط پہنچ کر آپ نے یہ تقریر فرمائی۔

"میں کسی مسلمان کے لئے اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور تمہارے لئے بھی وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں۔ تمہارے سامنے ایک رائے پیش کرتا ہوں، امید ہے کہ اسے مسترد نہیں کرو گے۔ جس اتحاد و یک جہتی کو تم پسند کرتے ہو وہ اس تفرقہ و اختلاف سے کہیں افضل و بہتر ہے جسے تم چاہتے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر اشخاص جنگ سے پہلو تہی کر رہے ہیں اور لڑنے سے بزدلی دکھا رہے ہیں۔ میں تم لوگوں کو تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کرنا نہیں چاہتا"۔

یہ تقریر سن کر خارجی عقائد کے لوگ جو آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنا فرض عین سمجھتے تھے، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بھی برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ برہمی دیکھی تو گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ربیعہ و ہمدان کو آواز دی۔ انہوں نے بڑھ کر خارجیوں کے نرغہ سے چھڑایا۔ آپ رضی اللہ عنہ سیدھے مدائن روانہ ہو گئے۔ راستے میں جراح بن قبیصہ خارجی حملے کی تاک میں چھپا بیٹھا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ جیسے ہی اس کے قریب سے گزرے اس نے حملہ کر کے زانوئے مبارک زخمی کر دیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ مدائن پہنچ کر قصر ابیض میں قیام پذیر ہو گئے اور زخم بھرنے تک یہیں ٹھہرے رہے۔ صحت یاب ہونے کے بعد عبداللہ بن عامر کے مقابلے کے لئے تیار ہوئے۔

آپ رضی اللہ عنہ کے مدائن چلے آنے کے بعد عبداللہ بن عامر کو موقع مل گیا، اس نے بڑھ کر مدائن کو گھیر لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی فوج کی بزدلی دیکھتے ہوئے پہلے ہی لڑائی کا ارادہ

ترک کر چکے تھے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے چند شرائط پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونے کا فیصلہ کرلیا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصالحت کے بعد عمرو بن العاص نے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے' ان سے کہا کہ مناسب یہ ہے کہ مجمع عام میں حسن رضی اللہ عنہ سے دستبرداری کا اعلان کرادو تا کہ لوگ خود ان کی زبان سے اس صلح نامے کو سن لیں۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فرمائش پر مجمع عام میں آپ رضی اللہ عنہ نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

''لوگو! خُدا نے ہمارے اگلوں سے ہماری ہدایت اور پچھلوں سے تمہاری خون ریزی کرائی۔ دانائیوں میں بہترین دانائی تقویٰ اور کمزوریوں میں سب سے بڑی کمزوری بداعمالیاں ہیں۔ یہ امر (خلافت) جو ہمارے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان متنازعہ فیہ ہے' وہ اس کے حق دار ہیں یا نہیں' دونوں صورتوں میں امت محمدیہ کی اصلاح اور تم لوگوں کی خون ریزی سے بچنے کے لئے ہیں اس سے دستبردار ہوتا ہوں''۔

پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

''یہ خلافت تمہارے لئے فتنہ اور چند روزہ سرمایہ ہے''۔

شرائط صلح

شرائط صلح کی تفصیلات کے بارے میں مؤرخین مختلف آرار کھتے ہیں' تاہم اکثر کے بیان کے مطابق شرائط صلح حسب ذیل ہیں۔

۱) کسی عراقی کو محض دیرینہ عداوت کی بناء پر نہ پکڑا جائے اور بلا امتیاز سب کو امان دی جائے۔

۲) داراب جرد کل کا خرچ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیا جائے اور ان کے بھائی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بیس ہزار سالانہ دیئے جائیں۔

۴) وظائف میں بنو ہاشم کو سب پر فوقیت دی جائے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی ترمیم کے تمام شرائط قبول کر لیں اور اپنے قلم سے اقرارنامہ لکھ کر اور اس پر مہر ثبت کر کے نیزا کا بر شام کی شہادتیں لکھوا کر عبداللہ بن عامر کے ذریعہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھجوا دیا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مصالحت کے نتائج امت مسلمہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوئے۔ مسلمانوں کی خون ریزی کا وہ سلسلہ جو مدتوں سے جاری تھا' بند ہو گیا۔ ملک میں امن وسکون بحال ہوا اور جو قوت خانہ جنگی میں پارہ پارہ ہو رہی تھی' بار دیگر دشمنوں کے مقابلہ میں صرف ہونے لگی۔ فتوحات کا سلسلہ از سر نو شروع ہو گیا۔ داخلی طور پر ملک میں ترقی اور اصلاح کے سلسلہ کا ایک بار پھر آغاز ہو گیا۔

اس خاتم الفتن دستبرداری کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے اہل وعیال کو لے کر مدینۃ الرسول تشریف لے گئے۔ اس طرح حضور نبی کریم ﷺ کی پیش گوئی ماہتاب روشن کی طرح پوری ہو گئی کہ میرا یہ بیٹا سیّد ہے' خدا اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک پانچ مہینہ ہے اور بعض کے نزدیک چھ ماہ سے کچھ زیادہ۔ بعض نے اسے سات ماہ سے کچھ زیادہ بتایا ہے۔

دستبرداری کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ آخری لمحۂ حیات تک مدینے میں خاموشی اور سکون کی زندگی بسر کرتے رہے۔ آپ دنیاوی خلافت سے تو دستبردار ہو گئے مگر خدائے کریم نے آپ کو باطنی خلافت عطا فرما دی۔

سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے

لئے ہوئے تھے۔ عَوَّضَهُ اللّٰهُ وَاَهْلَبَيْتِهٖ عَنْهَا بِالْخِلَافَةِ الْبَاطِنِيَّةِ۔

"تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو باطنی خلافت سے سرفراز فرمایا" حتیٰ کہ علماء کہتے ہیں کہ ہر زمانہ میں تمام اولیاء اللہ کا قطب صرف اہل بیت سے ہی ہوتا ہے۔ جب امام حسن علیہ السلام ظاہری خلافت سے دستبردار ہو گئے تو آپ کے (بعض) ساتھی کہنے لگے کہ آپ مومنوں کے لئے عار (شرمندگی وعیب) بن گئے ہیں۔

امام عالی مقام کی دنیا سے رخصتی

جب سیّدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما مسند خلافت سے سبکدوش ہو کر مدینے تشریف لائے تو وہاں آپ نے ہر قسم کی سیاست سے دور رہ کر دس سال گذارے۔ آپ نے کبھی سیاسی حالات پر تبصرہ نہ کیا کیونکہ آپ ہر قسم کی سیاسی کشمکش سے بے نیاز ہو چکے تھے۔ اس کے بعد آپ کو زہر دیا گیا' جس کے سبب آپ کی شہادت واقعہ ہوئی۔ مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ زہر کس نے دیا۔ بعض علماء نے آپ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث بن قیس کندی کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے یزید لعین کے اکسانے پر آپ کو زہر دیا اور بعض نے اس سے اختلاف کیا ہے جن میں حافظ ابن کثیر بھی ہیں۔ یہی رائے "رحمۃ للعالمین" کے مصنف قاضی محمد سلیمان اور کئی دوسرے مؤرخین کی بھی ہے جبکہ صدر الافاضل علامہ مولانا سیّد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے زہر خورانی کی مذکورہ روایت پر ایک ناقدانہ تبصرہ تحریر فرمایا ہے جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ آپ بیان فرماتے ہیں۔

مؤرخین نے زہر خورانی کی نسبت جعدہ بنت اشعث بن قیس کی طرف کی ہے اور اس کو حضرت امام کی زوجہ بتایا ہے' اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ زہر خورانی باغوائے یزید

ہوئی ہے اور یزید نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا۔ اس طمع میں آ کر اس نے حضرت امام کو زہر دیا۔ لیکن اس روایت کی کوئی سند صحیح دستیاب نہیں ہوئی اور بغیر کسی سند کے کسی مسلمان پر قتل کا الزام اور ایسے عظیم الشان قتل کا الزام کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ قطع نظر اس بات کے کہ روایت کے لئے کوئی سند نہیں ہے اور مؤرخین نے بغیر کسی معتبر ذریعہ یا معتمد حوالہ کے لکھ دیا ہے۔

یہ خبر واقعات کے لحاظ سے بھی نا قابل اطمینان معلوم ہوتی ہے۔ واقعات کی تحقیق خود واقعات کے زمانہ میں جیسی ہو سکتی ہے مشکل ہے کہ بعد کو ویسی تحقیق ہو، خاص کر جبکہ واقعہ اتنا اہم ہو۔ مگر حیرت ہے کہ اہل بیت اطہار کے اس امام جلیل کا قتل۔ اس قاتل کی خبر غیر کو تو کیا ہوتی خود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو پتہ نہیں ہے (کہ زہر کس نے دیا) یہی تاریخیں بتاتی ہیں کہ وہ اپنے برادر معظم سے زہر دہندہ کا نام دریافت فرماتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو زہر دینے والے کا علم نہ تھا۔ اب رہی یہ بات کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کسی کا نام لیتے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ تو اب جعدہ کو قاتل ہونے کے لئے معین کرنے والا کون ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یا امامین کے صاحبزادوں میں سے کسی صاحب کو اپنے آخر حیات تک جعدہ کی زہر خورانی کا کوئی ثبوت نہ پہنچا، نہ ان میں سے کسی نے اس پر شرعی مؤاخذہ کیا۔

ایک اور پہلو اس واقعہ کا خاص طور قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ حضرت امام کی بیوی کو غیر کے ساتھ ساز باز کرنے کی شنیع تہمت کے ساتھ متہم کیا جاتا ہے۔ یہ ایک بدترین تبرا ہے۔ عجب نہیں کہ اس حکایت کی بنیاد خارجیوں کی افتراءات ہوں۔

(سوانح کربلا! از سید نعیم الدین مراد آبادی)

قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ ''رحمۃ للعالمین'' میں کہتے ہیں۔ جب آپ بیمار ہوئے تو فرمایا کہ مجھے کئی بار زہر پلایا گیا۔ اس دفعہ تو وہ ایسا سخت ہے کہ میرا کلیجہ چبا

ڈالا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نے پوچھا' بھائی! زہر کس نے دیا؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پوچھنے سے آپ کا کیا مطلب ہے' کیا اسے قتل کرو گے؟ امام حسین رضی اللہ عنہ: ہاں! اگر زہر دینے والا وہی شخص ہے جس کی نسبت میرا گمان ہے' تب تو اللہ تعالیٰ خود ہی انتقام لے گا اور اگر وہ نہیں تو میں پسند نہیں کرتا کہ کسی بے گناہ کو میری وجہ سے تکلیف پہنچے۔

اسلامی انسائیکلو پیڈیا کے الفاظ کو دیکھیے۔

آپ کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے کسی وجہ سے زہر دے دیا' سم قاتل تھا' قلب وجگر کے ٹکڑے کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ جب حالت زیادہ نازک ہوئی اور زندگی سے مایوس ہو گئے تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے واقعہ بیان کیا۔ آپ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہونے کی تمنا تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حجرۂ نبوی میں دفن ہونے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے خوشی کے ساتھ اجازت دے دی۔ لیکن اجازت ملنے کے بعد بھی احتیاطاً فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد دوبارہ اجازت لینا' ممکن ہے میری زندگی میں مروت سے اجازت دے دی ہو۔ اگر دوبارہ اجازت مل جائے تو روضۂ نبوی میں دفن کرنا۔ مجھے خطرہ ہے کہ اس میں بنی امیہ مزاحم ہوں گے' اگر مزاحم کی صورت پیش آئے تو زیادہ اصرار نہ کرنا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دوسری بار بھی اجازت دے دی لیکن جب مروان کو معلوم ہوا تو سخت اشتعال میں آ گیا۔ اس نے کہا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو انہیں تو روضۂ رسول میں جگہ ملی' نہ ہی مدینہ طیبہ میں دفنایا گیا' بلکہ انہیں مدینہ سے باہر دفنانے پر مجبور ہونا پڑا' اب حسین رضی اللہ عنہ ابن علی رضی اللہ عنہ کے لئے میں کسی طور بھی اجازت نہیں دوں گا کہ روضۂ رسول ﷺ میں دفن ہو سکیں۔

بہر حال شورش کے ڈر سے سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو جنت البقیع میں ان کی عظیم والدہ ماجدہ سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

آپ صورت وسیرت دونوں میں اپنے نانا جان سے مشابہ تھے۔روایت میں ہے کہ آپ نے نہایت کثرت سے شادیاں کیں' اور اسی کثرت سے طلاقیں دیں' مورخین اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ اشراف کی عورتوں میں خاندان رسول سے رشتہ جوڑنے کا بڑا شوق تھا خواہ وہ ایک رات ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔

آپ بزم ہستی کی محبوب ترین ہستی تھے۔مدینہ والوں کے پیارے تھے۔عالم اسلام آپ سے پیار کرتا تھا۔جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو اتنا ہجوم تھا کہ حد نظر تک انسان ہی انسان دکھائی دیتے تھے۔اس سے پہلے مدینہ میں اتنا بڑا ہجوم دیکھنے میں نہیں آیا۔لوگوں کو ہچکیاں بندھ گئی تھیں کہ شہزادۂ رسول خدا ﷺ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہا ہے۔

''صواعق محرقہ'' کے مطابق

جب امام عالی مقام حسن علیہ السلام نے وفات پائی تو مروان آپ کے جنازے پر رویا تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اسے فرمایا۔کیا تو اس پر روتا ہے حالانکہ تو نے انہیں سخت ترین اذیت میں مبتلا رکھا۔مروان نے پہاڑ کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا:اِنِّیْ کُنْتُ اَفْعَلُ ذَالِکَ اِلٰی اَحْلَمَ مِنْ ھٰذَا (صواعق محرقہ ص ۱۴۰)

میں یہ اس شخص سے کرتا تھا جو اس پہاڑ سے بھی زیادہ حلیم تھا۔

آپ کی کل مرویات کی تعداد تیرہ ہے۔آپ عرب کے اخطب الخطباء کے فرزند تھے۔آپ کے نانا جان حضور محمد مصطفیٰ ﷺ افصح العرب تھے۔اس لئے جب بولتے تو مجمع پر چھا جاتے۔میدان جنگ میں بھی آپ کے خطبات حق وصداقت کا بلند ترین آوازہ ہیں۔آپ کی باتیں خوشبو بن کر دل وجان میں اتر جایا کرتی تھیں۔ آپ کی ذات' روحانی' باطنی اور دینی لحاظ سے اُسوۂ نبوی کا نمونہ تھی۔وہی شرم وحیاء' وہی خدمت انسانیت' وہی صلح کلی' وہی امن وسلامتی' وہی آپ کے پرچم کی سر بلندی۔

آپ تمام مکارم اخلاق کا پیکر مجسم تھے۔

زہد و ورع' دنیاوی جاہ و حشم سے بے نیازی اور بے تعلقی' آپ کا ایسا خاص امتیازی وصف تھا جس میں آپ کا کوئی حریف نہیں۔ آپ کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ' محمد بن الحنفیہ اور عباس بن علی نے غسل دیا۔ اگرچہ مروان کی وجہ سے آپ روضۂ رسول ﷺ میں دفن ہونے کی سعادت تو حاصل نہ کر سکے مگر جنت البقیع میں خاتون جنت سیّدہ فاطمہ زہرا کے قرب میں آپ کا دفن کیا جانا اپنی جگہ بہت بڑی سعادت ہے۔

نانا کے جسم پاک کا پارا تھا وہ حسن
افلاک اہل بیت کا تارا تھا وہ حسن

امام حسن رضی اللہ عنہ نے متعدد شادیاں فرمائیں جن سے آپ کو ۱۲ صاحبزادے اور ۹ صاحبزادیاں عطا ہوئیں۔

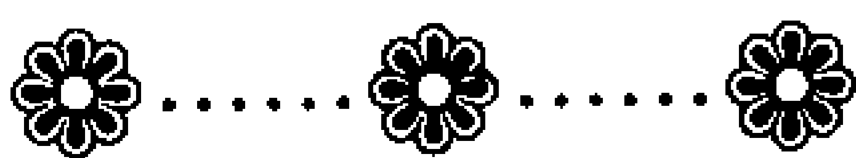
صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔

حضرت زید' حضرت حسن مثنیٰ' حضرت حسین اثرم' حضرت طلحہ' حضرت اسمٰعیل' حضرت حمزہ' حضرت یعقوب' حضرت عبداللہ' حضرت عبدالرحمٰن' حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت قاسم رضی اللہ عنہم

آپ کی پانچ صاحبزادیاں تھیں۔

امیر المومنین سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی نسل سیّدنا زید اور سیّدنا حسن مثنیٰ سے چلی۔

آپ نے اپنی پاکیزہ سیرت' روشن کردار' دلکش اطوار' دلوں میں اتر جانے والی شوکت گفتار' شفقت بے پایاں' رحمت فراواں' عفو بندہ نواز' لطف عالم پناہ' عبادت و پاکیزگی' امن وسلامتی' صلح وخیر اور صلہ رحمی کے نقوش صفحۂ ہستی پر ثبت کئے ہیں وہ ہمیشہ محبان آل رسول ﷺ کے دلوں کو جگمگاتے رہیں گے۔



نبیؐ کے لاڈلے تھے سب کے سب حسنِ خلافت تھے
فدا تھی جن پہ اُمت یہی جان امامت تھے
حضور پاک پر قربان تھے ہر پل تصرف تھے
یہی شمع ہدایت تھے یہی جانِ اقامت تھے

خلفائے راشدین خصائل عالیہ کے آئینے میں

خلفائے راشدین کی صفات حسنہ کا کیا کہنا۔ یہ تمام کے تمام آسمان رشد و ہدایت کے ستارے تھے۔ انہوں نے فقر و درویشی‘ استغناء اور محبت رسول ﷺ کو معیار حیات بنا کر زندگی گزاری۔ انہوں نے اپنے محبوب و محترم آقا ﷺ کو انتہائی قریب سے دیکھا۔ صرف دیکھا ہی نہیں آپ کے اسوۂ حسنہ کو کتاب نور جان کر اس پر عمل بھی کیا تھا۔ یہ حضور ﷺ کی جلوہ کاریوں میں کھو گئے اور انہوں نے علمی و عملی اور فکری و نظریاتی رنگ میں خود کو اس طرح رنگ لیا تھا کہ خود اسوۂ رسول ﷺ کی چلتی پھرتی نورانی تصویریں نظر آتے تھے۔ اب ہم بڑے اختصار کے ساتھ خلفائے راشدین کی ایمان آفریں اداؤں کی ایک جھلک دکھاتے ہیں۔

خلیفۂ اوّل سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو بلند اخلاق‘ شورائی اور حکومتی نظام قائم کیا تھا دوسرے خلفائے راشدین بھی اس پر عمل پیرا رہے۔ تمام خلفائے راشدین اس حقیقت سے بہرہ ور تھے کہ اسلام اور اسلامی حکومت میں دین کا حکم یہ ہے کہ جب تک خلیفہ قرآن حکیم کے احکامات اور سنت رسول ﷺ کی پوری پابندی کرتا رہے‘ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری واجب ہے۔ مگر جب وہ آئین اسلام سے منحرف ہو جائے تو اسے خلافت پر متمکن رہنے کا کوئی حق نہیں۔ اس امر کی وضاحت خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سریر آرائے خلافت ہوتے ہی اپنے اولین خطبہ میں

صاف صاف الفاظ میں کردی تھی کہ جب تک میں خُدا اور خُدا کے رسول ﷺ کی اطاعت کروں میری اطاعت تم پر واجب ہے' اور اگر ان کی نافرمانی کروں تو تم پر میرے احکام کی تعمیل فرض نہیں۔ پہلے چار خلفاء کے دور خلافت میں چونکہ نظام سلطنت صحیح معنوں میں قرآن وسنت کے تابع تھا اور حکومت کی دستوری روح عین اس طرح قائم رہی جیسے دور رسالت میں تھی۔ بدیں وجہ اسے خلفائے راشدین کا عہد کہتے ہیں۔ یہ عہد چند خصوصیات کا حامل تھا جن کا اجمالی جائزہ حسب ذیل ہے۔

خلافت راشدہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ایک جمہوری اور شورائی نظام سے عبارت تھی اور حکومت کے جملہ شعبہ جات میں مشاورت کی روح کارفرما تھی۔ خلیفہ کا انتخاب اکابر صحابہ اور عوام کی رضامندی سے عمل میں آتا تھا۔ خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب ایک جمہوری طریقے سے سقیفہ بنی ساعدہ میں باہمی مشاورت اور بحث وتمحیص کے بعد ہوا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بطور خلیفہ نامزدگی سے قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تمام اکابر صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور سب نے حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس پر اتفاق کیا۔ گو چند ایک صحابہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نامزدگی پر اعتراض کیا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مناسب جواب سے ان کی تسلی کردی۔ بعدازیں مسجد نبوی ﷺ میں عام بیعت لی اور سب نے اسے منظور کیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتخاب اکابر صحابہ کی کمیٹی نے مدینہ منورہ کے تمام افراد سے مشورہ کر کے کیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا بوجھ سنبھالنے کے لئے جب مہاجرین وانصار کے چند بزرگوں نے آپ سے درخواست کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو اہل شوریٰ اور اہل بدر کا کام ہے۔ جس کو اہل شوریٰ اور

اہل بدر خلیفہ بنانا چاہیں گے وہی خلیفہ ہوگا۔ اسلام کے نظام انتخاب کی یہ کتنی واضح اور عمدہ وضاحت تھی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد تک خلافت ایک انتخابی منصب رہا۔ مسلمان اپنی مرضی سے اپنے میں سے بہترین شخص کو خلیفہ منتخب کرتے۔ کوئی شخص بیجا طریق سے امت پر مسلط نہ ہوسکتا تھا۔ خلیفہ کے علاوہ عہد فاروقی میں صوبوں کے والی اور حکام بھی ملت سے مشورہ کے بعد مقرر کیے جاتے تھے۔ اگر کسی علاقہ کے لوگ کسی حاکم کو ناپسند کرتے تو اسے فوراً وہاں سے تبدیل کر دیا جاتا تھا۔

خلفاء کا بلند کردار

کسی ریاست کا دستور اور قانون کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو اگر اس کے سربراہ اور عمال سیرت و کردار کی خوبیوں سے عاری ہوں تو وہ ریاست عوام کی کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتی۔ اس حیثیت سے جب ہم خلافت راشدہ کے دور کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس دور کی خوبیوں اور برکتوں کا سرچشمہ صرف اسلامی ریاست کا قانون اور دستور ہی نہ تھا بلکہ خلفاء کا بے داغ اور مثالی کردار بھی تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آرزو کیا کرتے تھے کہ کاش وہ حکومت کی ذمہ داریوں سے آزاد ہوتے۔ آپ کی سیرت کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی پر زیادتی نہ کی اور نہ کبھی کسی کو دکھ پہنچایا اور جابر سے مظلوم کا حق دلوانے میں کبھی گریز سے کام نہ لیا۔ خدمت خلق کا یہ عالم تھا کہ خلیفہ بننے کے بعد بھی مدینے کی بیواؤں کا سودا سلف لا کر دیتے اور ان کی بکریوں کا دودھ دوھ دیا کرتے تھے۔ تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ خلافت کی ہمہ وقت خدمت کے باوجود کسی قسم کا کوئی معاوضہ لینے پر تیار نہ ہوئے اور جب بڑی مشکل سے تیار ہوئے بھی تو وصال کے وقت اپنا مال بیچ کر وہ ساری رقم بیت المال میں جمع کروا دی۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے کردار اور انکساری کی وہ مثال قائم

کی کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ نمود و نمائش اور شان و شوکت کے قائل نہ تھے۔ خلیفہ ہونے کے باوجود شاہانہ جاہ و جلال نام کو نہ تھا۔ عام لوگوں کی طرح سادہ زندگی بسر کرتے اور بغیر کسی رکھ رکھاؤ کے سب سے ملتے جلتے۔ بسا اوقات زمین پر سوتے اور پیدل پھرا کرتے۔ لباس کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ کپڑوں میں پیوند لگے ہوتے۔ آپ کا مقولہ تھا کہ عمدہ اخلاق کی تعلیم باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے دی جاتی ہے۔ آپ کا یہ بھی فرمان ہے کہ اگر خلافت کے فرائض اور خدمت خلق اس طرح انجام دے سکوں کہ لوگ آرام سے گھروں میں سوئیں تو یہ میری خوش قسمتی اور سعادت ہے اور اگر لوگ میرے دروازے پر آنے پر مجبور ہو جائیں تو وہ میری اپنی بدقسمتی ہے۔ اس طرح دن بھر خدمت خلق اور امور سلطنت کی انجام دہی میں مصروف رہنے کے علاوہ اپنی راتیں عبادت میں گذار دیتے اور کہتے کہ اگر میں دن میں غافل ہو جاؤں تو امت تباہ ہو جائے اور اگر میں رات کو غافل ہو جاؤں تو میں تباہ ہو جاؤں۔ ایک مرتبہ جب آپ کی بیٹی نے اہل و عیال کو آرام پہنچانے کی خاطر بیت المال سے ان پر خرچ کرنے کے لئے کہا تو آپ نے فرمایا کہ اے بیٹی! تو نے اپنی قوم کے ساتھ خیر خواہی کی لیکن اپنے باپ کے ساتھ بدخواہی کی ہے۔ آپ کا یہ مثالی کردار دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ نے اپنے بعد آنے والوں کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جود و دہش، شرم و حیا، اخلاص و الفت اور صلہ رحمی و خیر خواہی میں ممتاز تھے۔ اسلام کی سر بلندی اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے آپ اپنی دولت بے دریغ خرچ کرتے تھے۔ مسلمانوں کی جان و مال و عزت و آبرو آپ کے نزدیک اس قدر محترم تھی کہ جب باغیوں نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو آپ کے خیر خواہوں نے باغیوں سے جنگ کرنے کی اجازت چاہی لیکن آپ نے صرف اس لئے انکار کر دیا کہ اس سے مسلمانوں میں خون ریزی ہو گی۔

چوتھے خلیفہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سادگی، فقر و فاقہ، خدا ترسی اور ایثار خلق کا پیکر تھے۔ آپ نے اپنی ہر صلاحیت اور طاقت کو امت کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ تمام خلفائے راشدین نے اپنی ذاتی بلندیوں، اعلیٰ صلاحیتوں سے اسلام اور مسلمانوں کی بے لوث خدمت کی بدولت امت کا اعتماد حاصل کیا۔ خلافت راشدہ کے دور میں جو بھی خوبیاں نظر آتی ہیں، ان کے فروغ میں خلفائے راشدین کے بلند اخلاق و سیرت کو بہت دخل حاصل ہے۔ خلافت راشدہ میں آج ہمیں جو خصوصیات نظر آتی ہیں، وہ نہ صرف اس کے چلانے والے بے داغ سیرت و کردار کے مالک سربراہوں کی بدولت ہیں۔ جن کی زندگی کا نصب العین دین کی بے لوث خدمت اور عوام کی فلاح و بہبود تھا۔ ان کی یہ سب سے بڑی خواہش تھی کہ ملک میں امن و امان اور خوشحالی کا دَور دَورہ ہو۔

خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسند خلافت پر متمکن ہوتے ہی مسلمانوں سے کہہ دیا تھا کہ اگر میں فلاح و بہبود کے کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر غلط روی اختیار کروں تو مجھے سیدھے راستے پر ڈال دینا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبۂ خلافت میں فرمایا کہ میں اس شخص کو زیادہ پسند کروں گا جو مجھے میرے عیبوں اور کمزوریوں سے آگاہ کرے۔ چنانچہ بسا اوقات بھرے مجمع میں عام لوگ انہیں کھلم کھلا ٹوکا کرتے اور ان کے ذاتی اور سرکاری معاملات کا محاسبہ کیا کرتے تھے۔ ان کے دربار میں کوئی دربان یا چپڑاسی متعین نہ تھا۔ ہر شخص بلا روک ٹوک خلیفہ کے حضور پیش ہو سکتا تھا۔ صوبوں کے عمال اور حکام کو بھی یہی تاکید تھی کہ دروازے پر کوئی دربان نہ رکھیں اور عوام سے دور نہ رہیں۔ حج کے موقع پر سب اعمال کو مکہ میں جمع ہونے کا حکم تھا، جہاں اعلان کیا جاتا کہ جس شخص کو کسی عامل کے خلاف شکایت ہو، بلا جھجک پیش کرے۔ ہر شکایت کی تحقیق کی جاتی اور قصور وار عامل کو مجمع عام میں سزا دی جاتی اور

عہدہ سے معزول کر دیا جاتا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف سبائی فرقہ نے بیشمار جھوٹے اور بے بنیاد الزامات عائد کئے۔ اگرچہ اکابر صحابہ نے مشورہ دیا کہ ان لوگوں کا مقصد من گھڑت الزامات لگا کر آپ کو خلافت سے علیحدہ کرنا ہے' اور ان فتنہ پردازوں کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیے' لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بغیر شرعی حد کے کسی کو قتل کرنا مناسب نہ سمجھا' بلکہ جمہوری روح کو قائم رکھتے ہوئے ان باغیوں کے وفد کو بلا کر ان کی شکایات سنیں اور ہر ایک الزام کا مفصل اور مدلل جواب دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عہد خلافت اگرچہ زیادہ تر خانہ جنگیوں میں گزرا' تاہم انہوں نے بھی جمہوری اور شورائی نظام کو قائم رکھا' عمال کی سخت نگرانی اور احتساب فرماتے رہے' نیز عوام کی شکایت کو کبھی نظر انداز نہ کیا۔

جمہوری نظام کے استحکام کے لئے خلافت راشدہ کے دور میں تمام شہریوں کو نہ صرف بنیادی حقوق حاصل تھے بلکہ ان کی شخصی و سیاسی آزادی کا پورا پورا تحفظ کیا جاتا تھا۔ اس ضمن میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی امتیاز روا نہ رکھا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول تھا کہ میں کسی شخص کو یہ موقع نہ دوں گا کہ کسی کی حق تلفی یا کسی پر زیادتی کر سکے۔ خلافت راشدہ کے مثالی نظام میں عدل و انصاف کے تقاضے پورے کئے بغیر کسی کو اس کے شخصی حقوق اور آزادی سے محروم نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حتیٰ کہ ایسے شخص کی بھی آزادی سلب نہ کی جاتی جو نظریاتی طور پر حکومت کا باغی ہو لیکن عملاً بغاوت نہ کر رہا ہو۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عدل و انصاف کا تقاضا پورا کئے بغیر باغیوں کا قتل گوارا نہ کیا' حالانکہ وہ خود اس اصول کی پاداش میں شہید ہو گئے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خوارج کو کہلا بھیجا تھا کہ تم کو آزادی حاصل ہے جہاں رہو۔ البتہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ طے شدہ معاہدہ ہے کہ ناجائز طور پر کسی کا خون نہ بہاؤ

گئے' امن وامان کو تباہ نہ کرو گے اور کسی پر بے جا ظلم نہ ڈھاؤ گے۔ اگر ان باتوں میں تم سے بدعہدی کا ارتکاب ہوا تو پھر میں تمہارے خلاف جنگ کروں گا۔

فلاحی ریاست کا تصور

خلافت راشدہ درحقیقت ایک معیاری اور فلاحی نظام حکومت کی مظہر تھی۔ اس کا نصب العین محض ملک کو داخلی انتشار یا خارجی حملوں سے محفوظ کرنا ہی نہ تھا بلکہ عوام کی حقیقی فلاح و بہبود اور ان کے لئے امن وراحت کی فراہمی بھی تھا۔ اسی مقصد کے تحت تمام خلفائے راشدین نے ہمیشہ عوام کی اصلاح وفلاح' عدل وانصاف اور ریاست کی ترقی اور خوشحالی کو ملحوظِ خاطر رکھا۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ خُدا کے نزدیک سب سے زیادہ خوش نصیب وہ حاکم ہے جس کے ذریعہ اس کی رعایا خوشحال ہو' اور سب سے بدبخت وہ حاکم ہے جس کے سبب اس کی رعایا بدحال ہو۔

عمال کو یہ بھی ہدایت تھی کہ اپنے دیگر فرائض کے ساتھ ساتھ لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم دیں تاکہ عوام کی فلاح کا صحیح اسلامی تصور اجاگر ہو' اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بھی ترویج ہو کہ اس طرح ریاست اصلاح وفلاح دینے والی تمام کوششوں کی حوصلہ افزائی کر سکے اور برائیوں کا تدارک ہو۔ یہ اسی جذبۂ خلوص کا نتیجہ تھا کہ لوگوں کی خانگی زندگی اسلامی اصولوں کے عین مطابق تھی اور ہر مسلمان تعلیم نبوی کا صحیح نمونہ تھا۔ چنانچہ اس دور میں جہاں جہاں بھی مسلمان گئے ان کے اعلیٰ اخلاق سے مزین قابل رشک زندگی اور ان کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر غیر مسلم کثیر تعداد میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ خلافت راشدہ کی فلاحی ریاست کا مالی انحصار بیت المال پر تھا جو عوام کا خزانہ تھا اور جس کے انتظام وانصرام کے لئے دیانتدار اور تعلیم یافتہ صحابہ کو مقرر کیا جاتا تھا۔ خلیفہ کو بیت المال پر آزادانہ تصرف کا اختیار نہ تھا' وہ اس کو صرف احکام شریعت کے

مطابق خرچ کر سکتا تھا۔ اسے اپنی مرضی سے اپنی ذات پر اور نہ دوسروں کے لئے خرچ کرنے کا حق حاصل تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیت المال کی حفاظت یتیم کے مال کی طرح کرتے تھے اور اسے سب مسلمانوں کی امانت سمجھتے تھے۔ خلیفہ ہونے کے باوجود اپنی ذاتی ضرورت کے لئے بھی بیت المال سے دستور کے خلاف ایک پائی بھی زیادہ نہ لیتے تھے۔ یہی حال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ جو بیت المال سے بغیر حق کے نہ تو کچھ لیتے اور نہ یہ کسی دوست یا رشتہ دار کو دیتے۔

بیت المال میں ملک کے تمام ٹیکسوں کی رقم اور زکوٰۃ صدقات وغیرہ کی رقوم جمع ہوتی تھیں اور اس میں سے تمام مستحق، نادار اور محتاجوں کو باقاعدہ وظیفے ان کی ضرورتوں کو پیش نظر رکھ کر مقرر کئے جاتے تھے۔ یتیموں اور بیواؤں اور لاوارث بچوں کا خاص خیال رکھا جاتا تھا اور ریاست ان کو گھر بیٹھے ان کے مقررہ وظائف پہنچانے کا انتظام بھی کرتی۔ نو مولود کا وظیفہ روز پیدائش سے ہی جاری ہو جاتا۔ خلافت راشدہ کی فلاحی ریاست کی یہ بہت بڑی خصوصیت تھی کہ اس نے ناداری، مفلسی اور پریشان حالی کا قلع قمع کر کے رکھ دیا۔ خلافت راشدہ ایک خالص عوامی حکومت تھی جس کا بنیادی مقصد عوام کی فلاح و بہبود تھا۔ یہ نہ تو شخصی حکومت تھی اور نہ اس کے دور میں بیت المال شخصی ملکیت تھا۔ خلافت راشدہ کے بعد اموی دور اقتدار میں جب بیت المال حاکم وقت کی ذاتی ملکیت بنا تو نہ صرف اسلامی فلاحی ریاست کی روح فوت ہو گئی بلکہ اس کے ساتھ ہی جمہوری اور شورائی نظام کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

یہ خلفائے اسلام کیسا عظیم الشان کردار پیش کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ گم ہو گئی ہے، بالآخر ایک یہودی کے پاس سے مل گئی جو اسے فروخت کر رہا تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ امیر المومنین ہو کر بھی از خود کوئی کاروائی نہیں کرتے بلکہ اسے قاضی القضاۃ کے پاس لے جاتے ہیں۔ عدالت لگتی ہے۔ قاضی گواہ طلب کرتا ہے تو

حضرت علی رضی اللہ عنہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو پیش کرتے ہیں۔ قاضی کہتا ہے کہ یہ تو آپ کا بیٹا ہے۔ آپ غلام کو پیش کرتے ہیں تو قاضی کہتا کہ یہ تو آپ کا غلام ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اور کوئی گواہ پیش نہیں کرنا۔ قانون کے مطابق آپ یہ زرہ اس یہودی کو دے دیں۔ یہودی زرہ لے لیتا ہے اور پھر کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیتا ہے کہ جس دین کے قانون میں رعایا کو خلیفۃ المسلمین پر فوقیت دی جا رہی ہو اس سے بڑھ کر اور کوئی دین عام انسانوں کا رکھوالا نہیں ہو سکتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ امین امت تھے اور مسلمانوں کی امانت یعنی بیت المال کا بے حد خیال رکھتے۔ ہر قسم کی تکلیفیں سہہ لیتے لیکن اپنے حق سے زیادہ ایک حبہ بیت المال سے لینا حرام سمجھتے۔ ایک پھٹی پرانی چادر رکھتے تھے جو مدینہ منورہ سے کوفہ لائے تھے۔ ایک مرتبہ تیز سردی میں بدن کانپ رہا تھا۔ ایک شخص نے عرض کیا: امیر المومنین! بیت المال میں آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا بھی حق ہے' آپ اپنے اوپر اتنی تکلیف کیوں اٹھاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "میں تمہارے حصے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یعنی اگر میں اپنے حصہ سے زیادہ لوں تو دوسرے مسلمانوں کی حق تلفی ہوتی ہے"۔

آپ کی تکلیفیں دیکھ کر ایک مرتبہ آپ کے غلام قنبر نے بیت المال سے آپ کے لئے سونے چاندی کے کچھ برتن علیحدہ کر دیئے۔ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے اس کی فہمائش کرتے ہوئے کہا: تیری ماں تجھ پر روئے' تو میرے گھر کو اتنی بڑی آگ میں دھکیلنا چاہتا تھا۔ اور اسی وقت کل برتن تول تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے۔ یہاں تک کہ جب ابن ملجم آپ پر قاتلانہ وار کرتا ہے تو آپ بیٹوں سے کہتے ہیں۔ جب تک میں زندہ ہوں اسے اچھا پلاؤ' اچھا کھلاؤ' اسے پورے سکون سے رکھو' اگر میں بچ گیا تو خود فیصلہ کروں گا اور اگر میں شہید ہو گیا تو اسے میرے پاس پہنچا دینا وہاں رب العلمین خود فیصلہ فرما دے گا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بدری صحابہ اور اہل مدینہ بیعت کر کے آپ کو امیر المومنین منتخب کر لیتے ہیں تو ذہن وفکر میں ایک لحہ کے لئے غرور نے جگہ نہیں بنائی بلکہ آپ تو اس سلطنت سے دستبردار ہونے کی سوچ رہے ہیں۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے لشکر آمنے سامنے ہوئے اور جنگ کے بجائے صلح کا پرچم لہرایا گیا تو آپ فوراً سلطنت سے دستبردار ہو گئے۔ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام دیکھا تھا' اس موقع پر آپ کو اپنے نانا جان ﷺ کی یہ حدیث مقدسہ یاد تھی کہ

''میرا یہ بیٹا دو بڑے فریقوں کے درمیان زبردست خونریزی کو روکے گا''۔

اور ایسا ہی ہوا۔ آپ نے تخت وتاج سے محبت نہیں کی بلکہ اپنے نانا جان ﷺ کے حکم کی تعمیل کر دی۔ یہ وہ غازیان صف شکن تھے جنہوں نے ضبط نفس کے کوڑے سے اپنی خواہشات کے گھوڑے کو بے لگام ہونے سے روکے رکھا اور ہر حال میں اپنی رعایا کے لئے ایک ایک لحہ گزارتے رہے۔ ایسے ہی غازیان ایمان کے بارے میں اقبال نے کہا تھا۔

نگاہِ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو امیدیں خُدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وصال انور ہو گیا اور لوگوں نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تو انہوں نے جو پہلا خطبہ دیا وہ یہی تھا۔

لوگو! کل تم سے ایک ایسا شخص بچھڑا ہے کہ نہ اگلے اس سے بڑھ سکے نہ پچھلے اس کو پا سکیں گے۔ رسول اللہ ﷺ غزوات میں اسے اپنا علم عطا فرما کر بھیجا کرتے

تھے۔وہ کسی جنگ میں کبھی ناکام نہ لوٹا۔میکائیل' جبرائیل' دائیں بائیں اس کے جلو میں ہوتے تھے۔اس نے سات سو درہم کے علاوہ جو اس کی تنخواہ سے بچ رہے تھے' سونے چاندی کا ایک ذرہ نہیں چھوڑا۔یہ درہم بھی ایک غلام خریدنے کے لئے جمع کئے تھے"۔

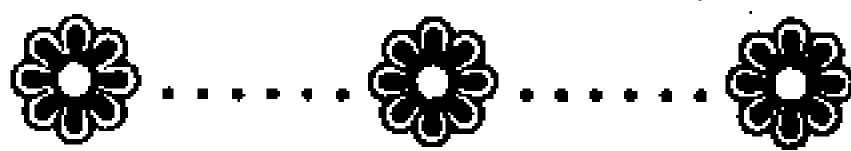
یہی تھے امیرالمومنین' خلیفۃ المسلمین' شوہر بتول' داماد رسول' شاہ بوتراب' خلیفہ عالی جناب' شب و روز عبادت میں گزارنے والے' گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سواری کرنے والے بہادر' شجاع' شمع حفظ قرآن والحدیث' فاتح خیبر' قاتل مرحب' جانثار مصطفیٰ' والد حسین و حسن مجتبیٰ' عشق و سرمستی کے سالار' دنیائے فقر کے تاجدار یعنی

اسد اللہ الغالب

سیّدنا علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ)

علامہ اقبال کی آئیڈیل شخصیت جن کے بارے میں انہوں نے بہت سے مقامات پر انہیں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

نہ ستیزہ گاہ جہاں نئی' نہ حریف پنجہ فگن نئے
وہی فطرت اسد اللہی' وہی مرحبی وہی عنتری
تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری
مسلم اول شہ مرداں علی
عشق را سرمایۂ ایماں علی
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے دل مرتضیٰ' سوز صدیق دے
مرے عشق کو پر لگا کر اڑا میری خاک جگنو بنا کر اڑا



خلفائے راشدین کی بارگاہ میں شعراء کا ارمغانِ عقیدت

صاحبِ تدبیر انساں' جانشینانِ نبیؐ
رہنمائے بزمِ ہستی' جانِ جاں' جانِ نبیؐ
کر گئے وہ پیش اُسوہ سرورِؐ کونین کا
فکر اُن کی ضوفشاں' ذکر تھا شانِ نبیؐ
تربیت ان کی یوں فرمائی شہِ کونین نے
اُمّتِ اسلام کی خاطر تھے احسانِ نبیؐ
تھے عمرؓ، یا بوبکرؓ، عثمانؓ، علیؓ تھے یا حسنؓ
ضوفگن تھے سب ہی مثلِ نور عرفانِ نبیؐ
یہ معنبر ارمغاں ہے ان کے ذکر پاک کا
اے رضا تھا جن پہ سایہ سرورؐ ذی شان کا

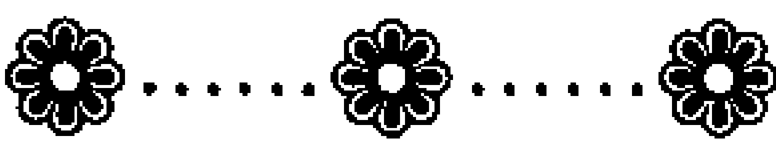
(مناقب)

خلفاء رسول معظّم صلی اللہ علیہ وسلم

سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

صدیق وہ نگاہِ پیمبر کا انتخاب
جس کو نصیب شانِ حضوری ہے تاابد
اس کا وجود ملّت بیضا کا اعتبار
قول اس کا معتبر ہے، عمل اس کا مستند
تھے مال و جاں نثار رسالت مآب پر
طاعت کی مثل ہے، نہ سعادت کی کوئی حد
اس کے ثبات و عزم پر قربان جایئے
دینِ مُبیں پر آنے نہ دی جس نے کوئی زد
ترویجِ دینِ پاک میں سبقت وہ لے گیا
یکجا تھے اس میں نُورِ یقیں، جوہرِ خرد
حکمت سے ارتداد کا فتنہ کیا فرو
ہر کذب اس کے نورِ یقیں سے ہے مسترد
ملّت پھر ارتداد مسلسل میں ہے اسیر
یا رب! بحق حضرت صدیق المدد

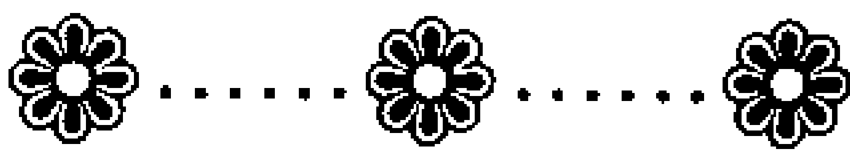
(پروفیسر حفیظ تائب)



حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

زہے عظمت و شانِ صدیق اکبر
خدا ہے ثنا خوانِ صدیقِ اکبر
محمد دل و جانِ صدیقِ اکبر
زہے دینِ و ایمانِ صدیقِ اکبر
رفاقت نبی کی دلیلِ خلافت
صداقت ہے برہانِ صدیقِ اکبر
رسالت کے انوار سے اللہ اللہ
منور شبستانِ صدیقِ اکبر
حبیبِ خدا کے وہ محبوب ٹھہرے
مزیّن ہے دامانِ صدیقِ اکبر
کوئی معرفت آشنا ہو تو جانے
کمالاتِ عرفانِ صدیقِ اکبر
تمام آل و اصحابِ فکرِ رسولاں
محبانِ ذی شانِ صدیقِ اکبر
عزیز ثنا خواں بھی ہے ایک ادنیٰ
غلام غلامانِ صدیقِ اکبر

(عزیز حاصل پوری)



عظمت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی

ہے دلِ مسلم میں عظمت حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کی
ذات ہے شایانِ مدحت حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کی
انبیاء علیہم السلام کو چھوڑ کر، ہیں آپ سب کے رہنما
بعدِ احمد ﷺ ہے فضیلت حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کی
سرورِ دو کون ﷺ و خالق تک رسائی کے لئے
چاہیے ہم کو وساطت حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کی
آپ سرخیلِ "اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّار" تھے
نرم تھی گرچہ طبیعت حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کی
مُدّعی کاذِب نبوت کے ہوئے ہیں جس قدر
ان پہ دیکھی سب نے شدّت حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کی
قبر میں بھی آپ ساتھی ہیں رسول اللہ ﷺ کے
دیکھئے شانِ رفاقت حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کی
آپ ہیں طاعت گزارِ سرورِ کون و مکاں ﷺ
فرض ہے ہم پر اطاعت حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کی
تھے مُصدِّق بھی تو پہلے آپ ہی سرکار ﷺ کے
اوّلیں گر ہے خلافت حضرتِ صدیق رضی اللہ عنہ کی

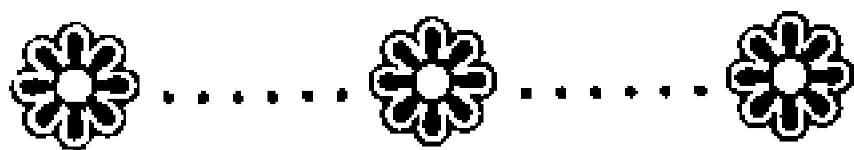
(راجا رشید محمود)



اصحاب میں نہیں کوئی صدیق رضی اللہ عنہ کا جواب

اِس بات میں نہیں مجھے عابد کوئی کلام
میرے نبیؐ کے بعد ہے صدیق کا مقام
ہوں کتنا خوش نصیب کہ ہیں مصطفیٰؐ کے بعد
صدیق میرے رہبر و مرشد و امام
قدموں میں میرے کیوں نہ ہو فرِ شہنشہی
سو جان سے ہوں حضرتِ صدیق کا غلام
وہ پاسبانِ ختمِ نبوت، وہ یارِ غار
قائم ہے جس کے صدق سے کونین کا نظام
جس نے خدا کی راہ میں سب کچھ لٹا دیا
مولائے کائنات کو تھا جس کا احترام
آساں تھا جس پہ جیشِ اُسامہ کا مرحلہ
اُس جانشینِ سرورِ کونین پر سلام
اِس فخر پر زمانے کی سب عظمتیں نثار
اپنی جگہ نبیؐ نے بنایا انہیں امام
جس دل میں ہے محبتِ صدیق جاگزیں
واللہ اس پہ آتشِ دوزخ ہوئی حرام
چاہو اگر کہ دُور ہوں ملّت کی مشکلات
نافذ کرو خلافتِ صدیق کا نظام

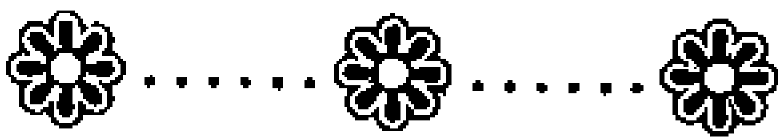
(خواجہ عابد نظامی)



حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرتِ صدیق اکبرؓ جاں نثارِ مصطفیٰ
مرتبہ دانِ نبوت' یارِ غارِ مصطفیٰ
صاحبِ صدق و یقیں الفت شعارِ مصطفیٰ
عاشقِ صادق' بہر پہلو نثارِ مصطفیٰ
ہاں وہی صدیقِ اکبرؓ شرحِ عشقِ مصطفیٰ
کرسکی نہ موت بھی سرکار سے جس کو جُدا
حضرتِ صدیقِ اکبر مرتبہ دانِ نبی
تابعِ حکمِ محمدؐ زیرِ فرمانِ نبی
وُہ ندائے عظمت و ناموسِ ایوانِ نبی
سب سے پہلے جس نے پایا ذوقِ عرفانِ نبی
آسماں پر گرچہ ہیں لاکھوں ستارے ضوفشاں
ہیں مگر صدیق کی ان سے فزوں تر نیکیاں
نائبِ اوّل' شہِ ہر دوسرا کے جانشیں
محرمِ اسرارِ فطرت وُہ امیرالمومنین
زندگی بھر وُہ رہے سرکارِ والا کے قریں
مظہرِ علم و عمل' وہ پیکرِ علم الیقیں
پیکرِ حق و صداقت' اہلِ دل کا راہبر
اہلِ ایماں کو عطا جس نے کیا ذوقِ نظر

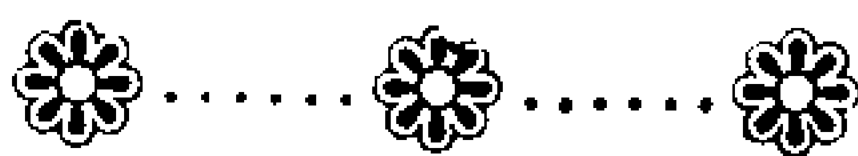
(محمد اکرم رضا)



حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

عشق میرا سرمایہ تھا
جس کو چُومتا رہتا تھا
تیری سیرت رہبر تھی
تیرا نام سنہرا تھا
تیری عزت دل میں تھی
سورج بن کر چمکا تھا
تیری منزل، منزل تھی
تیرا رستہ، رستہ تھا
تیرے عشق کی بات کروں
میری سوچ سے اُونچا تھا
تُو نے نُور کے پیکر کو
کتنے پاس سے دیکھا تھا
سچ کی خوب گواہی دی
یہ اعزاز بھی تیرا تھا
یہ معیار محبت کا
کب دُنیا نے دیکھا تھا

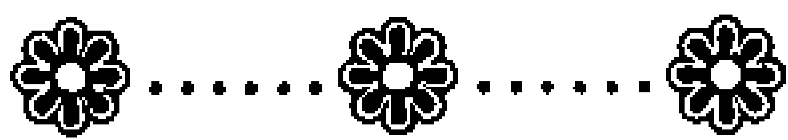
(محمد اقبال نجمی)



حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

نہ وہ غنچوں کی رنگت ہے، نہ شاخ گل کے وہ سائے
گلستانِ جہاں میں آج صدہا خار اگ آئے
زمانہ منتظر ہے آج اس مردِ مسلماں کا
جو ظلم و جور کے مارے ہوؤں پر لطف فرمائے
یہ دنیا ڈھونڈتی ہے آج ایسا پاسباں اپنا
جو دے اس وقت پہرا اُٹھ کے جب یہ دہر سو جائے
قدم انصاف کی مسند پہ رکھے جب تو یوں رکھے
کہ بدلہ مصر کے عامل سے اک نادار پا جائے
مساواتِ بشر کا جس کے دل میں ہو خیال اتنا
قصاص اک مفلس و نادار کو شاہوں سے دلوانے
علالت میں ذرا سے شہد کی جب آ پڑے حاجت
تو لوگوں کو اکٹھا کرکے استفسار فرمائے
ہو اتنا بے تکلف، لیٹ جائے صحنِ مسجد میں
مگر کسریٰ کا خادم اس کو دیکھے تو لرز جائے
کوئی دیکھے جو اس کا گھر تو ساماں ہو نہ کھانے کا
اُٹھے کشور کشائی کو تو نصرت سر کے بل آئے
جہاں کو مل سکے ایسا ہی کوئی راہبر نازش
کوئی اے کاش پھر فاروقیت کی شان دکھلائے

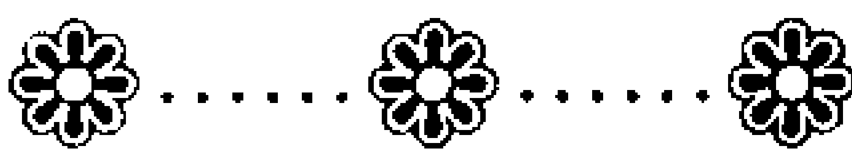
(نازش پرتاب گڑھی)



حضرت سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

صدیقؓ آفتاب، عمرؓ ماہتاب ہے
عثمانؓ حیا کی جان، علیؓ بُوتراب ہے
اللہ رے فراستِ مومن کا ارتقا
رائے عمرؓ مطابقِ و کتاب ہے
جس دل میں جتنی کھوٹ ہے، جس ذہن میں فساد
اتنا ہی اس طرف سے اسے اجتناب ہے
فاروقؓ جا رہے ہیں مدینہ سے سُوئے شام
اس شان سے کہ فتح و ظفر ہم رکاب ہے
خادم سوار اور خلیفہ پیادہ پا
اس حسنِ سادگی کا بھلا کیا جواب ہے
وُہ زندگی کہ جس پہ فرشتوں کو رشک آئے
اور اس پہ آخرت کا غم بے حساب ہے
ماہر رہے گی سطوتِ فاروقؓ شمعِ راہ
جب تک جہاں میں کشمکشِ انقلاب ہے

(ماہرالقادری)



حضرت سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

مرادِ سرور ہر دوسرا' فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ہیں
غلامانِ نبی کے رہنما' فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ہیں

جو بعدِ احمدؐ مرسل نبی ہوتا' عمر ہوتے
وُہ مردِ محترم' وُہ باصفا' فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ہیں

وہ اک شمشیر برّاں بہرِ اعدائے شہِ والا
وقار آدمیت کی ادا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ہیں

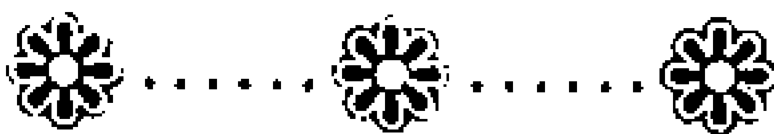
وُہ جن کو دیکھ کر ابلیس کو بھی خوف آتا تھا
بہادر شیر دل' شمع ہدیٰ' فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ہیں

تھے جن کے نام کی عظمت سے لرزاں قیصر و کسریٰ
شہِ بزمِ دو عالم کی دُعا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ہیں

امیرالمومنین وُہ ملّتِ اسلام کے رہبر
جمالِ دیں' فخرِ اتقیا' فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ہیں

رضاؔ جس سے ملی تابندگی سارے زمانے کو
اس شمعِ عقیدت کی ضیا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ہیں

(محمد اکرم رضا)



حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

اس عمرؓ فاروقِ اعظم کی ثناء خوانی کروں
جس کے آگے سطوتِ سیفِ الٰہی بھی سرنگوں
اس کے ہونٹ میں مسیحائی ہے' آنکھوں میں شفاء
اس کو بخشی کبریا نے دولتِ سوزِ دُروں
وُہ شہنشاہِ شہیداں' وہ امامِ عاشقاں
سالکانِ منزلِ حیرت کا میرِ کارواں
خود کو شمشیرِ برہنہ جو رسالت کی کہے
وُہ پنہ گاہ یتیماں' وُہ خلیفہؑ بے کساں
فخر ہے اس کو اس کے مقدس نام پر
کیوں ہو' ہے داد خواہِ شکوہٗ جورِ بُتاں
وُہ زباں اور' کبھی حق سے جو روگرداں نہ ہو
آبروئے قاتلاں وُہ اعتبارِ عادلاں
تھے نبوت کے خصائص اس میں سارے ہُو بہُو
گر کوئی ہوتا نبیؐ بعدِ نبیؐ ہوتا وہی

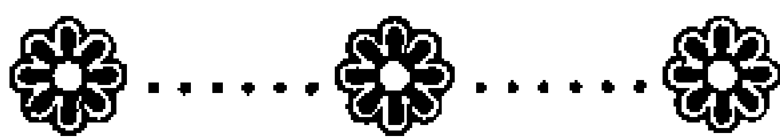
(عبدالعزیز خالد)



حضرت سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

جو سنت و کتاب سے لیتا ہے روشنی
وُہ صاحبِ نصاب لقب جس کا ہے غنی
کرتا ہے جو تکلف و بدعت سے احتراز
سینہ ہے جس کا سوختۂ حرفِ جاں گداز
دیتا ہے عاملوں کو امانت کا حکم جو
خوف و طمع کو عدل میں حائل نہ ہونے دو
حق جو عوام کا ہے بلا عذر ان کو دو
واجب ہے ان پہ جو اسے نرمی سے ان سے لو
اُشتر کے خط پہ طیش نہ کھائے جو بردبار
بیدار مغز ہے نہیں لیکن دماغ دار
جس کی نظر میں آنی و فانی ہے اقتدار
فکرِ مؤاخذہ جسے رکھتا ہے بے قرار
شاہد ہے اس پہ کوہِ اُحُد وہ شہید ہے
اس کے لئے بہشت بریں کی نوید ہے

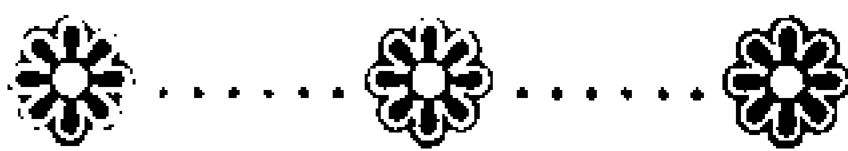
(عبدالعزیز خالد)



حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

مرحبا اے قائد اسلامیاں گردوں وقار
اے شہید شہر طیبہ اے شہِ گردوں وقار
نائبِ شاہ دو عالمؐ ملتِ حق کے امیر
تیرا اسوہ تیرا ہے کردار ہر دم تابدار
سر کٹا ڈالا مگر اسلام جھکنے نہ دیا
نام زندہ ہے ترا اے رہبر گردوں وقار
''جامع القرآن'' ہے تیرا لقب ہر دور میں
یہ لقب مٹ پائے گا نہ پیکرِ عالی وقار
تیری عظمت سے فروزاں ہر طرف ہے دینِ حق
مرحبا اے فخرِ ملّت' زندگی کے راز دار
تو غنی تھا تجھ سے ہوتے تھے ہزاروں فیض یاب
تو جو ملتا تھا نظر آتی تھی دنیا میں بہار
دین کو عزت عطا کی آپ قرباں ہوگئے
کر دیا زندہ جہاں میں حکم شاہ ذی وقار

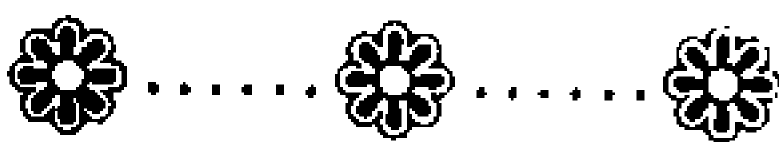
(حافظ مظہرالدین)



حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

کیا مرتبہ ہے حضرتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا
جنت ہے صلہ الفت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا
''ذوالنور'' صحابہ میں فقط ذات تھی ان کی
ہے راز یہی حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا
تھے جود و سخا میں بھی وہ مشہورِ زمانہ
چرچا تھا اگر دولتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا
اک لہجۂ قرآت پہ ہیں قرآن کے جامع
اعزاز ہے یہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا
لازم ہے مودّت بھی اسے آلِ نبی کی
دعویٰ ہو جسے نسبتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا
شاداں ہے رشید آلِ پیمبر کی رضا میں
رکھتا ہے شغف مدحتِ عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کا

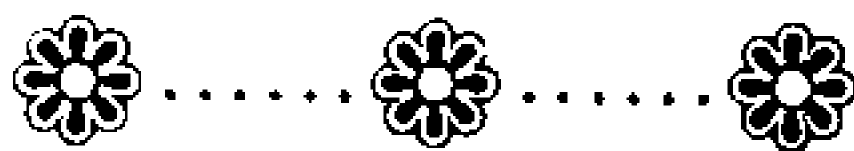
(رشید وارثی)



حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ

نُورِ ایماں کی حسین تنویر، عثمانِ غنی
سیرتِ سرکار کی تصویر، عثمانِ غنی
آپ تھے داماد سلطانِ دو عالمؐ مرحبا
عظمتِ ایمان کی توقیر عثمانِ غنی
صاحبِ جُود و سخا تھے، پیکر حلم و حیا
شوکتِ ایمان کی تدبیر عثمانِ غنی
آپ نے جنت لی اور دولت لٹائی آپ نے
قراتِ قرآن کی تاثیر عثمانِ غنی
شاہِ دو عالم کے پیارے، مظہر فکر و عمل
نُورِ حق کے خواب کی تعبیر عثمانِ غنی
آپ مظلومِ مدینہ تھے، شہادت مل گئی
جس کو پڑھ کر ہے جہاں دلگیر عثمانِ غنی
حاسدانِ مصطفیٰؐ کے دل میں کھبنے کے لئے
تھے قضا و قدر کا اک تیر عثمانِ غنی

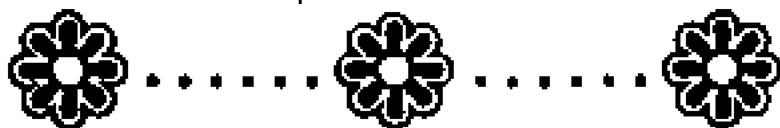
(محمد اکرم رضا)



سیّدنا علی رضی اللہ عنہ شیر خدا

فاتحِ خیبر علی المرتضیٰ حیدر خطاب
مسلم اوّل شہِ مردانِ حق عالی جناب
حاسدینِ سرور ہر دوسرا کے واسطے
پ کی شمشیرِ برّاں تھی مقدر کا عتاب
سرورِ کونین ہیں شہرِ علومِ کائنات
ہیں علی المرتضیٰ اس شہر کے پُرنور باب
ختم تھیں مولا علی پر فکر کی باریکیاں
زُہد وتقویٰ اور عبادت میں تھے آپ اپنا جواب
آپ کا ہر قول ہے شرحِ بیانِ زندگی
آپ کے قلبِ حسیں پر نقش تھی اُمّ الکتاب
آپ اپنوں کے لئے تھے رحمتِ حق کی دلیل
دشمنانِ دین کے حق میں تھے قدرت کا عتاب
آپ کے ذہن رسا کی عظمتوں کو دیکھ کر
ہونے لگتے تھے سبھی اہلِ تدبّر لاجواب
ہے رضاؔ خورشیدِ حبِ مصطفیٰ یوں ضوفگن
تاابد مٹ پائے گی جس کی نہ ہرگز آب وتاب

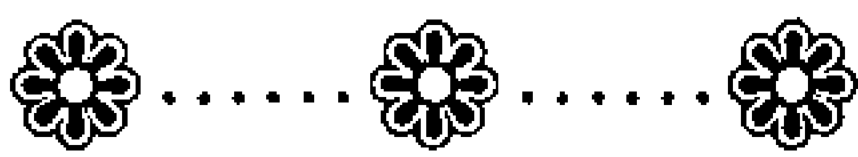
(محمد اکرم رضاؔ)



سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

اے نائبِ رسول و مولائے کائنات
ہستی ہے تیری نافۂ خوشبوئے التفات
اے بوتراب! تیرے گلستانِ فیض سے
اقصائے دو جہاں میں ہے خوشبوئے التفات
جانِ رسول و گلشنِ بنتِ اسد کے پھول
خوشبو سے تیری مشک بداماں ہیں شش جہات
پایا ہے تُو نے مسلمِ اوّل کا مرتبہ
جلوے ہیں تیرے روکشِ صبحِ تجلیات
قرباں تجھ پہ جرعۂ کوثر کی آرزو
تاباں ہے تیرے عشق سے معمورۂ حیات
آساں ہیں تیری یاد سے آلامِ روزگار
لرزاں ہیں تیرے نام کی ہیبت سے حادثات
ہے ناتواں رشید کی مولا یہ التجا
حل کر دے میری مشکلیں حلّالِ مشکلات

(رشید وارثی)



حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

سرورِ کل سے ہے نسبت حیدرِ کرار کی
اللہ اللہ ہے یہ عظمت حیدرِ کرار کی

مرقدِ پُرنور پر ہے اک ہجومِ اہلِ دل
مرجع عالم ہے تُربت حیدرِ کرار کی

حامی و ناصر ہے ان کا سرورِ کون و مکاں
حق بھی کرتا ہے حفاظت حیدرِ کرار کی

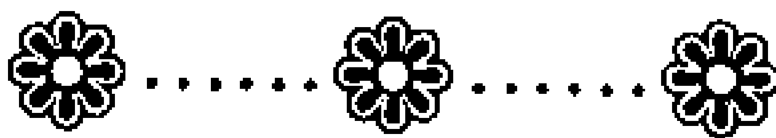
آتشِ دوزخ اسے ہرگز جلا سکتی نہیں
جس کے دل میں ہے محبت حیدرِ کرار کی

رزم گاہِ کُفر و ایماں میں جو چمکی ذوالفقار
چھا گئی ہر دل پہ ہیبت حیدرِ کرار کی

مصحفِ ناطق ہیں بابِ شہرِ علمِ مصطفیٰ
ہے مسلّم علم و حکمت حیدرِ کرار کی

اللہ اللہ قسمتِ خامہ کہاں چمکی قمر
لکھ رہا ہے آج مدحت حیدرِ کرار کی

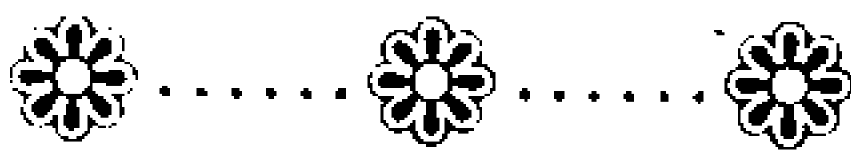
(قمر یزدانی)



حضرت امام حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ

ہم شبیہِ مصطفیٰ سردارِ جنت السّلام
شہسوار ناقہٗ دوشِ رسالت السّلام
پارہٗ جسمِ پیمبرؐ گلشنِ زہرا کے پھول
نافہٗ مشکِ امامت نزہتِ باغِ رسول
تو علی المرتضیٰ کا گوہرِ شب تاب ہے
ظلمتوں میں تیری ہستی صورتِ مہتاب ہے
اے امامِ عاشقاں عقدہ کشائے روزگار
تیری اُلفت ہے قسیمِ دولتِ صبر و قرار
تُو گروہِ اتقیا کا سرور و سالار ہے
حلقہٗ رُشد و ہدیٰ کا مرکزِ پرکار ہے
ہے تیرا ہتھیار شمشیرِ ثنائے کبریا
تیرا فیضِ عام ہے لطف و عطائے کبریا
وارثِ ہردوسرا کے سبطِ اکبر السّلام
سرورِ گلگوں قبا کے اے برادر! السّلام

(رشید وارثی)



سیّدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

بڑی شان دیکھی جنابِ حسن کی
عجب عظمتیں ہیں امامِ زمن کی
دل و جان سے ان کا ہو جائے جو بھی
نہ دیکھے گا صورت وہ رنج و محن کی
شہ دیں نے کندھے پہ اپنے بٹھایا
بڑھیں رفعتیں نازِ سرو سمن کی
جن آنکھوں کو چوما شہِ دو جہاں نے
نہیں ہے نظیر ایسے چشم اور تن کی
لیا آپ نے کام صلح و وفا سے
کہ پرنور ہو شان اس انجمن کی
صحابہ کی آنکھوں کا تارا حسن تھا
بڑی منزلت تھی وقارِ سخن کی
علی فاطمہ جس کے بچپن پہ واری
وہ سرمد ہے زینت جہاں کے چمن کی

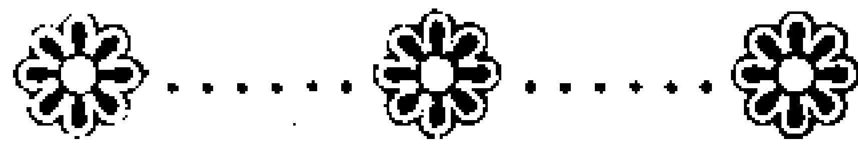
(حافظ منور حسین سرمد)



حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

بیٹا ہے فاطمہؓ کا نواسہ رسولؐ کا
جس نے بلند کر دیا رُتبہ اُصول کا
زندہ رہا جو امن کو پیہم قرار ہو
جو چاہتا تھا گلشن حق پر بہار ہو
نور نگاہ مرتضیٰؓ نُورِ یقیں تھا
اُمت کے جان و مال کا ہر پل امیں تھا
جس نے کی صُلح ہر طرف رحمت کا نور ہو
حلم و حیاء کہ رحمتِ ربِّ غفور ہو
ہر آن جس پہ عظمتِ افلاک کو ہے ناز
روشن تھے جس کے قلب پہ انسانیت کے راز
کتنا بڑا ہے کام حکومت کو چھوڑنا
کتنی ہے شان جاہِ خلافت کو چھوڑنا
پرچم بلندیوں پہ ہے اس کے وقار کا
بزمِ جہاں میں آپ جو اپنی مثال تھا

(محمد معظم رضا)



حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

مرحبا پیارے نبی کے سیّد والا مقام
بزمِ ہستی میں بلندی پر تیرا دیکھا نظام
تُو نبی کا لاڈلا تھا اور علیؓ کا نُور تھا
ساری دُنیا تاابد تُجھ کو کہے گی السلام
ہر گھڑی ہر آن تجھ پر فخر کرتا ہے جہاں
وقت تھا کہ تیرے ہاتھوں میں تھی ملت کی زمام
امنِ عالم کے لئے تھی بادشاہی چھوڑ دی
کر دکھایا آپ نے پورا محمد کا پیام
راکبِ دوشِ نبی تھا، مصطفیٰ کا نُور تھا
فاش تیری ذات اقدس پر تھے سارے صبح و شام
تیری عظمت کم نہ کر پائیں گے بد باطن تیرے
نام تیرا ہر بلندی سے ہے اُونچا لاکلام
سلطنت گر چھوڑ دی لیکن حکومت ہے تیری
اے مرے نُورِ یقیں اے قبلہ گاہِ خاص و عام

(محمد احسن رضا)



مآخذ و مراجع

قرآن حکیم

احادیث مبارکہ کے جملہ مجموعے۔

بخاری شریف' مسلم شریف' ابن ماجہ شریف' نسائی شریف' ترمذی شریف' موطا امام مالک' مسند امام ابوحنیفہ' مسند امام احمد بن حنبل' مشکوٰۃ شریف

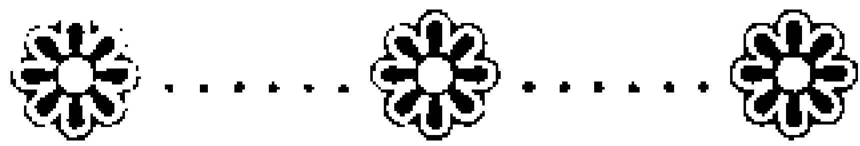
تاریخ اسلام	عبدالرحمٰن شوق	ملک دین محمد لاہور
تاریخ اسلام ۳ جلدیں	شاہ معین الدین ندوی	سعید کمپنی کراچی
تاریخ اسلام ۳ حصے	اکبر شاہ نجیب آبادی	نفیس اکیڈمی کراچی
مشاہیر اسلام	ڈاکٹر امیر حسن صدیقی	جمعیۃ الفلاح کراچی
محسن اعظم و محسنین	فقیر سیّد وحید الدین	لائن آرٹ پریس لاہور
حکایات خلفائے راشدین	سیّد نظر زیدی	احسن برادرز لاہور
ضیاء النبی ۷ جلدیں	پیر کرم شاہ الازہری	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
تاریخ اسلام	سیّد امیر علی	آئینہ ادب لاہور
تاریخ ابن خلدون (اوّل)	علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون	نفیس اکیڈمی کراچی
اردو دائرہ معارف اسلامیہ	دانش گاہ پنجاب	
اردو انسائیکلوپیڈیا		فیروز سنز لاہور
فضائل ابوبکر الصدیق	محمد علی علی المشاری	ملتان

سیرۃ الصدیق	عبدالرحیم داناپوری	کلکتہ
سیرت ابوبکر صدیق	علامہ محمد رضا	تاج کمپنی کراچی
سیرت صدیق	علامہ سیوطی	الماس پریس دہلی
ثانی اثنین	عبدالحلیم شرر	لکھنؤ
جہاد صدیق	جنرل محمد اکبر خان	فیروز سنز لاہور
عہد صدیقی	حافظ عماد الدین ابن کثیر	
عصر خلفائے راشدین	ڈاکٹر عبدالحمید	دارالمعارف مصر
الصدیق اکبر	محمد حسین ہیکل	مصر
سیّدنا عمر فاروق اعظم	محمد حسین ہیکل	مصر
طبقات کبیر	مترجم عبداللہ الحمادی	جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن
الفاروق	شبلی نعمانی	ایم ثناء اللہ خان
فقہ عمر	شاہ ولی اللہ دہلوی	ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
صدیق اکبر اور فاروق اعظم	ڈاکٹر طہٰ حسین	نفیس اکیڈمی کراچی
خلفائے راشدین	معین الدین ندوی	دارالمصنفین اعظم گڑھ
پچاس صحابہ سرور کائنات کے	طالب ہاشمی	البدر پبلی کیشنز اردو بازار لاہور
تاریخ اسلام	محمد عبداللہ ملک	اردو بازار لاہور
خلافت صدیق اکبر	مولانا ابراہیم چشتی	مکتبہ جمال کرم داتا دربار لاہور
خلافت بلافصل	غلام رسول غازی نقشبندی	مدینہ بک ڈپو نارووال
مسئلہ خلافت وشان صحابہ	قاری طیب نقشبندی	فرید بک سٹال اردو بازار لاہور
افضلیت شیخین	حافظ شفقات احمد	دربار حضرت کیلیانوالہ شریف
افضلیت سیّدنا صدیق اکبر	مفتی غلام سرور قادری	مکتبہ فریدیہ ساہیوال

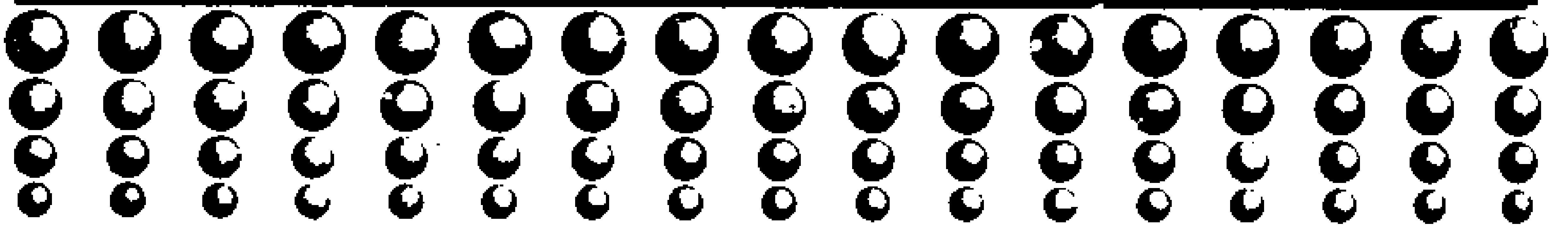
جمالِ صداقت	غلام حسین قمر یزدانی	رضا اکیڈمی لاہور
فضائل سیّدنا صدیق اکبر	حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری	
حضرت عثمان کا عہد تاریخ	خالد محمود	زاویہ پبلشرز داتا دربار لاہور
نور بصیرت	میاں عبدالرشید	غلام علی اینڈ سنز لاہور
خلفائے راشدین	مفتی جلال الدین امجدی	شبیر برادرز لاہور
سی سالہ خلافت راشدہ	معراج الدین نقشبندی	
حضرت علی کا دور خلافت	محمد علی نقشبندی	زاویہ پبلشرز داتا دربار لاہور
تذکرہ خلفائے راشدین	پروفیسر فضل الٰہی رشک	مکتبہ جمال کرم داتا دربار لاہور
صدیق کیلئے ہے خُدا کا رسول بس	پروفیسر حاجی فتح محمد نسیم	مکتبہ جمال کرم داتا دربار لاہور
شاہکار عدالت سیّدنا فاروق اعظم	پروفیسر حاجی فتح محمد نسیم	مکتبہ جمال کرم داتا دربار لاہور
شاہکار سخاوت سیّدنا عثمان غنی	پروفیسر حاجی فتح محمد نسیم	مکتبہ جمال کرم داتا دربار لاہور
شاہکار شجاعت سیّدنا علی المرتضیٰ	پروفیسر حاجی فتح محمد نسیم	مکتبہ جمال کرم داتا دربار لاہور
سیّدنا صدیق اکبر	غلام مصطفیٰ مجددی	قادری رضوی کتب خانہ لاہور
رفیق نبوت حضرت ابوبکر	ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی	مکتبہ جمال کرم داتا دربار لاہور
القول الجلی فی فضائل علی	پیر سیّد خضر حسین چشتی	شاہ چراغ اکیڈمی منڈی بہاؤالدین
خلفائے رسول	پیر سیّد خضر حسین چشتی	شاہ چراغ اکیڈمی منڈی بہاؤالدین
باب مدینۃ العلم مولیٰ علی	صاحبزادہ محب اللہ نوری	شاہ چراغ اکیڈمی منڈی بہاؤالدین
انوار الصدیق	ترجمہ سیّد محفوظ الحق شاہ	قادری کتب خانہ سیالکوٹ
مناقب صدیق	علامہ شمس الزماں قادری	مکتبہ شمسیہ رضویہ سمن آباد لاہور
مناقب فاروق	علامہ شمس الزماں قادری	مکتبہ شمسیہ رضویہ سمن آباد لاہور
مناقب عثمان	علامہ شمس الزماں قادری	مکتبہ شمسیہ رضویہ سمن آباد لاہور

خلفائے راشدین اور داتا گنج بخش	الحاج بشیر حسین ناظم	دارالفیض گنج بخش لاہور
تاریخ اسلام	عبدالحکیم خاں نشتر	کتاب منزل لاہور
تاریخ طبری	ابی جعفر طبری	نفیس اکیڈمی کراچی
سیرت الخلفاء	شیخ محمد خضری بک	قرآن محل لاہور
مشاہیر اسلام	ڈاکٹر ابراہیم حسن	پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی لاہور
فاروق اعظم نمبر	مدیر مجیب الرحمٰن شامی	ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور
صدیق اکبر نمبر	مدیر مجیب الرحمٰن شامی	ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور
عثمان غنی نمبر	مدیر مجیب الرحمٰن شامی	ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور
صدّیق اکبر نمبر	مدیر پیر محمد کرم شاہ الازہری و عابد نظامی	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
عمر فاروق نمبر	مدیر پیر محمد کرم شاہ الازہری و عابد نظامی	ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
تاریخ الخلفاء	جلال الدین سیوطی	پروگریسو بکس اردو بازار لاہور
خلفائے اربعہ	محمد عبدالحی فاروقی	قومی کتب خانہ لاہور
عشرہ مبشرہ	قاضی حبیب الرحمٰن	مکتبہ نذیریہ
الشیخان	ڈاکٹر طٰہٰ حسین	دارالمعارف مصر
مقالہ برائے ڈاکٹریٹ	ڈاکٹر محمد حمید اللہ	
طبقات ابن سعد		
الکامل فی التاریخ	ابن اثیر	
سیرت النبی	شبلی نعمانی سیّد سلیمان ندوی	دارالمصنفین اعظم گڑھ
البدایہ والنہایہ	حافظ ابن اثیر	
تاریخ اسلام ۴ جلد	مرتضٰی احمد خان میکش	تاج کمپنی لاہور
تاریخ اقوام عالم ۲ جلد	مرتضٰی احمد خان میکش	تاج کمپنی لاہور

خلیفہ اول حضرت ابوبکر	قاضی عبدالنبی کوکب	ٹیکنیکل پبلشرز اُردو بازار لاہور
خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق	قاضی عبدالنبی کوکب	ٹیکنیکل پبلشرز اُردو بازار لاہور
خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی	قاضی عبدالنبی کوکب	ٹیکنیکل پبلشرز اُردو بازار لاہور
خلیفہ چہارم حضرت علی المرتضٰی	قاضی عبدالنبی کوکب	ٹیکنیکل پبلشرز اُردو بازار لاہور
تاریخِ اسلام	پروفیسر شیخ محمد رفیق	سٹینڈرڈ بک ڈپو اُردو بازار لاہور
تاریخِ اسلام	سیّد مسعود حیدر بخاری	
تاریخِ اسلام	محمد عبداللہ ملک	قریشی برادرز اُردو بازار لاہور



انعام یافتہ ہستیاں



مصنف

پروفیسر محمد اکرم رضا

قادری رضوی کتب خانہ

روڈ لاہور 042-7213575